قرآن میں خواتین کے واقعات

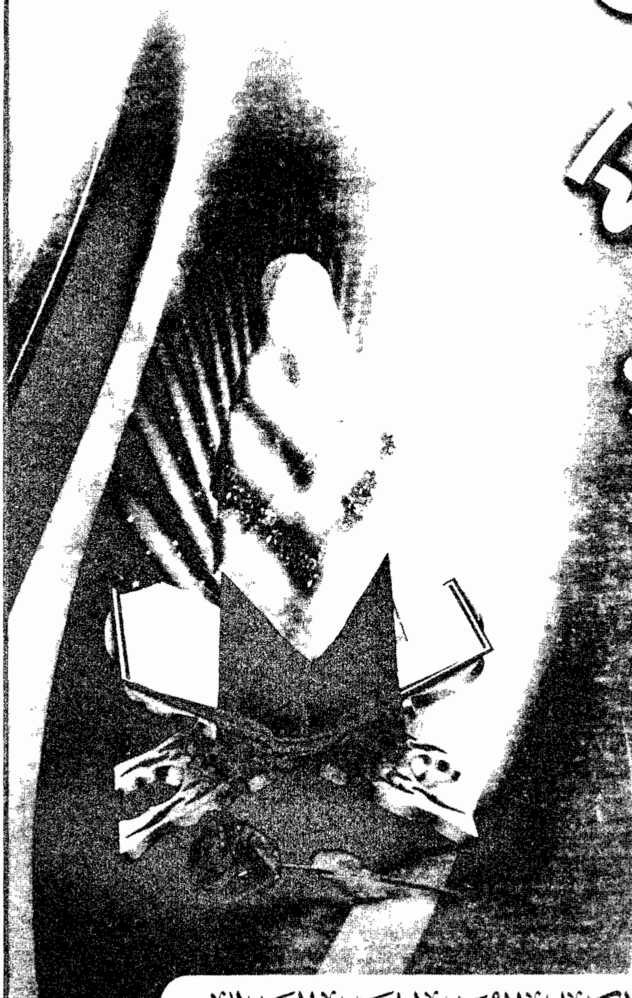


تألیف فضیلة الدکتور
محمد بن ناصر الحمید
الجامعة الاسلامیة - المدینة المنورة

ترجمہ
ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد حفظہ اللہ

دار الکتاب والسنة
DAR AL-KITAB WA AL-SUNNAT

قرآن میں خواتین کے واقعات



تالیف فضیلة الدکتور

محمد بن ناصر الحمید

الجامعة الإسلامية المدينة المنورة

ترجمہ

محمد زکریا زاہد

دار الكتاب والسنة للنشر الدولي

للتحقيق والتاليف والترجمة والنشر والطباعة

نام کتاب

قرآن میں خواتین کے واقعات

ناشر .... دارالکتاب والسنۃ

اشاعت اول .... مئی 2010ء

باہتمام .... حماد شاکر

مطبع .... شاکرین پرنٹرز لاہور

ملنے کے پتے

لاہور: المکتبہ السلفیہ 4 شیش محل روڈ لاہور:	042-37237184
دار الکتب السلفیہ اقراء سینٹر غزنی اسٹریٹ اُردو بازار لاہور	042-37361505
اسلامی اکیڈمی اُردو بازار لاہور	042-37357587
دار السلام اقراء سینٹر غزنی اسٹریٹ اُردو بازار لاہور	042-37120054
مکتبہ قدوسیہ غزنی اسٹریٹ اُردو بازار لاہور	042-37351124
مکتبہ اسلامیہ غزنی اسٹریٹ اُردو بازار لاہور	042-37244973
نعمانی کتب خانہ حق اسٹریٹ اُردو بازار لاہور	042-37321865
کتاب سرائے الحمد سینٹر غزنی اسٹریٹ اُردو بازار لاہور	042-37320318
اسلام آباد: دار السلام: ایف-10 مرکز اسلام آباد	051-2500237
المسعود اسلامک بک سینٹر کرن پلازہ اسلام آباد	051-2261356
کراچی: قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی	021-32627608
علمی کتاب گھر اُردو بازار کراچی	021-32628939
فیصل آباد: مکتبہ اسلامیہ کوتوالی روڈ فیصل آباد	041-2631204
مکتبہ اہل حدیث امین پور بازار فیصل آباد	041-2624007
پشاور: معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور	091-2214720
فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	061-4541809

دارالکتاب والسنۃ

فہرست مضامین

پہلا باب :

مردوں کی سب سے قریبی عورتوں کے واقعات

دوسرا باب:

قرآن میں عورتوں کے مختلف واقعات

سخن ناشر

سب طرح کی تعریفیں اور حمد وثنائے جمیل اس یکتا وتنہا اللہ رب العالمین کے لیے ہیں کہ جس نے انسان کو عدم سے وجود بخشا۔ پھر اسے عقل وشعور اور فہم و ادراک عطا کر کے تمام دنیاوی مخلوقات پر فضیلت دے دی۔ وہی خالق کائنات ہر طرح کی تسبیح وتحمید کے لائق ہے کہ جس نے انسانوں میں سے بھی مرد اور عورتیں بنائیں اور پھر اپنی خاص حکمت و دانائی، اعلیٰ ترین علم ومعرفت کے پیش نظر مردوں کو عورتوں پر دنیا کے بہت زیادہ کاموں میں فضیلت دی۔ چنانچہ اس ضمن میں اللہ رب العالمین کا فیصلہ کن ارشادِ گرامی یوں ہے، فرمایا:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ (النساء: ٣٤)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ (ایک تو) اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بڑائی دی ہے۔ اور (دوسرے یہ کہ) مرد عورتوں پر اپنے اموال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو نیک بخت صالح عورتیں ہیں وہ مردوں کی فرماں بردار اور ان کی غیر موجودگی میں (اپنی عزت اور خاوند کے مال کا) تحفظ کرتی ہیں، اس چیز کے ساتھ کہ جس سے اللہ عزوجل نے حفاظت فرمائی ہے۔'' (یعنی ایسا وہ اللہ کریم کا حکم سمجھ کر کرتی ہیں۔)

شریعت مطہرہ، دین حنیف اسلام نے خانگی شیرازہ بندی کے لیے مرد کو گھر کا قوام، نگران و ذمہ دار قرار دیا ہے اور عورت کو اس کے ماتحت رکھا ہے۔ یہی حکم حکومتی و اجتماعی اُمور کا ہے کہ مسلمانوں کا حاکم، امیر اور خلیفہ عورت نہیں بلکہ مرد ہو۔ حدیث صحیح میں نبی مکرم ﷺ نے اس بارے میں مذمت کی ہے کہ مسلمانوں کی حاکم کوئی عورت ہو۔ فرمایا:

((لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَ لَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً.)) ❶

''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی کہ جس نے اپنا حکمران کسی عورت کو بنا لیا ہو۔''

مزید برآں عورت فطرتاً بھی ایسے اُمور کی متحمل نہیں ہو سکتی جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ جو لوگ اعتدال و اسلام

---

❶ صحيح بخاري، باب المغازي، حديث: ٤٤٢٥.

کی راہ چھوڑ کر خواہ مخواہ یورپی شور وغوغا اور گمراہی وضلالت کی راہوں والی لکیروں کو پیٹ رہے ہیں، تو حقیقت یہ ہے کہ:

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ اُمومت
ہے حضرتِ انسان کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
اسی بحث کا فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادئ نسواں کہ زمرد کا گلو بند؟

ہمارے ہاں عجمی معاشروں میں یورپ سے متاثرہ ''تحریک آزادی نسواں'' کا ایک عرصہ سے جو شور ہے تو اس کا سبب بھی شاعر نے کیا خوب بیان کیا ہے:

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ! بے چاروں کے اعصاب پر عورت ہے سوار
چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ، بدن کو بیدار

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو بھی مسلمان عورت ایسی گمراہ کن تحریکوں کا شکار ہو کر اپنے مقامِ نسوانی کو بھول بیٹھی وہ ہمیشہ شیطان نما بدکردار انسانوں (مردوں) کا شکار ہو کر رہ گئی۔ پھر اسے ایسی غلیظ راہوں پر چلا دیا جاتا ہے کہ وہ پوری زندگی سکون تلاش کرنے میں گزار دیتی ہے مگر نہ اُسے روح کی تسکین حاصل ہو پاتی ہے اور نہ ہی اطمینان وسکون۔

اسلام ایک معزز ترین نظامِ حیات اور اعتدال کی راہ والا دین فطرت ہے۔ دنیا جہان کے تمام مذاہب و ادیان سے ارفع واعلیٰ اس دین فطرت نے عورت کو جو مقام ومرتبہ عطا کیا ہے ایسا وقار کوئی دوسرا مذہب صنف نازک کو ہرگز نہیں دے سکا۔ قرآنِ حکیم اور مرفوع احادیث مبارکہ میں سیکڑوں شواہد و دلائل اس ضمن میں موجود ہیں۔ یقین جانیے! اگر مسلمان عورت اپنے مقام کو پہچان لے اور اپنے لیے اُسوۂ حسنہ ان اللہ کی صالحہ بندیوں کو

بنا لے کہ جن کی پاک سیرتوں کا تذکرہ قرآن واحادیث اور سیرت وتاریخ کی کتابوں میں موجود ہے تو اسے یقیناً معلوم ہو جائے کہ ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ﴾ (آل عمران : ٣٦) ''اور (بعض اُمور میں) مرد عورت کی مانند نہیں ہوا کرتا۔''......اور یہ کہ:

شرف میں بڑھ کر ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شف ہے اُسی دُرج کا دُرِ مکنون

آپ کے ہاتھوں میں الجامعۃ الاسلامیۃ مدینہ منورہ (Islamic University of Medina Monawra) سے خواتین کے ہی موضوع پر P.H.D کی سند حاصل کرنے والے جناب ڈاکٹر محمد بن ناصر الحمید حفظہ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب ''قرآن میں عورتوں کے واقعات'' اس موضوع پر ایک شاہکار تحریر ہے۔ عربی میں اس مقالہ کا اصل نام ''قَصَصُ النِّسَاءِ فِي القُرآنِ الكَرِيمِ وَالدُّروسُ والعِبَرُ والأَحْكَامُ الْمُسْتَفَادَةُ مِنْهَا .'' ہے۔ یہ موضوع چونکہ نہایت اہمیت کا حامل ہے اور یہ کہ مصنف حفظہ اللہ نے جس اہتمام وعرق ریزی کے ساتھ اس عنوان پر اپنے مقالہ میں محنت کی ہے (کہ جسے ہمارے ہی ادارہ ''دار الکتاب والسنۃ، الریاض'' نے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔) تو اس کے اُردو ترجمہ میں ایسے ہی کسی تجربہ کار، ماہر اور عالم شخصیت کے انتخاب کی ضرورت تھی کہ جن کے ترجمہ سے موضوع ہذا کو چار چاند لگ جائیں۔ چنانچہ ہم نے اس خدمت کے لیے بیسیوں کتابوں کے مصنف ومترجم، شارح مؤطا امام مالک (باسم ''قولِ ثابت اُردو شرح مؤطا الامام مالکؒ '') اوراس وقت منطقۃ مدینہ منورہ/ محافظۃ ینبع میں وزارۃ شئون اسلامیہ/مملکت سعودیہ کے مترجم وداعی الشیخ/ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد حفظہ اللہ سے ملاقات کر کے ان سے اس ذمہ داری کے لیے وقت لیا گیا۔ اُردو دان طبقہ میں موصوف ترجمہ وتصنیف کے حوالے سے صاحب قبول واحترام ایک معروف شخصیت ہیں۔ اللہ عزوجل اُن کے علم وعمل میں برکت دے۔ سچی بات ہے کہ موصوف ترجمہ میں جان پیدا کر دیتے ہیں۔ اُن کی کسی بھی ترجمہ شدہ کتاب کا پڑھنے والا یوں محسوس کرتا ہے کہ یہ کتاب جیسے لکھی ہی اُردو زبان میں گئی ہے۔ مترجم موصوف حفظہ اللہ جہاں مزید وضاحت اور تشریح کی ضرورت محسوس کرتے ہیں وہاں حواشی کے ذریعے قارئین کی علمی وادبی تشنگی دُور کرنے کے لیے خوب لکھتے ہیں۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ .

انتہائی نا قادری وناسپاسی ہوگی اگر ہم کتاب ہذا ''قرآن میں عورتوں کے واقعات'' کی کتابت، ترتیب، تزئین اور زیبائش میں لاہور (پاکستان) کے ادارے ''مکتبۃ الکتاب '' کا شکریہ ادا نہ کریں کہ جس کے مدیر ومنتظم محترم عبدالرؤف صاحب نے خوب اس کتاب کی تزئین وآرائش، نستعلیق ونسخ اور دیگر کتابت کے

خطوط (Fonts)، طغروں اور ادبی اُسلوب کے اعلیٰ چناؤ میں اپنے فنی ذوق کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے، ہر صفحہ کے راسیہ (Header)، حسب اُسلوب اُردو ابواب وفصول کے آغاز، ہر عنوان کے اختتام پر پھولوں اور بیلوں کے انتخاب، حواشی کے خطوط کا الگ انتخاب اور ہر طرح کی زیبائش احسن کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔

بعینہ میں جامعہ پنجاب (Punjab University-Lahore) لاہور سے P.H.D ڈاکٹر منیر احمد حفظہ اللہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کتاب کی ترتیب وتزئین اور تہذیب ونظر ثانی میں اپنی ماہرانہ آراء سے نوازا۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ .

ہم اپنی اُن اہل ایمان بہنوں کی خصوصی توجہ کتاب ہذا کی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ جو اُردو پڑھنا جانتی ہوں: وہ اس کتاب سے خود بھی خوب استفادہ کریں اور اپنی حلقہ احباب والی بہنوں، سہیلیوں اور رشتہ داروں کو یہ کتاب پڑھنے اور اپنے بچوں، بچیوں کو پڑھانے کی ترغیب دلائیں۔

لیجیے جناب! یہ شاہکار آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کا مطالعہ خود بھی کیجیے اور دوسروں کو بھی اس کے مطالعہ کی دعوت دیجیے۔ کتاب ہذا میں سے کوئی بھی بات جب دل پر اثر کرے تو مصنف، مترجم، مراجع اور ناشر کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا۔ ہماری دُعا ہے کہ:

بارشِ ابرِ کرم ان کے معاصی دھوئے
جو ہمارے لیے اس وقت دعا خواں ہوں گے

وَجَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرًا

أخوكم فى الله

ابو سلطان / ارشد بیگ مغل

دار الكتاب والسنة

الریاض، مملکت سعودی عرب

۱۲/ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

قولِ مترجم

اے رب کریم والٰہی العالمین!

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا
اک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا

....

مقدورِ بشر کب ہے تری حمد سرائی
کیا قطرۂ ناچیز سے اوصاف ہو یم کا

تمام کی تمام اعلیٰ وارفع تعریفات، حمدات وتوصیفات اور ستائش وتمجیدات صرف اور صرف ایک اللہ رب العالمین اور یکتا وتنہا خالق کائنات، اللہ رب العرش الکریم کے لیے ہیں کہ جس نے بغیر کسی مدد ومعاون، بغیر کسی ساجھی وشریک اور بغیر کسی مشیر وصلاح کار کے اکیلے وتنہا سب کائنات کو پیدا فرمایا اور ہر ہر چیز کے ہر ہر حصے کا نظام اور تدبیراتی اختیار اپنے ہی پاس رکھا ہے۔ چنانچہ اللہ خالق ارض وسما وبینہما بیان فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا شَفِيْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ٥ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ٥﴾

(السجدہ: ٤، ٥)

''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا، اس کے سوا تمھارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ وہ آسمان سے زمین تک (ہر) معاملے کی تدبیر کرتا ہے، پھر وہ (معاملہ) اس کی طرف ایسے دن میں اوپر جاتا ہے جس کی مقدار ہزار سال ہے، اس (حساب) سے جو تم شمار کرتے ہو۔''

اسی اللہ ذوالجلال والاکرام نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا o﴾ (النساء: ١)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں سے بھی، بے شک اللہ ہمیشہ تم پر پورا نگہبان ہے۔''

اس آیت کریمہ سے دو باتیں بالخصوص معلوم ہوئیں؛ (۱)...... پوری کی پوری بنی نوع انسانی ایک ابوالبشر آدم علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن ہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَاظُمَهَا بِآبَائِهَا...... وَالنَّاسُ بَنُوْ آدَمَ وَخَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (الحجرات: ١٣))) ❶

''لوگو! بے شک اللہ عزوجل نے تم لوگوں سے جاہلیت والا عیب (جاہلانہ روشن خیالی) اور اپنے آباؤ و اجداد پر فخر کرنے اور بڑائی جتانے والا عیب ختم کر دیا ہے...... (پھر مزید گفتگو کے بعد ارشاد فرمایا:) اور لوگ سب کے سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اللہ رب العالمین نے آدم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

(۲)...... دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ کریم نے اسی ایک نفس (آدم علیہ السلام) سے اُس کا جوڑا سیّدہ

❶ جامع ترمذی، كتاب التفسير، باب ومن سورة الحجرات، حديث: ٣٢٧٠.

حواء رضی اللہ عنہا کو پیدا فرمایا۔ چنانچہ اسی بات کو اللہ کریم نے ایک اور مقام پر یوں بیان فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ (الاعراف: ۱۸۹)

''وہی ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ وہ اس کی طرف (جا کر) سکون حاصل کرے، پھر جب اس نے اس (عورت) کو ڈھانکا تو اس نے ہلکا سا حمل اٹھا لیا، پس اسے لے کر چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ بھاری ہوگئی تو دونوں نے اللہ سے دعا کی، جو ان کا رب ہے کہ بے شک اگر تو نے ہمیں تندرست بچہ عطا کیا تو ہم ضرور ہی شکر کرنے والوں سے ہوں گے۔''

پھر جب اللہ خالق کائنات نے زمین میں بنی نوع انسان کو آدم وحواء علیہما السلام سے پھیلانا شروع فرمایا تو انہی دونوں سے آگے مرد بھی پیدا فرمائے اور عورتیں بھی۔ مردوں کے ساتھ جہاں عورتوں کے دیگر رشتے قائم کیے (ماں، بہن، پھوپھی، خالہ، دادی، نانی اور بیٹی وغیرہ کے) وہاں اُس نے عورتوں کے ساتھ مردوں کے ازدواجی رشتے کو بھی قائم کیا۔ چنانچہ اللہ رب العالمین اپنے اس احسان کو مردوں پر جتلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ (الروم: ۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہی سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان کی طرف (جا کر) آرام پاؤ اور اس نے تمھارے درمیان دوستی اور مہربانی رکھ دی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں۔''

یعنی مرد اپنی فطرت کے تقاضے عورت کے پاس جا کر کہ جو اُس کی بیوی ہو، پوری کرے اور عورت اپنی فطرت کے تقاضے اپنے خاوند مرد کے پاس جا کر پورے کرے اور اس طرح اللہ کریم کے حکم و اذن کے مطابق دونوں مل کر سکون واطمینان حاصل کریں۔

انسانی معاشرے میں عورتوں کا تعلق شروع سے ہی مردوں کے ساتھ درج ذیل رشتوں اور قرابت داریوں کی بنا پر رہا ہے۔ مرد، عورت کا کسی رشتے میں: (۱)...... دادا، (۲)...... کسی رشتے میں: نانا، (۳)...... کسی رشتہ

میں : باپ ، (۴)...... کسی رشتہ میں : چچا ، (۵)...... کسی رشتہ میں : ماموں ، (۶)...... کسی رشتہ میں : بیٹا ، (۷)...... کسی میں بھتیجا ، (۸)...... کسی میں بھانجا ، (۹)...... کسی رشتہ میں پوتا ، (۱۰)...... کسی رشتہ میں : نواسا اور (۱۱)...... کسی تعلق و رشتہ میں : خاوند ہوتا ہے۔ (دادا اور نانا سے اوپر والے ان کے باپ دادا بھی اُسی حکم میں آتے ہیں اور پوتا و نواسا سے نیچے والے بھی اسی حکم میں) دُنیا میں ان رشتوں اور قرابت داریوں کے علاوہ (سوائے رضاعت والے رشتوں کے) جتنے بھی مرد ہیں وہ سب ایک مسلمان عورت کے لیے غیر محرم ہوتے ہیں چاہے اُن کے ساتھ درمیان میں کسی رشتہ وقرابت داری کی وجہ سے خاندانی تعلق کیوں نہ بنتا ہو۔ جیسے کہ: (۱)...... تمام دیور ، جیٹھ۔ (۲)...... چچی کے تمام سگے، قریبی رشتہ دار بھائی۔ اوران کے بیٹے۔ (۳)...... بہنوئی۔ (۴)...... خالو، خالو کے تمام بھائی اور اس کے بیٹے۔ (۵)...... تمام چچاؤں کے بیٹے۔ (۶)...... تمام پھوپھیوں کے بیٹے۔ (۷)...... تمام خالاؤں کے بیٹے۔ (۸)...... تمام ماموؤں کے بیٹے۔ اوران کے علاوہ جتنے بھی دیگر مرد ہیں وہ سب کے سب مسلمان عورت کے غیر محرم ہوتے ہیں کہ جن سب سے پردہ کرنا واجب ہے۔ چاہے ان لوگوں سے قبیلہ وقوم کے اعتبار سے یا ملک اور زبان کے اعتبار سے معرفت و جان پہچان ہو یا نہ ہو۔ البتہ غلام یا گھروں کے وہ خدام کہ جو بہت زیادہ بڑھاپے اور عقلی کمزوری کی وجہ سے عورت کے قابل نہ رہے ہوں اور دوسرے نابالغ بچوں کو شریعت نے اس حکم سے مستثنا قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں اللہ عزوجل ، رب العالمین و الٰہ العالمین کا حکم اس طرح ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ اَوْ آبَائِهِنَّ اَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ

جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (النور: ۳۰، ۳۱)

''مومن مردوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور مومن عورتوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے، یا اپنے باپوں، یا اپنے خاوندوں کے باپوں، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں، یا اپنے بھائیوں، یا اپنے بھتیجوں، یا اپنے بھانجوں، یا اپنی عورتوں (کے لیے)، یا (ان کے لیے) جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں، یا تابع رہنے والے مردوں کے لیے جو شہوت والے نہیں، یا ان لڑکوں کے لیے جو عورتوں کی پردے کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے اور اپنے پاؤں (زمین پر) نہ ماریں، تاکہ ان کی وہ زینت معلوم ہو جو وہ چھپاتی ہیں اور تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

دوسری طرف مردوں کو اس ضمن میں حکم یوں فرمایا ہے:

﴿وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا وَ سَآءَ سَبِيْلًا ○ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○﴾ (النساء: ۲۲، ۲۳)

''اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمھارے باپ نکاح کر چکے ہوں، مگر جو پہلے گزر چکا، بے شک یہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی اور سخت غصے کی بات ہے اور برا راستہ ہے۔ حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور

بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری دودھ شریک بہنیں اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور تمھاری پالی ہوئی لڑکیاں، جو تمھاری گود میں تمھاری ان عورتوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو، پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو، مگر جو گزر چکا۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

فائدہ:......(۱) قرآن نے چودہ ناتے حرام قرار دیے سات نسبی اور سات رضاعی۔ سسرال وغیرہ کی جانب سے۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہ)

(۲) یہاں تک سات نسبی رشتوں کی حرمت کا بیان تھا ماں کے حکم میں نانی اور دادی بھی شامل ہیں اور بیٹی کے حکم میں پوتی اور نواسی بھی آ جاتی ہیں اور بہن سگی ہو یا علاتی یا اخیافی بہر حال حرام ہے اور پھوپھی میں دادا کی بہن بھی داخل ہے اور خالہ کا لفظ ماں نانی، دادی سب کی بہنوں کو شامل ہے اور بھتیجی اور بھانجی کے حکم میں پوتی اور نواسی بھی آ جاتی ہیں۔ (قرطبی)

(۳) نسبی ماں اور بہن کی طرح رضاعی ماں اور بہن بھی حرام ہے۔ ایک حدیث میں ہے ہر وہ رشتہ جو نسب سے حرام ہے رضاعت سے بھی حرام ہو جاتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ قرآن نے مطلق رضاعت کو حرمت کا سبب قرار دیا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے سگی پھوپھی، بھتیجی اور سگی خالہ، بھانجی کو بیک وقت نکاح میں رکھنے سے منع فرمایا ہے اور رضاعی رشتہ سے قریبی محرم عورتوں سے نکاح کو بھی۔ اس حوالے سے تفصیل صحیح البخاری، فتح الباری، صحیح مسلم، شرح نووی، جامع الترمذی پر شرح تحفۃ الاحوذی، تفسیر الطبری، مغنی ابن قدامہ، نیل الاوطار اور دیگر فقہ کی کتب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ہمارا مقصود یہاں مذکور بالا رشتہ داریوں کے احکام و مسائل اور وراثت کے حصے وغیرہ بیان کرنا ہر گز نہیں بلکہ ہمارا مطلوب یہاں کچھ اور ہے جو آگے بیان ہونے والا ہے۔

چنانچہ یہ بات سو فیصد سے بھی زیادہ حق، سچ ہے کہ تاریخ اسلامی کے تمام ادوار میں جب بھی اور جس وطن، ملک میں بھی اللہ عزوجل کے دین حنیف، اسلام و شریعت مطہرہ کے اوامر و احکام کے مطابق مرد اور عورت کے مابین قرآن و سنت کے مقرر کردہ رشتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے مسلمان عورت کا اُس کے مرتبہ و مقام کے مطابق

اُس کا آدر و احترام کیا گیا اسی قدر اُس دور اور اس ملک میں انسانی معاشرہ صالح، جرائم سے پاک، پر امن اور باوقار رہا۔ پھر جب بھی اس ضمن میں کسی ملک اور کسی دور کے مسلمانوں میں قرآن وسنت والی شریعت مطہرہ سے بغاوت کرتے ہوئے نسوانی اقدار کو پامال کیا گی ا، وہاں اُس دور میں ہر جگہ فساد عام ہوا، بدامنی پھیلی اور عزت و وقار ختم ہو گئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ اسلامی میں مسلم معاشرے کو گدلا کرنے کے لیے اکثر غیر اسلامی رسوم ورواج، فیشنوں اور بے پردگی والے نظریات وتہذیبی اقدامات نے بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ اس کا آغاز کہاں سے ہوا؟ اس کے جواب میں آیئے درج ذیل حدیث مبارکہ کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں۔

سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَإِنَّ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا ، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ .)) [1]

''بلاشبہ دنیا (ظاہر میں) نہایت (میٹھی) اور سرسبز وشاداب ہے۔ اللہ عزوجل تمہیں دنیا میں حکومتیں عطا کرنے والا ہے۔ چنانچہ وہ دیکھے گا کہ (اس وقت) تم کیسے (صالح، نیک) عمل کرتے ہو۔ اس لیے دنیا سے بچ کر رہنا (یعنی ایسی دنیا سے جو اللہ کریم سے غافل کر دے۔) اور عورتوں کے متعلق بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا۔ اس لیے کہ بنو اسرائیل (یہود ونصاریٰ) میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں سے (ان کے رشتوں اور حرمت و وقار کی پامالی کی وجہ سے) شروع ہوا تھا۔''

یہ جو کہا جاتا ہے کہ: اگر کسی عورت کی اصلاح ہو جائے تو جانیے کہ پورے خاندان کی بلکہ پوری ایک نسل کی اصلاح ہو گئی، تو اللہ کی قسم! یہ بات سو فیصد درست ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی سو فیصد سچ ہے کہ: دنیا کے ہر بڑے آدمی کو سارے جہان میں معزز ومکرم بنانے، نیک نامیک وشہرت دلوانے اور اعلیٰ درجہ تک پہنچانے کے لیے کسی عقل مند، دانا اور سگھڑ عورت کا ساتھ، ہاتھ اور تعاون ضرور رہا ہے۔ تیسری بات یہاں پر یہ کہنے اور جاننے والی ہے کہ دنیا میں ہر انسان کسی نہ کسی سے سیکھتا ضرور ہے بلکہ انبیا کرام علیہم السلام کے علاوہ باقی تمام لوگ پوری زندگی سیکھنے اور سکھانے کا عمل جاری رکھتے ہیں۔ سیکھنے اور سکھانے کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ پھر یہ کہ جن لوگوں کے مربی واستاد اور اُن کے آئیڈیل جس مرتبہ ومعیار علمی وعملی پختگی وکمزوری والے ہوتے ہیں، اُن سے سیکھنے والوں اور انہیں نمونہ بنانے والوں کی اپنی زندگیوں کا عملی کردار بھی اُسی طرح کا ہی ہوتا ہے۔ لاکھوں

[1] صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب أکثر أهل الجنة الفقراء وأکثر اهل لانار النساء و بیان الفتنة بالنساء، حدیث: ٦٩٤٨.

مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

ہر مسلمان کے لیے اس کے سب سے بڑے ہادی و راہنما اور مرشد اعظم، سیّد الانبیاء والرسل، محمد رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل فرمانِ گرامی کے پیش نظر یہاں پر سب سے زیادہ توجہ طلب چوتھی بات یہ ہے کہ:

اپنی زیر کفالت وزیر سر پرستی مذکور بالا رشتوں سے تعلق رکھنے والی تمام عورتوں، بچیوں اور بیبیوں کی تربیت وتعلیم اور اصلاح وخیر خواہی والا فریضہ وہ واجب الامر معاملہ ہے کہ جسے آج ہم بہت حد تک بھلا بیٹھے ہیں۔ ہمارے مسلم معاشرے کی اخلاقی حالت بنو اسرائیلی والحادی اور مشرکانہ اقدار کو اپنا کر جو ہو چکی ہے وہ تمام اہل غیرت مسلمانوں پر عیاں ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خود سماعت کیا، رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ فِي مَالِ أَبِيهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.)) ❶

''تم میں سے ہر فرد ایک طرح کا حاکم ہے اور اس کی (زیر سر پرستی) رعیت کے بارے میں اس سے سوال ہوگا۔ پس مسلمانوں کا حاکم، امیر المسلمین، امام حاکم ہے اور اس کی رعیت کے بارے میں اس سے سوال ہوگا۔ ہر آدمی اپنے گھر کا ذمہ دار، سربراہ اور حاکم ہے، اس سے اس کی (زیر سر پرستی) رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار، حاکمہ ہے، اس سے اس کی (زیر نگرانی) رعیت (اس کی اولاد اور خادماؤں) کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے والد کے مال کا حاکم و ذمہ دار ہوتا ہے، اس سے اس کی رعیت (اس کی زیر نگرانی مال) کے بارے میں سوال ہوگا۔ اس طرح تم میں سے ہر شخص ذمہ دار اور حاکم ہے اور ان میں سے (اے مسلمانو!) ہر شخص سے اُس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔''

آیئے یہاں پر ایک اور مسلمہ اُصول جیسی بات کا بھی مختصر سا جائزہ لے لیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ؛ مرد ہو یا

❶ صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب "العبد راع فی مال سیّدہ...... الخ"، حدیث: ۲۴۰۹

عورت، بچہ ہو یا جوان، عربی ہو یا عجمی، پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ، نا خواندہ...... دنیا کا ہر فرد، کہانی، واقعہ اور قصہ کو سننا اور پڑھنا پسند کرتا ہے۔ چاہے یہ واقعہ وقصہ زمین کے جغرافیائی تذکرے سے متعلق ہو یا تخلیق کائنات کے بارے میں یا انسانوں کے متعلق ہو، لوگ دلچسپی سے سنتے، سناتے اور پڑھتے ہیں۔ چنانچہ انسانوں کی سیرتوں، کرداروں اور واقعات وقصص کے حوالے سے اس ضمن میں جو بات سب سے زیادہ فائدہ مند دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ؛ جس شخصیت کے بارے میں واقعہ وقصہ بیان کیا جا رہا ہو، وہ شخصیت جس قدر دوسرے لوگوں سے زیادہ باکردار، متقی، علم میں پختہ، عقیدہ وعمل میں مضبوط، استقامت کی راہ میں نہایت مستقل مزاج، دوسروں کے لیے ایثار وقربانی والی، نہایت تجربہ کار اور صبر وتدبر میں کمال کو پہنچی ہوئی ہوگی اسی قدر اس کی سیرت کا اثر لوگ زیادہ قبول کریں گے اور اُسی شخصیت جیسا بننے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

اس بات کو دوسرا حصہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے ہم اہل ایمان واسلام کے لیے اسی مذکور بالا فطری ضرورت ودلچسپی کے مدنظر کچھ لوگوں کے واقعات وقصص بیان کیے ہیں۔ اور اُن کے بیان سے کچھ مقاصد بھی بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ بنو اسرائیل کے ایک شخص بلعم بن باعورا (یا پھر عرب کے ایک مشہور عالم شرائع متقدمہ اُمیہ بن ابی الصلت) وغیرہ کا نام لیے بغیر اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

﴿ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾

(الاعراف: ۱۷۶)

''یہی مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ تو اے ہمارے حبیب وخلیل پیغمبر! یہ واقعات وقصص ان لوگوں (عرب والوں) کو سناؤ تا کہ وہ غور وفکر کریں۔'' (کہ ہم بھی اگر پہلے جیسے لوگوں کی راہ پر چلیں گے تو ہمارا انجام بھی ضرور ویسا ہی ہوگا۔)

اس ضمن میں ایک اور مقام پر اللہ رب العالمین نے واقعات وقصص کے ذریعے حاصل ہونے والے چار فوائد بیان کیے ہیں:

۱۔ مومن آدمی کے دل کا مضبوط ہو جانا۔

۲۔ یوں حق بات کا پہنچ جانا۔

۳۔ اہل ایمان کے لیے نصیحت اور

۴۔ مسلمانوں کے لیے عبرت کا سبق۔

چنانچہ فرمایا:

﴿وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ o﴾ (هود: ١٢٠)

''اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے ہر وہ چیز تجھ سے بیان کرتے ہیں جس کے ساتھ ہم تیرے دل کو ثابت رکھتے ہیں اور تیرے پاس ان میں حق اور مومنوں کے لیے نصیحت اور یاددہانی آئی ہے۔''

سورۂ یوسف میں اللہ عزوجل نے جناب یعقوب بن اسحاق، یوسف بن یعقوب اور دیگر اولادِ یعقوب (بنو اسرائیل) کا مفصل ذکر کر کے آخر میں فرمایا کہ:

﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ o﴾

(يوسف: ١١١)

''بلاشبہ یقیناً ان کے بیان میں عقلوں والوں کے لیے ہمیشہ سے ایک عبرت ہے، یہ ہرگز ایسی بات نہیں جو گھڑ لی جائے اور لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔''

یعنی قرآن حکیم میں اللہ کے پیغمبروں اور گزشتہ قوموں کے قصص و واقعات کو بیان کرنے کا مقصد عقلمند لوگوں کے لیے عبرت و نصیحت مہیا کرنا ہے۔ اس لیے کہ؛ قرآنِ عظیم میں اس طرح کے واقعات وقصص کے بیانات نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کے اپنے تخلیق کردہ تصوراتی قصے کہانیاں نہیں ہیں بلکہ یہ تو عین سچے حقائق و واقعات ہیں کہ جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے من وعن پورے کا پورا صحیح صحیح بیان فرمایا ہے۔ ان واقعات وقصص اور سیرتوں کے بیان میں اہل ایمان، مسلمانوں کے لیے ہدایت و راہنمائی بھی ہے اور ان کے لیے ان واقعات میں رحمت بھی۔ کہ جب وہ ان قصص کو پڑھ کر اپنے عقیدہ وعمل کو درست کرتے ہوئے راہِ حق پر استقامت اختیار کریں گے تو اُن پر اللہ رب العالمین کی رحمتیں نازل ہوں گی۔

آپ کے ہاتھوں میں الجامعہ الاسلامیہ مدینہ منورہ (Islamic University Madeena) سے P.H.D کی سند حاصل کرنے والے ڈاکٹر محمد بن ناصر الحمیّد حفظہ اللہ (موصوف جامعہ مذکورہ میں استاذ Professor کے عہدے پر فائز ہیں) کی کتاب ''قِصَصُ النِّسَاءِ فِي الْقُرْآنِ...... وَالدُّرُوْسُ وَالْعِبَرُ

وَالْاَحْكَامُ الْمُسْتَفَادَةُ مِنْهَا" کا اُردو ترجمہ ''قرآن میں خواتین کے واقعات'' مذکور بالا مقاصد عظیمہ کے پیش نظر لکھی گئی وہ شاہکار تحریر ہے کہ جسے اُردو دان ہر مسلمان گھر میں ضرور ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ؛

ا..... کتاب ہذا کو مسلم طالبات کے لیے بالخصوص اور باقی تمام عورتوں کے لیے بالعموم اس نظریہ کے تحت لکھا گیا ہے کہ وہ اس کتاب میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کی مومن و صالحہ بندیوں کی سیرتوں اور اُن کے واقعات کے مطالعہ سے اپنا آئیڈیل دنیا کی عظیم ترین ان خواتین محترمات کو بنائیں، تاکہ وہ خود بھی دوسروں ک یلیے ایک ''صالحہ مسلمان عورت'' کی حیثیت سے بہترین نمونہ بن سکیں۔

ب..... ٹیلیوژن کے سامنے بیٹھ کر یا جھوٹے قصے کہانیاں پڑھ کر اپنا وقت برباد کرنے والی مسلم خواتین اور مومن و مسلم طالبات کے لیے اس کتاب میں دلچسپ واقعات بھی ہیں اور اُردو ادب کے لیے بہترین عبارتیں اور اسباق و دروس بھی۔ اس لیے کہ اُردو ترجمہ میں ہم نے ادبی چاشنی کا لحاظ خوب رکھا ہے۔

ج..... کتاب ہذا میں ''اللہ عزوجل کی مومنہ و صالحہ بندیوں'' کے ساتھ ساتھ کچھ بد اخلاق و بد کردار اور بیوقوف، کم عقل عورتوں کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں تاکہ مسلمان عورتیں اپنے نہایت اُجلے اسلامی سیرت والے لباس کو اس طرح کے اوچھا پن، بے قوفی و بدکرداری اور بد اخلاقی والے بدنما دھبوں سے بچا سکیں۔

د..... قرآنِ حکیم نے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے بھی واقعات بیان کیے ہیں تاکہ مسلمان عورتیں اپنی اصلاح کے لیے ان واقعات سے نصیحت حاصل کریں۔ قرآنِ عظیم، اللہ رب العرش الکریم کی وہ کتاب ہے کہ جس کے سچا ہونے میں شک کرنے والا قطعاً مسلمان نہیں ہوتا۔ اس لیے اُردو جاننے، سمجھنے اور پڑھنے پڑھانے والی مسلمان خواتین اور بچیوں کو کتاب ہذا میں درج واقعات وقصص سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے انہیں بار بار پڑھنا چاہیے اور اس کتاب کو آگے پھیلانا چاہیے۔ کیونکہ اس کتاب میں درج سچے واقعات وقصص اللہ عزوجل کی سچی کتاب قرآن عظیم سے لیے گئے ہیں۔

ہمارے محترم ساتھی، بھائی ابو سلطان ارشد بیگ مغل صاحب نے اپنے ادارہ ''دار الکتاب والسنہ الریاض، مملکت سعودی عرب'' سے مذکورہ بالا عربی نسخہ کو چھاپا ہے۔ بعینہ اس کے اُردو ترجمہ ''قرآن میں عورتوں کے واقعات'' کو اپنے اسی ادارہ سے چھاپ کر اس کی نشر و اشاعت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے کتاب مذکور بالا کا یہ اردو ترجمہ بھی اُنہی کے حکم سے کیا ہے۔ مصنف، مترجم اور ناشر سمیت ہم سب کا اوّلیں مقصد ایسی تحریروں کے ذریعے مسلم معاشرے کی اصلاح کے ساتھ اللہ کریم کی رضا کا حصول ہے۔ ثانیاً ایسی کتابوں سے ہمارا مقصود آج کل کی

نئی پود کو صراطِ مستقیم والا صحیح منہج اور حق والی راہ کی طرف راہنمائی کرنے والا اسلوب دینا ہے۔ اگر ہم اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو پائے ہیں تو یہ خاص اللہ رب العالمین کی توفیق سے تھا اور جہاں کمی، کوتاہی رہ گئی ہے یا ہم سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہے تو یہ ہماری طرف سے انسانی کمزوری کے ناطے ہوا ہے، جس پر آپ کا ہمیں مطلع کرنا لازم ہے تاکہ آئندہ طباعت میں اس کی اصلاح ہو سکے۔

ہماری کسی دینی بہن یا کسی بھائی کو کتاب ہذا سے فائدہ پہنچے تو وہ ہمیں اپنی خاص دعاؤں میں ضرور یاد رکھے۔ اللہ عزوجل ہم سب کی عین قرآن وسنت کے مطابق اصلاح فرما کر ہماری آخرت کو نہایت بہتر بنا دے۔ ہم پر وہ راضی ہو جائے اور ہماری خطاؤں کو معاف کر دے۔ اللّٰھم آمین

اخوکم فی اللّٰہ

ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد

ینبع / منطقة المدينة المنورة

مقدّمہ

ہر قسم کی حمد وثنائے جمیل صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے کہ جس نے انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا اور پھر اس کی نسل ایک حقیر پانی کے خلاصے سے بنائی۔ ❶

اللہ عزوجل نے انسان کو پیدا کیا اور اُسے نہایت درست بنا دیا۔ اس نے اندازہ ٹھہرایا اور پھر اسے راہنمائی کر دی۔ ❷ (یعنی انسان میں جو صفات اور فوائد ہونے چاہئیں وہ اس میں اللہ کریم نے رکھنے کے بعد ظاہری طور پر بھی اس کی ساخت نہایت موزوں رکھی۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے آدمی کو خیر وشر اور سعادت و شقاوت کی دونوں راہیں بھی بتلا دیں۔)

ان گنت دُرود وسلام نبیٔ مصطفیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اطہر پر کہ جنہیں اللہ رب العالمین نے اہل ایمان وتقویٰ کو خوش خبری دینے والا، اہل کفر وعناد کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا، اللہ عزوجل کے حکم سے اس کی توحید خالص وشریعت مطہرہ کی طرف دعوت دینے والا اور نہایت روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ ❸ (کہ جس سے کفر وضلالت کی تاریکیوں میں ہدایت ملتی ہے۔)

اللہ رب کبریاء نے خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کے احکام (معجزات وشریعت) اور سچا دین (اسلام) دے کر بھیجا تا کہ اس دین حنیف کو دنیا کے ہر دین (اور ہر دستور وقانون) پر غالب کر دے۔ اگر چہ مشرکین (اور دنیا جہان کے سارے کفار وملحدین) بُرا کیوں نہ مانیں۔ ❹

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَمَنِ اهْتَدَى بِهَدِيْهٖ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا، امّا بعدُ!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خاص دانش مندانہ فیصلے کے تحت یہ چاہا کہ بنی نوع انسان کی پیدائش ...... سوائے تین افراد، آدم وحواء اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کے ...... مذکر اور مؤنث دونوں سے مل کر ہو۔ چنانچہ

❶ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں سورۃ السجدہ کی آیت نمبر ۷ اور ۸ میں بیان کیا گیا ہے۔
❷ دیکھئے: سورۃ القیامۃ: ۳۸ وسورۃ الاعلیٰ نمبر ۲، ۳۔
❸ دیکھئے: سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۴۵ اور ۴۶۔
❹ دیکھئے: سورۃ التوبہ آیت نمبر ۳۳۔

اللہ خالق کائنات کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ (النساء: ۱)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں سے بھی، بے شک اللہ ہمیشہ تم پر پورا نگہبان ہے۔''

دوسرے مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (الحجرات: ۱۳)

''اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

انسانوں میں سے مذکر ومونث دونوں جنسیں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ دونوں جنسوں میں سے کوئی بھی نوع دوسری سے بے نیاز نہیں ہوسکتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بعض ایسے احکام کو قانونی حیثیت دے دی ہے کہ جن پر عمل پیرا ہو کر وہ اپنی دنیا وآخرت کی دونوں زندگیوں میں سعادت مند زندگی گزار سکتے ہیں۔ ان احکام میں سے بعض کو مردوں کے لیے خاص کر دیا ہے اور ان میں سے کچھ صرف عورتوں کے لیے خاص ہیں، جب کہ ان میں سے بعض مردوں اور عورتوں، دونوں کے درمیان مشترک ہیں۔

بلاشبہ اللہ عزوجل ہر اس مخلوق کے بارے میں خوب علم رکھنے والا ہے جسے اُس نے پیدا کیا ہے اور ہر اُس حکم کی حکمت کو خوب جانتا ہے جس کا اُس نے اپنے بندوں کو حکم دے کر اس کی ترغیب وترہیب بھی دلائی ہے اور اس کی نافرمانی کے انجام سے بھی ڈرایا ہے۔ چنانچہ ترغیب وترہیب کے لیے اللہ کی کتاب قرآنِ عظیم میں جو اُسلوب وارد ہوئے ہیں ان میں سے ایک اسلوب ...... گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات کا بیان بھی ہے تاکہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں۔ جن واقعات وقصص کا قرآنِ عزیز نے احاطہ کیا ہے ان میں سے ''بعض

عورتوں کے واقعات'' کا بھی ایک وافر حصہ درج ہے۔ اس لیے میں نے ان واقعات وقصص کو جمع کر کے ان پر غور وفکر کرتے ہوئے ان سے بعض اسباق کے لیے راہنمائی طلب کرنے، ان سے نصیحتیں اخذ کرنے اور ان سے احکام مستنبط کرنے کا عزم کیا ہے کہ جن کا تعلق بالخصوص عورتوں کے ساتھ ہے۔ چنانچہ میں نے ایک تحقیقی منصوبہ پر عمل کے لیے کام شروع کر دیا جس میں اس اہم ترین موضوع پر بحث کی جائے گی اور اس کی تفصیل بھی بیان ہو گی تاکہ (مستقبل میں اس عنوان کو اختیار کرتے ہوئے) اسے میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (Islamic University Al-Madina) کے قرآن کالج کے ''تفسیر ڈیپارٹمنٹ'' میں P.H.D کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے بطورِ مقالہ ''Thesis'' پیش کر سکوں۔ اس منصوبہ کے پیش نظر میں نے اس کا نام "قصص النساء فی القرآن الکریم والدروس والعبر والاحکام المستفادة منها" رکھا ہے۔

میں اللہ عزوجل کے جلیل القدر اسمائے حسنیٰ اور اس کی صفات عالیہ کے ساتھ اس سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو نہایت نفع بخش علم بنا دے اور ساری اُمت کے لیے بالعموم اور مسلمان عورتوں کے لیے بالخصوص اسے فائدہ مند دواء بنا دے تاکہ اس سے اُن کی اخلاقی و دینی امراض کا علاج ہو سکے۔ اُمت میں اس کتاب کے مقبول ہونے کے لیے اسے مستحسن پیرائے میں تحریر کرنے کی توفیق اللہ عزوجل ہی دے سکتا ہے۔ اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

ا...... اس موضوع کے انتخاب میں چند اسباب:

۱...... قرآنِ حکیم کے تین مرکزی موضوعات ...... توحید، اخبار اور احکام ...... میں سے واقعات کو بیان کرنا ایک اہم ترین موضوع ہے اور یہ کہ؛

۲...... قرآنِ حکیم نے بالخصوص عورتوں کے واقعات کو بیان کرنے میں دروس ومواعظ کا قصد وارادہ فرمایا ہے۔

۳...... بے شمار ایسی کتابیں کہ جن کے لکھنے والوں نے '' قرآنِ حکیم میں عورتوں کے واقعات'' کو زیر بحث لا کر ایسی ایسی باتوں کو ان میں درج کر دیا ہے جن کا تعلق قرآنِ کریم سے قطعاً نہیں ہے، بلکہ انھوں نے قرآنِ مجید میں اس حوالے سے جو کچھ ذکر ہوا ہے اُسے بیان کرنے میں نہایت کوتاہ اندیشی سے کام لیا ہے۔

۴...... قرآنِ حکیم میں بیان کردہ عورتوں کے ان واقعات وقصص سے ماخوذ فوائد و دروس اور نصیحتوں سے واقفیت حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرنا اور ان سے مسلمان خواتین کو پورا پورا فائدہ پہنچانا۔

۵...... جہاں تک مجھے علم ہے: اپنی اس تحقیق و ریسرچ میں جس اسلوب کا میں نے ارادہ کیا ہے اُس نہج پر اس سے پہلے اس موضوع ...... '' قرآن میں عورتوں کے واقعات اور ان سے مستفاد احکام و دروس'' پر کوئی

مستقل کتاب نہیں لکھی گئی اور نہ ہی کوئی ایسی تحریر موجود ہے۔

ب......اس موضوع کی اہمیت:

اس موضوع کی بہت زیادہ اہمیت ہے جسے درج ذیل وضاحتوں اور موضوعاتِ بحث میں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ یہ انتہائی اہم موضوع قرآن عظیم کی موضوعاتی تفسیر بیان کرتا ہے۔

۲۔ بلاشبہ قرآنِ کریم میں عورتوں کے واقعات اپنی تہوں میں شرعی احکام بھی سموئے ہوئے ہیں اور تربیتی فوائد بھی، جن سے ایک مسلمان عورت بھرپور فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔ دنیاوی زندگی میں سیدھی راہ پر چلنے کے لیے ان واقعات کو راہ نما اُصول کے طور پر متعین بھی کر سکتی ہے۔ دشمنوں کے اُن تیروں کے سامنے ایک مضبوط ستون ثابت ہوسکتی ہے جو اس کی طرف پے در پے آ رہے ہوں۔

۳۔ اس موضوع کا تعلق ایک اصولی مسئلہ کے ساتھ بھی ہے اور وہ یہ کہ: کیا ہم سے پہلے جو اُمتیں تھیں ان کے لیے بھی وہی شریعت تھی جو ہمارے لیے ہے؟

۴۔ اس موضوع کی اہمیت کا ایک نقطہ یہ بھی ہے کہ: یہ موضوع ایک مومن عورت کی ثابت قدمی والی صفت اس میں پیدا کرنے کے لیے اس کی شخصیت کو کفر کے طوفانوں اور جابروں کے ظلم کے سامنے اُجاگر کرتا ہے، جیسا کہ فرعون کی بیوی رحمہا اللہ کی شخصیت تھی۔

۵۔ عورتوں کے نزدیک فطرتی اُمور کا علم اس موضوع سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسے کہ: حیاء، عفت وعصمت اور غیرت وغیرہ۔

ج......تحقیق و بحث ہذا کا خطہ:

ہماری اس کتاب کی تحقیق و ریسرچ: مقدمہ، تمہید، دو ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ جہاں تک مقدمہ کا تعلق ہے تو اس میں، میں نے درجِ ذیل نقاط بیان کیے ہیں:

۱...... اس موضوع کو اختیار کرنے کے اسباب

۲...... اس موضوع کی اہمیت

۳ تحقیق و ریسرچ کی پلاننگ اور ترتیب

۴ اس تحقیق و ریسرچ میں میرا طریقۂ کار

تمہید میں، میں نے درجِ ذیل نقاط بیان کیے ہیں:

واقعہ کی تعریف و پہچان

۲......واقعات کی اقسام

۳......واقعات کی اہمیت

۴......واقعات وقصص کے اغراض و مقاصد

۵......قرآنی واقعات بار بار بیان ہونے اور ایک ہی بار بیان ہونے کے مابین فرق

۶......اسرائیلی روایات اوران کے بارے میں صحیح موقف

۷......اسلام (شریعتِ محمدیہ) سے ماقبل کی شریعت پرعمل کے بارے میں حکم

۸......سابقہ مطالعہ جات

پہلا باب ...... پہلے باب میں مردوں کے سب سے قریبی رشتہ والی عورتوں کے واقعات میں نے بیان کیے ہیں اوراس میں تین فصلیں بنائی ہیں:

فصل اوّل: ماؤں کے واقعات......اس میں چھ مباحث اورواقعات ہیں۔

پہلا موضوع مطالعہ: سیّدنا یوسف بن یعقوب علیہما السلام کی والدہ کا واقعہ

دوسرا موضوع مطالعہ: سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا واقعہ

تیسرا موضوع مطالعہ: ایک کافر غلام کی ماں کا واقعہ

چوتھا موضوع مطالعہ: جناب عمران کی بیوی کا واقعہ

پانچوں موضوع مطالعہ: سیّدہ مریم علیہا السلام کا واقعہ

چھٹا موضوع مطالعہ: ایک سرکش کافر کی ماں کا قصہ

فصل ثانی: بیویوں کے واقعات وقصص......اس فصل میں گیارہ موضوع ہیں:

پہلا موضوع مطالعہ: سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کا واقعہ

دوسرا موضوع مطالعہ: سیّدنا نوح علیہ السلام کی بیوی کا قصہ

تیسرا موضوع مطالعہ: جناب لوط علیہ السلام کی بیوی کا واقعہ

چوتھا موضوع مطالعہ: سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں کا قصہ

پانچواں موضوع مطالعہ: جناب ایوب علیہ السلام کی بیوی کا واقعہ

چھٹا موضوع مطالعہ: سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی کا قصہ

ساتواں موضوع مطالعہ: جناب زکریا علیہ السلام کی بیوی کا واقعہ

آٹھواں موضوع مطالعہ: اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

نواں موضوع مطالعہ: اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا قصہ

دسواں موضوع مطالعہ: اُمہات المؤمنین سیدات عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کا واقعہ

گیارھواں موضوع مطالعہ: ایک جھگڑے کا واقعہ

فصل ثالث: بہنوں اور بیٹیوں کے واقعات وقصص ...... اس میں دو موضوع ہیں:

پہلا موضوع مطالعہ: سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا واقعہ

دوسرا موضوع مطالعہ: صالح مدین کی دو بیٹیوں کا قصہ

دوسرا باب ...... میں نے اس باب میں عورتوں کے مختلف واقعات وقصص بیان کیے ہیں۔ اس باب کی تین فصلیں ہیں:

فصل اوّل: عہدہ ومنصب اور دولت مند عورتوں کے واقعات ...... اس فصل میں چار موضوعاتِ مطالعہ ہیں:

پہلا موضوع مطالعہ: عزیز مصر کی بیوی کا قصہ

دوسرا موضوع مطالعہ: فرعون کی بیوی کا واقعہ

تیسرا موضوع مطالعہ: ملکۂ سبا (بلقیس) کا قصہ

چوتھا موضوع مطالعہ: ابولہب کی بیوی کا واقعہ

فصل ثانی: کمزور عورتوں کے واقعات ...... اس فصل میں چار موضوع ہیں:

پہلا موضوع مطالعہ: بنو اسرائیل کی عورتوں کے واقعات

دوسرا موضوع مطالعہ: کھائیوں والے مسلمانوں میں سے ایک بچے کی ماں کا واقعہ۔

تیسرا موضوع مطالعہ: بیٹیوں کو زندہ در گور کر دینے والا قصہ

چوتھا موضوع مطالعہ: مکہ مکرمہ کی کمزور اہل ایمان بیبیوں کا واقعہ

فصل ثالث: ایک بے وقوف عورت کا قصہ

آخر میں خاتمہ ...... خاتمہ میں اس تحقیق و ریسرچ کے نتائج میں نے بیان کیے ہیں۔ پھر سب سے آخر میں مصادر و مراجع کی فہرست دے دی ہے۔ (مؤلف حفظہ اللہ نے عربی اُسلوب کے مطابق موضوعات کی فہرست سب سے آخر میں دی ہے۔ مگر ہم نے اُردو اسلوب کے مطابق اس فہرست کو کتاب کے شروع میں دے دیا ہے۔ مترجم)

د...... تحقیق و ریسرچ میں اس کتاب کا اُسلوب و منہج:

اس تحقیق و ریسرچ میں درجِ ذیل طریقے پر میں نے قلم کو چلایا ہے۔

۱......قرآنِ کریم کی آیات کو تلاش کرنے کے لیے میں نے اس تحقیق و ریسرچ کے موضوع کے لیے دلائل کو جمع کرنے کی خاطر قرآنِ عظیم کی موضوعات کے مطابق جناب محمد فواد محمد کی فہرس سے مکمل استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح میں نے جناب فواد عبدالباقی رحمہ اللہ کی ''المعجم المفهرس لالفاظ القرآن الكريم'' سے بھی بھرپور فائدہ اُٹھایا ہے۔ اسی طرح وہ ساری کتابیں کہ جو'' قرآنِ کریم میں عورتوں کے واقعات'' والے موضوع پر لکھی گئی ہیں، ان سے بھی فائدہ اُٹھایا ہے۔

۲......میں نے اس تحقیق و ریسرچ میں ان عورتوں کے بارے میں بات کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جن کے واقعات کو بیان کرنے کے لیے ارادتاً قرآن اُترا ہے۔ عورتوں کے متعلق صرف حکم کو بیان کرنے کے لیے جو آیات نازل ہوئی ہیں، میں نے اُن کو بیان نہیں کیا۔ اگرچہ ان آیات کے سبب نزول میں کوئی واقعہ و حادثہ ہی پیش کیوں نہ آیا ہو۔

۳......ان واقعات کو میں نے حسب الامکان رشتہ داری یا معاشرتی مرتبہ و مقام کے اعتبار سے ایک تاریخی تسلسل کا لحاظ رکھتے ہوئے اس تحقیق و ریسرچ کو کئی حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ اُسلوب موضوع کو زیادہ واضح کرنے کا ذریعہ بن گیا ہو۔ بالعموم تمام پڑھنے والوں کے لیے زیادہ فائدہ مند رہے اور بالخصوص عورتوں کے لیے تو مزید نفع بخش رہے۔

۴......میں نے ہر واقعہ کے لیے اس قصہ کے موضوع سے مناسبت رکھنے والا ایک دروازہ بھی رکھا ہے کہ جس سے داخل ہو کر اس موضوع کو پڑھنے والا اس واقعہ سے خوب فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ پھر میں نے قرآنی سورتوں میں اس واقعہ و قصہ سے متعلقہ ترتیب وار ان آیات کو بیان کیا ہے کہ جو اس قصہ سے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

۵......تفسیر کی کتابوں اور قرآنِ حکیم کے مشکل الفاظ کے معانی بیان کرنے والی کتابوں میں مذکور کسی بھی قصہ و واقعہ سے متعلقہ آیات کے مشکل الفاظ کے ذریعے میں نے ان پسندیدہ اور واضح معانی کو بھی بیان کر دیا ہے، تاکہ ان آیات کو سمجھنا قارئین کے لیے آسان رہے۔

۶......قصہ و واقعہ سے متعلقہ عورت کے بارے میں واضح کرتے ہوئے میں نے اس کا مکمل تعارف بھی کروا دیا ہے۔ اگر اس کا نام قرآنِ حکیم یا مرفوع حدیث سے ثابت ہو تو میں نے اس کو بیان کر دیا ہے۔ اور اگر ثابت نہیں

ہے تو بھی میں نے بتلا دیا ہے کہ اس کا معروف نام تاریخ کی کتابوں میں درج ہے۔

۷......قرآنِ حکیم میں مذکورہ واقعہ کو میں نے قرآنِ عظیم پر ہی انحصار کرتے ہوئے بالاختصار لکھ دیا ہے۔ اگر حدیث مرفوع میں اس قصہ سے متعلق کچھ ہے تو میں نے اس حدیث کو بھی ذکر کر دیا ہے۔

۸......میں نے ان روایات و آثار کو بھی بیان کر دیا ہے کہ سلف صالحین سے اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں اور یہ روایات اُن کے پاس بنواسرائیل سے نقل ہو کر آئی ہیں۔ میں نے ان روایات کو جمع اور بیان کرنے میں تفسیر الطبری اور امام سیوطی کی "الدر المنثور" پر اعتماد کیا ہے۔ اس بنا پر کہ ان دونوں بزرگوں نے بعض دوسرے مصادر و مراجع سے مدد لیتے ہوئے بہت زیادہ مواد کو جمع کیا ہے۔

۹......ان روایات کے بارے میں واضح کرتے ہوئے کہ ان میں سے کتاب و سنت کی تائید کرنے والی صحیح روایات کونسی ہیں اور باطل کون سی ہیں؟ میں نے ان پر تنقید بھی کی ہے۔ یہ بھی بتلایا ہے کہ ان میں سے وہ کون کون سی روایات ہیں، جن کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔

۱۰......اسی طرح میں نے ہر واقعہ سے مستفاد احکام کو بھی بیان کیا ہے اور یہ نفسِ واقعہ کی آیات سے دلیل کو واضح کرتے ہوئے کیا ہے۔ اور اس حکم کے لیے گواہی و تائید کرنے والی دوسرے دلائل کے بیان و ذکر میں بھی میں نے اجتہاد سے کام لیا ہے۔

۱۱......نفس واقعہ کے لیے آیات کے دلائل ذکر کرتے ہوئے میں نے اس قصہ سے مستفاد عبرت آموز دروس کو بھی کھول کر بیان کیا ہے۔ اس کے بعد میں نے دوسرے دلائل کے ذکر میں اجتہاد سے کام لیا ہے کہ جو اس کے لیے گواہی دیں۔

۱۲......میں نے قرآنی آیات کو واقعہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ مگر ان میں سے نفس موضوع کے لیے اگر وہ بار بار آئی ہیں تو انھیں صرف ایک بار ہی ذکر کرنے پر میں نے اکتفاء کیا ہے۔

۱۳......احادیث کی تخریج میں نے کتب سنہ سے کی ہے، مگر یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں درج ہے یا ان میں سے کسی ایک کے اندر تو پھر میں نے صرف اسی پر اکتفاء کیا ہے۔ اسی طرح میں نے کتب سنن کے اندر درج احادیث کا صحیح اور ضعیف ہونا بھی ذکر کیا ہے۔ اور ایسا محققین و تنقید نگاروں کے اقوال سے استناداً کیا ہے۔

۱۴......اسی طرح اس تحقیق و ریسرچ میں وارد مشکل الفاظ کے معانی بھی میں نے بیان کر دیے ہیں۔ بعینہٖ ان شہروں کا ذکر بھی بالاجمال کر دیا ہے کہ جن کا ذکر اس تحقیق میں آیا ہے۔

شکریہ وسپاس گزاری

سب سے پہلے میں اللہ ربّ العالمین کا شکر گزار ہوں کہ جس نے اس تحقیق و ریسرچ کو مکمل کرنے اور اس طریق پر چلنے کی مجھے توفیق بخشی کہ جو سب سے معزز ترین مسلک وطریق ہے۔ اسی طریق و منہج پر چلتے ہوئے آدمی کے درجات بلند کردیے جاتے ہیں اور اعلیٰ مقاصد کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اعلیٰ ترین مقاصد میں سے اللہ ربّ العزت والکرم کی رضا اور اُس کی جنتوں کا حصول ہے۔ یوں اللہ ربّ العالمین نے میرے اوپر احسان فرمایا ہے۔ میں اُس سے اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں مذکور بالا مقصود و مطلوب تک پہنچا دے۔

(اللّٰھم آمین)

اس کے بعد میں اپنے والدین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے بعد ان کا میرے اوپر بہت بڑا احسان تھا۔ اور اللہ عزوجل کے شکر کے ساتھ ساتھ میں اُن احباب کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، جنھوں نے اس محققانہ تصنیف میں میرے ساتھ بھرپور معاونت کی۔ چنانچہ میں بالخصوص اس ریسرچ کے لیے اپنے نگران جناب شیخ ڈاکٹر محمد عمر حویتہ حفظہ اللہ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ جنھوں نے مجھے اپنی نہایت درست اور پختہ آراء وتوجیہات مفیدہ سے مستفید فرمایا۔ اللہ عزوجل انھیں اس معاونت پر بہت ہی اعلیٰ جزاء خیر عطا فرمائے۔

اسی طرح میں اس بات کو بھی قطعاً نہیں بھولا کہ اپنے سابق نگرانِ بحث جناب شیخ ڈاکٹر اَحمد بن عبداللہ الزھرانی حفظہ اللہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کروں کہ جنھوں نے اس موضوع کی عمارت کے لیے بالکل پہلی اور اساسی اینٹیں چننے، رکھنے کے لیے میرا ہاتھ تھاما تھا۔ سو...... اوّل بنیاد رکھنے والی بھی کس قدر اچھی شخصیت ہے اور اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں مددگار شخصیت بھی۔ جَزَاھُمَا اللّٰہُ عَنِّيْ خَیْرً الْجَزَاءَ۔

بعینہٖ...... اس بات کو بھی نہیں بھولا کہ میں اپنی مادرِ علمی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (Islamic University Al-Madeena) کا شکریہ ادا کروں کہ جس نے اُمت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کے نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو اپنی تربیت میں لے رکھا ہے، تاکہ اُمت خیر الامم کے یہ شباب اس مادرِ علمی کے معلّمین ومربین کے

چشمۂ صافی سے جی بھر کر سیرابی حاصل کر سکیں۔ اور اس سیرابی کے بعد وہ انتہائی صالح نمونہ اور کھانے کے قابل پکے ہوئے پھل ثابت ہوں۔تو...... اللہ عزوجل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے نہایت مخلص، نصیحت کرنے والے اور صالح افراد و احباب اور اساتذہ کرام کو نہایت اعلیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ جو اُمت اسلامیہ اور اس اُمت کے نوجوانوں کے لیے علم و اخلاص اور تربیت کا ماحول پیش کر رہے ہیں۔

اسی طرح میں اپنے بھائی خالد، حمید اور اپنے ان تمام ساتھیوں کا بھی مشکور ہوں کہ جنھوں نے اس ضمن میں میری مدد اور راہنمائی کی۔ بالخصوص فرج بن فریح العوفی، حازم بن سعید اور محمد شفاعت حفظہم اللہ کا۔ اپنے اس شکریہ اور سپاس گزاری کا اختتام میں مذکور بالا احباب و اساتذہ گرامی قدر کے ساتھ ساتھ بالخصوص اپنے بھائی اور معزز دوست/ ابوعبیدہ بن یحییٰ بن حامد حفظہ اللہ کے شکر و احسان کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں کہ جس کی جدوجہد، وفائے عہد اور نصیحت و عطاء ہمیشہ میرے ساتھ ساتھ رہی۔ "فَلَهُ مِنِّي جَزِيْلَ الشُّكْرِ وَالثناءِ".

میں اللہ عزوجل سے اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ؛ وہ ربّ کریم میرے اس بھائی/ ابوعبیدہ کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے کہ اس ضمن میں اس کی تھکاوٹ اور میرے ساتھ برابر اس کام کی تکمیل کے لیے اس کی مکمل توجہ شامل رہی۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلًا وَّآخِرًا وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَسَلَّمَ.

ڈاکٹر/ محمد بن ناصر الحمید

المدينة المنورة

❀❀❀❀❀❀

تمہید

(۱)...... واقعہ کی تعریف (پہچان):

امام جوہری کی کتاب ''الصحاح'' میں لفظ ''قصص'' کی تعریف وتوضیح کرتے ہوئے یوں لکھا گیا ہے:
قَصَّ أَثْرَهُ، أَيْ تَتَبَّعَهُ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: ﴿فَارْتَدَّا عَلَىٰٓ ءَاثَارِهِمَا قَصَصًا ۝﴾ (الکهف: ٦٤) الخ
''اپنے قدموں کے نشان پر اُلٹے پھرنا، یعنی کسی چیز کو تلاش کرنا، ٹوہ میں لگنا یا پیچھا کرنا، جیسے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے (جناب موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون کے واقعہ میں) ارشاد فرمایا ہے کہ: (جب مچھلی نے سمندر میں عجیب طرح سے راستہ بنالیا اور یہ بات یوشع بن نون رحمہ اللہ موسیٰ علیہ السلام کو بتلانا بھول گئے اور وہ اس جگہ سے کافی آگے چلے گئے۔ پھر جنابِ موسیٰ علیہ السلام کے پوچھنے پر جب اُن کے ہمراہی نے مچھلی والی بات بتلائی تو آپ فرمانے لگے: وہی جگہ تو ہماری منزلِ مقصود تھی۔) چنانچہ وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر اُلٹے پھر آئے۔'' اسی طرح: إِقْتَصَّ أَثَرَهُ ...... کا معنی ہوتا ہے: کسی کا پیچھا کرنا۔ اور: تَقَصَّصَ أَثَرَهُ ...... کا مطلب ہوتا ہے: کسی کے پیچھے چلنا۔ اسی سے لفظ ''اَلْقِصَّهْ'' ہے۔ جس کا معنی: واقعہ اور گفتگو ہوتا ہے۔ جب کہیں گے: إِقْتَصَصْتُ الْحَدِیْثَ ...... میں نے بات بیان کی ...... تو اس کا معنیٰ ہوگا: رَوَیْتُهُ عَلَی وَجْهِهِ ...... میں نے اُسے بعینہٖ بیان کیا۔'' وَقَدْ قَصَّ عَلَیْهِ الْخَبَرَ قَصَصًا ...... کا مطلب ہوگا: فلاں شخص نے اُسے اپنا واقعہ بیان کر کے سنایا۔ اسی طرح بطورِ اسم ''الْقَصَصُ'' بمعنیٰ: بیانِ واقعہ اور بیان کردہ خبر ...... مصدر کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جبکہ ''اَلْقِصَصُ'' ق پر زیر ــــِــ کے ساتھ جب لکھا جائے گا تو یہ لفظ ''اَلْقِصَّه'' کی جمع ہوگا۔ ❶

انہی معانی سے ملتے جلتے اور ان کے مطابق ہی ان الفاظ کے مفاہیم: ابن منظور نے اپنی کتاب ''لسان العرب'' (جلد نمبر: ۷، صفحہ: ۷۴) میں، ابن فارس نے اپنی کتاب ''معجم مقاییس اللغة'' (جلد نمبر: ۵، صفحہ: ۱۱)

❶ دیکھئے: الصحاح للجوهری، جلد نمبر: ۳، ص: ۱۰۵۱۔ القاموس الوحید، ص: ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱

میں اور الفیومی نے ''المصباح المنیر'' (جلد نمبر:۲،صفحہ:۵۰۲) میں بیان کیے ہیں۔

اسی لفظ کے مادہ سے مشتق: اَلْقِصَاصُ فِی الْجَرَاحِ ...... ہے۔ یعنی زخموں کا قصاص لینا۔ اور یہ بالکل اسی طرح ہوتا ہے کہ جس طرح زخمی کرنے والے نے مجروح کے زخم لگائے ہوتے ہیں۔ گویا اس ضمن میں مجرم کا پورا پورا تتبع کیا جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام:

یہ ہوا کہ: قصہ دراصل ایک معاملہ ہوتا ہے کہ جس کا پورا پورا پیچھا کر کے اسے بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی جمع ''قصص'' (بلکہ اُردو میں قصے اور واقعات) آتی ہے۔

(۲)..... واقعات وقصص کی اقسام:

قرآنِ حکیم میں واقعات وقصص تین اقسام پر مشتمل ہیں۔

ا...... اللہ رب العالمین کے رسولوں اور نبیوں کے واقعات کہ جو انھیں اہل ایمان کے ہمراہ کافروں کے ساتھ پیش آئے تھے۔

ب...... دوسری قسم ان واقعات کی ہے جو عام لوگوں یا جماعتوں، قوموں سے متعلق ہیں کہ جو ان کے ساتھ پیش آیا، اس کا بیان ان واقعات میں ہے۔ ان واقعات میں نصیحت کے دروس ہیں۔ چنانچہ ان قصص کو اللہ عزوجل نے ان سے نقل فرمایا ہے، جیسے کہ مریم اور لقمان علیہما السلام کے واقعات ہیں اور اُس شخص کا واقعہ کہ جس کا گزر ایک تباہ شدہ بستی کے پاس سے ہوا تھا۔ (اور وہ بنواسرائیل کے نبی جناب عزیز علیہ السلام تھے۔) اسی طرح ذوالقرنین، قارون، اصحابِ کہف اور اصحابِ اُخدود وغیرھم کے واقعات وقصص۔

ج...... نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیش آمدہ واقعات اور قوموں کا ذکر جیسے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ، جنگ اُحد، غزوۂ احزاب، بنوقریظہ، بنونضیر، زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) اور ابولہب وغیرہم کے واقعات۔ [1]

(۳)......قرآنی واقعات کی اہمیت:

قرآنی واقعات کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ ذیل میں بعض خصوصیات کو بیان کیا جاتا ہے:

ا۔ قرآنی واقعات وقوع پذیر ہونے کے بعد ہمارے لیے لوگوں کے نفوس میں پائے جانے والے ایمان اور کفر کا تصور پیش کرتے ہیں۔ ایمان کے لیے تیار دلوں کے لیے بار بار پیش آنے والا نمونہ بھی پیش کرتے

---

[1] تفصیل کے لیے: فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی کتاب اُصول فی التفسیر، صفحہ:۴۹۔ اور شیخ رمناع القطان کی کتاب: مباحث فی علوم القرآن، صفحہ:۳۱۷۔

ہیں اور کفر والحاد کے لیے تیار دلوں کے لیے کفر کا نمونہ۔تو نصیحت و درس لینے والا آدمی اس کے ساتھ دونوں فریقوں کی حقیقت کو جان، پہچان لیتا ہے اور اس سے اس کو ہدایت کا نور حاصل ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے: ﴿ وَهَدَيْنَٰهُ ٱلنَّجْدَيْنِ ۝ ﴾ (البلد : ۱۰) اور اس (انسان) کو ہم نے دونوں راہیں دکھلا دی ہیں۔ (یعنی اچھا راستہ ایمان واسلام کا بھی دکھلا دیا اور برا راستہ شرک وکفر والا بھی۔ اچھا راستہ اس لیے بتایا کہ اسے اختیار کر کے فلاح وکامرانی حاصل کرے اور برا راستہ اس لیے دکھلا دیا کہ اس سے وہ بچے۔ اجمالی طور پر یہ بتلانا فطرت وعقل سے ہوا، اور تفصیلی طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے۔)

ب۔ قرآنِ حکیم میں انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات وقصص ایمان کے قافلے کا تصور پیش کرتے ہیں۔ (جو ہر دور میں روئے زمین کے کسی نہ کسی خطے پر رواں دواں رہتا ہے۔) اور پھر ایک نسل کے بعد دوسری نسل انسانی کے سامنے یہ کاروانِ حق اللہ عزوجل کی طرف دعوت کو پیش کرتا نظر آتا ہے۔ نسل انسانی اس دعوت پر لبیک کہتی بھی نظر آتی ہے۔ اسی طرح یہ کاروانِ ایمان بنی نوع انسان سے منتخب شدہ اس گروہ کے نفوس میں ایمان کو پیش کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اور اس فضل عظیم کے ساتھ کہ جسے ان کے ربّ نے ان کے لیے مخصوص کر رکھا ہے ان کے اور ان کے ربّ کے درمیان تعلق کے لیے وہ ان کے تصور کے مزاج کو بھی پیش کرتا ہے۔ اس معزز کاروانِ ایمان کی اطاعت و پیروی دل کو اللہ کی رضا، معرفت حق کے نور اور عملِ نیک سے فیضیاب کرتی ہے۔ ایمان کے معزز ترین عنصر کی نفاست کا شعور اور وجود میں اس عنصر کے اُتر جانے کی لذت بھی اس کاروانِ حق کی پیروی عطا کرتی ہے۔ اسی طرح قرآنِ حکیم میں انبیائے کرام کے واقعات سے تصور میں آنے والے اس کاروانِ ایمان واسلام کے ایمانی تصور کی حقیقت منکشف کر کے آدمی کو تمام داخلی تصورات میں سے سچائی اور حقیقت والی حس کی تمیز پیش کرتی ہے۔ [1]

ج۔ قرآنی واقعات اہل ایمان پر راہِ حق کے اعلیٰ ترین انجام کا انکشاف بھی کرتے ہیں۔ یہ واقعات ان کو اس راستے کے تمام مراحل والے نشانات بھی دکھاتے ہیں۔ ان کا ہاتھ تھام کر اس راہ پر ان کے قدموں کو چلاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ واقعات مکی دور میں بذریعہ وحی اُترتے رہے جبکہ اہل ایمان کی بہت تھوڑی تعداد آپ کے ہمراہ مکہ کی گھاٹیوں میں اس وقت محصور تھی۔ اسلامی دعوت ان تنگ جگہوں میں جامد ہو چکی تھی۔ جبکہ راستہ بہت مشقت والا نہایت لمبا تھا۔ مسلمان اس کا دنیا میں انجام نہیں دیکھ پا رہے تھے۔

د۔ اخلاق کی نمائندگی کرنے، معاشرتی عادات ورسوم کی صورت پیش کرنے اور نفوس میں پیدا شدہ تحریکوں کو

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: فی ظلال القرآن (عربی) جلد: ۱، ص: ۵۵۔

احاطہ تحریر میں لانے کے لیے واقعہ، ادبی آثار کو سب سے زیادہ حیثیت دینے والا ہوتا ہے۔ یعنی جب اس قصہ و واقعہ کی غرض و غایت اور اس کا مقصود العین نہایت معزز ہو تو یہ طبیعتوں کو مہذب بنا دیتا اور دلوں کو نرم کر دیتا ہے۔ پھر یہ قصہ و واقعہ لوگوں کو ایمان باللہ، واجبات و فرائضِ حق سچ، دوسروں کے لیے ایثار و قربانی کے جذبہ، جود و سخا اور شرف و ایثار جیسے بلند ترین نمونہ کی طرف دھکیل کر لے جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے سیّدنا یعقوب و یوسف علیہما السلام اور جناب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ ﴾ (یوسف: ۱۱۱) ...... ''جو لوگ عقل والے ہیں اُنھیں بلاشبہ ان لوگوں (یوسف علیہ السلام کے والد، بھائیوں اور مصر والوں) کے واقعات سے نصیحت حاصل ہوتی ہے۔'' ❶

ھ۔ اپنی تمام انواع و اقسام کے ساتھ قصہ اور واقعہ تربیت کے اسالیب میں سے ایک اُسلوب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی روح کی تربیت، عقل کی تربیت اور جسم کی تربیت۔ نمونہ کے ذریعے تربیت اور وعظ و نصیحت کے ذریعے تربیت۔ ❷

(۴)...... واقعات کے اغراض و مقاصد:

قرآنی واقعات بالکل سچے اور حقیقی قصص ہوتے ہیں، یہ کوئی خیالی اور تمثیلی کہانیاں نہیں ہوتیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

(یوسف: ۱۱۱)

''بلاشبہ یقیناً ان کے بیان میں عقلوں والوں کے لیے ہمیشہ سے ایک عبرت ہے۔ یہ ہرگز ایسی بات نہیں جو گھڑ لی جائے اور لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔''

اور پھر دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ ﴾

(الکہف: ۱۳)

❶ دیکھئے: قصص العرب، جلد: ۱، صفحہ: ۳۔

❷ منهج التربية الاسلامية. جلد نمبر: ۱. ص: ۱۹۴.

''ہم تجھ سے ان کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ بے شک وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے انھیں ہدایت میں زیادہ کر دیا تھا۔''

قرآنی واقعات صرف چسکا لینے کے لیے (یا صرف تاریخ بیان کے لیے) بیان نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ انھیں بہت بڑی حکمتوں اور عظیم مقاصد کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ ان حکمتوں اور اعلیٰ مقاصد میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

ا......قرآنِ حکیم کے واقعات دنیا میں واقع شدہ قصص ہیں کہ جنھیں نصیحتوں اور مثالیں بیان کرنے کے لیے قرآن میں لایا گیا ہے۔ ان قصص و واقعات کو ہدایت یافتہ لوگوں کی قدر و منزلت اور گمراہ قسم کے لوگوں کے ٹکانے کو بیان کرنے کے لیے اتارا گیا ہے۔ اسی طرح ان واقعات کو گمراہی کے انجام اور ہدایت کے انعام کو بیان کرنے کے لیے قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ ان واقعات میں انبیاءِ کرام اور ان کے بعد دین حنیف اور توحید خالص کی طرف دعوت دینے والوں نے جس فریضہ کو سرانجام دیا تھا، اُس کا بیان ہے۔ ❶

ب......قرآنِ کریم میں مذکور واقعات وقصص اپنے اس شاندار اسلوب کے ساتھ کہ جس کے لیے طبیعتیں عاجزی و درماندگی اختیار کر لیتی اور دل خشیت کو اپنا لیتے ہیں۔ ان قصص کے لیے سر جھک جاتے ہیں، اپنے اندر بہت بڑی تاثیر رکھتے ہیں۔ ان واقعات کا یہ اُسلوب دعوت الی اللہ کے اسالیب میں شمار ہوتا ہے۔ ❷

ج: ان واقعات کا ایک بہت بڑا مقصد......اہل ایمان کی ہمت کو بندھانا اور انھیں اللہ کی راہ میں جو غم، دکھ اور مصیبتیں پہنچتی ہیں ان کے بارے میں تسلی دلانا ہوتا ہے۔ (کہ ایمان والو! غم نہ کرو۔ بالآخر تمھیں بہت ہی اعلیٰ انعام ملنے والا ہے۔) اسی طرح ان قصص سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اُمت میں سے آپ کے مکمل طور پر مطیع وفرمانبردار لوگوں کے لیے ثابت قدمی اختیار کیے رکھنے کا درس و وعظ ملتا ہے۔ اللہ عزوجل کی مدد اور اس کے لشکروں کی نصرت اور اہل باطل و طاغوت کے رسوا ہونے کے ساتھ ایمان والوں کی ثقاہت کو ان واقعات کے ذریعے مزید تقویت پہنچانا ہوتا ہے۔ ❸ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد ابوزہرہ کی "المعجزة الكبرى" ص: ١٦٢، ص: ١٦٣۔

❷ دیکھیے: محمد السید الوکیل کی "نظرات في احسن القصص" جلد: ١، ص: ١١۔ اور دکتور محمد بن حسن الزہری کی "القصص في الحديث النبوي" ص: ٤٣٥۔

❸ دیکھیے: عبدالرحمٰن النحلاوی کی "أصول التربية الإسلامية وأساليبها" ص: ٢١٦۔ اور مناع القطان کی "مباحث في علوم القرآن" ص: ٣١٨۔

﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾ (ھود: ۱۲۰)

''اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے ہر وہ چیز تجھ سے بیان کرتے ہیں جس کے ساتھ ہم تیرے دل کو ثابت رکھتے ہیں اور تیرے پاس ان میں حق اور مومنوں کے لیے نصیحت اور یاددہانی آئی ہے۔''

د...... قرآنی واقعات کے اغراض و مقاصد میں سے ایک مقصد بیان یہ بھی ہے کہ: دین حنیف، اسلام سارے کا سارا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔

ھ...... اور یہ کہ ہر دور کے تمام اہل ایمان کی اُمت وملت ایک ہی تھی۔ ہر دور میں وہ مسلمان تھے۔ اللہ عزوجل اکیلا ہی ان سب کا ربّ (خالق و مالک اور مشکل کشا و حاجت روا) تھا۔ بہت سارے واقعات کہ جو قرآن میں مذکور ہیں، ان میں سے ایک تعداد انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات کی ہے۔ ان واقعات کو ایک سورت میں بھی جمع کر دیا گیا ہے۔ ایک خاص طریقے کے مطابق ان کو اس حقیقت کی تائید کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں یہ واقعات وقصص بیان ہوئے ہیں۔ کچھ انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد اللہ عزوجل براہِ راست تمام رسولوں، نبیوں اور ان کے اطاعت گزاروں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴾ (الانبیاء: ۹۲)

''بے شک یہ ہے تمھاری امت جو ایک ہی امت ہے اور میں ہی تمھارا رب ہوں، سو میری عبادت کرو۔''

اس آیت کریمہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا۔ اور وہ سب کے سب صرف ایک ہی رب تعالیٰ، اللہ عزوجل کے لیے عاجزی اختیار کرتے ہوئے صرف اسی کی ہی عبادت کرتے تھے اور اس کے ساتھ وہ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔

و...... تربیت کا مواد مہیا کرنے والے ان واقعات وقصص کے اغراض و مقاصد میں سے اللہ عزوجل کی قدرت کا بیان بھی ہے۔ ایسا بیان کہ جو اللہ عزوجل سے ڈرنے اور اس سے خوف کھانے والے تاثر کو جوش دلاتا ہے، تاکہ خشوع وخضوع اور اللہ کے لیے یکسوئی والے ربانی تعلقات میں سے کسی تعلق کی تربیت ہو سکے۔ [1]

ز...... گزشتہ زمانوں اور ہزار ہا سالوں پر محیط گزری ہوئی نسلوں کے سچے حالات و واقعات جو محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے تو اس سے نبی مکرم ﷺ کی دعوت میں آپؐ کے سچے ہونے کا اظہار اور وحی کے ثابت ہونے والی بھی غرض و غایت تھی۔ اس لیے کہ نبوت و رسالت سے سرفراز یہ شخصیت بالکل ناخواندہ تھی۔

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: عبدالرحمن النحلاوی کی ''أصول التربية الاسلامية واساليبها''۔

آپ ﷺ نے کتابیں بالکل نہیں پڑھی تھیں کہ آپ نے شاید پہلی کتابوں سے یہ واقعات لے لیے ہوں، ایسا بالکل نہیں تھا۔ ❶

ح...... ان واقعات وقصص کا ایک مقصد سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق، ان کی یاد کو تازہ کرنا اور ان کے آثار کو ہمیشگی عطا کرنا بھی ہے۔ ❷

ط...... اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کے ساتھ واضح ہدایت والے ٹھوس دلائل کے ساتھ اس چیز کے بارے میں مقابلہ کرنا کہ جو انھوں نے حق، سچ کو چھپا رکھا تھا۔ اور ان کی کتابوں میں تحریف وتبدیلی سے پہلے جو کچھ ان کی کتابوں میں تھا اس کے متعلق ان کو چیلنج کرنا بھی ان واقعات کا ایک بڑا مقصد ہے۔ جیسے کہ اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○﴾ (آل عمران: ۹۳، ۹۴)

''کھانے کی ہر چیز بنی اسرائیل کے لیے حلال تھی مگر جو اسرائیل نے اپنے آپ پر حرام کر لی، اس سے پہلے کہ تورات اتاری جائے۔ کہہ دے تو لاؤ تورات، پھر اسے پڑھو، اگر تم سچے ہو۔ پھر جس نے اس کے بعد اللہ پر جھوٹ باندھا تو وہی ظالم ہیں۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○﴾

(النمل: ۷۶)

''بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔''

(۵)......قرآنی واقعات میں تکرار اور یکبارگی والے دونوں اسلوب:

قرآنِ حکیم میں مذکور واقعات وقصص میں سے بعض وہ ہیں جو ایک ہی بار ذکر ہوئے ہیں۔ جیسے کہ سیّدنا یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی والا واقعہ اور ابولہب کی بیوی کا واقعہ ہے۔ ان میں سے بعض واقعات ایسے بھی ہیں جو بار بار ذکر ہوئے ہیں۔ جیسے کہ: موسیٰ علیہ السلام کی والدہ، ان کی بہن اور مریم بنت عمران علیہا السلام کے واقعات

❶ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: حوالہ سابقہ، صفحہ: ۲۱۵ اور ''فی ظلال القرآن'' جلد نمبر: ۱، صفحہ: ۳۹۶۔

❷ مناع القطان کی ''مباحث فی علوم القرآن''، صفحہ نمبر: ۳۱۸۔

ہیں۔ ایسا کسی مصلحت اور ضرورت کے مطابق ہوا ہے۔ یہ تکرار کسی ایک سبب کی بنا پر نہیں ہوا۔ اسی طرح ہر تکرار اور عدم تکرار کا کوئی نہ کوئی حکم، حکمت و دانائی اور راز ضرور ہے۔

قرآنی واقعات وقصص کے بار بار ذکر ہونے کے اسرار:

ا...... کسی واقعہ اور قصہ کے بار بار ذکر ہونے کا راز اس واقعہ کی اہمیت کا بیان ہوتا ہے، اس لیے کہ ایسے واقعہ کا بار بار بیان اس کی طرف توجہ پر دلالت کرتا ہے۔

ب...... دوسرا راز...... قرآن کی سچائی کا اظہار ہوتا ہے کہ بلاشبہ اس واقعہ کا بیان اللہ عزوجل کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ جبکہ مختلف اقسام کے ایسے واقعات بغیر کسی تناقض کے آرہے ہوتے ہیں۔ ❶

ج...... بار بار ذکر ہونے والے واقعات کا ایک اور بھید...... ایسے ہر واقعہ کا لوگوں کے دلوں میں راسخ کر کے ان کا یقین دلانا بھی ہوتا ہے۔

د...... تکرار کے ساتھ بیان کردہ واقعات کا مزید ایک راز؛ مشرکین کو واضح طور پر بتلانا ہے کہ وہ اس جیسا قرآن تیار کر کے پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ وہ جس ترتیب و اُسلوب سے چاہیں کوشش کر دیکھیں اور جیسی چاہیں عبارت بنا ڈالیں، ایسی کوئی ایک سورت بھی نہیں بنا سکتے۔

ھ...... ایک ہی واقعہ کو مختلف الفاظ و اسلوب کے ساتھ بار بار ذکر کرنے کا ایک راز؛ قرآنِ حکیم کی فصاحت و بلاغت ہے۔ ❷

و ... بار بار ذکر ہونے والے واقعہ کا ایک اور بھید یہ ہے کہ؛ اس واقعہ کو کبھی مفصل بیان کر کے، کبھی مختصر بیان کرکے اور کبھی واقعہ میں بعض باتوں کو مقدم اور بعض کو مؤخر کر کے بیان کرنے والے اُسلوب کی تبدیلی کے ذریعے اس واقعہ کے سننے اور پڑھنے میں دلوں کے اندر جاذبیت پیدا کرنا بھی ہے۔ اس لیے کہ...... تبدیلی اور نقل وحرکت کی محبت آدمی کی فطرت میں شامل ہے۔

ز...... تکرار واقعہ میں ایک راز یہ بھی ہے کہ مخاطب لوگوں کی علمی وعملی حالت اور زمانے کا لحاظ پیشِ نظر ہوتا ہے۔ اس لیے آپ ان واقعات وقصص میں کہ جو مکی سورتوں میں بیان ہوئے ہیں شدت اور بلاغت و اختصار پائیں گے، جبکہ مدنی سورتوں میں بیان شدہ واقعات میں معاملہ آپ اس کے برعکس پائیں گے۔

---

❶ دیکھیے: شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی ''اُصول فی التفسیر'' صفحہ نمبر: ۵۰۔

❷ د اور ھ کے لیے: محمود السید شیخون کی '' اسرار التکرار في لغة القرآن '' صفحہ: ۷۷۔ اور شیخ مناع القطان کی ''مباحث فی علوم القرآن'' صفحہ: ۳۱۹ دیکھ لیں۔

ح...... بسا اوقات آدمی قرآنِ حکیم کا کچھ حصہ پڑھ کر اسے یاد کر لیتا ہے۔ چنانچہ اس یاد شدہ حصے میں کہ جسے وہ بار بار پڑھتا رہتا ہے واقعات وقصص میں سے کچھ حصہ بھی حاصل کر لیتا ہے۔ اس حصے میں وہ اپنے لیے وعظ ونصیحت اور سبق کی باتیں پالیتا ہے۔ جب وہ آگے پڑھے گا اور وہی واقعات اسے پھر نئے اسلوب کے ساتھ پڑھنے کو ملیں گے تو وہ ان نصیحتوں کو بار بار دھرائے گا، یہ بھی ایک راز ہے۔

ط...... انبیاء کرام علیہم السلام کے جو واقعات بار بار ذکر ہوئے ہیں تو یہ اس بات کو بار بار یاد دلانے کے لیے ہیں کہ جنھوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا، دیکھئے ان کی تباہی کیسے ہوئی تھی؟ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے والے کافروں کو یہ واقعات بار بار سنانے کی اشد ضرورت کے تحت یہ داعیہ موجود تھا کہ انہیں یہ واقعات کئی بار نئے نئے انداز واسلوب میں سنائے جائیں۔ چنانچہ کفار مکہ ومشرکین عرب نے جب بھی نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا فوراً کوئی ایسا واقعہ وقصہ اللہ عزوجل کی طرف سے اُتار دیا گیا جو بالکل اسی طرح سے عذاب کے نازل ہونے کے بارے میں خبردار کرتا، جس طرح اس واقعہ میں مذکور اپنے رسولوں کو جھٹلانے والوں پر اللہ کا عذاب اُتر چکا تھا۔ ❶ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ (الانفال : ۳۸)

’’ان لوگوں سے کہہ دے جنھوں نے کفر کیا، اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا انھیں بخش دیا جائے گا اور اگر پھر ایسا ہی کریں تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر ہی چکا ہے۔‘‘

بعض واقعات کے عدمِ تکرار کے اسرار:

ا۔ قرآنِ حکیم میں صرف ایک ہی بار کسی واقعہ کے ذکر ہونے میں عربوں کے اس انداز میں کوئی تحریر لانے میں عاجز ہو جانے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس اسلوب کے مطابق نہایت بلیغ انداز میں کوئی واقعہ ایک ہی بار اور پہلی دفعہ قرآنِ حکیم کے منہج پر نہیں سنا سکتے۔ جیسے کہ سیّدنا یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ ❷

ب۔ واقعہ کے بعض حصوں پر پردہ پوشی کے لیے بھی اسے ایک ہی بار بیان کیا گیا ہے، یہ بھی اس میں ایک راز ہے۔ جیسے کہ عزیز مصر کی بیوی اور دیگر عورتوں کا ذکر آیا ہے۔ ❸

ج۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے رسول اللہ ﷺ سے بسا اوقات مطالبہ کی بنا پر کہ آپ

---

❶ دیکھیے حوالہ سابقہ، صفحہ: ۸۰۔ ❷ دیکھیے: محمود السید شیخون کی ’’اسرار التکرار ......‘‘ صفحہ: ۷۹۔

❸ دیکھئے حوالہ سابقہ۔

فلاں معاملہ کو واضح فرمادیں کسی واقعہ کا نازل ہونا بھی ایک بھید ہوتا تھا اور اللہ عزوجل نے پھر مطلوبہ واقعہ کو ایک بار بیان فرمادیا۔ تاکہ ان کا مقصود العین پورا ہو جائے اور ایمان والے نفس کو خوشی محسوس ہو۔

(۶)......اسرائیلی روایات اور ان کے بارے میں صحیح مؤقف:

میں نے اپنی اس محققانہ تحریر میں اُن اسرائیلی روایات کو بھی درج کرلیا ہے کہ جنھیں اسلاف نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ اور پھر ان کے بارے میں صحیح مؤقف کو بھی بیان کیا ہے۔ ضروری ہے کہ میں ''اسرائیلیات'' کا معنی ومفہوم بھی بیان کردوں اور ان کی اقسام بھی۔ اسی طرح یہ بھی بتادوں کہ ہم پر اس ضمن میں کیا لازم ہے؟

اسرائیلیات کیا ہیں؟

اسرائیلیات کی نسبت بنواسرائیل کی طرف ہے۔ اسرائیل کا معنی ہوتا ہے: عبداللہ۔ اسرائیل، سیّدنا یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام کا لقب تھا۔ بنواسرائیل جناب یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کی اولاد کو کہا جاتا ہے جو آپ کے بعد روئے زمین میں پھیل گئے تھے۔ ❶ اسرائیلیات کا لفظ تفسیر کے لیے بیان کی گئی ان روایات پر بولا جاتا ہے جن پر یہودی و نصرانی رنگ غالب ہو اور جن سے یہودی و نصرانی ثقافتوں کے ساتھ تفسیر متاثر ہو۔ لفظ اسرائیلیات کا اِطلاق نصرانی جہت پر یہودی جہت کے غالب آنے کے ضمن میں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بلاشبہ یہودی حیثیت وسمت کا معاملہ زیادہ مشہور ہو گیا تھا، چنانچہ یہودیت کی جانب سے ان روایات کی نقل کثرت سے ہوئی ہے۔ ❷

اسرائیلی روایات کی اقسام:

اسرائیلی روایات کو بالعموم تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

پہلی قسم:

جن کی صحت کے بارے میں پورا علم ہو کہ یہ صحیح سند کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ یا شریعت مطہرہ میں کوئی شاہد ہو کہ جو ان کی تائید کرے۔ چنانچہ اسرائیلیات کی یہ قسم قابل قبول ہے۔

دوسری قسم:

اسرائیلیات کی دوسری قسم وہ ہے کہ جن کا جھوٹا ہونا اس طرح سے معلوم ہو جائے کہ وہ اس سے متضاد علم و

---

❶ تفصیل کے لیے: محمد ابوشہبہ کی ''الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر'' صفحہ نمبر: ۱۲۔ اور محمد زفزاف کی ''التعریف بالقرآن والحدیث'' صفحہ نمبر: ۱۶۷۔

❷ دیکھیے: امام ذہبی رحمہ اللہ کی ''التفسیر والمفسرون'' صفحہ: ۱۶۵۔

حکم یا کوئی معاملہ وخبر پیش کریں کہ جو ہم نے اپنی شریعت میں معلوم کر رکھا ہے۔ یا وہ عقل سلیم کے موافق نہ ہوں۔ چنانچہ اس طرح کی روایات کا نہ ہی تو قبول کرنا درست ہے اور نہ ہی روایت کرنا۔

تیسری قسم:

اسرائیلی روایات کی تیسری قسم وہ ہے کہ جن کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ (آئمہ کرام نے کوئی حکم نہیں لگایا۔) اس قسم کی نہ تصدیق ہوگی اور نہ ہی تکذیب۔ نبی کریم ﷺ کے درج ذیل فرمان کے مطابق ان کا روایت کرنا جائز ہے۔ ❶ فرمایا:

((لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا .)) ❷

''نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب۔ اور کہو: ہم تو اللہ عزوجل پر ایمان لائے ہیں اور اُس (شریعت مطہرہ) پر جو ہماری طرف اُتاری گئی ہے۔''

(۷)......سابقہ شریعتوں پر عمل کا حکم:

میں اپنی اس تحقیق و ریسرچ میں قرآنی واقعات سے مستفاد احکام بھی زیر بحث لایا ہوں۔ ان واقعات کے ایک بڑے حصے کا تعلق سابقہ اُمتوں اور ملتوں سے ہے۔ یہی وہ سبب ہے کہ جس نے مجھے درج ذیل اُصولی مسئلہ پر گفتگو کرنے (اور قلم اُٹھانے) کی طرف دعوت دی ہے۔ اور وہ اصولی سوال یہ ہے: کیا سابقہ شریعتوں پر عمل کرنا ہمارے لیے مشروع قرار دیا گیا ہے؟

اس مسئلہ وسوال کے جواب میں علماءِ اُمت محمدیہ رحمہم اللہ جمیعاً کے ہاں دو رائے ہیں:

ا......ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ: سابقہ شریعتوں پر عمل کرنا ہمارے لیے بھی ضروری ہے۔

ب..... اور دیگر علماءِ عظام کہتے ہیں: سابقہ شریعتوں پر عمل کرنا ہمارے لیے لازم نہیں ہے۔ ❸

اس مسئلہ کے حل میں یہاں میں فضیلۃ الشیخ / الشنقیطی رحمہ اللہ کی تحریر کا ایک حصہ نقل کرنا چاہوں گا۔ لکھتے ہیں: ''اس ضمن میں علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے جو ''روضۃ الناظر'' میں ذکر کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ: اس اصل میں دو آراء ہیں: اور پھر ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ: اگر کوئی حکم ہماری شریعت

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے: (۱) التفسیر والمفسرون للذهبی، ج: ۱، ص: ۱۷۹۔ (۲) امام ذہبی کی ہی: الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث، ص: ۳۶۔ (۳) امام زرقانی رحمہ اللہ کی: مناهل العرفان، جلد: ۲، ص: ۲٤۔

❷ صحیح البخاري / کتاب التفسیر / حدیث: ٤٤٨٥

❸ تفصیل کے لیے دیکھیے. (۱) روضة الناظر وجنّة المناظر، ص: ۱٤۲ تا ۱٤٥۔ (۲) شرح مختصر الروصه للطوفی، ج: ۳، ص: ۱٦۹، ص: ۱۸٤۔ اور (۳) المحصول فی علم أصول الفقه للرازی، جلد: ۱، ص: ۳۹۷، ص: ٤۱٥۔

میں سابقہ شریعتوں میں سے ثابت ہو جائے اور یہ کہ وہ حکم ہماری شریعت میں منسوخ نہ کیا گیا ہو تو پھر اس پر عمل کیا جائے گا۔ امام مالک بن انس اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا یہی مشہور مذہب ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ: سابقہ شریعتوں کا کوئی بھی حکم ہمارے لیے قابل عمل نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ: اس مسئلہ کا ایک واسطہ ہے اور دو اطراف۔ ایک طرف وجہت یہ ہے کہ اس میں شرعاً اجماع ثابت ہو۔ اور دوسری جہت یہ ہے کہ: اس میں ہمارے لیے غیر شرع پر اجماع ہو۔ واسطہ یہ ہے کہ اختلاف مذکور بالا کا موقع محل موجود ہے۔

جہاں تک اس طرف وجہت کا تعلق ہے کہ جس میں ہمارے لیے کوئی چیز اجماعاً مشروع کی گئی ہو تو یہاں اس سے مراد وہ حکم (امر و نہی) ہوگا جو ہماری شریعت میں ثابت ہو۔ اور یہ کہ وہی حکم ہم سے قبل والی کسی شریعت میں بھی مشروع تھا۔ پھر وہ ہماری شریعت میں بھی باقی رکھ دیا گیا، تو بلاشبہ وہ ہمارے لیے مشروع ہے۔ جیسے کہ ''قصاص'' کا حکم ہے۔ چنانچہ یہ حکم ہماری شریعت محمدیہ میں بھی ثابت و باقی ہے اور بلاشبہ یہ سابقہ شریعتوں میں بھی تھا، جیسے کہ اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ وَٱلْأَنفَ بِٱلْأَنفِ وَٱلْأُذُنَ بِٱلْأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ۝ ﴾ (المائدة: ٤٤۔٤٥)

''بے شک ہم نے تورات اتاری، جس میں ہدایت اور روشنی تھی، اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے انبیاء جو فرماں بردار تھے، ان لوگوں کے لیے جو یہودی بنے اور رب والے اور علماء، اس لیے کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے۔ تو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔ اور ہم نے اس میں ان پر لکھ دیا کہ جان کے بدلے جان ہے اور آنکھ کے

بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں میں برابر بدلہ ہے، پھر جو اس (قصاص) کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

پھر اللہ عزوجل نے ہماری شریعت میں اس بات کی تصریح فرمادی کہ یہ قصاص والا حکم ہمارے لیے بھی مشروع قرار دے دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾ (البقرۃ: ۱۷۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر مقتولوں میں بدلہ لینا لکھ دیا گیا ہے، آزاد (قاتل) کے بدلے وہی آزاد (قاتل) اور غلام (قاتل) کے بدلے وہی غلام (قاتل) اور (قاتلہ) عورت کے بدلے وہی (قاتلہ) عورت (قتل) ہوگی، پھر جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی معاف کر دیا جائے تو معروف طریقے سے پیچھا کرنا اور اچھے طریقے سے اس کے پاس پہنچا دینا (لازم) ہے۔ یہ تمھارے رب کی طرف سے ایک قسم کی آسانی اور ایک مہربانی ہے، پھر جو اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

جہاں تک دوسری جہت کا تعلق ہے کہ جس میں بالاجماع ہمارے لیے اُن کا کوئی حکم مشروع نہیں ہوگا، تو اس کے لیے دو حکم ہیں:

ا۔ اصلاً ہماری شریعت میں کوئی حکم ثابت ہی نہ ہو۔ جیسے کہ اسرائیلیات سے ماخوذ کوئی بات یا حکم وغیرہ۔

ب۔ کوئی بات یا حکم ہماری شریعت میں ثابت ہو کہ وہی حکم اُن کی شریعت میں بھی تھا یا وہ بات اُن کی شریعت میں بھی تھی مگر ہماری شریعت میں اس بات کی تصریح موجود ہو کہ وہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ جیسے کہ قرآنِ عظیم کی درج ذیل آیت کریمہ میں سابقہ شریعتوں میں بعض شرعی پابندیوں اور پھندوں کے منسوخ ہونے کا حکم موجود ہے جو ان کے ماننے والوں پر عائد کیے گئے تھے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی

التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ (الاعراف : ۱۵۷)

''وہ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں، جو امی نبی ہے، جسے وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انھیں نیکی کا حکم دیتا اور انھیں برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان سے ان کا بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔ سو وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے اور اسے قوت دی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ؛ جب یہ آیت کریمہ: ﴿ وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ (البقرة : ۲۸٤) نازل ہوئی تو ایمان والوں کے دلوں میں وہ بات سمائی جو کسی اور چیز سے نہ سمائی تھی۔ (یعنی اس آیت سے بہت ڈر پیدا ہوا۔) چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((قُوْلُوْا: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَسَلَّمْنَا .)) ..... ''کہو! ہم نے اللہ کا حکم سن لیا، اطاعت اختیار کرتے ہوئے ہم نے اُسے مان بھی لیا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (اہل ایمان کے ایسا کہنے پر) اللہ عزوجل نے اُن کے دلوں میں ایمان داخل کر دیا۔ اور پھر یہ آیت کریمہ اُتاری دی: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ ﴾ (البقرة : ۲۸٦) ...... ''اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق، اسی کے لیے ہے جو اس نے (نیکی) کمائی اور اسی پر ہے جو اس نے (گناہ) کمایا، اے ہمارے رب! ہم سے مؤاخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں۔'' تو: اللہ ربّ العالمین نے فرمایا: میں ایسا ہی کروں گا۔ ﴿ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ﴾ ...... ''اے ہمارے رب! اور ہم پر کوئی بھاری بوجھ نہ ڈال، جیسے تو نے اسے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے تھے۔'' اللہ کریم نے فرمایا: میں نے ایسا کر دیا ہے۔ (یعنی اُمت محمدیہ پر سے وہ بوجھ اُتار دے جو پہلی شریعتوں والے لوگوں پر تھے۔) ﴿ وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝﴾ ...... ''اے ہمارے رب! اور ہم سے وہ چیز نہ اٹھوا جس (کے اٹھانے) کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم

پر رحم کر، تو ہی ہمارا مالک ہے، سو کافر لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔'' اللہ عزوجل نے فرمایا: میں ایسا ہی کروں گا۔'' ❶

اور واسطہ (کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ) یہ ہے کہ جو ہماری شریعت کے ذریعے ثابت ہو جائے کہ یہی حکم بلاشبہ ہم سے پہلے والوں کے لیے مشروع تھا اور یہ کہ ہماری شریعت میں اس کے منسوخ ہو جانے کی تصریح بھی موجود نہ ہو۔ ❷

پھر شیخ شنقیطی رحمہ اللہ نے وضاحت سے بیان فرمایا کہ: بلاشبہ جمہور علمائے اُمت اس بات پر اپنی رائے رکھتے ہیں کہ: ایسا حکم ہمارے لیے بھی مشروع ہوگا۔ یہی رائے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ہے۔ ❸ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے روضۃ الناظر (جلد نمبر: ۱، صفحہ: ۴۰۱، ۴۰۲) میں ترجیح دی ہے۔

(۸)......گزشتہ تصنیفات ومطالعہ جات:

موضوع ہذا پر اس سے قبل چند ایک تصنیفات احاطۂ تحریر میں لائی جا چکی ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کو صرف '' قرآنِ حکیم میں مذکور عورتوں کے بارے میں حدیث وگفتگو'' والے موضوع کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ جیسے کہ:

ا......جابر الشال کی کتاب '' قصص النساء فی القرآن الکریم ''

ب......عبدالعزیز الشناوی کی کتاب '' نساء نزل فیھن قرآن '' اور

ج......عبدالمنعم عبدالراضی الہاشمی کی کتاب '' النساء فی القرآن الکریم '' ہے۔

ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جو '' قرآن وسنت دونوں میں عورتوں سے متعلق '' موضوع پر گفتگو کرتی ہیں۔ جیسے کہ:

(ا) نواب صدیق الحسن خان رحمہ اللہ کی کتاب '' حسن الأسوۃ بما ثبت عن اللہ ورسولہ فی النسوہ '' ہے۔

اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کے اندر '' قرآنِ حکیم میں مذکور مردوں اور عورتوں کے بارے میں '' گفتگو کی گئی ہے۔ جیسے کہ:

ا: دکتور عبدالرحمٰن عمیرہ کی کتاب: '' رجال ونساء انزل اللہ فیھم قرآناً ''

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان تجاوز اللّٰہ تعالیٰ عن حدیث النفس ... الخ/ حدیث: ۳۳۰

❷ مذکرہ اُصول الفقہ للشنقیطی، ص: ۱۶۲۔

❸ مجموع الفتاوی، جلد: ۱۹، ص: ۷۔

ب: دکتور محمد السید الوکیل کی کتاب: " نظرات فی احسن القصص "

ج: دکتور عماد زھیر حافظ کا مقالہ برائے P.H.D بعنوان " القصص القرآني بين الآباء والابناء " اور دیگر کئی ایک کتب ہیں کہ جنھوں نے قرآنِ حکیم میں وارد عورتوں کے قصص و واقعات کے تذکرہ کا کسی موضوع کے ذیل میں احاطہ کیا ہے۔ جیسے کہ؛

ا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی: '' قصص الانبیاء ''

ب۔ شیخ عبدالرحمٰن السعدی رحمہ اللہ کی " تیسیر اللطیف المنّان في خلاصة تفسیر القرآن " ہے۔

ان میں سے بڑی مقدار ان کتابوں کی ہے جو تاریخی پہلو کو بیان کرنے سے معنون ہیں۔ جبکہ ان میں سے بعض کے اندر ان کے مصنّفین نے تاریخی پہلو کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے سے متفاوت ہو کر ان واقعات سے دروس اور نصیحتوں کو بھی مستنبط کیا ہے۔ اور میں نے اپنے اس محققانہ مقالہ میں ان واقعات و قصص سے مستفاد احکام کے ساتھ ساتھ اسباق و دُروس اور نصیحتوں کے استنباط پر مزید فائدہ پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ ان شاء اللہ

پہلا باب

مردوں کی سب سے قریبی عورتوں کے واقعات

اس باب میں کل تین فصلیں ہیں:

فصل اوّل: ماؤں کے واقعات

فصل دوم: بیویوں کے واقعات

فصل سوم: بہنوں اور بیٹیوں کے قصص و واقعات

فصل اوّل: ماؤں کے واقعات:

اس فصل میں درج ذیل مباحث (موضوع تحقیق و مطالعہ) ہیں:

پہلا موضوع مطالعہ: سیّدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کا قصہ

دوسرا موضوع مطالعہ: سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کا قصہ

تیسرا موضوع مطالعہ: ایک کافر بچے کی ماں کا قصہ و واقعہ

چوتھا موضوع مطالعہ: جناب عمران رحمہ اللہ کی بیوی، اُمّ مریم علیہا السلام کا واقعہ

پانچواں موضوع مطالعہ: اُمّ عیسیٰ سیّدہ مریم علیہا السلام کا قصہ

فصل اوّل:

ماؤں کے واقعات

(کل پانچ موضوع ہیں)

(۱)......سیّدنا یوسف علیہ السلام کی والدہ کا قصہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ: آدمی اپنے کسی نہایت عزیز کو اور محبت کرنے والا اپنے محبوب کو اچانک دنیا میں گم کر لیتا ہے اور پھر وہ اس کا نشان بھی نہیں پا سکتا اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی خبر سن پاتا ہے، حالانکہ وہ گم شدہ عزیز اور محبوب از جان زندہ بھی ہوتا ہے۔ مگر دونوں کے درمیان ایک دُوری کا پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ عزوجل ان دونوں کی ملاقات کے اسباب پیدا فرما دیتے ہیں اور وہ کسی جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ بنوعامر کا شاعر لیلیٰ کا عاشق قیس (مجنوں) کہتا ہے:

وَقَدْ يُجْمِعُ اللّٰهُ الشَّتِيْتَيْنِ بَعْدَ مَا ... يَظُنَّانِ كُلَّ الظَّنِّ أَنْ لَا تَلَاقِيَا

''اس کے باوجود کہ ایک دوسرے سے بچھڑے ہوئے دو محبّ پورا پورا یقین کر لیتے ہیں کہ وہ کبھی بھی ایک دوسرے سے مل نہ پائیں گے، اللہ کریم ان دونوں کو کہیں نہ کہیں باہم ملا دیتا ہے۔''

جیسے اُردو کے شعراء نے کہا ہے:

جدائی تا جدائی فرق ہے، ملتے بھی ہیں آ کر ... فراق ایسا نہیں ہوتا کہ پھر آتے نہیں جا کر
فراقِ یار کے ہاتھوں یہ دردناک ہوں تجر ... فغاں نکلتی ہے انگلی اگر چٹکتی ہے
جو لمحہ فراقِ یار کا ہے، گویا ایک دن ہے قیامت کے ... معلوم نہیں کیا ہوتا ہے، انجام آغازِ محبت کا
ہر ایک گام پہ ذکر فراقِ یار نہ کر ... تو اپنے عزم تمنا کو شرمسار نہ کر
اُس کے جانے سے ہے ہر چمن محو غم ... ماند پڑنے لگی شہر کی دلکشی

تیرے ہی غم سے غمِ جاناں کی قیمت بڑھ گئی — تیرے ہی غم نے غمِ دوراں کو ارزاں کر دیا
میرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی — لکھ دیا مِن جُملہ اسبابِ ویرانی مجھے

غمِ فرقت کے بعد ملاپ کی چند ساعتوں کو شاعر نے کس خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے:

غم دل کی وادیوں میں یہ خوشی کے چند لمحے — انہیں جان لو غنیمت کہ یہ لمحے کل نہ ہوں گے
خدا ہی جانے کیا گزری ہے اس غم دیدہ بلبل پر — کہ رونا جس کو آتا ہے صدائے خندۂ گل پر
غم زدے تیری جدائی کا جو غم کرتے ہیں — مسکراتے بھی نہیں پھر کبھی گریاں ہو کر
تیغِ قاتل مری گردن سے لپٹ جاتی ہے یوں — جیسے بچھڑے کو گلے کوئی ملا دیتا ہے
برسوں کی راہ آگے عزیزاں نکل گئے — افسوس کارواں سے میں اپنے بچھڑ گیا
پھر کہاں میں اور کہاں تم اور کہاں یہ صحبتیں — سر پہ آ پہنچی بچھڑنے کی مصیبت، الوداع

کچھ اسی طرح کے حالات و واقعات میں سے ایک واقعہ کو قرآنِ حکیم نے ہمارے لیے بھی بیان فرمایا ہے۔ یہ واقعہ سیّدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے، جن کی ملاقات اپنے والدین سے ایک لمبی جدائی اور بڑی کربناک تکلیف کے بعد ہو سکی تھی۔ قرآنِ عظیم میں یہ واقعہ ایک ہی مقام پر بیان ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ (یوسف: ۹۹۔۱۰۰)

''پھر جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو جاؤ، امن والے، اگر اللہ نے چاہا۔ اور اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا اور وہ اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے اور اس نے کہا اے میرے باپ! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے، بے شک میرے رب نے اسے سچا کر دیا اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکالا اور تمھیں صحرا سے لے آیا، اس کے بعد کہ شیطان نے میرے درمیان اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ بے شک میرا رب جو چاہے اس کی باریک تدبیر کرنے والا ہے، بلاشبہ وہی سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

ان آیات کے بعض مشکل الفاظ کے معانی:

آوٰی إِلَیْـهِ أَبَوَیْهِ: مفسرین نے ان الفاظ کا معنی بیان کیا ہے: ضَمَّهُمَا اِلَیْهِ ......یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں، باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔ ❶

آمِنِیْـنَ: (بے کھٹکے، امن سے) اس لفظ کا معنی بیان کرتے ہوئے امام طبری اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: یعنی تم لوگ اپنے صحرائی وطن میں جس تنگ دستی اور قحط کا شکار تھے، اب تم اس حالت سے امن و کشادگی میں داخل ہو کر یہاں ارضِ مصر میں پورے امن سے رہو۔ یعنی اب کوئی اندیشہ نہ کرو۔ ❷

وَرَفَعَ أَبَوَیْـهِ عَلَى الْعَرْشِ: کا معنی ہے کہ: سیّدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے حکومتی تخت پر بٹھایا۔ ❸

وَخَرُّوْا لَـهُ سُجَّدًا: یہ بات ان کی شریعت میں جائز تھی کہ جب کسی بڑے آدمی کو سلام کریں تو اسے سجدہ بھی کریں۔ یہ رواج حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہا، پھر ہماری شریعت میں اسے حرام قرار دے دیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے شام سے واپس آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''معاذ! یہ کیا کر رہے ہو؟'' کہنے لگے: ''میں نے ملک شام میں دیکھا ہے کہ لوگ اپنے پادریوں کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔'' ❹

ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارسی نے جو ابھی حال ہی میں اسلام لائے تھے، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کر کے سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو، بلکہ اس زندہ ذات کو سجدہ کرو، جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔'' (ابن کثیر) موضح القرآن میں ہے: پہلے وقت میں سجدہ تعظیمی تھا۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا ہے۔ اس وقت اللہ نے وہ رواج موقوف کیا ہے۔ ﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ﴾ اس وقت پہلے رواج پر چلنا ویسا ہے کہ جیسے کوئی اپنی بہن سے نکاح کرے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہوا ہے۔ (موضح القرآن)

---

❶ تفسير الطبري، ج: ١٣، ص: ٦٥۔ وتفسير البغوي، ج: ٢، ص: ٤٥٠۔ وتفسير البحر المحيط، ج: ٥، ص: ٣٤٧۔ ومعاني القرآن وإعرابه للزجاج، ج: ٣، ص: ١٢٨.

❷ تفسير الطبري، ج: ١٣، ص: ٦٨۔ وتفسير ابن كثير، ج: ٤، ص: ٣٣٥.

❸ تفسير البغوي، ج: ٢، ص: ٤٥٠۔ وتفسير ابن كثير، ج: ٤، ص: ٣٣٥۔ انظر: تفسير الطبري، ج: ١٣، ص: ٦٧۔ وتفسير البغوي، ج: ٢، ص: ٤٥٠۔ وتفسير البحر المحيط، ج: ٥، ص: ٣٤٨.

❹ سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب حق الزوج على المرأة، حديث: ١٨٥٣۔ وهو صحيح فانظر: المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير، ص: ٦٧٢.

والدۂ یوسف رضی اللہ عنہا کی پہچان اور تعریف:

کسی بھی صحیح حدیث میں سیّدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ محترمہ کا نام ثابت نہیں ہے۔ جبکہ بنو اسرائیل سے مروی روایات میں ان کا نام ''راحیل'' ذکر ہوا ہے۔ بلکہ یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ: مصر میں داخلہ کے وقت سیّدنا یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ جو عورت تھی وہ جناب یوسف علیہ السلام کی خالہ تھیں اور ان کا نام ''لیا'' تھا۔ آپ کی والدہ کے بارے میں وہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ تو پہلے ہی فوت ہو چکی تھی۔ ❶

صحیح اور درست بات یہ ہے کہ: مصر میں داخلہ کے وقت جو عورت سیّدنا یعقوب علیہ السلام کے ہمراہ تھی وہ جناب یوسف علیہ السلام کی سگی والدہ ہی تھیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمانِ گرامی: ﴿آوٰی إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ﴾ سے بالکل واضح ہے۔ عربی زبان میں '' أَبَوَيْنِ '' سے مراد سگے ماں باپ ہوتے ہیں نہ کہ سوتیلے یا قریبی رشتہ دار۔ ❷

سیّدنا یوسف علیہ السلام کی والدہ کا واقعہ:

اس وجہ کی بنا پر کہ جو سیّدنا یوسف علیہ السلام اور آپ کے بھائیوں کے درمیان حسد کا سبب بنی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوسف علیہ السلام پر آپ کے والدین اور بھائیوں کی خبر کو ایک لمبی جدائی کے بعد پیشگی ذکر فرمایا ہے۔ قرآنِ کریم نے جناب یوسف علیہ السلام کے پاس آپ کے والدین اور بھائیوں (اور بھائیوں کی اولادوں) کے اپنے ملک سے سفر کر کے آپ کے پاس پہنچ جانے کے ذکر کو پوشیدہ رکھا ہے۔ (کھول کر بیان نہیں کیا۔) ❸

قرآنِ حکیم کے اسلوبِ بیان کے مطابق جو بات پوشیدہ (تقدیرِ کلام) ہے وہ یہ ہے کہ: سیّدنا یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ارضِ کنعان سے اپنے اہل خانہ (بیٹوں، پوتے پوتیوں، بیٹی اور نوسے نواسیوں سمیت سب) کو لے کر چلے اور چلتے ہوئے جناب یوسف علیہ السلام کے پاس آ گئے۔ ❹ اور جب یہ سب لوگ آپ کے پاس آن داخل ہوئے تو آپ نے اپنی ماں اور باپ دونوں کو اپنے پاس شاہی تخت پر جگہ دی۔ جناب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے جدا ان دونوں کو بالخصوص اپنے پاس اکٹھے بٹھایا۔ ❺ اس وقت آپ نے اپنے والدین اور اپنے بھائیوں سے فرمایا: ﴿ادْخُلُوا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ﴾ ...... ''تم سب لوگ اب مصر میں بے کھٹلے داخل ہو جاؤ۔'' (سورۂ یوسف:۹۹)

---

❶ تفسير الطبري، ج: ۱۳، ص: ٦٧۔ وتفسير البغوي، ج: ۲، ص: ٤٥٠۔ وتفسير ابن كثير، ج: ٤، ص: ۳۳٥۔ والتعريف والإعلام للسهيلي، ص: ۸۲۔ وتفسير البحر المحيط، ج: ٥، ص: ۳٤٧.

❷ دیکھیے: تفسير الطبری، ج: ۱۳، ص: ٦٧۔ وتفسير ابن كثير، ج: ٤، ص: ۳۳٥.

❸ دیکھیے: ابن عاشور کی: "التحرير والتنوير" ج: ۱۳، ص: ٥٥.

❹ دیکھیے: روح المعانی للآلوسی، ج: ۱۳، ص: ٥٧۔

❺ دیکھیے: ابن کثیر رحمہ اللہ کی: "قصص الانبياء" ص: ۲٦۳.

یعنی اب تم لوگ یہاں مصر میں ان شاء اللہ نہایت امن سے رہو گے۔ اب تم لوگ اپنی جانوں اور اپنے چوپایوں کی بھوک پیاس اور ہلاکت کے بارے میں محفوظ ہو گئے۔ اگرچہ قحط سالی تاہنوز جاری ہے، مگر ہم نے اس کا انتظام پہلے سے کر رکھا ہے۔ ❶

جس طرح یوسف علیہ السلام کے والدین محترمین نے اپنے نیکوکار، صالح بیٹے (یوسف) کے اپنے پاس ان کو پناہ دینے کی وجہ سے ایک مرتبہ و مقام حاصل کر لیا تھا، اسی طرح سیّدنا یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کو ان کی تعظیم و تکریم کی خاطر حکومتی تخت پر اپنے پاس بٹھا کر ان کی شان کو دوبالا کر دیا تھا۔ چنانچہ ماں باپ دونوں اور سب بھائیوں نے اس موقعہ پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سامنا سلام کے ساتھ کیا اور سب کے سب تعظیمی سجدہ کے لیے آپ کے سامنے جھک گئے۔ اُن کا یہ سجدہ جناب یوسف علیہ السلام کی عظمت و بزرگی کی وجہ سے تھا نہ کہ عبادت کی بنا پر۔ (تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔) ❷

یوں جناب یوسف علیہ السلام کا وہ خواب سچ ثابت ہو گیا جو آپ نے اپنی جوانی کے آغاز میں (بعمر ۱۷ سال) دیکھا تھا۔ اس وقت آپ نے خواب میں دیکھا تھا کہ: گیارہ ستارے اور چاند اور سورج آپ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ پھر یہ ہے کہ آپ کے والدین اور آپ کے بھائی اور ان کے اہل خانہ اور ان کی اولادوں نے اس کے بعد یہاں مصر میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ یہ لوگ صحرائی بود و باش اور بادہ نشینی کو ترک کر کے یہاں شہری تہذیب اور بود و باش میں آ گئے تھے۔ یعنی وہ بادہ نشینی اور صحرائی زندگی جو نہایت کٹھن اور دشوار گزار ہوتی ہے، اسے ترک کر کے یہ لوگ اس شہری زندگی اور ماحول میں آ گئے تھے جس میں باہم میل ملاپ اور رکھ رکھاؤ بہت ہوتا ہے۔ ❸

یہ ایک بڑی نعمت کہ جو سیّدنا یوسف علیہ السلام کے والدین اور آپ کے بھائیوں کو حاصل ہوئی تھی، یہ اُن کو جناب یوسف علیہ السلام پر اللہ عزوجل کے انعام کے سبب ملی تھی۔ اور اللہ کا انعام جناب یوسف علیہ السلام پر یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین مصر میں ہر طرح کے اختیارات دے دیے تھے۔

اسرائیلی روایات:

اس واقعہ میں کچھ اسرائیلی روایات کتابوں میں ذکر ہوئی ہیں۔ میں ان کا تذکرہ بالاختصار کرنا چاہتا ہوں۔

---

❶ دیکھیے: المرجع السابق، وتفسير البحر المحيط، ج: ٥، ص: ٣٤٧۔ وروح المعاني للألوسي، ج: ١٣، ص: ٥٦۔ قصص الأنبياء لابن كثير، ص: ٢٦٣۔ وانظر: تفسير المراغي، ج: ١٣، ص: ٤٢.

❷ دیکھیے: تفسير الطبري، ج: ١٣، ص: ٦٩۔ والدر المنثور، ج: ٤، ص: ٥٨٨۔ وأحكام القرآن لابن العربي، ج: ٣، ص: ١١٠٦.

❸ دیکھیے: تفسير المراغي، ج: ١٣، ص: ٤٤.

امام طبری رحمہ اللہ نے بواسطہ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ یہ روایت درج کی ہے کہ: سیّدنا یعقوب علیہ السلام اور اُن کی اولاد کی منزل ملک شام کی کشادہ وادیوں میں سے ارضِ فلسطین میں مقام ''عربات'' تھی۔ ❶ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فلسطین کے مقام ''اولاج'' میں فروکش ہوئے تھے جو گھاٹی کی ایک جانب میں ہے۔ جناب یعقوب علیہ السلام بادہ نشیں، اونٹوں اور بکریوں کے مالک تھے۔ ❷

اسی طرح امام طبری رحمہ اللہ نے بواسطہ امام سدی رحمہ اللہ نقل کیا ہے کہ: سیّدنا یوسف علیہ السلام شہر سے باہر نکل کر اپنے والدین محترمین اور اپنے بھائیوں کے استقبال کے لیے آئے اور اُن سے کہا: ﴿اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴾ ...... ''تم سب لوگ اب مصر میں اللہ نے چاہا تو بے کھٹکے، پرامن داخل ہو جاؤ۔'' اسی طرح امام طبریؒ نے ابن عباس اور محمد بن اسحٰق رضی اللہ عنہم و رحمہم اللہ کے واسطہ سے بھی روایت کیا ہے کہ: جناب یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ، آپ کے والد محترم (علیہ السلام) اور آپ کے بھائی آپ کو سجدہ کرنے کے لیے زمین پر گر گئے تھے۔ ❸

امام قرطبی نے حسن بصری رحمہ اللہ کی سند سے ذکر کیا ہے کہ: اللہ عزوجل نے جناب یوسف علیہ السلام کی والدہ کو (جو کہ اس سے قبل فوت ہو چکی تھیں۔) اُس خواب کو سچا کرنے کے لیے قبر سے زندہ کیا کہ جسے جناب یوسف علیہ السلام آغازِ جوانی میں دیکھا تھا۔ حتیٰ کہ اُس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ ❹

اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی جناب حسن بصری رحمہ اللہ کے واسطہ سے لکھا ہے کہ: جناب یوسف علیہ السلام اور آپ کے والدین کے درمیان جدائی کا عرصہ اَسّی (۸۰) سال تھا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مدت تراسی (۸۳) سال تھی۔ پھر جناب قتادہ رحمہ اللہ کی سند کے ساتھ درج کیا ہے کہ یہ مدتِ فراق پچاس سال تھی۔ محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ کی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ جدائی کی یہ مدت اٹھارہ سال تھی۔ اسی طرح ابن اسحٰق سے ہی ابن کثیر نے چالیس سال بیان کیے ہیں اور انھوں نے یہ روایتیں اہل کتاب سے نقل کی ہیں۔ ❺

---

❶ عرباب کا معنی دیسے تو تیز نہریں یا دریاؤں پر بندھی ہوئی کشتیاں ہوتا ہے، مگر الحموی نے معجم البلدان (ج:۴،ص:۹۸) میں لکھا ہے کہ: اس سے مراد وہ وادی عربہ ہے کہ جو فلسطین کے جنوب میں صحرائی علاقہ ہے۔

❷ دیکھیے: تفسير الطبري، ج: ١٣، ص: ٧١.

❸ دیکھیے. تفسير الطبري، ج: ١٣، ص: ٦٦۔ تفسير البغوي، ج: ٢، ص: ٤٥٠۔ وتفسير ابن كثير، ج: ٤، ص: ٣٣٤۔ تفسير الطبري، ج: ١٣، ص: ٦٨۔ وهو مسلسل بالضعفاء عن ابن عباس من طريق عطية العوفي.

❹ دیکھیے: تفسير القرطبي، ج: ٩، ص: ٢٦٣.

❺ دیکھیے: ابن کثیر رحمہ اللہ کی قصص الانبیاء، ص:۲۶۲۔ سیّدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو ہمارے ہاں عجمی طبقہ کے مولویوں، شاعروں اور ادیبوں نے بھی نہایت عجیب و غریب رنگ دے کر اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ ان کہانیوں اور حکایتوں کا جناب یوسف علیہ السلام کی سیرتِ مطہرہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ نمونہ کے طور پر واقعہ یوسف کے جس مقام کی اوپر بات ہو رہی ہے، اس مقام پر مولوی محمد اسحٰق دہلوی کی کتاب ''داستانِ ⇦ ⇦

ان اسرائیلی روایات پر تبصرہ:

ان روایات میں سے بعض تو ''منکر'' درجہ کی ہیں۔ بعض وہ ہیں کہ جو سنداً ثابت ہیں جبکہ بعض ایسی روایات بھی ہیں جن کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ پیچھے جناب یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کے متعلق ذکر ہوا ہے کہ وہ لوگ مقام ''عربات'' میں جا کر فروکش ہو گئے تھے تو...... اس روایت کی سند میں ایک راوی محمد بن حمید الرازی ہیں جسے ائمۃ الحدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ❶

جہاں تک امام سدی رحمہ اللہ کی سند سے مروی حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے والدین کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلنے والی روایت کا تعلق ہے تو اس کی سند میں: سفیان بن وکیع بن جراح نامی ایک راوی تھا تو ''صدوق'' مگر وہ اپنے روپے پیسے کے فتنہ میں مبتلا ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس کی طرف بعض ایسی باتیں منسوب کر دی گئیں جن کا تعلق حدیث و روایت سے قطعاً نہ تھا۔ اسے اس ضمن میں نصیحت بھی کی گئی مگر اس نے نصیحت قبول نہ لی۔ چنانچہ اس کی روایت کردہ احادیث ساقط ہو گئیں۔ ❷

اس کے برعکس قرآنِ حکیم بھی بالکل واضح بیان کر رہا ہے کہ: جناب یوسف علیہ السلام کے والدین اور آپ کے بھائی آپ کے پاس آپ کی حکومت والے ملک میں آئے تھے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے جو سیّدنا یوسف علیہ السلام کا اپنے والدین اور بھائیوں کے استقبال کے وقت پیش آیا تھا اور یہ کہ آپ نے اپنے والدین (اپنی والدہ محترمہ راحیل اور والد محترم جناب یعقوب علیہما السلام) کو اپنے حکومتی تخت پر اپنے پاس بٹھایا تھا اور یہ تخت مصر میں تھا نہ کہ فلسطین میں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اللہ عزوجل نے جناب یوسف علیہ السلام کی والدہ کو زندہ فرمایا تا کہ وہ بیٹے

⇦ ⇦ یوسف'' (مطبوعہ کتب خانہ شانِ اسلام، راحت مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور) کے چند اشعار (صفحہ: ۲۲۴، صفحہ: ۲۲۵ پر) ملاحظہ کیجیے، لکھا ہے:

یوسف و یعقوب دونوں مل گئے   تھے جو بتیس سال کے بچھڑے ہوئے
اس طرح دونوں گلے سے یہ ملے   شمع پر پروانہ آکر جوں گرے
اتنے روئے، اتنے روئے چیخ کر   ہوگئی دونوں کی بس حالت دگر
اسی طرح چمٹے کہ چپٹے رہ گئے   ہوش دونوں باپ بیٹوں کے نہ تھے
دیکھ کر یہ حال، یہ حالت ہوئی   ایک عالم بھر کی ہچکی بندھ گئی
ہے ادھر مخلوق ساری نیم جاں   اور فرشتوں کے اُدھر آنسو رواں
ہوگیا چاروں طرف سے اک ہجوم   مچ رہی ہے وصلِ یعقوبی کی دھوم
اور خود خوش ہورہا تھا وہ کریم   جس کے یہ سارے کرشمے تھے عظیم

❶ دیکھیے: تقریب التہذیب، ص: ۸۳۹، نمبر: ۵۸۷۱.

❷ دیکھیے: التقریب، جلد: ۲، ص ۳۰۸، نمبر: ٦٦.

کے خواب کی تعبیر میں اُسے سجدہ کر سکے تو اس ضمن میں ہم نے پیچھے اُس وقت اُمّ یوسف (راحیل) کے زندہ ہونے والی روایات کی صحت کا ذکر کر دیا ہے۔ البتہ جناب یوسف اور آپ کے اہل (والدین محترمین) کے مابین جدائی والی مدت کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو جو ترجیح دی ہے کہ: ان کے درمیان جدائی کی مدت اٹھارہ سال تھی ...... تو یہ بات قابل قبول ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قرآنِ حکیم (اور بعض صحیح احادیث) کا ظاہری سیاق وسباق جدائی کی مدت کو محدود کرنے کی طرف راہنمائی بھی کرتا ہے۔ چنانچہ عزیز مصر کی بیوی نے جب سیّدنا یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تو اس وقت آپ سترہ سال (۱۷) کے جوان تھے۔ یہ بات بہت سارے علماء نے کہی ہے۔ جناب یوسف (علیہ الصلاۃ والسلام) نے جب اُس کی بات نہ مانی تو آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا اور وہاں آپ چند سال رہے۔ جناب عکرمہ رحمہ اللہ جیسے علماء نے جیل کی مدت سات (۷) سال شمار کی ہے۔ پھر آپ کو وہاں سے باہر نکال کر جب ملک کے خزانے کا ذمہ دار بنا دیا گیا تو محنت والی زراعت وکاشتکاری کا زمانہ سات سال تک رہا۔ پھر جب لوگ قحط سالی کا شکار ہو کر سات سال تک قحط زدہ رہے تو آپ کے بھائی پہلے ہی سال چکر کاٹتے ہوئے رزق کی تلاش میں آپ کے پاس پہنچ گئے۔ دوسرے سال ان کے ساتھ جناب یوسف علیہ السلام کا ماں جایا سگا بھائی بنیامین بھی ان کے ہمراہ آ گیا۔ تیسرے سال ان سب کی یوسف علیہ السلام سے جان پہچان ہوگئی اور پھر آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے تمام اہل وعیال اور والدین کو اپنے ہمراہ لے آئیں۔ چنانچہ وہ سب کے سب یہاں مصر میں آ گئے۔" [1]

اس واقعہ سے حاصل شدہ دروس ونصائح:

۱ ...... سیّدنا یوسف اور آپ کے والدین کے واقعہ سے پہلا سبق یہ ملتا ہے کہ سخت قسم کی تکلیف اور آزمائش کے بعد آسانی وکشادگی ضرور آیا کرتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب سیّدنا یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ (راحیل بی بی رضی اللہ عنہا) اور والد مکرم سیّدنا یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام پر مختلف قسم کی سختیوں اور آزمائشوں کے ڈھیر لگ گئے حتیٰ کہ تنگ دستی نے ڈیرہ ڈال لیا اور قریب تھا کہ وہ اس کو برداشت کرنے سے عاجز آ جاتے مگر انھوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تو اُس ربّ کریم نے جو غموں کو دُور کرنے والا، مصیبتوں کے وقت کام آنے والا اور اپنے مجبور بندوں کی دُعاؤں کو سننے والا ہے ...... ان مشکلات کو آسانیوں میں بدل دیا۔ یہ اُس اللہ ذوالجلال کی خاص مہربانیاں ہیں جو اپنے دوستوں اور اولیاء پر وہ ہمیشہ کیا کرتا ہے۔ [2]

---

[1] دیکھیے: ابن کثیر رحمہ اللہ کی "قصص الانبیاء" صفحہ: ۲۶۲، ۲۶۳۔

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے: تیسیر اللطیف المنّان للسعدی رحمہ اللہ، ص: ۱۶۲.

۲...... جیسا کہ سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۹۹ اور نمبر ۱۰۰ سے جن کا ترجمہ ومفہوم پیچھے گزر چکا ہے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے زندہ بندوں کے لیے اس بات کی آسانی پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ کبھی نہ کبھی ایک دوسرے سے ضرور مل جاتے ہیں چاہے جدائیوں کا زمانہ لمبا ہی کیوں نہ ہو جائے اور وطن ایک دوسرے سے چاہے کتنے ہی دُور کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب یوسف علیہ السلام کے والدین کے لیے اپنے بیٹے سے ملاقات کے لیے ایک لمبی مدت کے بعد آسانی فرما دی تھی۔ (ذرہ اندازہ تو کیجیے کہ اس وقت اُمّ یوسف رضی اللہ عنہا کا حال اپنے لخت جگر کو یاد کر کے کیا ہوتا ہوگا؟ اور پھر جدائی کی مدت بھی اٹھارہ سال کی؟ یا سبحان اللہ!)

۳...... سیّدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے والدین کو اپنے خاص حکومتی تخت پر اپنے ساتھ بٹھانے سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ بلاشبہ نیکی وتعظیم کرنے میں والدین کی قدر ومنزلت اور ان کا مقام ومرتبہ بھائیوں سے زیادہ ہوا کرتا ہے۔ ❶

۴...... یہاں اس واقعہ سے یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ بذریعہ سجدہ دوسروں کو سلام پیش کرنے کی بجائے اُمت اسلامیہ کو اہل جنت جیسا زبانی سلام پیش کرنے والی عزت وتکریم عطا کی گئی۔ جیسا کہ امام قتادہ رحمہ اللہ نے ﴿وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے۔ ❷ آپ فرماتے ہیں: ''ارے ملت اسلامیہ کے معزز سپوتو! تم سے پہلی اُمتوں کا سلام یہ تھا کہ وہ تعظیماً ایک دوسرے کو سجدہ کرتے تھے۔ لیکن اللہ کریم نے تم لوگوں کو اپنی طرف سے تمہاری تکریم کی خاطر تمھیں جنت والوں کا سلام عطا فرما دیا ہے۔ یہ اُس ربّ کا تم لوگوں پر خاص انعام ہے۔ اب تم ایک دوسرے کو زبانی ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہہ کر پکارتے ہو۔'' ❸

ہماری شریعت مطہرہ میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا قطعاً منسوخ ہو چکا ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ:

((لَمَّا قَدِمَ مُعَاذٌ رضی اللہ عنہ مِنَ الشَّامِ سَجَدَ لِلنَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا هٰذَا يَا مُعَاذُ؟ قَالَ: أَتَيْتُ

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے: دکتور عماد حافظ کی کتاب: " القصص القرآني بين الآباء والابناء" ص: ۲۲۲.

❷ جناب قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز الدسوی رحمہ اللہ بہت بڑے مفسر قرآن تھے، آپ کا شمار ثقہ ترین علماء میں ہوتا تھا۔ آپ آنکھوں سے نابینا تھے۔ مگر جو بات، مسئلہ اور حدیث سن لیتے اسے کبھی نہ بھولتے تھے۔ آپ سنہ ۱۱۸ ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: تقریب التهذيب، صفحہ: ۳۵۳ اور داؤدی کی "طبقات المفسرين "جلد: ۲، صفحہ: ۴۷، ۴۸۔

❸ دیکھیے: تفسير الطبري، ج: ۱۳، ص: ۶۸۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآنِ حکیم میں اہل جنت کے سلام بارے ارشاد فرمایا ہے:

﴿أُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلَامًا ۝﴾ (الفرقان: ۷۵)

''ان لوگوں کو جزا میں بالا خانہ دیا جائے گا، اس لیے کہ انھوں نے صبر کیا اور اس میں ان کا استقبال زندگی کی دعا اور سلام کے ساتھ کیا جائے گا۔'' ...... اور فرمایا:

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيْمًا ۝ إِلَّا قِيْلًا سَلَامًا سَلَامًا ۝﴾ (الواقعہ: ۲۵، ۲۶)

''وہ اس میں نہ بے ہودہ گفتگو سنیں گے اور نہ گناہ میں ڈالنے والی بات۔ مگر یہ کہنا کہ سلام ہے، سلام ہے۔''

الشَّامَ فَوَافَقْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِأَسَاقِفَتِهِمْ وَبَطَارِقَتِهِمْ فَوَدِدْتُ فِيْ نَفْسِيْ أَنْ نَفْعَلَ ذٰلِكَ بِكَ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَلَا تَفْعَلُوْا فَإِنِّيْ لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِغَيْرِ اللّٰهِ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا لِعَظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا ، وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا تُؤَدِّي الْمَرْأَةُ حَقَّ رَبِّهَا حَتّٰى تُؤَدِّيَ حَقَّ زَوْجِهَا ، وَلَوْ سَأَلَهَا نَفْسَهَا وَهِيَ عَلٰى قَتَبٍ لَمْ تَمْنَعْهُ .)) ❶

''جب سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ملک شام سے واپس پلٹے تو انھوں نے نبی کریم ﷺ کو تعظیمی سجدہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: معاذ! یہ کیا؟ جنابِ معاذ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کے رسول! میں ملک شام گیا، وہاں میں نے دیکھا کہ وہ لوگ (نصاریٰ) اپنے مذہبی راہنماؤں اور فوجی جرنیلوں کو سجدہ کرتے ہیں۔ میرے دل یہ بات اچھی لگی کہ ہم بھی آپ ﷺ کو سجدہ کیا کریں۔ یہ سن کر نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: معاذ! تم لوگ ایسا مت کرو۔ اس لیے کہ اگر میں کسی کو اللہ کے سوا سجدہ کرنے کا حکم کرنا چاہتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے اور یہ اس کے خاوند کے اُس پر حق کے بہت بڑا ہونے کی وجہ سے ہوتا۔ اُس اللہ کریم کی قسم! جس کے ہاتھ میں مجھ محمد (ﷺ) کی جان ہے، عورت اپنے رب کا حق تب تک ادا نہیں کر سکتی جب تک اپنے خاوند کا حق ادا نہ کرے۔ اور اگر خاوند عورت سے کہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے (تاکہ وہ اس سے جماع کرے) تو اسے چاہیے کہ اس کو منع نہ کرے اگرچہ وہ اس وقت سفر کے لیے سواری پر سوار کیوں نہ ہو چکی ہو۔''

۵ ...... بلاشبہ بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے والدین نورِ ہدایت اور نفع و فائدہ کی بنا پر سورج اور چاند کی مانند ہوتے ہیں۔ یہ سبق اس مناسبت سے سیّدنا یوسف علیہ السلام کے خواب اور اس کی تعبیر کے درمیان پیش آنے والے واقعات و حالات سے حاصل ہوتا ہے کہ انھوں نے خواب میں دیکھا؛ سورج، چاند اور گیارہ ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ سب ستارے آسمان کی زینت بھی ہیں اور ان میں لوگوں کے لیے منافع جات اور فوائد بھی ہیں۔ اسی طرح والدین اپنی اولاد کے لیے نورِ ہدایت اور نفع و فائدہ دینے والے ہوتے ہیں۔ یہاں اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ نفع و فائدہ اور راہنمائی کے لحاظ سے چونکہ اپنے والدین جناب یوسف علیہ السلام کے لیے اصل تھے اور آپ کے بھائی اس ضمن میں ایک فرع کی حیثیت سے، اس لیے سورج

---

❶ سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب حق الزوج على الزوجة، ج: ١، ص: ٥٩٥۔ صححه الألباني۔ صحيح سنن ابن ماجه، ج: ١، ص: ٣١٢، مسند أحمد، ج: ٤، ص: ٣٨١.

سے مراد والد محترم اور چاند سے مراد والدہ محترمہ تھیں، جبکہ ستاروں سے مراد آپ کے بھائی تھے۔ ❶

۶۔۔۔۔۔۔ یہاں اس واقعہ سے یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ بندے پر اللہ کی نعمت کا فیض اس کو بھی پہنچتا ہے جو اس سے متعلق ہو۔ بالخصوص اس کے اہل خانہ میں سے جو اُس کا بہت قریبی ہو۔ پھر دیگر عزیز واقارب اور اُس کے ساتھی، دوست وغیرھم۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس ضمن میں والدہ آدمی کی خدمت کی سب سے زیادہ حقدار ہوتی ہے۔ اس قاعدہ کی بنا پر جب سیّدنا یوسف علیہ السلام پر اللہ کی نعمت مکمل ہوگئی تو اس سے آلِ یعقوب کو عزت و وقار، خوشی ومسرت اور ارضِ مصر میں بہترین ٹھکانا حاصل ہوگیا۔ اس کے برعکس ان پر آئے ہوئے ناپسندیدہ قسم کے مصائب زائل ہوگئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا دونوں آیات میں ذکر فرمایا ہے۔ ❷

۷۔۔۔۔۔۔ سیّدنا یوسف علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا:

﴿ وَقَالَ يَٰٓأَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُءْيَٰيَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِيٓ إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ ٱلسِّجْنِ وَجَآءَ بِكُم مِّنَ ٱلْبَدْوِ مِنۢ بَعْدِ أَن نَّزَغَ ٱلشَّيْطَٰنُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِيٓ ۚ إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ۝ ﴾ (یوسف: ۱۰۰)

''اور اس نے کہا اے میرے باپ! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے، بے شک میرے رب نے اسے سچا کر دیا اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکالا اور تمھیں صحرا سے لے آیا، اس کے بعد کہ شیطان نے میرے درمیان اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ بے شک میرا رب جو چاہے اس کی باریک تدبیر کرنے والا ہے، بلاشبہ وہی سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

تو اس سے معلوم ہوا کہ صحرائی زندگی اور دیہاتی بودوباش سے شہر کی طرف منتقل ہو جانا شہری تہذیب وتمدن علوم ومعارف اور اخلاق وآداب میں ترقی اور اللہ کی نعمتوں میں اضافے کا سبب بنا کرتا ہے۔ ❸

❀❀❀❀❀❀

❶ دیکھیے: تیسیر اللطیف المنّان للسعدی، ص: ۱۵۵.

❷ ایضاً، ص: ۱۵٦۔

❸ دیکھیے ابن عاشور کی: التحریر والتنویر، ج: ۱۳، ص: ۵۸.

(۲)......سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ عزوجل کا فرمان حق اور اس کا وعدہ سچا ہے۔ جیسا فرمانِ گرامی ہے:

﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾

(الانعام: ۱۱۵)

''اور تیرے رب کی بات سچ اور انصاف کے اعتبار سے پوری ہوگئی، اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اور دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ ...... بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق، سچ ہے۔'' (سورۃ لقمان:۳۳)

مومن آدمی تو ہر حال میں اللہ کے وعدہ کی تصدیق ہی کرنے والا ہوتا ہے، چاہے اُس کی عقل وشعور اور فکر، سوچ وغیرہ اس وعدے کا تصور اور خیال نہ بھی کرسکیں۔ مومن آدمی تو اس بات پر مکمل یقین رکھا کرتا ہے کہ اللہ کی قدرت قوانین کی پابند نہیں ہوا کرتی۔ اللہ عزوجل اپنی قدرت پر بذاتِ خود قادر ہے، اسے کسی اصول وضابطہ اور مخلوقات میں سے کسی کی بھی مدد ونصرت کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ مسلمان آدمی اس بات کا بھی خوب علم رکھا کرتا ہے کہ اللہ عزوجل ہر چیز پر قادر ہے۔ صدقہ وخیرات کو ہی لے لیجیے، ظاہر میں تو اس سے مال میں کمی نظر آتی ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم ہوجائے گا مگر نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں:

((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ .))

''صدقہ وخیرات مال کو کم نہیں کرتا، درگزر کرنے سے تو اللہ عزوجل بندے کی عزت میں اضافہ ہی فرماتے ہیں اور کوئی بھی مومن آدمی اللہ کی خاطر جب تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس کو رفعت وعظمت ضرور عطا فرماتے ہیں۔'' ❶

---

❶ صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب استحسان العفو والتواضع، حديث: ٦٥٩٢.

ایسے تمام اُمور میں تصدیق بالقلب کے ساتھ مومن کو رفعت وعظمت حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنی عقل کو اپنی ناقص قیاس آرائی کے لیے خواہ مخواہ کھلا نہیں چھوڑتا کہ عقل کی کسوٹی پر اگر ایسی کوئی بات پوری اُتری تو درست ہے ورنہ نہیں۔ بلکہ وہ ہر صورت میں اللہ عزوجل اور اس کے نبیوں کی ہر بات کو صدقِ دل سے مانا کرتا ہے۔

قرآنِ حکیم ہمارے سامنے ایک ایسی عورت (اُمّ موسیٰ رضی اللہ عنہا) کا واقعہ بیان کرتا ہے جو مکمل مومنہ تھی اور اس نے اللہ کے حکم سے سرمو انحراف نہیں کیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک ایسے حکم کو بجالاتی نظر آتی ہے کہ جس کے ظاہر میں بیوقوفی اور پاگل پن نظر آتا تھا مگر حقیقت میں وہ ایک ایسی شخصیت کا فعل تھا جو اللہ پر پورا ایمان رکھتی تھی اور اسے اپنے رب، اللہ کریم کے بارے میں ذرہ بھر بدگمانی نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے اللہ کے حکم کو بجالانے کے لیے ذرہ بھر تاخیر سے کام نہ لیا بلکہ اللہ کے وعدہ پر پورا یقین رکھتے ہوئے اُس نے اللہ کے حکم پر فوراً عمل کیا۔

اُمّ موسیٰ (رضی اللہ عنہا جن کا نام اریافت یا لوحا تھا) کے واقعہ کو قرآنِ حکیم میں دو مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۝ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۝ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ۝ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ ۝ ﴾ (طٰہٰ: ۳۷ تا ۴۰)

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تجھ پر ایک اور بار بھی احسان کیا۔ جب ہم نے تیری ماں کو وحی کی، جو وحی کی جاتی تھی۔ یہ کہ تو اسے صندوق میں ڈال، پھر اسے دریا میں ڈال دے، پھر دریا اسے کنارے پر ڈال دے، اسے ایک میرا دشمن اور اس کا دشمن اٹھالے گا اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے ایک محبت ڈال دی اور تاکہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔ جب تیری بہن چلی جاتی تھی، پس کہتی تھی کیا میں تمھیں اس کا پتا دوں جو اس کی پرورش کرے؟ پس ہم نے تجھے تیری ماں کی طرف لوٹا دیا، تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور وہ غم نہ کرے۔ اور تو نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور ہم نے تجھے آزمایا، خوب آزمانا، پھر کئی سال تو مدین والوں میں ٹھہرا رہا،

پھر تو ایک مقرر اندازے پر آیا اے موسیٰ!'' ❶

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ○ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ○ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○﴾

(قصص: ٧ تا ١٤)

''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلا، پھر جب تو اس پر ڈرے تو اسے دریا

---

❶ ہوا یہ کہ فرعون کے گھر والوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا لیکن جب اسے دودھ پلانے کے لیے دایاؤں کا انتظام کیا گیا تو وہ کسی بھی دایہ کا دودھ پینے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ ...... ''اس سے پہلے ہم نے ان پر تمام دودھ پلانے والیوں کو حرام کردیا تھا۔'' (قصص: ١٢) اس موقع پر ان کی بہن وہاں پہنچی اور یہ منظر دیکھ کر فرعون اور اس کی بیوی حضرت آسیہ سے کہنے لگی۔

بیچ کی تفصیل چھوڑ دی گئی ہے کہ فرعون کے گھر والوں نے رضامندی ظاہر کردی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن گھر آئی اور اپنی والدہ کو ساتھ لے کر فرعون کے ہاں پہنچ گئی۔ انھوں نے جونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منہ سے اپنی چھاتی لگائی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دودھ پینا شروع کردیا۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے پاس پہنچ گئے۔ نظم قرآن پر غور کرنے سے یہ تفصیل خودبخود ذہن میں آجاتی ہے۔ ممکن ہے اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر لے آئی ہوں تاکہ فرعون کی طرف سے بطورِ دایہ مامور ہوکر شاہانہ اعزاز واکرام کے ساتھ بچہ کی تربیت کرتی رہیں۔ واللہ اعلم۔ (ابن کثیر)

یہ پورا قصہ سورۂ قصص (رکوع: ٥، ٦) میں بیان ہوا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جوان ہونے کے بعد ایک روز حضرت موسیٰ شہر میں داخل ہوئے۔ وہاں ان کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور اللہ تعالیٰ نے معاف بھی فرمادیا۔ مگر ڈرتے رہے کہ فرعون کے سپاہیوں کے ہاتھوں پکڑے نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس غم وفکر سے انہیں نجات دی اور مصر سے نکال کر مدین میں پہنچادیا۔ جہاں ایک بزرگ کی لڑکی سے ان کا نکاح ہوا۔ پھر وہاں وہ دس سال رہے۔ پھر اپنے بیوی بچوں کو لے کر مدین سے مصر روانہ ہوئے۔

میں ڈال دے اور نہ ڈر اور نہ غم کر، بے شک ہم اسے تیرے پاس واپس لانے والے ہیں اور اسے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔تو فرعون کے گھر والوں نے اسے اٹھا لیا، تاکہ آخر ان کے لیے دشمن ہو اور غم کا باعث ہو۔ بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے۔اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، امید ہے کہ وہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور وہ سمجھتے نہ تھے۔اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا۔ یقیناً وہ قریب تھی کہ اسے ظاہر کر ہی دیتی، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے اس کے دل پر بند باندھ دیا تھا، تاکہ وہ ایمان والوں میں سے ہو۔ اور اس نے اس کی بہن سے کہا اس کے پیچھے پیچھے جا۔ پس وہ اسے ایک طرف سے دیکھتی رہی اور وہ شعور نہیں رکھتے تھے۔اور ہم نے اس پر پہلے سے تمام دودھ حرام کر دیے تو اس نے کہا کیا میں تمھیں ایک گھر والے بتلاؤں جو تمھارے لیے اس کی پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں۔تو ہم نے اسے اس کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا، تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور وہ غم نہ کرے اور تاکہ وہ جان لے کہ یقیناً اللہ کا وعدہ سچ ہے اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا اور پورا طاقتور ہو گیا تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم عطا کیا اور اسی طرح نیکی کرنے والوں کو ہم بدلہ دیتے ہیں۔'' [1]

مشکل الفاظ کے معانی:

فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی: اوپر سورۃ القصص کی آیت نمبر۱۰ میں وارد اس لفظ کا معنی ہے: جنابِ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا دل۔ بمعنی'' قلب'' ......فواد بمعنی دل تب قابل اعتبار ہوتا ہے جب وہ بے چین ہو کر کسی غم کی وجہ سے سلگ رہا ہو۔اور

فَارِغًا: سے مراد ہے کہ اُن کا دل اس وقت سوچ سمجھ سے خالی ہو گیا۔(یعنی بیٹے کی جدائی میں ایسی بے قرار ہوئیں کہ موسیٰ کے سوا کسی اور چیز کا خیال دل میں نہ رہا۔مگر اللہ کریم نے ان کے دل کو ایمان کے سبب مضبوط رکھا۔)

لَتُبْدِیْ بِهٖ: (وہ بے چین ہو کر) چاہتی تھی کہ بیٹے کا حال کسی پر ظاہر کر دے۔

---

[1] یعنی انہیں الہام کیا، یا ان کے دل میں ڈالا، یا انھیں خواب دکھایا۔ بہر حال ان کی طرف یہ وحی اعلام تھی وحی نبوت نہ تھی، کیونکہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبیہ نہ تھیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے پاس فرشتہ آیا۔اس صورت میں بھی یہی کہا جائے گا کہ فرشتے تو غیر انبیاء کے پاس بھی آجاتے ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں گنجے، کوڑھی اور نابینا کا قصہ مذکور ہے کہ ان کے پاس فرشتہ آیا اور ان سے ہمکلام ہوا۔صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ فرشتوں نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ بن حصین کو سلام کیا، لیکن اس سے وہ نبی نہیں بن گئے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام بعض نے ایارفت اور بعض نے لوحا لکھا ہے۔(قرطبی، شوکانی)

رَبَطْنَا عَلَى قَلْبِهَا: یعنی بذریعہ الہام ہم نے اس کے دل کو صبر اور مضبوطی کے ساتھ تھام کر رکھا۔
لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: اللہ عزوجل نے ان سے یہ جو وعدہ فرمایا تھا: ﴿إِنَّا رَادُّوْهُ إِلَيْكِ﴾ ...... ''ہم موسیٰ کو تیرے پاس لوٹا دیں گے۔'' تو وہ اللہ عزوجل کے اس وعدے کو تاکہ سچا ماننے والی ہو جائے۔ (اس لیے صبر و استقامت کے ساتھ اُس کے دل کو مضبوط رکھا تھا۔) ❶
كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا: تاکہ اُمّ موسیٰ کی آنکھیں بیٹے کو دیکھ دیکھ کر ٹھنڈی رہیں۔
وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّكَ: سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر: ۳۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
''اور ہم نے اسے موسیٰ (علیہ السلام) تیری ماں (یوخاند یا اریافت) کی طرف الہام کیا۔'' یہاں وحی بمعنی الہام ہے، جیسا کہ پیچھے حاشیہ میں گزر چکا ہے۔
مَا يُوحَى: وہ بات کہ جو وحی کی جارہی ہے اور اس کی تفسیر اگلے الفاظ نے یوں کر دی:
أَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ: اور وہ یہ کہ اسے ایک تابوت (صندوقچہ) میں ڈال دے اور پھر اس صندوقچہ کو دریا میں بہا دے۔ معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر پہلے اللہ تعالیٰ نے بات کو مبہم رکھا اور پھر اس کی تفصیل بیان فرما دی۔
اَلْيَمّ: مراد دریائے نیل ہے۔
فَرَجَعْنَاكَ: اے موسیٰ ہم نے تمھیں تمہاری کی طرف واپس لوٹا دیا۔ اس بات کو سورۃ القصص میں ﴿فَرَدَدْنَاهُ﴾ کے صیغہ کے ساتھ بیان کیا، تاکہ اللہ کے وعدہ ﴿إِنَّا رَادُّوْهُ إِلَيْكِ﴾ کی تصدیق ہو جائے۔ ❷

اُمّ موسیٰ رضی اللہ عنہا کا تعارف:

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام کسی بھی صحیح حدیث اور قرآن کی کسی بھی آیت کریمہ میں ذکر نہیں ہوا۔ بلکہ اہل تاریخ (مؤرخین) نے ان کا نام ''یوخاند'' یا ''یحیب'' یا ''یوخایذ'' یا ''باختہ'' یا پھر ''لوحا بنت ھاند بن لاوی

---

❶ یہ تمام معانی امام راغب اصبہانی کی ''المفردات للقرآن'' ص: ۳۷۷، ص ۳۸٦، ص ٤٠، تفسیر القاسمی، ج: ۱۳، ص: ٤٦٩٧، الکشاف، ج: ۳، ص: ۱٦۷۔ تفسیر القرطبي، ج: ۱۳، ص: ۲٥٦۔ الزجاج کی ''معانی القرآن واعرابه'' ج: ٤، ص: ۱۳٤۔ اور تفسیر البغوي، ج: ۳، ص: ۲۳۷ میں ذکر ہوئے ہیں۔

❷ مذکور بالا تمام الفاظ کے معانی: (۱) تفسیر الطبري، ج: ۲۰، ص: ۳۸، ج: ٦، ص: ۱٦۱۔ المفردات للراغب، ص: ۳۹۸، ٤۰۰، ٥۱٥، ۳۹۷، ٥٥۲، ۲۲۷۔ تفسیر الکشاف، ج: ۲، ص: ٥۰۷۔ تفسیر البحر المحیط، ج: ٦، ص: ۲٤۰۔ تفسیر النسفي، ج: ۲، ص: ۳٥٦۔ تفسیر ابی السعود، ج: ٦، ص: ۱۲۔ اصلاح الوجوه والنظائر، ص: ۳۷٤۔ تفسیر الجلالین، ص: ٤۱٥۔ تفسیر البغوي، ج: ۳، ص: ۲۱۷ میں ذکر ہوئے ہیں۔

ابن یعقوب (علیہ السلام)'' وغیرھا ذکر کیا ہے۔ ❶ بہرکیف کوئی نہ کوئی نام تو ضرور تھا۔ تفصیل میں جانے کا کچھ فائدہ نہیں۔

تمام علماءِ اُمت رحمہم اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ: سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبیہ نہیں تھیں۔ آپ کی طرف وحی بمعنی الہام کی تفصیل پیچھے حاشیہ میں گزر چکی ہے۔ اور جیسا کہ قرآنِ حکیم نے بھی اپنے ارشادِ گرامی: ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى ﴾...... ''اور ہم نے (اے ہمارے حبیب وخلیل نبی!) آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھی بھیجے وہ سب کے سب مرد ہی تھے۔ (عورتیں، فرشتے یا جن نہ تھے) جو کہ بستیوں، شہروں کے رہنے والے تھے۔'' (یوسف:۱۰۹) یعنی شہروں کے رہنے والے مہذب، سنجیدہ اور بااخلاق نہ کہ جنگلی یا دیہاتی قسم کے اجڈ، سنگدل۔ اس میں ان لوگوں کا ردّ ہے جو کہا کرتے تھے: ﴿لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ﴾ اس رسولؐ پر فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ اب تک جتنے لوگ بھیجے ہیں وہ سب شہری لوگ تھے اور وہ بھی مرد۔ اس آیت میں ان لوگوں کا بھی ردّ ہے جو کہتے ہیں کہ چار عورتیں پیغمبر ہوئی ہیں۔ حوا، آسیہ، اُمّ موسیٰ اور حضرت مریم۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان عورتوں کو فرشتے کے ذریعہ وحی یا بشارت تو ضرور ملی ہے مگر یہ نبوت کو مستلزم نہیں۔ (عرفاً) نبی کی طرف وحی تشریعی کا ہونا لازم ہے اور اس قسم کی وحی (تشریعی) کسی عورت پر نازل نہیں ہوئی۔ (ابن کثیر) ہمارے نزدیک تمام مفسرین میں سے امام قرطبی اور آلوسی کے قول کو ترجیح حاصل ہے کہ اُمّ موسیٰ (رضی اللہ عنہا) کی طرف اللہ عزوجل کا مذکور بالا حکم بذریعہ فرشتہ (بصورتِ انسان) آیا تھا اور یہ نبیوں کے علاوہ اللہ کے دیگر بندوں کی طرف بھی بسا اوقات آجایا کرتے ہیں، جیسا کہ احادیث مبارکہ میں بہت سارے واقعات درج ہیں اور ایسا ہونے سے وہ لوگ نبی نہیں بن گئے تھے۔

واقعہ کی تفصیل:

جب اللہ عزوجل نے اس بات کا ارادہ فرمایا کہ وہ بنو اسرائیل کو اس سرکشی سے بچالے کہ جس میں وہ ایک لمبی مدت سے (سیّدنا یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے بعد) مبتلا ہو چکے تھے تو پھر اُس نے اس معاملہ کے لیے کچھ اسباب تیار فرمائے۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ

---

❶ یہ تمام نام: الکامل لابن الاثیر، ج: ۱، ص: ۹۵۔ تاریخ الطبری، ج: ۱، ص: ۲۳۱۔ تفسیر القرطبی، ج: ۱۳، ص: ۲۵۰ اور ابن کثیر رحمہم اللہ جمیعاً کی کتاب: قصص الانبیاء، ص: ۲۹۹ اور السہیلی کی کتاب التعریف والاعلام، ص: ۱۳۰ میں ذکر ہوئے ہیں۔

الْوٰرِثِیْنَ ﴿۵﴾ وَنُمَکِّنَ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَجُنُوْدَھُمَا مِنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾ (القصص : ۵۔۶)

''اور ہم چاہتے تھے کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں جنھیں زمین میں نہایت کمزور کر دیا گیا اور انھیں پیشوا بنائیں اور انھی کو وارث بنائیں۔ اور انھیں زمین میں اقتدار دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو ان سے وہ چیز دکھلائیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔''

چنانچہ اس فیصلہ کی ابتدائی تیاریوں میں سے یہ تھا کہ جب سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ آپ کے نطفہ مطہرہ کے ساتھ حاملہ ہو کر مدتِ حمل پوری ہونے کے بعد آپ کو جنم دینے سے سرفراز ہو چکیں تو اللہ عزوجل نے آپ کی طرف بذریعہ فرشتہ وہ وحی بھیجی یا آپ کو اِلہام فرمایا کہ جس کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔ (تفصیل تفسیر الرازی، جلد: ۲۴، صفحہ: ۲۲۷ میں دیکھی جا سکتی ہے۔)

جنابِ موسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں بہا دینے والے حکم کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟ اس کا ذکر اللہ عزوجل نے قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃ القصص میں اس واقعہ کے آغاز میں اس کا سبب یوں بیان ہوا ہے:

﴿ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَۃً مِّنْھُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَھُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَھُمْ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۴﴾ (القصص : ۴)

''بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے رہنے والوں کو کئی گروہ بنا دیا، جن میں سے ایک گروہ کو وہ نہایت کمزور کر رہا تھا، ان کے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ بلاشبہ وہ فساد کرنے والوں سے تھا۔''

اسی طرح سورۃ البقرہ میں اسی بات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾ (البقرۃ : ۴۹)

''اور جب ہم نے تمھیں فرعون کی قوم سے نجات دی، جو تمھیں برا عذاب دیتے تھے، تمھارے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتے اور تمھاری عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔'' [1]

---

[1] فرعون اس زمانے میں مصر کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون مصر تھا اس کے نام میں اختلاف ہے۔ ⇦⇦⇦

اور جیسا کہ پیچھے سورۃ القصص کی آیت نمبر: ۷ میں اس بات کی وضاحت آ گئی ہے کہ: اللہ عزوجل نے اُمّ موسیٰ کی طرف پہلا اِلہام یہ کیا کہ: اس بچے کو دودھ پلاتی رہو اور جب تمھیں اس بات کا ڈر پیدا ہو جائے کہ فرعونی ظالم تمھارے بچے کی خبر پا کر تم سے چھین لے جائیں گے تو پھر اسے صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دینا۔ (دنیا میں کمزور لوگوں کو غالب کرنے والا اللہ ربّ العالمین کا جو فیصلہ تھا) یہ اس فیصلہ کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تدبیر تھی۔ وہ اللہ عزوجل حکمت و دانائی والا ہر بات کی خوب خبر رکھنے والا اس بات کو خوب جانتا تھا کہ اس بچے کو جو کہ مستقبل میں اپنی قوم کے لیے نجات دہندہ بننے والا تھا ملک مصر کے کسی بھی مقام پر رکھا یا چھپایا جاتا۔ ڈر اس بات کا تھا کہ فرعونی لشکر اس تک پہنچ ہی جاتے اور اُسے قتل کر دیتے۔ اس لیے اللہ عزوجل نے دریائے نیل کے ذریعے اس بچے کو فرعون کے محلات میں پہنچا دیا۔ جہاں وہ بالکل محفوظ ہو گیا۔ جیسا کہ پیچھے سورۃ القصص کی آیت نمبر: ۹ میں گزر چکا ہے۔ ❶

جناب جنید بن محمد بن جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ❷ اللہ عزوجل نے اُمّ موسیٰ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اگر کسی بھی سبب اور ذریعہ کی بنا پر تمھیں موسیٰ کی حفاظت کا ڈر پیدا ہو جائے تو اسے دریا میں ڈال کر ہمارے سپرد کر دینا اور اپنے آپ سے اس لیے اپنی شفقت اور اپنی تدبیر کو منقطع کر دینا۔ ❸ اس کے ساتھ اللہ کریم نے اس کو اپنے اس فرمانِ گرامی کے ذریعے اطمینان بھی دلا دیا کہ اسے کچھ نہیں ہوگا، تم بے دھڑک اسے صندوق میں بند کر کے دریا کے سپرد کر دینا۔ فرمایا: ﴿ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ﴾ یعنی فرعون اور اس کے لشکر کے بارے میں تم نے کسی قسم کا خوف اس بچے کے بارے میں نہیں کھانا کہ وہ اسے کچھ تکلیف پہنچائیں اور نہ ہی اس کی جدائی پر غم کھانا ہے۔ ہم عنقریب

⇦⇦⇦ تفاسیر میں عموماً ولید بن مصعب مذکور ہے اور آلِ فرعون سے اس کے اتباع اور ہم مذہب لوگ مراد ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی ہے جس نے مصر کا احاطہ کر لیا ہے اور تمام قبطی اس کی لپیٹ میں آ گئے ہیں۔ صرف بنی اسرائیل اس سے محفوظ رہے ہیں۔ اس وقت کے کاہنوں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت اور تیرے دین کو تباہ کر دے گا۔ اس پر فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو، اُسے مار ڈالا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو، اُسے زندہ رہنے دیا جائے۔ چنانچہ اس منصوبے کے تحت ہزار ہا بچے موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے، مگر اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو کون روک سکتا تھا۔ اسی ہنگامۂ کشت وخون میں حضرتِ موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ فرعون کے گھر میں ان کی نشوونما کرائی اور انھی کے ہاتھوں آخر کار فرعون اور اس کی حکومت تباہ ہو گئی۔ یہاں پر ﴿ بَلَاءٌ ﴾ سے مراد انعام واحسان ہے یا مصیبت وآزمائش۔ (ابن کثیر)

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے: صلاح الخالدی کی کتاب "مع قصص السابقین فی القرآن" صفحہ: ۶۸

❷ جنید محمد جنید ریشمی کپڑوں کی خرید وفروخت کا کام کرتے تھے۔ نہایت عابد وزاہد آدمی تھے۔ سنہ ۲۹۸ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ کہا کرتے تھے: ''اللہ عزوجل نے زمین کی طرف جتنا علم نازل فرمایا ہے اور اپنی مخلوق کے لیے اُس علم کے حصول میں جتنے راستے بنائے ہیں، اس میں سے اللہ کریم نے مجھے ایک وافر حصہ نصیب فرمایا ہے۔'' تفصیل کے لیے دیکھیے: صفوۃ الصفوہ، جلد: ۲، صفحہ: ۴۱۶ اور ۴۲۴۔

❸ دیکھیے: تفسیر البحر المحیط، جلد: ۷، صفحہ: ۱۰۵

اس کو تمہاری طرف واپس لوٹا دیں گے۔ ❶ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُمّ موسیٰ (رضی اللہ عنہا) سے وعدہ فرماتے ہوئے اُسے خوشخبری بھی دے دی کہ وہ اُولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر بننے والا ہے۔'' ❷

چنانچہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے اللہ کے اس حکم عظیم کو دل و جان سے قبول کرتے ہوئے اس پر پورا پورا عمل کیا۔ اسے اللہ ربّ العالمین کے وعدہ پر مکمل یقین آ گیا اور پھر اس نے اللہ عزوجل کے اس حکم پر فوراً اقدام کیا جسے بجالانے کی اُس نے اُمّ موسیٰ کی طرف وحی کی تھی۔ اس کے بعد اُمّ موسیٰ کو اپنے بیٹے کے بارے میں خوف پیدا ہوا (کہ اس کی خبر اگر باہر نکلی تو فرعونی سے چھین کر قتل کرڈالیں گے۔) تو اُس نے جلدی سے اسے ایک صندوقچہ میں رکھا اور دریا میں بہادیا۔ اس صندوقچہ کو فرعون کے اہل خانہ نے پکڑ لیا۔

اُمّ موسیٰ کو جب اس بات کی خبر ملی کہ اس صندوق کو فرعون کے سپاہیوں یا اُس کے گھر والوں نے پکڑ لیا ہے تو بہت گھبرائی، اُس کی عقل نے ساتھ دینا چھوڑ دیا۔ اسی رنج میں قریب تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے بیٹے کا حال کھول دے اور جسے وہ فرعونیوں سے چھپائے ہوئے تھی اس کا سرعام اظہار کردے کہ یہ بچہ اُس کا اپنا بیٹا ہے۔ مگر اللہ عزوجل نے اس کے دل کو مضبوط رکھا اور اللہ عزوجل کے اس وعدے کو یاد کرکے ثابت قدم رہی کہ وہ اس کے بیٹے کی حفاظت بھی کرے گا اور اسے اس کے پاس واپس بھی لوٹا دے گا۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھ اللہ کریم کے وعدہ کے ذریعہ مطمئن رہی۔ ❸

جب اس کی گھبراہٹ کو کچھ سکون ملا تو اُس نے بیٹے کی تلاش شروع کروادی اور موسیٰ کی بہن (جس کا نام مریم، کاتمہ یا کلثوم تھا) کو بھیجا کہ وہ صندوق کے پیچھے پیچھے چلتی جائے اور اس کی پوری پوری خبر رکھے۔ چنانچہ وہ انجان سی بن کر اسے دیکھتی رہی تاکہ کسی کو اس بات کا گمان بھی نہ ہو کہ وہ اس صندوق والے کی بہن ہے اور یہ معلوم کرنے کے لیے ساتھ ساتھ چلی آ رہی ہے کہ اسے کون اُٹھاتا ہے اور کدھر لے جاتا ہے؟

پھر جیسا کہ پیچھے قرآنی آیات کے ترجمہ میں گزر چکا ہے، اللہ کریم نے اپنے وعدہ کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو اُس کی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا، تاکہ بچے کی اپنی ماں کے پاس واپسی اور سلامتی سے اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں۔ وہ اپنے بیٹے کی جدائی پر غم نہ کرسکے اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرکے جان سکے کہ اللہ عزوجل کا

---

❶ حوالہ سابقہ، جلد: ۲۰، ص: ۳۰

❷ حوالہ سابقہ، جلد: ۲۰، صفحہ: ۳۱

❸ دیکھیے: تفسیر البغوي، ج: ۳، ص: ٤٣٧۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ٦، ص: ۲۳۳۔ تفسیر البحر المحیط، ج: ۷، ص: ۱۰٦۔ تفسیر القاسمي، ج: ۱۳، ص: ٤٦٩٧.

وعدہ حق اور سچ تھا۔ ❶

اسرائیلی روایات:

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کے ساتھ پیش آمدہ ان واقعات کے بارے میں بہت ساری اسرائیلی روایات تاریخ وتفسیر کی کتابوں میں درج ہیں، جنھیں بالاجمال یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ جب آپ کے والد محترم کے ذریعے نطفۂ طیبہ سے حاملہ ہوئیں تو جیسے دوسری عورتوں پر حمل کی علامتیں کچھ دنوں کے بعد ظاہر ہو جاتی ہیں اس طرح سے ایسی کوئی علامت ان پر ظاہر نہ ہوئی اور نہ ہی اپنے لیے دائی جنائی کے عمل کا ادراک کر سکیں۔ لیکن جب انھوں نے ایک بیٹے کو جنم دیا تو اس پر انھیں بہت زیادہ تکلیف کا سامنا کرنا پڑا اور اس بچے کے بارے میں شدید خوف پیدا ہو گیا (کہ ظالم کہیں اسے قتل نہ کر ڈالیں۔) چنانچہ اس بچے کے ساتھ اس کی محبت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ جب اپنے بیٹے کو دشمن کے ہاتھوں بچانے سے عدم قدرت کا اُس پر اظہار ہوا تو اللہ عزوجل نے اس کی طرف الہام فرمایا جس کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔ اُمّ موسیٰ کا گھر دریائے نیل کے کنارے واقع تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک تابوت لیا اور اس میں ایک پالنا، گھوارہ بنایا اور بچے کو دودھ پلانے لگی۔ جب اُس کے پاس کوئی فرد ایسا آتا جس سے اُسے خوف لاحق ہوتا تو موسیٰ کو جھٹ تابوت میں ڈال کر دریا میں ڈال دیتی۔ تابوت کے ساتھ رسی باندھ کر اس کا دوسرا سرا اس نے اپنے پاس باندھا ہوتا تھا۔ ایک دن کی بات ہے کہ اُمّ موسیٰ رسّی کا دوسرا سرا اپنے پاس باندھنے سے بھول گئی۔ چنانچہ تابوت پانی میں بہہ گیا۔ ❷

تاریخ الیعقوبی کے مصنف نے بیان کیا ہے کہ جب اُمّ موسیٰ کو دردِ زہ شروع ہو گئی تو اس سے دائی کہنے لگی کہ میں تمہارا بھید چھپائے ہوئے تھی۔ چنانچہ جب اُمّ موسیٰ نے بچے کو جنم دے دیا تو دائی پہرے داروں سے (جو بنو اسرائیل کی آبادیوں میں اسی ٹوہ میں لگے رہتے تھے) کہنے لگی: یوحانذ (اُمّ موسیٰ) کے وجود سے تو خون کی ایک پھٹکڑی سی نکلی ہے اور کچھ نہیں۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے اُمّ موسیٰ کی طرف وحی کی کہ ایک تابوت بناؤ اور پھر اس میں اس بچے کو ڈال دو۔ رات کے وقت اس تابوت کو گھر سے باہر نکالو اور اسے دریائے نیل میں بہا دو۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ ایک تیز ہوا نے پھر تابوت کو دریا کے کنارے لا پھینکا۔ ❸

---

❶ دیکھیے: روح المعاني للألوسي، ج: ۲۰، ص: ۵۰۔ تفسير أبي السعود، ج: ٦، ص: ١٦۔ تفسير الطبري، ج: ۲۰، ص: ٤١۔ زاد المسير لابن الجوزي، ج: ٦، ص: ۲۰٦، وحسن الأسودة لمحمد صديق حسن خان البخاري، ص: ۳۷.

❷ دیکھئے: تفسير ابن كثير، ج: ٦، ص: ۲۳۲۔ ج: ٥، ص: ۲۷۷، ۲۷۸۔ تفسير البغوي، ج: ۳، ص: ٤۳٥.

❸ دیکھئے: تاريخ اليعقوبی، ج: ١، ص: ۳۳.

ابن جریر طبری نے ابن جریج رحمہ اللہ کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ اُمّ موسیٰ کو حکم دیا گیا تھا: وہ بچے کی ولادت سے چار ماہ بعد اسے دریا میں ڈال دے۔ کہا گیا ہے کہ تین ماہ کے بعد پھینکنے کا حکم ہوا تھا بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آٹھ ماہ کے بعد۔

امام طبری رحمہ اللہ نے ہی ابوبکر بن عبداللہ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ یوحانذ اپنے بیٹے موسیٰ کو ایک باغ میں دودھ پلاتی رہیں۔ روزانہ اس کے پاس آ کر اسے دودھ پلاتی تھیں۔ ❶

امام بغوی رحمہ اللہ نے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب فرعون کے سپاہی (موسیٰ علیہ السلام کے والدین کے گھر تلاشی لینے کے لیے) آئے تو اُمّ موسیٰ (رضی اللہ عنہا) نے آپ کو کپڑے کے ایک خرقہ میں لپیٹ کر تنور میں چھپادیا جبکہ تنور اس وقت پورا گرم تھا۔ بی بی کی عقل ماؤف ہوگئی اور اسے اس بات کا ہوش ہی نہ رہا کہ وہ کیا کر رہی ہے؟ فوجی گھر میں داخل ہوئے۔ دیکھا تو تنور گرم ہے اور موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا نہ رنگ تبدیل ہوا اور نہ ہی اس کے پستانوں میں دودھ آیا۔ (کہ معلوم ہوجائے اس نے بچے کو جنم دیا ہے۔) سپاہی بی بی سے کہنے لگے: یہ دائی تمہارے پاس کیا لینے آئی تھی؟ اُمّ موسیٰ کہنے لگیں: یہ میری ایک مخلص سہیلی ہے جو مجھے ملنے آئی تھی۔ یہ بات سن کر وہ اس کے پاس سے چلے گئے۔ تب اُسے عقل آئی اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہنے لگیں: بچہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: مجھے کیا معلوم؟ اسی دوران اس نے بچے کی چیخیں تنور سے سنیں۔ وہ بھاگ کر اس کے پاس گئی۔ اللہ عزوجل نے آگ کو موسیٰ علیہ السلام پر ٹھنڈی سلامتی والی بنا دیا تھا۔ چنانچہ اُس نے آگے بڑھ کر اسے نکال لیا۔ ❷

ان اسرائیلی روایات پر تبصرہ:

ان روایات میں سے بعض وہ ہیں جو سنداً ثابت ہیں۔ بعض ان میں سے منکر اور قابل ردّ ہیں اور بعض کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ یہ جو بیان ہوا ہے کہ: ''جب اُمّ موسیٰ (رضی اللہ عنہا) کو اپنے بیٹے کے بارے میں ڈر پیدا ہوتا تو وہ اسے ایک صندوقچہ میں ڈال کر اسے رسّی باندھ کر دریا میں ڈال دیتی تھی (اس لیے کہ اس کا گھر دریا کے کنارے تھا) تو یہ قرآنِ حکیم کے درج ذیل فرمان کے بالکل مخالف بات ہے۔ فرمایا:

﴿ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝﴾ (طٰهٰ: ٣٩)

---

❶ تفسير الطبري، ج: ٢٠، ص: ٣٠۔ وإسناده ضعيف ففيه الحسين بن داود المصيصي ضعيف مع إمامته ومعرفته، لكونه كان يُلَقَّن حجاج بن محمد شيخه۔ التقريب، ج: ١، ص: ٣٣٥، رقم: ٥٤٣۔ تفسير البغوي، ج: ٣، ص: ٤٣٤.

❷ دیکھئے: تفسير البغوي، ج: ٣، ص: ٤٣٥.

''یہ کہ تو اسے صندوق میں ڈال، پھر اسے دریا میں ڈال دے، پھر دریا اسے کنارے پر ڈال دے، اسے ایک میرا دشمن اور اس کا دشمن اٹھالے گا اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے ایک محبت ڈال دی اور تاکہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔''

اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اُمّ موسیٰ (رضی اللہ عنہا) کو اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ موسیٰ کو صندوقچے میں بند کرکے دریا میں ڈال دے اور خود اُس سے دُور رہے۔ اس بچے کا معاملہ اس کے بعد اللہ کریم کے سپرد کردے جس نے اسے اس کے پاس واپس لوٹانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور ان روایات میں موسیٰ کو دریا میں ڈال دینے اور اس کے بارے میں خوف لاحق ہونے کے جس زمانے کا ذکر ہوا ہے تو کیا یہ زمانہ چار ماہ کا تھا یا تین مہینوں کا یا پھر آٹھ ماہ کا؟ اس کے لیے کسی بھی صحیح حدیث میں کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے۔ یہاں ضروری بات صرف یہی ہے کہ اُمّ موسیٰ نے وہی کر دکھایا جس کا اللہ ربّ العالمین نے اسے حکم دیا تھا۔ ❶

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اُمّ موسیٰ کو جب بچے کے بارے میں خوف پیدا ہوا تو اُس نے اُسے جلتے تنور میں رکھ دیا اور یہ کہ تنور کی آگ موسیٰ کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوگئی تھی...... تو یہ روایت نہ سنداً صحیح ہے اور نہ ہی متن کے اعتبار سے۔ اس لیے یہ بات اس حکم کے عین خلاف ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُمّ موسیٰ کو صندوق میں ڈال کر دریا برد کردینے کے بارے میں دیا تھا کہ جب اُسے کسی قسم کا خوف لاحق ہو (کہ فرعونی اس کے بچے کو لے جائیں گے) تو فوراً اسے دریا کے سپرد کردے۔ پھر اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اللہ عزوجل اسے کسی جملہ میں اس احسان کے ضمن میں ذکر فرمادیتے جو اُس نے موسیٰ پر کیا اور جتلایا ہے۔ اس لیے کہ تب یہ بات جنابِ موسیٰ (علیہ السلام) کے لیے معجزہ ہوتی۔

اور یہ جو ذکر کیا گیا ہے کہ جب فرعون کے سپاہی اُمّ موسیٰ کے پاس تلاشی لینے کے لیے آئے تو اس کا رنگ تک تبدیل نہیں ہوا تھا تو یہ بات بھی حقیقت سے بہت بعید ہے۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل تو بیٹے کی جدائی پر اُمّ موسیٰ کے دل کی کیفیت کو یوں بیان فرمارہے ہیں:

﴿ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (القصص : ۱۰)

''اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہوگیا۔ یقیناً وہ قریب تھی کہ اسے ظاہر کر ہی دیتی، اگر یہ بات نہ ہوتی

❶ دیکھیے: تفسیر الطبری، ج: ۲۰، ص: ۳۰۔

کہ ہم نے اس کے دل پر بند باندھ دیا تھا، تا کہ وہ ایمان والوں میں سے ہو۔''

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اُمّ موسیٰ اپنے بیٹے کو ایک باغ میں دودھ پلایا کرتی تھیں (اور اسے وہاں چھپا رکھا تھا) تو یہ بھی بالکل غیر صحیح ہے۔ اس لیے کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ ثانیاً: یہ اللہ عزوجل کے اس حکم کے خلاف ہے جو اُس نے اُمّ موسیٰ کو دے رکھا تھا کہ اگر اس بچے کے بارے میں خوف لاحق ہوتو اُسے وہ دریا میں صندوق کے اندر ڈال دے۔ (اس روایت کی سند میں حسن بن داؤد المصیصی ضعیف ہے۔)

اس واقعہ سے حاصل شدہ نصیحتیں اور دُروس:

۱...... اللہ عزوجل کے اس فرمانِ گرامی ﴿اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ ....﴾ الخ سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اسباب کا اختیار کرنا ضرورت کے وقت واجب اور فائدہ مند ہوتا ہے۔

۲...... فطری خوف میں کچھ حرج کی بات نہیں اور یہ ایمان کے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًا اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝﴾ (القصص: ۱۰)

''اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہوگیا۔ یقیناً وہ قریب تھی کہ اسے ظاہر کر ہی دیتی، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے اس کے دل پر بند باندھ دیا تھا، تا کہ وہ ایمان والوں میں سے ہو۔''

۳...... اللہ عزوجل کی اپنے دوستوں، اولیاء و اصفیاء کے ساتھ مہربانیاں اور اس کا ساتھ دینا ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس کا تصور انسانی عقل نہیں کرسکتی اور یہ بات سیّدنا موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ محترمہ (رضی اللہ عنہا) کے ساتھ اللہ ربّ العالمین کی مہربانیوں سے مترشح ہوتی ہے۔ [1]

۴...... بیٹے کی جدائی کے وقت اُمّ موسیٰ کی جو حالت اللہ عزوجل نے بیان فرمائی ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا میں ماں کی عاطفت و محبت باقی تمام محبتوں اور رشتوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ [2]

۵...... بندے پر اللہ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت خوف اور ڈر کے مواقع اور دل کی اضطراری کیفیتوں کے وقت اس کے دل کو مضبوط اور ثابت قدم رکھنا ہوتا ہے۔ اور یہ سبق ہمیں اُمّ موسیٰ کے دل کی مضبوطی اور اطمینان و ثابت قدمی سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ عزوجل نے اپنے حبیب و خلیل پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سفر و غار کے ساتھی سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دلوں کو مضبوط رکھتے ہوئے انھیں

---

[1] دیکھئے: تیسیر اللطیف المنّان، ص: ۱۳۰ تا ۱۳٦۔ الیسر التفاسیر للجزائری، ج: ۳، ص: ۳۸٤.

[2] الیسر التفاسیر للجزائری، ج: ۳، ص: ۳۸٤.

ثابت قدمی عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (التوبة: ٤٠)

''اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو بلاشبہ اللہ نے اس کی مدد کی، جب اسے ان لوگوں نے نکال دیا جنھوں نے کفر کیا، جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اپنی سکینت اس پر اتار دی اور اسے ان لشکروں کے ساتھ قوت دی جو تم نے نہیں دیکھے اور ان لوگوں کی بات نیچی کر دی جنھوں نے کفر کیا اور اللہ کی بات ہی سب سے اونچی ہے اور اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

اسی طرح اللہ کریم نے اپنے ایمان والے بندوں کو غزوۂ حنین کے موقعہ پر جو ثابت قدمی عطا فرمائی تھی، اُس کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (التوبة: ٢٥-٢٦)

''بلاشبہ یقیناً اللہ نے بہت سی جگہوں میں تمھاری مدد فرمائی اور حنین کے دن بھی، جب تمھاری کثرت نے تمھیں خود پسند بنا دیا، پھر وہ تمھارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین تنگ ہوگئی، باوجود اس کے کہ وہ فراخ تھی، پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے لوٹ گئے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم نے نہیں دیکھے اور ان لوگوں کو سزا دی جنھوں نے کفر کیا اور یہی کافروں کی جزا ہے۔''

۲...... ﴿لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کے جملہ سے یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ خوف کی کیفیتوں اور دل کی اضطراری حالتوں کے وقت ثابت قدمی اختیار کرنا اور صبر کرنا ایمان باللہ اور اجر و انعام میں اضافے کا سبب بنا کرتا ہے۔ اور یہ کہ ایمان میں کمی اور زیادتی (اعمالِ صالحہ اور استقامت کے ذریعے) ہوا کرتی ہے۔ جیسے کہ اللہ ربّ العالمین

فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ (الانفال : ٢)

''(اصل) مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں تو انھیں ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴾ (التوبة : ١٢٤)

''اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اس نے تم میں سے کس کو ایمان میں زیادہ کیا؟ پس جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو تو اس نے ایمان میں زیادہ کر دیا اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔''

۷...... خوف والی کیفیتوں کے وقت صبر کرنے سے جو ثمرات حاصل ہوتے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ زبان سے درست بات نکلتی ہے اور فکر، سوچ اور رائے درست رہتی ہے۔ یہ سبق ہمیں ﴿ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا ...... ﴾ سے حاصل ہوتا ہے، یعنی فرمایا: ''وہ تو قریب تھی کہ موسیٰ کا حال کھول دیتی، اگر ہم نے اس کے دل پر (صبر و اطمینان کی) گرہ نہ باندھ دی ہوتی۔''

اُمّ موسیٰ (رضی اللہ عنہا) نے کسی کے سامنے (سوائے اپنی بیٹی اور خاوند کے) یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ بچہ اُس کا بیٹا ہے۔

۸...... بندے کو اگر چہ اس بات کا خوب علم ہو کہ قضاء و قدر حق ہے اور بلاشبہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا مگر اُس کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ ایسے اسباب و وسائل کو اختیار کرنے میں سستی و کاہلی سے کام نہ لے جو اُسے فائدہ پہنچانے والے ہوں۔ اس لیے کہ بلاشبہ وسائل و اسباب کا اختیار کرنا اور پوری جدوجہد کرنا بھی اللہ عزوجل کی تقدیر میں سے ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے اُمّ موسیٰ سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اُس کے بیٹے کو اُس کے پاس واپس لوٹا دے گا مگر اس کے باوجود جب آل فرعون نے اس کے بچے کو اپنے قبضہ میں کر لیا تو اُس نے اسباب و ذرائع کے لیے پوری کوشش کر ڈالی تھی۔ اور پھر اُس نے موسیٰ کی بہن کو وہاں بھیجا تھا تاکہ وہ ان سے دودھ پلانے کے حوالے سے بات کرے۔ [1]

---

[1] دیکھئے: فضیلۃ الشیخ سعدی رحمہ اللہ کی تیسیر اللطيف المنّان، ص : ١٣١.

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بلاشبہ جس ذریعہ و وسیلہ اور سبب کے اختیار کرنے کا شریعت میں حکم دیا گیا ہو اس کا ترک کرنا قابل مذمت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ذریعہ وسبب تو اختیار کرے مگر توکل علی اللہ کو چھوڑ دے تو اُس کے توکل کو چھوڑ دینے پر بھی مذمت کی گئی ہے۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل پر توکل کرنا اُمت کے اجماع اور قرآن کی نص صریح سے واجب ہے۔ اسی طرح دونوں باتوں کا اختیار کرنا اور ان دونوں کے درمیان مضبوط تعلق رکھنا بھی واجب ہے۔'' ❶

انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کسی مراد کو حاصل کرنے اور کسی ناپسندیدہ امر کو اپنے سے دُور کرنے میں تمام وسائل و ذرائع میں سے مضبوط ترین ذریعہ اللہ عزوجل پر توکل ہے۔ بلکہ علی الاطلاق تمام اسباب میں سے وہ سب سے زیادہ مضبوط ذریعہ ہے۔ اور وہ شخص جو مامور شدہ اسباب و ذرائع کے ساتھ توکل کے قیام کو متحقق کرے وہ اس معاملے میں سب سے درست راہ پر ہے اور جو ذرائع و اسباب کو معطل کر دے، اس کا توکل صحیح نہیں ہوگا۔ اسی طرح بھلائی کو حاصل کرنے میں میسر اسباب کا استعمال خیر کے بارے میں اُمید کو متحقق کرتا ہے۔ چنانچہ جو آدمی میسر مامور بہا اسباب و ذرائع کو استعمال میں نہیں لاتا اس کی اُمید بھی نری آرزو بن کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح جو ان اسباب و ذرائع کو ترک کر دے اس کا توکل اس کے لیے تنگی کا ذریعہ بن جائے گا۔ (ایضاً)

❀❀❀❀❀❀

---

❶ دیکھیے: الفوائد لابن القیّم، ص: ۱۱۳۔

(۳)......ایک کافر بچے کی ماں کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

سورۃ الکھف میں مذکور حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ کے ساتھ ایک مومنہ عورت اور اس کے مومن خاوند کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اور ان دونوں کے اس بیٹے کو اس کے کفر کے سبب جناب خضر علیہ السلام کے لیے اس کے قتل کا جائز ہونا بھی اس واقعہ میں ذکر آیا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ فَانْطَلَقَا حَتّٰىٓ اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ﴾ (الکھف : ۷۴)

''پھر وہ دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ جب وہ ایک لڑکے سے ملے تو اس نے اسے قتل کر دیا۔ کہا کیا تو نے ایک بے گناہ جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر قتل کر دیا، بلاشبہ یقیناً تو ایک بہت برے کام کو آیا ہے۔''

اور پھر آگے اس واقعۂ قتل کی تفصیل و توجیہ یوں بیان فرمائی:

﴿ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ ﴾ (الکھف : ۸۰-۸۱)

''اور رہا لڑکا تو اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے۔ چنانچہ ہم ڈرے کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے گا۔ تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کو ان کا رب اس کے بدلے ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور شفقت میں زیادہ قریب ہو۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

أَبَوَاهُ: سے اُس لڑکے کے دونوں ماں اور باپ مراد ہیں۔ سورۂ یوسف میں ماں اور باپ دونوں کے لیے، چاند اور سورج کے الفاظ آئے ہیں۔

فَخَشِيْنَا: مراد وہ خوف ہے جس میں کسی کی عظمت بھی ملی ہوئی ہو۔ اور یہ خوف اکثر طور پر جس سے ڈرا

جارہا ہو اس کے بارے میں علم کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہاں خَشِينَا کا مطلب ہے: فَعَلِمْنَا یعنی ہم یہ بات جان کر ڈر گئے (کہ وہ بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو بھی کہیں کفر و سرکشی میں گرفتار نہ کرلے۔) ❶

يُرْهِقَهُمَا: یہ رھق سے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: رَهِقَهُ الْأَمْرُ يَعْنِي غَشِيَهُ بِقَهْرٍ: یعنی اسے معاملہ نے ڈھانپ لیا۔ (یعنی ہم ڈر گئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو بھی وہ سرکشی اور کفر میں ڈھانپ کر اپنے ساتھ اس ظلم میں انھیں شامل کرلے۔ اور اس کی محبت میں وہ بھی مرتد ہو جائیں۔) ❷

خَيْرًا مِنْهُ زَكٰوةً: پاکیزگی وطہارت (تقویٰ) میں جو اس لڑکے سے بہتر ہو۔ یہاں زَكٰوةً سے مراد پاکیزگی اور اصلاح وتقویٰ ہے۔ ❸

وَأَقْرَبَ رُحْمًا: اور وہ اپنے ماں باپ پر اس مقتول بچے سے زیادہ مہربان ہو کر ان کی وہ بہتر خدمت کر سکے۔

اس بچے کی ماں کا تعارف:

اس بی بی کا نام نہ تو قرآن کریم میں کہیں ذکر ہوا ہے اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں۔ البتہ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ اس کا نام ''رحما'' تھا۔ بعض لوگوں نے ''سہویٰ'' بھی ذکر کیا ہے۔ ❹

اس بی بی کا نام معلوم کرنے کا مزید کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اگر اس کے نام کو بیان کرنے کا کچھ فائدہ ہوتا تو قرآن وسنت میں ضرور اس کا ذکر ہوتا۔

واقعہ کی تفصیل:

جیسا کہ پیچھے سورۃ الکہف کی آیات کے ترجمہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کشتی سے اُتر کر آگے دریا کے کنارے چلتے جارہے تھے کہ جنابِ خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو دیکھا، وہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضر علیہ السلام نے اسے سارے بچوں سے الگ کیا اور اس کے سر سے پکڑ کر اس کی گردن بدن سے جدا کر دی۔ یہ بچہ باقی تمام بچوں سے زیادہ خوبصورت تھا مگر انجام کے طور پر یہ کافر اور ظالم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بچے کے والدین کو اس کی محبت کے ساتھ آزمائش میں ڈال رکھا تھا۔ وہ اس سے بہت زیادہ پیار کرتے

---

❶ دیکھیے: تفسير البحر المحيط، ج: ٦، ص: ١٥٥ـ تفسير الطبري، ج: ١٦، ص: ٣.

❷ تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن جوزی رحمہ اللہ کی کتاب تذكرة الاريب، ج: ١، ص: ٣٢٢ اور الزجاج کی: معاني القرآن، ج: ٣، ص: ٣٠٥.

❸ معجم مقاييس اللغة، ج: ٣، ص: ١٧ـ المصباح المنير، ص: ٢٥٤ـ تفسير الطبري، ج: ١٦، ص: ٤ـ تفسير البغوي، ج: ٣، ص: ١٧٦.

❹ دیکھیے: السہیلی کی کتاب: التعريف والاعلام، ص: ١٠٥ـ اور فتح الباري، ج: ٨، ص: ٢٧٤.

تھے۔ جیسا کہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ (نمبر:۸۰) کی قرأت میں اس بات کو واضح فرمایا ہے۔ اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یوں وضاحت فرمائی ہے ((وَأَمَّا الْغُلَامُ فَطُبِعَ يَوْمَ طُبِعَ كَافِرًا ...... الخ .)) ......''اور جہاں تک اس لڑکے کا تعلق ہے تو وہ فطرتاً کافر پیدا کیا گیا تھا۔ اس کے ماں باپ اس کو بہت چاہتے تھے۔ اگر وہ بڑا ہوتا تو اپنے ماں باپ کو بھی سرکشی اور کفر میں پھنسا لیتا۔ اس لیے ہم نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو بدل میں دوسرا بیٹا عطا کر دے جو اس سے بہتر ہو اور اس سے زیادہ اپنے والدین پر مہربان۔ ❶

اسی طرح اللہ عزوجل نے ان والدین کو ان کے بیٹے کے قتل کے ساتھ بھی آزمایا، جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔ اللہ عزوجل کے درج ذیل فرمان کے ذریعے قرآنِ حکیم ہمیں جناب خضر علیہ السلام کے ہاتھوں اس بچے کے قتل کا سبب بھی بتلاتا ہے۔ فرمایا: ﴿ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴾ ......''چنانچہ ہم ڈر گئے (ایسا نہ ہو کہ لڑکا بڑا ہو کر) وہ اپنے ماں باپ کو بھی اللہ کی بغاوت اور کفر میں (اپنی محبت کے ذریعے) پھنسا لے۔''

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اس لڑکے کے والدین اس کو بہت چاہتے (پیار کرتے) تھے۔ اگر وہ بڑا ہو جاتا تو اپنے ماں باپ کو بھی اللہ کی سرکشی اور کفر میں پھنسا لیتا۔'' ❷

اس اعتبار سے اس کا قتل اس کے زندہ رہنے کی نسبت اس کے والدین کے لیے زیادہ بہتر تھا۔ اس لیے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو والدین اس کی محبت میں کہ جو اس وقت پختہ ایمان والے تھے کفر کا ارتکاب کر کے مرتد ہو جاتے اور گمراہی میں پڑ کر جہنم میں جا گرتے۔ یا یہ ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے والدین پر سرکشی اختیار کر بیٹھتا اور ان کی نافرمانی کر کے ان سے نہایت برا معاملہ کرتا۔ ❸

چنانچہ خضر علیہ السلام نے اس کے قتل سے ارادہ فرمایا کہ اللہ عزوجل اس کے والدین کو اس کے بدلے ایک صالح بیٹا عطا فرما دے جو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہو۔ اور وہ اس مقتول بچے سے زیادہ ان کے لیے بہتر ثابت ہو۔ جیسا کہ قرآنی نص سے معلوم ہوتا ہے۔

اسرائیلی روایات:

۱ ......اس واقعہ کے بارے میں بھی اسرائیلی روایات کتابوں میں درج ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر ہم اجمالاً

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے: صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فضل الخضر عليه السلام، حديث: ٦١٦٥۔ صحيح البخاري، كتاب الاحاديث الانبياء، باب حديث الخضر مع موسىٰ عليهما السلام مع فتح الباري.

❷ صحيح مسلم، حديث: ٦١٦٥.

❸ دیکھیے: تفسير الطبري، ج: ١٦، ص: ٣۔ تفسير البحر المحيط، ج: ٦، ص: ١٥٥.

کرتے ہیں۔ چنانچہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ غلام (بچہ) ایک ظالم لڑکا تھا۔ راستے میں کھڑا رہتا اور جو کوئی وہاں سے گزرتا اسے یا تو لڑ بھڑ کر مار ڈالتا یا اُس کا مال لوٹ لیتا اور مظلوم اس کے لیے بددعائیں کرتا اور اس کے والدین کے لیے بھی۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے اس کے والدین کو ان کے بیٹے کو قتل کروا کر اس بات سے بچالیا کہ کوئی انھیں بددعا دے۔ ❶

۲۔ ...جناب عطاء بن السائب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: اس لڑکے کے والدین (اُس کی محبت میں) ہر اُس شخص کے سامنے اس کی حمایت کرتے جو بھی مظلومین میں سے اس کی شکایت لے کر آتا اور اس کی براءت کی قسمیں کھانے لگتے۔ (ایضاً زاد المسیر)

۳۔ امام طبری نے ابن جریج رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ: ''اس مقتول بچے، لڑکے کی ماں اس کے قتل کے وقت ایک مسلمان بچے کے ساتھ حاملہ تھی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت درج کی ہے کہ بعد میں پیدا ہونے والے بچے سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس نے چند ایک انبیاء کو جنم دیا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: اس لڑکی نے ستر انبیاء کو جنم دیا۔'' ❷

ان اسرائیلی روایات پر تبصرہ:

ان روایات میں سے بعض منکر ہیں اور بعض وہ ہیں کہ جن کے بارے میں خاموشی اختیار کر لی گئی ہے۔ اوپر عطاء بن سائب والی روایت میں یہ جو ذکر ہوا ہے کہ اس مقتول لڑکے کے والدین اس کے ظالم ہونے کے باوجود اس کی حمایت کرتے تھے اور اس کی غلطیوں سے براءت پر قسمیں اُٹھاتے تھے تو ایسا معاملہ ایمان والی صفت کے ساتھ موصوف ماں باپ کے لائق ہی نہیں ہوتا۔ جبکہ مومن آدمی تو ظلم پر راضی ہی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان اس بات کا شاہد ہے کہ چاہے مومن آدمی کے قریبی عزیز بھی فی الواقع ایسے کیوں نہ ہوں وہ ظلم کی حمایت کبھی نہیں کرتا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَٱللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلْهَوَىٰٓ أَن تَعْدِلُوا۟ ۚ وَإِن تَلْوُۥٓا۟ أَوْ تُعْرِضُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝﴾

(النساء: ۱۳۵)

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھئے: الدر المنثور، ج: ٥، ص: ٤٣٠۔ زاد المسیر، ج: ٥، ص: ١٧٩.

❷ تفسير الطبري، ج: ١٦، ص: ٤۔ فتح الباري، ج: ٨، ص: ٢٧٥۔

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف پر پوری طرح قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے شہادت دینے والے بن جاؤ، خواہ تمھاری ذاتوں یا والدین اور زیادہ قرابت والوں کے خلاف ہو، اگر کوئی غنی ہے یا فقیر تو اللہ ان دونوں پر زیادہ حق رکھنے والا ہے۔ پس اس میں خواہش کی پیروی نہ کرو کہ عدل کرو اور اگر تم زبان کو پیچ دو، یا پہلو بچاؤ تو بے شک اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، ہمیشہ سے پوری طرح باخبر ہے۔''

اور یہ جو ذکر کیا گیا ہے کہ اس بچے کا قتل اس کے والدین کو اس بات سے بچانے اور محفوظ کر دینے کے لیے تھا کہ مظلومین میں سے کوئی ان پر بددُعا نہ کر دے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل تو مظلوم کی دُعا کو فوری طور پر سنتے اور قبول فرما لیتے ہیں جب بھی وہ اسے پکارتا ہے۔ (اور نبی کریم ﷺ کا فرمان بھی ہے کہ تین آدمیوں کی بددُعا سے بچو۔ ان میں سے ایک مظلوم ہے۔) جبکہ یہاں صورتِ حال یہ تھی کہ مذکور بالا روایات کے مطابق ظلم تو لڑکے کی طرف سے ہوتا تھا۔ اور اگر لڑکا سیدھی راہ سے بھٹک گیا تھا تو اس ضمن میں والدین پر تو کوئی تاوان نہیں تھا، جبکہ انھوں نے اس کی تربیت بھی ایسی ہرگز نہیں کی تھی۔ اللہ عزوجل کا فرمانِ گرامی قدر ہے:

﴿ اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ ﴾ (المائدة : ٥)

''آج تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے جنھیں کتاب دی گئی اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور مومن عورتوں میں سے پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جب تم انھیں ان کے مہر دے دو، اس حال میں کہ تم قید نکاح میں لانے والے ہو، بدکاری کرنے والے نہیں اور نہ چھپی آشنائیں بنانے والے اور جو ایمان سے انکار کرے تو یقیناً اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہے۔''

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ ﴾ (الاسراء : ١٥)

''جس نے ہدایت پائی تو وہ اپنی ہی جان کے لیے ہدایت پاتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو اسی پر گمراہ ہوتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری (جان) کا بوجھ نہیں اٹھاتی اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں، یہاں تک کہ کوئی پیغام پہنچانے والا بھیجیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے درج ذیل فرمان میں لڑکے کے قتل کا سبب بھی بیان فرمادیا ہے ﴿ فَخَشِيْنَا أَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴾ ...... (ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے۔)

البتہ باقی جو روایات ہیں ان کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس واقعہ سے ماخوذ احکام و دُروس:

۱ ...... جب باعث فساد دو کام باہم متعارض ہو جائیں تو ان میں سے جو ہلکا ہو اس کا ارتکاب کیا جاسکتا ہے۔ اس لڑکے کا قتل ایک نقصان تھا مگر اُس کا اپنے والدین کے ساتھ باقی رہنا ان کو گمراہ کرنے کا سبب بنتا اور یہ زیادہ خرابی و نقصان کی بات ہوتی۔ اس لیے اس لڑکے کا قتل اولیٰ تھا۔ ❶

۲ ...... والدین پر ان کی اولاد کا حق ہوتا ہے کہ وہ بطیب خاطر اُس کی اعلیٰ تربیت و اصلاح کا اہتمام کریں۔ اللہ عزوجل نے اپنے درج ذیل فرمان میں اہل ایمان کی صفات میں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی صفت کو بیان فرمایا ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ (التوبة : ۷۱)

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحم کرے گا، بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

اور نبی مکرم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَّسْئَوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ .)) ❷

''تم میں سے ہر شخص نگران و نگہبان ہے اور اُس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

---

❶ الإكليل، ص: ١٦١ ـ تيسير اللطيف المنّان، ص: ١٤٨.

❷ صحيح البخاري، كتاب الجمعه، حديث: ٨٩٣ ـ وفتح الباري، ج: ٢، ص: ٤٤١.

۳...... اپنی اولاد کو نصیحت کرتے رہنے سے والدین پر کسی قسم کا تاوان، جرمانہ نہیں ہوگا اور نہ ہی انھیں اس ضمن میں ملامت کی جائے گی۔

۴...... کفار و مشرکین کے میل جول سے بچ کر رہنا چاہیے اگرچہ اپنے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَإِنَّهُ مِثْلُهُ .)) ...... ''جس مسلمان نے مشرک کے ساتھ (اس کی تہذیب و ثقافت اور عبادت و ریاضت کے قبول کرنے میں) موافقت کر لی اور وہ اس کے ساتھ رہائش پذیر رہا تو وہ بھی اسی جیسا ہوا۔'' ❶

۵...... بلاشبہ والدین کی اصلاح اولاد کی اصلاح کا ذریعہ بنا کرتی ہے۔ یہ بات مقتول لڑکے کے والدین کے ایمان سے متصف ہونے اور جناب خضر علیہ السلام کے اس ارادہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس کافر لڑکے کے بدلے مسلمان صالح بچہ عطا کر دیں گے۔

۶...... اس کافر، ظالم لڑکے کا خاتمہ والی مصیبت اس بات سے ہلکی تھی کہ اس کا باقی رہنا بہت بڑے شر کا ذریعہ بنتی۔ امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب یہ لڑکا پیدا ہوا تو اس کے والدین بہت خوش ہوئے اور جب وہ قتل ہوا تو وہ غمگین بھی بہت ہوئے۔ اگر یہ باقی رہتا تو اس کے ذریعے وہ ہلاک ہو جاتے۔ آدمی کو اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ بلاشبہ مومن آدمی کے لیے اللہ عزوجل کا فیصلہ اس چیز اور امر کے بارے میں جس کو ناپسند کرتا ہو بہتر ہوتا ہے اس فیصلے سے جس کو وہ پسند کرتا ہو۔ جیسے کہ اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة: ٢١٦)

''اور ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا يَقْضِى اللّٰهُ لِلْمُؤْمِنِ مِنْ قَضَاءٍ اِلَّا كَانَ خَيْرًا لَهُ .)) ❷

''اللہ عزوجل اپنے مومن بندے کے لیے کوئی فیصلہ نہیں فرماتا مگر یہ ہے کہ یہ اُس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔''

---

❶ سنن أبي داؤد، حديث: ٢٧٨٧ ـ صححه الألباني رحمه الله في آخر باب كتاب الجهاد.

❷ تفسير ابن كثير، ج: ٥، ص: ١٨١ ـ وتفسير الطبري، ج: ١٦، ص: ٤ ـ تفسير السعدي، ج: ٣، ص: ١٧٤ ـ مسند الإمام أحمد، ج: ٣، ص: ١١٧ ـ ١٨٤ ـ وصححه ابن كثير في تفسير: ٥، ج: ٥، ص: ١٨١.

۷...... بلاشبہ ایمان باللہ و ایمان بالرسل اور ہر اس بات پر ایمان کہ جس پر ایمان و یقین رکھنے کا شریعت الٰہی نے حکم دیا ہے ہر اُس چیز سے زیادہ قیمتی ہے جو انسان کی ملکیت میں ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس واقعہ میں، اپنے والدین کے دین کی صلاح و خیر کی حفاظت پر بیٹے کو قتل کر دیا جاتا ہے، مگر وہ ایمان کی خاطر برداشت کر لیتے ہیں۔ ❶

۸...... بسا اوقات نیک، صالح مرد اور اس کی بیوی کو ایسے ہی فاسد اور خراب لڑکے کے ذریعے آزمائش میں ڈال دیا جاتا ہے جیسا کہ اس واقعہ میں دونوں ماں باپ کو آزمائش میں مبتلا کیا گیا تھا۔ مگر اللہ عزوجل کی اپنے مومن بندوں پر عنایت بھی بہت ہوتی ہے، جیسے ربّ کریم نے ان دونوں میاں بیوی کے ساتھ صالح اولاد دے کر کی تھی۔

۹...... کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گمراہ لڑکے کے ذریعے آزمائش میں پڑ کر والدین بھی گمراہ ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اس واقعہ میں مذکور والدین کے بارے میں خدشہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں اللہ عزوجل اپنے مومن بندوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝﴾ (التغابن: ۶۴/۱۴-۱۵)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک تمھاری بیویوں اور تمھارے بچوں میں سے بعض تمھارے دشمن ہیں، سو ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ تمھارے مال اور تمھاری اولاد تو محض ایک آزمائش ہیں اور جو اللہ ہے اسی کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔''

۱۰...... کفار و مشرکین کے ساتھ میل جول میں ہمیشہ ایمان کو خطرہ رہتا ہے، بالخصوص اس وقت کہ جب اولاد جیسا کوئی نہایت قریب کا عزیز کافر ہو۔ اس سے محفوظ رہنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے جناب خضر علیہ السلام کے ہاتھوں قتل کروا کر مذکور واقعہ میں لڑکے کے مومن والدین کو کفر و فساد میں داخل ہونے سے بچا لیا۔ ❷

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے: تیسیر الکریم الرحمن للسعدی، ج: ۳، ص: ۱۷۴

❷ دیکھئے: تفسیر البحر المحیط، ج: ۶، ص: ۱۵۵

(۴)......مریم علیہا السلام کی والدہ کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

بلاشبہ اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے اپنی رسالت ونبوت کے لیے منتخب کر لیتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝﴾ (القصص : ٦٨)

''اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور چن لیتا ہے، ان کے لیے کبھی بھی اختیار نہیں، اللہ پاک ہے اور بہت بلند ہے، اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ۝﴾ (الحج : ٧٥)

''اللہ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے چنتا ہے اور لوگوں سے بھی، بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

اور پھر اللہ عزوجل نے لوگوں میں سے اپنے ان بندوں کا انتخاب نبوت و رسالت کے لیے فرمایا کہ جو تمام مخلوق سے زیادہ افضل اور بہتر تھے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العالمین کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (آل عمران : ٣٣۔٣٤)

''بے شک اللہ نے آدم اور نوح کو اور ابراہیم کے گھرانے اور عمران کے گھرانے کو جہانوں پر چن لیا۔ ایسی نسل جس کا بعض بعض سے ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

جب اللہ ربّ العالمین نے ہمیں خبر دی کہ اس نے اپنی تمام مخلوق میں سے مذکور بالا حضراتِ گرامی (اور ان

کے علاوہ کچھ دیگر لوگوں) کو نبوت و رسالت اور اپنی عبودیت و اطاعت کے لیے چن لیا ہے تو اس نے ہمیں ان کی مطہر و عظیم المرتبت سیرتوں کے بارے میں بھی مطلع فرمایا ہے۔ اور یہ اس حیثیت سے کہ اُن کی اقتدا کی جاتی تھی اور اللہ عزوجل کی عظیم عبودیت تک پہنچنے میں وہ ایک ایسا نمونہ تھے کہ جس کی اقتداء و پیروی کی جاتی ہے۔ (دیکھئے: تفسیر الطبری، ج:۳، صفحہ:۲۳۴) اللہ کے منتخب شدہ بندوں میں سے جناب عمران رضی اللہ عنہ کی بیوی، اُمّ مریم علیہا السلام تھیں۔

مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام کی والدہ محترمہ کا واقعہ قرآنِ حکیم میں ایک ہی مقام پر ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ إِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ إِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّيْ وَضَعْتُهَآ أُنْثٰى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى وَإِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّيْٓ أُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○﴾ (آل عمران: ۳۵-۳۶)

"جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے تیرے لیے اس کی نذر مانی ہے جو میرے پیٹ میں ہے کہ آزاد چھوڑا ہوا ہوگا، سو مجھ سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ پھر جب اس نے اسے جنا تو کہا اے میرے رب! یہ تو میں نے لڑکی جنی ہے اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو اس نے جنا اور لڑکا اس لڑکی جیسا نہیں، اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور بے شک میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔"

مشکل الفاظ کے معانی:

نَذَرْتُ لَكَ: (اے اللہ!) میں تیرے نذر کرچکی۔ عربی میں اَلنَّذر بمعنی اَلنَّحبْ ہوتا ہے، یعنی نذر ماننا۔ اور نذر ماننا یہ ہوتا ہے کہ معاملات میں سے کسی معاملہ کے وقوع پذیر ہونے کے وقت جس کام کی انسان نذر مانتا ہے کہ وہ بالوجوب اپنے آپ پر اس کو نافذ اور لاگو کرے گا۔ اور یہاں " لَكَ " کا معنی ہے کہ اے اللہ! تیری عبادت کے لیے۔ ❶

مُحَرَّرًا: یعنی خالصتاً اللہ کے لیے آزاد، وقف کہ جو عبادت گاہ کا خدمت گزار ہو۔ (تفسیر طبری، ج:۳، ص:۲۳۵)

❶ لسان العرب، ج: ٥، ص: ٢٠٠- المفردات للراغب، ج: ٤٨٧- سبل السّلام للصنعاعي، ج: ٤، ص: ١٩٥- تفسير الطبري، ج: ٣، ص: ٢٣٥- فتح القدير، ج: ١، ص: ٣٣٤.

فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ: قبول کر لینے کا معنی ہوتا ہے برضا و رغبت کسی چیز کو لے لینا۔ یہاں یہی مراد ہے کہ اے اللہ! اس عمل کو میری طرف سے نیک جزاء کے بدلے قبول کر لے۔ ❶

اِنِّيْ أُعِيْذُهَا بِكَ: یعنی أُجِيْرُها وَأَمْنَعُهَا...... میں نے اس کو تیری پناہ میں دیا۔

اَلرَّجِيْم: ملعون و مردود (یہ شیطان کی صفت ہے۔) ❷

اُمّ مریم علیہا السلام کا تعارف:

یہاں مذکور بالا آیاتِ کریمہ میں جس پاکباز بی بی کا ذکر ہوا ہے وہ بنو اسرائیل کے مرد صالح جناب عمران بن ہاشم بن آمون کی بیوی محترمہ حنہ بنت فاقوذ بن قتیل رضی اللہ عنہا تھیں۔ یہ مریم بنت عمران علیہا السلام کی والدہ تھیں۔ بی بی کا نام حنہ بنت فاقوذا احادیث میں ذکر ہوا ہے۔ ❸ اور جیسا کہ پیچھے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر: ۳۳ اور نمبر: ۳۴ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس گھرانے کو اپنی نعمت عظمیٰ کے لیے منتخب فرمالیا تھا۔ اور یہ اس لیے کہ اپنے زمانے میں اس گھر والے تمام لوگوں سے زیادہ بہتر تھے۔ اسی لیے تو اللہ عزوجل نے تمام جہانوں سے انہی لوگوں کا انتخاب فرمایا تھا۔ یہ گھر والے اس دور میں تمام خیر و برکت والے لوگوں سے زیادہ خیر و برکت والے تھے۔ ❹

واقعہ کی تفصیل:

سورۃ آل عمران کی مذکور بالا آیاتِ کریمہ: ۳۵ اور ۳۶ میں بیان کردہ جناب عمران رحمہ اللہ کی بیوی سیّدہ حنہ بنت فاقوذ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کا ایک حصہ ذکر ہوا ہے۔ اس پاکباز بی بی کا دل اللہ عزوجل کی اطاعت و فرمانبرداری، اس کی عبادت اور پختہ ایمان کے ساتھ معمور تھا۔ سیّدہ مریم بنت عمران علیہا التحیۃ والسلام کی والدہ جن چیزوں کی مالکہ تھی، ان میں سے سب سے زیادہ معزز اور قیمتی چیز کو اس نے اپنے ربّ کریم کے لیے ہبہ و وقف کر دیا اور یہ چیز تھی اس کے بطن مبارک میں اس کا بچہ۔ اس نے اس بات کی نذر مان لی تھی کہ وہ اس بچے کو پوری زندگی کے لیے اللہ عزوجل کی ذاتِ اقدس، اس کے دین اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف اور آزاد کر دے گی۔ ❺ بی بی حنہ رضی اللہ عنہا نے اللہ عزوجل کو اس کی صفت ربوبیت کے ساتھ مخاطب کر کے اپنی نذر کو پیش کیا تھا۔ یعنی

---

❶ البحر المحيط، ج: ۲، صفحه: ۴۳۷.

❷ تفسير الخازن، جلد: ۱، صفحه! ۲۴۰

❸ تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباری: ۳/ ۳۰۶۔ وتفسير طبرى، ج: ۴، ص: ۲۳۵.

❹ تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسير الطبري، ج: ۳، ص: ۲۳۴۔ والتفسير الواضح لمحمود الحجازى، ج: ۳، ص: ۵۵.

❺ تيسير الكريم الرحمٰن، ج: ۱، ص: ۲۴۱۔ وفي ظلال القرآن، ج: ۱، ص: ۳۹۲.

﴿رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ﴾ والے الفاظ کے ساتھ۔ (دیکھئے: البحر المحیط، ج:۲، ص:۲۳۶) اُس نے اللہ عزوجل کی عاجزی اسی تقرب وقربت کے ساتھ حاصل کی تھی کہ جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور اسی میں اس کے گھر کی تعظیم اور اس کی اطاعت کا التزام ہے۔ بی بی نے اس بات کا سوال بھی کیا کہ وہ اس کی نذر کو قبول کرلے اور یہ کہ اس بچے کو وہ ایمان واخلاص پر بنیاد رکھنے والا اور خیر وثواب کا پھل بنا دے۔ ❶

اُمّ مریم حنہ بنت فاقوذ رضی اللہ عنہا نے اپنی نذر والے الفاظ میں لفظ "اِنَّ" کے تاکیدی کلمہ کے ساتھ اللہ عزوجل کے ہاں شدید رغبت کے ذریعے اس نذر کو پیش کیا۔ ❷ اپنی اس گزارش میں بی بیؒ نے اللہ عزوجل کے دو پیارے ناموں اَلسَّمِیْعُ اور اَلْعَلِیْمُ کے ساتھ وسیلہ طلب کرتے ہوئے عرض گزاری کہ وہ ربّ کریم اس کی نذر کو قبول کرلے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی صحت نیت اور اخلاص کے علم کی بنا پر اپنے فضل واحسان کے ساتھ اسے فضیلت عطا کرے۔ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ذاتِ اقدس اور اس کی صفات پر پورا پورا یقین رکھتی تھی۔ اس لیے تو اُس نے ﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ کہا تھا۔ اور جب اس پاکباز بی بی حنہ بنت فاقوذؒ نے ایک بچی کو جنم دیا تو وہ اپنے رب سے معذرت خواہانہ انداز میں کہنے لگی: ﴿رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی﴾ اے رب کریم! یہ تو میں نے بیٹی جن دی۔ اور مرد عورت کی مانند (بودا، کمزور) تھوڑی ہوا کرتا ہے۔ یہ اس لیے کہا کہ: بنواسرائیل دین کی خدمت اور بیت المقدس کی دیکھ بھال کے لیے لڑکے وقف کیا کرتے تھے۔ ❸

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ﴿وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی﴾ کے متعلق دو اقوال نقل کیے ہیں:

(۱)...... اس سے اُمّ مریم کی مراد درج ذیل چند وجوہات کی بنا پر لڑکے کی لڑکی پر فضیلت بیان کرنا تھی۔

ا...... اُن کی شریعت میں لڑکیوں کی بجائے لڑکوں کو اللہ کی راہ میں آزاد اور وقف کرنا جائز تھا۔

ب...... مرد اس بات کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ عبادت گاہ کی خدمت اور دیکھ بھال کے لیے لگاتار ذمہ داری نبھا سکے۔ یہ صلاحیت عورت میں نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اسے حیض وغیرہ جیسے عوارض لاحق ہوتے رہتے ہیں۔

ج...... لڑکی، عورت کی بجائے لڑکا اپنی طاقت اور سخت جان ہونے کی وجہ سے اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں ہوتا ہے۔ مقابلتًا عورت کمزور ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کی خدمت اچھے طریقے سے انجام

---

❶ دیکھئے: تیسیر الکریم الرحمٰن للسعدی، ج: ۱، ص: ۱۰۰

❷ دیکھئے: تفسیر ابی السعود، ج: ۲، ص: ۲۶.

❸ دیکھئے: تفسیر البغوي، ج: ۱، ص: ۲۹۵.

نہیں دے سکتی۔

د..... لوگوں سے ملنے جلنے اور عبادت کی خدمت میں مرد کے کوئی عیب اور نقص آڑے نہیں آتا، جبکہ عورت اس طرح سے خدمت نہیں کرسکتی۔ دین کی خدمت میں عورت مردوں سے اختلاط نہیں کرسکتی۔

ھ...... لوگوں سے میل جول کے وقت جو تہمت عورت کو لگ سکتی ہے وہ مرد کو نہیں لگ سکتی۔

(۲)......اس ضمن میں دوسرا قول یہ ہے کہ مذکورہ بالا کلام سے مقصود اس لڑکی (مریم علیہا السلام) کو مردوں پر ترجیح دینا تھی۔ گویا بی بی حنہ نے کہا: لڑکا تو میرا مطلوب تھا جبکہ یہ لڑکی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ھبہ کی گئی ہے۔ اور وہ لڑکا جو میرا مطلوب تھا وہ اس لڑکی کی مانند نہیں ہوسکتا کہ جو اللہ کریم کی طرف سے ھبہ ہوئی ہے۔ مذکورہ بالا اس جملہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ عورت (اُمّ مریم) اللہ عزوجل کی شان وجلال کی معرفت میں پورا پورا استغراق رکھتی تھی اور یہ جانتی تھی اللہ کریم اپنے بندے کے بارے میں جو فیصلہ کرتا ہے وہ اس سے بہتر ہوتا ہے جسے بندہ اپنے لیے خود چاہے۔ [1]

جہاں تک اللہ ربّ العالمین کے فرمان ﴿وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ﴾ ......"اور اللہ کریم خوب جانتا تھا جو اس نے جنا تھا۔" کا تعلق ہے تو اس میں قراء حضرات کا ایک دوسرے سے اختلاف ہے۔ ابن عامر، شعبہ اور یعقوب نے لفظ" وضعت " کے عین کلمہ پر جزم اور تا پر پیش پڑھ کر اسے واحد متکلم کا صیغہ بنایا ہے، یعنی "وَضَعْتُ" پڑھا ہے۔ تو یہ اُمّ مریم حنہ رضی اللہ عنہا کا کلام ہوگا۔ باقی قراء نے عین کلمہ پر زبر اور تا پر جزم کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی" وَضَعَتْ "، جس سے مراد اللہ عزوجل کا کلام ہے۔ اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ [2]

امام ابوحیان پہلی قرأت کی تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بی بی حنہ رضی اللہ عنہا نے گویا یوں کہہ کر اپنے آپ کو مخاطب کیا: کیا اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے جو میں نے جنم دیا؟ اس نے لڑکے کے بارے میں تسلی دیتے ہوئے اپنے آپ کو مخاطب کیا اور یہ کہ اللہ عزوجل کا علم اور اس کی قدرت وحکمت اس ضمن میں حسرت نہ رکھنے اور جو مقصد فوت ہوگیا اس پر غم نہ کرنے پر طبیعت کو آمادہ کرنے کے لیے تھا۔ اور یہ اس وقت کہ جب اللہ کی مراد کے بارے میں ضروری ہے کہ وہی مقصود ومراد ہو۔ اور وہ لڑکا جسے بی بی نے طلب کیا تھا اور اُس کی اُمید رکھی تھی اس لڑکی کی مانند نہیں ہوسکتا تھا جس کا علم اللہ کریم کو تھا اور اس کا ارادہ فرما کر اُس نے اس کا فیصلہ کیا تھا۔ اسی بنا پر یہ لڑکی کہ جس کو پیدا کرنے کا اللہ کریم نے ارادہ فرمایا تھا اس لڑکے سے بہتر ہوسکتی تھی جس کی خواہش اُمّ مریم

---

[1] دیکھئے: تفسیر فخر الدین رازی، ج: ۸، ص: ۲۹.

[2] دیکھئے: النشر فی القراءات العشر، ج: ۲، ص: ۲۳۹۔ واتحاف فضلاء البشر، ص: ۱۷۳.

نے کی تھی۔ ❶

دوسری قرأت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ اللہ عزوجل کی طرف سے اطلاع دینا ہے کہ وہ اس معاملے میں سب سے زیادہ جانتا ہے کہ اُمّ مریم نے کیا جنم دیا ہے۔یعنی اس لڑکی کی طرف اس کا جو حکم پھرنے والا ہے، اسے اور اس کے حال کو بھی۔تو اس بی بی کا یہ کہنا کہ ﴿رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ﴾...... اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُمّ مریم ظاہر میں اس جان کے متعلق صرف اس قدر ہی جانتی تھی کہ اس نے ایک لڑکی کو جنم دیا ہے جو وقف ہونے کے قابل نہیں ہوسکتی۔مگر اللہ کریم نے خبر دے دی کہ وہ اس پیدا ہونے والی بچی کے بارے میں زیادہ جانتا ہے۔(ایضاً)

پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ عمران کی بیوی اُمّ مریم نے اپنی بیٹی کا نام ''مریم'' رکھ دیا، جس کا معنی ہوتا ہے: ''عبادت گزار بی بی''۔اس نے اس نام سے اچھی فال لینے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے اور اس کی طرف عاجزی اختیار کرنے کا ارادہ کیا تھا۔اور یہ کہ اس بچی کا ہر ہر کام اس کے نام کے مطابق ہو جائے۔(ایضاً)

اسی طرح اُمّ مریم نے اسے شیطان مردود سے محفوظ رکھنے کے لیے اللہ کریم سے پناہ طلب کی تھی۔ چنانچہ اُس نے اپنی بچی کے لیے بہت بہتری چاہی اس بات سے کہ وہ شیطان مردود سے محفوظ رہ کر اللہ عزوجل کی مکمل نگرانی وحفاظت میں چلی جائے۔ ❷

اللہ عزوجل نے عمران کی بیوی، اُمّ مریم حنہ بنت فاقوذ پر یہ احسان فرمایا کہ اس نے مریم کو خاص کرتے ہوئے دوسری لڑکیوں سے ہٹ کر اسے نذر میں قبول کرلیا۔جیسا کہ اللہ کریم نے فرمایا ہے: ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ﴾ ...... ''چنانچہ اس کے رب نے مریم کو اچھی طرح (خوشی سے) قبول کرلیا۔'' اور اُس نے بی بی حنہ کی دُعا، مریم کو شیطان سے محفوظ رکھنے کے بارے میں قبول کر لی۔جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے:

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سماعت کیا، آپ فرماتے تھے:

((مَا مِنْ بَنِي آدَمَ مَوْلُوْدٌ إِلَّا يَمَسُّهُ الشَّيْطَانُ حِيْنَ يُوْلَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ غَيْرَ مَرْيَمَ وَابْنِهَا . ثُمَّ يَقُوْلُ أَبُوْهُرَيْرَةَ: ﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ .))❸

❶ دیکھئے: تفسیر البحر المحیط، ج: ۲، ص: ۴۳۹.

❷ دیکھئے: فی ظلال القرآن، ج: ۱، ص: ۳۹۳.

❸ صحیح البخاري مع الفتح، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب (واذکر فی الکتاب مریم ... الآیة)، ج: ۶، ص: ۵۴۱، ح: ۳۴۳۱.

''ہر بنی آدم (انسان) جب پیدا ہوتا ہے تو پیدائش کے وقت شیطان اُسے چھوتا ہے اور بچہ شیطان کے چھونے سے زور سے چیختا ہے۔ سوائے مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہما السلام کے۔'' پھر سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ (اس کی وجہ اُمّ مریم حنہ رضی اللہ عنہا کی یہ دُعا ہے: اے اللہ!) ''میں مریم اور اُس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔'' (آل عمران:۳۶)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث مبارکہ سے اس بات کا فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُمّ مریم حنہ رضی اللہ عنہا کی دُعا قبول کر لی تھی۔ اس لیے کہ شیطان انبیاء و اولیاء اللہ سمیت تمام بنی آدم کو آنکڑا مار کر تیز دوڑاتا ہے، سوائے مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہما السلام کے۔'' ❶

آیت کریمہ کے ظاہر سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اُمّ مریم حنہ رضی اللہ عنہا کا شیطان سے پناہ مانگنا مریم کے وضع حمل کے بعد تھا۔ تو اس بات کو اُس مَس سے پناہ مانگنے پر محمول کرنا کہ جو ولادت کے وقت تھا صحیح نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شیطان کا یہ چھونا وضع حمل والی علیحدگی کے وقت تھا کہ جب بی بی حنہ نے مریم کو جنم دے دیا اور وہ اس کے وجود سے الگ ہو کر پیدا ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی پناہ مانگنا تھی۔ اس پناہ گاہی سے غرض وغایت مضارع والے صیغہ کے ساتھ پوری زندگی مکمل استمرار کے ساتھ شیطان سے پناہ کی طلب تھی۔ رضی اللہ عنہا ❷

اسرائیلی روایات:

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اُمّ مریم حنہ بنت فاقوذ، زوجۂ عمران رضی اللہ عنہا کو نہ کوئی اولاد ہو رہی تھی اور نہ ہی حیض آ رہا تھا۔ ایک دن کی بات ہے کہ وہ کسی درخت کے سائے میں بیٹھی تھی۔ اسی دوران اس نے ایک پرندے کو دیکھا کہ وہ اپنے چھوٹے بچے (چوزے) کو کھانا کھلا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کے نفس کو بھی اولاد کے لیے تحریک پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس نے اللہ کریم سے دُعا کی کہ وہ اس کو بیٹا عطا کر دے۔ دُعا قبول ہوئی اور اسی وقت اسے حیض آنا شروع ہوگیا۔ جب حیض سے پاک ہوئی تو اُس کے خاوند عمران رضی اللہ عنہ نے آ کر اُس

---

❶ تفسیر القرطبي، ج: ٤، ص: ٦٨۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انبیاء کرام علیہم السلام کے معصوم عن الخطاء ہونے کے بارے میں جو صحیح احادیث سے ثابت ہے تو یہ حدیث اس کی مخالف نہیں ہے۔ بلکہ حدیث مبارکہ کا ظاہر یہ ہے کہ شیطان ہر بچے کی ولادت کے وقت اسے چھونے اور کچوکا لگانے کی کوشش کرتا ہے، مگر جو اللہ کے مخلص بندے بننے والے ہوتے ہیں، انھیں اصل میں یہ کچوکا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور پھر یہاں ان مخلصین میں سے مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو جو مستثنیٰ کر دیا تو اس لیے کہ شیطان اپنی عادتِ بد کے مطابق مریم اور ابن مریم کو چھونے کے لیے گیا، مگر اُمّ مریم کی یہ دُعا آڑے آ گئی۔ تو یہ تھی وجہ اختصاص۔ اس سے شیطان کا مریم اور ابن مریم کے علاوہ دوسرے اللہ کے مخلص بندوں (انبیاء کرام، اولیاء اللہ اور صدیقین وشہداء) پر تسلط لازم نہیں آتا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباري، جلد: ۸، صفحہ: ٦٠۔

❷ دیکھئے: آلوسی کی تفسیر: روح المعاني، ج: ۳، ص: ۱۳۸۔

سے مباشرت کی۔ جس سے اللہ کریم نے اس کو حمل ٹھہرا دیا۔ جب اس کو بچے کی پیدائش کا یقین ہو گیا تو کہنے لگی: اگر اللہ عزوجل نے مجھے اولاد سے سرفراز فرمایا تو میں اُسے ضرور اللہ کی راہ میں وقف کر دوں گی۔ ❶

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت کیا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے خاوند عمران سے کہا: انبیاء کرام کی جنس میں سے کوئی ایسی نسل نہیں کہ جس میں ہمارے علاوہ کوئی وقف شدہ لڑکا نہ ہو۔ (یعنی ہمارے خاندان میں سے کوئی نہیں ہوا۔) اب میں نے اپنے بطن میں پلنے والے کو اللہ کی راہ میں وقف کر دیا ہے۔ (وہ ساری زندگی اللہ کی عبادت اور بیت المقدس کی خدمت کرے گا۔)

اُس سے اُس کے خاوند عمران رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا خیال ہے اگر تمہارے بطن یں پلنے والا بچہ لڑکی ہوئی اور لڑکی (عورت) تو کمزور ہوتی ہے، تب کیا کرو گی؟ تب اُس نے اس وقت غم کا اظہار کیا اور کہنے لگی:

﴿ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ (آل عمران: ۳۵)

''اے میرے رب! بے شک میں نے تیرے لیے اس کی نذر مانی ہے جو میرے پیٹ میں ہے کہ آزاد چھوڑا ہوا ہوگا، سو مجھ سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' ❷

امام قرطبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عمران کی بیوی حنہ بنت فاقوذ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی مریم کو ایک کپڑے (کے خرقہ) میں لپیٹا اور اسے کنیسہ (عبادت گاہ) میں بھیج دیا۔ یوں اُس نے اپنی نظر کو پورا کر دیا اور ماں اپنی بیٹی کے متعلق بری ہوگئی۔ ❸ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حنہ نے مریم کی تربیت کی حتیٰ کہ مریم نشوونما پا کر بلوغت کو پہنچ گئی، تب ماں نے اُسے بیت المقدس بھیجا۔ (ایضاً)

ان روایات پر تبصرہ:

ان میں سے بعض روایات صحیح اسناد سے ثابت ہیں۔ بعض قابل ردّ ہیں اور بعض کے متعلق خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ چنانچہ بی بی حنہ رحمہا اللہ کے بارے میں جو روایت کیا گیا ہے کہ اُس نے اپنے بچے کو بیت المقدس اور دین اسلام کی خدمت کے لیے وقف کرنے کی جو نذر مانی تھی، تو اس کی گواہی بھی موجود ہے۔ فرمایا:

---

❶ دیکھئے: الدرّ المنثور، جلد: ۲، صفحہ: ۱۸۰۔ البدایہ والنہایہ، جلد: ۲، صفحہ: ۵۶۔ تفسیر طبری، جلد: ۳، صفحہ: ۲۳۵ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر: ۳۵، ۳۶ کے تحت محمد بن اسحق رحمہم اللہ کے حوالے سے بالکل ایسی ہی روایت اپنی تفسیر میں درج کی ہے اور محققین نے المصباح المنیر (صفحہ: ۲۱۵) میں اسے صحیح قرار دے کر باقی رکھا ہے۔

❷ دیکھئے: الدرّ المنثور، ج: ۲، ص: ۱۸۰۔ ۱۸۱۔

❸ دیکھئے: تفسیر طبری، جلد: ٤، صفحہ: ٦٧۔

﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○﴾ (آل عمران : ۳۵)

''جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب! بے شک میں نے تیرے لیے اس کی نذر مانی ہے جو میرے پیٹ میں ہے کہ آزاد چھوڑا ہوا ہوگا، سو مجھ سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اور یہ جو روایت کیا گیا ہے کہ بی بی حنہ رحمہا اللہ اپنی بیٹی مریم بنت عمران علیہا السلام کی تربیت و پرورش کرتی رہی حتی کہ وہ نشو ونما پا گئی، تب ماں نے اسے بیت المقدس بھیجا تھا تو یہ درج ذیل آیت کریمہ کے مخالف ہے۔ کیونکہ قرآن کہہ رہا ہے:

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ کَفَّلَهَا زَکَرِیَّا کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ (آل عمران : ۸۷)

''پس اس کے رب نے اسے اچھی قبولیت کے ساتھ قبول کیا اور اچھی نشو و نما کے ساتھ اس کی پرورش کی اور اس کا کفیل زکریا کو بنا دیا۔ جب کبھی زکریا اس کے پاس عبادت خانے میں داخل ہوتا، اس کے پاس کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز پاتا، کہا اے مریم! یہ تیرے لیے کہاں سے ہے؟ اس نے کہا یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے کسی حساب کے بغیر رزق دیتا ہے۔''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب زکریا علیہ السلام نے مریم کے پاس بے موسمی پھل دیکھا اور اُس سے اس کے متعلق پوچھا تو اس وقت مریم عاقلہ و بالغہ تھیں اور جس طرح روایت میں بیان ہوا ہے چھوٹی عمر کی نہیں تھیں۔ (جناب زکریا علیہ السلام مریم کے خالو تھے۔)

پھر یہ جو بیان ہوا ہے کہ حنہ رضی اللہ عنہا نے مریم کو اس وقت کہ جب وہ بالکل چھوٹی تھی، ایک خرقہ میں لپیٹ کر عبادت گاہ بھیج دیا تھا اور اس سے وہ بری ہوگئی تھی تو یہ بات بھی صحیح نہیں ہے۔ قرآنی اسلوب سے پتہ چلتا ہے کہ ماں نے اُسے اس وقت بیت المقدس بھیجا تھا، جب وہ شعور کو پہنچ گئی تھی۔

باقی روایات کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ انھیں بیان کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

واقعہ سے حاصل شدہ دُروس اور احکام:

۱...... بچے کی تعلیم وتربیت اور صحیح نہج پر تادیب وتہذیب میں ماں کی سرپرستی ونگرانی ایک مثال ہوتی ہے، اگر

زوجۂ عمران حنہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ ایسا نہ ہوتا تو وہ واقعہ میں مذکور نذر کبھی نہ مانتی۔ ❶

۲...... ماں کا بھی حق ہے کہ وہ اپنے بچے کا نام رکھ لے۔ مگر یہ شرط ہے کہ نام صحیح ہو۔ اور باپ نام نہ رکھنا چاہتا ہو۔ حنہ بنت فاقوذ نے کہا ﴿وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ﴾ اور اللہ عزوجل نے اُس کے رکھے ہوئے اس نام کو باقی رکھا۔ ❷

۳......جیسا کہ اللہ کریم کے فرمان:

﴿ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (آل عمران: ٦٦)

''دیکھوتم وہ لوگ ہو کہ تم نے اس بات میں جھگڑا کیا جس کے متعلق تمھیں کچھ علم تھا، تو اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں کچھ علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

سے ظاہر ہوتا ہے کہ ولادت والے دن بھی بچے کا نام رکھنا جائز ہے۔ اور بعض احادیث مبارکہ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے: ((وُلِدَلِيَ اللَّيْلَةَ غُلَامٌ، فَسَمَّيْتُهُ بِاسْمِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ .)) ...... ''آج رات ہمارے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور میں نے اس کا نام اپنے باپ (جدالانبیاء) ابراہیم (علیہ السلام) کے نام پر رکھا ہے۔'' ❸

اسی طرح سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''ہمارے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا میں اُسے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گیا۔ آپؐ نے اُس کا نام ''ابراہیم'' رکھا۔ اسے کھجور کی گھٹی دی اور اس کے لیے برکت کی دُعا کی۔'' ❹

۴......جس طرح زوجۂ عمران حنہ بنت فاقوذ رحمہا اللہ نے اپنی دُعا میں اللہ کریم سے مانگا تھا، اسی طرح بندے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد طلب کرے۔ جناب زکریا علیہ السلام نے اللہ ربّ العالمین سے اسی طرح کی دُعا کی تھی، کہا ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ﴾ ...... ''اے میرے رب کریم! مجھے بھی اپنی درگاہ سے نیک، پاکیزہ اولاد عنایت فرما دے۔ بے شک تو دُعا سننے والا

❶ دیکھئے: احکام القرآن، ج: ۲، ص: ۱۱.

❷ حواله سابقه و تحفة المودود بأحكام المولود، ص: ۷۹.

❸ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب رحمته الصبيان والعيال ......الخ، حديث: ٦٠٢٥.

❹ صحيح البخاري مع الفتح، باب تسمية المولود غداة يولد لمن لم يعق عنه وتحنيكه، ج: ۹، ص: ٥٠٠، حديث: ٥٤٦٧ ـ وصحيح مسلم، كتاب الآداب، باب استحباب تحنيك المولود عند ولادته، ج: ۳، ص: ١٦٩٠، حديث: ٥٦١٥.

ہے۔'' (آل عمران:۳۸) اسی طرح اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے بھی یہی دُعا کی تھی۔ کہا ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ ...... ''اے میرے رب! مجھے نیک اولاد عطا فرمادے۔'' (الصافات:۱۰۰) اللہ عزوجل نے اپنے مومن بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝﴾ (الفرقان : ٧٤)

''اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولادوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔''

یہ ضروری نہیں ہے کہ بندے کی اللہ سے اولاد کے لیے دُعا دنیاوی معاش کے لیے اُن کے ساتھ صرف انسیت حاصل کرنے، اُن کی (بڑے ہوکر) حمایت چاہنے اور اُن سے مددخواہی کے لیے ہو۔ حدیث میں نیک اولاد کی اللہ عزوجل سے طلب کی ترغیب بھی آئی ہے۔ چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ؛ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْا لَهُ.)) [1]

''جب آدمی فوت ہوجاتا ہے تو اس کا عمل موقوف، منقطع ہوجاتا ہے۔ مگر تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ کا، دوسرے علم کا جس سے لوگ فائدہ اُٹھائیں اور تیسرے نیک بخت، صالح اولاد کا جو اس کے لیے (موت کے بعد بھی) دُعا کرے۔''

۵...... اللہ عزوجل کی صفت ربوبیت کے ساتھ اس کے پاس وسیلہ پکڑنا۔ اس لیے کہ اس میں ربّ کریم کے ہاں بندے کے فقر و عاجزی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ سبق ہمیں زوجۂ عمران رحمہا اللہ کی دُعا سے ملتا ہے۔

۶...... بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف عمل پر اکتفا نہ کرے بلکہ زوجۂ عمران حنہ رحمہا اللہ کے قول ﴿فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ﴾ سے سبق لے کر اللہ عزوجل سے قبول کر لینے کا سوال بھی کرے۔ اسی طرح اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے کہ جب وہ بیت اللہ الحرام کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے اللہ عزوجل سے یوں دُعا کی تھی: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾ ...... ''اے ہمارے رب کریم! ہم سے یہ عمل قبول فرمالے۔ بلاشبہ تو ہی دُعاؤں کو سننے والا اور (اخلاصِ نیت کو) جاننے والا ہے۔'' (البقرۃ:۱۲۷)

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ج: ٣، ص: ١٢٥٥، ح: ٤٢٢٣.

۷ ......اللہ عزوجل سے مانگتے وقت اللہ عزوجل کے اسماءِ حسنیٰ اور اُس کی صفاتِ عالیہ میں سے موقع محل کے مطابق جو مناسب ہوں ان کا وسیلہ لے کر دُعا کرنا مستحسن عمل ہے، جیسا کہ بی بی حنہ نے ﴿فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ کہا تھا۔ اسی طرح اللہ عزوجل کے درج ذیل فرمان میں عقل مند لوگوں کی دُعا یوں آئی ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝﴾ (آل عمران : ۸)

''اے ہمارے رب! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر، اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی بے حد عطا کرنے والا ہے۔''

اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا کو اللہ عزوجل نے یوں بیان کیا ہے:

﴿ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّأَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝﴾ (المائدة : ۱۱٤)

''عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان اتار، جو ہمارے پہلوں اور ہمارے پچھلوں کے لیے عید ہو اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور ہمیں رزق دے اور تو سب رزق دینے والوں سے بہتر ہے۔''

۸ ......اعمالِ صالحہ اور واجبات کو مستعدی کے ساتھ کرنے کے بارے میں مرد کو عورت پر فضیلت کا اس واقعہ میں ذکر ہوا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى﴾ اور اس میں مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات کا نعرہ لگانے والوں کا ردّ ذکر ہوا ہے۔ [1]

۹ ......زوجۂ عمران حنہ بنت فاقوذ رحمہا اللہ نے جو کہا تھا ﴿وَإِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ تو اس سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ اپنی اولاد کے اچھے اچھے نام رکھنے چاہئیں۔ مریم کا معنی ہوتا ہے: ''اللہ کی عبادت گزار بندی''۔ سیّدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَاءِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَاءِكُمْ فَأَحْسِنُوْا أَسْمَاءَكُمْ .)) ......''قیامت والے دن تم لوگ اپنے اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، اس لیے اپنے اچھے اچھے نام رکھا کرو۔'' [2]

---

[1] دیکھئے: السیر التفاسیر للجزائری، ج: ۱، ص: ۲۵۸.

[2] سنن أبي داؤد، کتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء، ج: ٤، ص: ۲۸۷۔ قال ابن حجر: رجاله ثقات إلا أن في سنده انقطاعاً بين عبدالله بن أبي زكريا راويه عن أبي الدرداء وأبي الدرداء فإنه لم يدركه۔ فتح الباري، ج: ۱۰، ص: ۵۹۳.

امام ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: خلاصہ کلام یہ ہے کہ اخلاق و اعمال اور قبیح افعال ایسے ناموں کے مقتضی ہوتے ہیں جو ان کے مناسب ہوں۔ اور ان کے برعکس اخلاق و اعمال بھی ایسے اچھے ناموں کے مقتضی ہوتے ہیں جو ان کے مناسب ہوں۔ جس طرح یہ صفتوں والے ناموں میں ثابت ہے اسی طرح وہ اسماء الاعلام میں بھی ثابت ہے۔ اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اسمائے گرامی محمد اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھے گئے تھے تو یہ آپ کی ذاتِ شریف میں اللہ عزوجل کی کثرتِ حمد کرنے کی وجہ سے تھے۔ اسی لیے قیامت کے دن آپ کے ہاتھ میں جھنڈا بھی "لواء الحمد" ہوگا۔ اور آپ کی اُمت کے لوگوں کو "حمادون" کہا جاتا ہے۔ اپنے رب ذوالجلال کی حمد وثناء کرنے میں نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب مخلوق سے زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے۔ اسی لیے آپ نے نام اچھے رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ (جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔)

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس آدمی کا نام اچھا نہ ہو وہ اپنا نام بتلانے سے شرم بھی کرتا رہتا ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کا نام اسے ایسا کام کرنے پر اُبھارتا بھی ہے کہ جو اس کے نام کے موافق ہو اور ایسا کام نہ کرنے پر بھی اُبھارتا ہے کہ جو اس کے نام کے اُلٹ ہو۔ اسی بنا پر آپ دیکھیں گے کہ اکثر بیوقوف لوگوں کے کرتوت ان کے ناموں کے مطابق ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ عالی ہمت، معزز لوگوں کے کام بھی ان کے ناموں کے مطابق ہوتے ہیں۔ ❶

۞...... بی بی حنہ اُمّ مریم رضی اللہ عنہا کی زبانی قرآنِ حکیم کے درج ذیل الفاظ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اولاد کو شیطان رجیم سے اللہ عزوجل کی پناہ میں دیتے ہوئے ہمیشہ شیطانی کوشش سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ بی بی نے کہا تھا:

﴿وَإِنِّيٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ ...... "اور میں اس (مریم) کو اور اس کی اولاد (عیسیٰ بن مریم) کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔"

((وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَيَقُوْلُ: إِنَّ أَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهِمَا إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ: أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ .)) ❷

"سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سادا تنا حسن وحسین ابناء علی رضی اللہ عنہم

---

❶ دیکھئے: تحفة المودود باحكام المولود، ص: ٨٦.

❷ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث أبي ذر: أي مسجد وضع في الأرض، ج: ٦، ص: ٤٧٠، ح: ٣٣٧١.

کے لیے اللہ کی پناہ طلب کرتے اور فرماتے تھے کہ تمہارے بزرگ دادا ابراہیم علیہ السلام بھی ان کلمات کے ذریعے اپنے بیٹوں اسماعیل اور اسحق کے لیے اللہ کریم کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔ (ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے) میں پناہ مانگتا ہوں اللہ عزوجل کے پورے پورے کلمات کے ذریعے ہر ایک شیطان سے اور ہر زہریلے جانور سے اور ہر نقصان پہنچانے والی نظر بد سے۔''

۱۱..... اس واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اللہ کریم اپنے مخلص بندوں اور اپنے اولیاء کی دُعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ اُس نے زوجۂ عمران بی بی حنہ رحمہا اللہ کی دُعا کو سنا اور اسے قبول بھی فرمالیا، اسے اولاد دے کر اس کو شیطان سے محفوظ بھی کر دیا اور اس کی اولاد (عیسیٰ بن مریم علیہما السلام) کو بھی۔ ❶

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

❶ دیکھئے: السیر التفاسیر للجزائری، ج: ۱، ص: ۲۵۸.

(۵)......سیّدہ مریم البتول اُمّ عیسیٰ علیہما السلام کا قصہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

اس موضوع کا آغاز کرنے سے پہلے یہ بات واضح کر دیں کہ اُمّ عیسیٰ سیّدہ مریم بنت عمران علیہما السلام کا واقعہ اور ذکر باقی دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ قرآنِ حکیم میں آیا ہے۔ گیارہ سورتوں میں ان کا نام (۳۴) بار ذکر ہوا ہے۔ مصنف حفظہ اللہ نے اپنے اسلوب کے مطابق سیّدہ مریم علیہا السلام کے واقعہ کو بالاختصار بیان کیا ہے۔ مگر ہم نے ان روایات کے ساتھ واقعہ اور سیرتِ مریم بنت عمران کو مزید واضح کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کی سیرتِ مطہرہ میں بے شمار دروس، نصائح اور عقیدہ سے متعلق نظریاتی باتیں ہیں، جنھیں بیان کرنا نہایت ضروری تھا۔ (ابویحییٰ)

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ عفت وعصمت اور شرم گاہوں کی حفاظت اپنے اندر ایک عظیم مرتبہ وشان رکھتی ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بات کا اپنے بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ٥﴾ (النور: ۳۰)

''مومن مردوں سے کہہ دے اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔''

اسی طرح اللہ کریم نے اپنی مومن، مسلمان بندیوں کو بھی حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ ﴾ (النور: ۳۱)

''اور مومن عورتوں سے کہہ دے اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔''

چنانچہ اللہ عزوجل نے مردوں اور عورتوں سب کو اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے مخاطب فرمایا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ عزوجل نے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مردوں اور اپنی عفت و

عصمت کی حفاظت کرنے والی اپنی بندیوں کی یوں تعریف فرمائی ہے:

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (الاحزاب: ۳۵)

’’بے شک مسلم مرد اور مسلم عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان کے لیے اللہ نے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔‘‘

یہ اس لیے کہ شرم گاہ کی حفاظت سے دل کو شیطان سے سلامتی اور طہارت نفس حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں اور ایمان والی بندیوں کے لیے قرآنِ حکیم میں ایک ایسی عورت کی مثال بیان فرمائی ہے جس نے اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی عزت کو نہایت محفوظ رکھا اور اپنے تمام اعمال کو اپنے رب کے لیے خالص کر دیا۔ اس بی بی پاکدامن بتولِ زمانہ سیّدہ مریم بنت عمران علیہا الصلوٰۃ والسلام کا ذکر قرآنِ حکیم میں یوں آیا ہے:

﴿ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○﴾ (آل عمران: ۳۶۔۳۷)

’’پھر جب اس نے اسے جنا تو کہا اے میرے رب! یہ تو میں نے لڑکی جنی ہے اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو اس نے جنا اور لڑکا اس لڑکی جیسا نہیں، اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور بے شک میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پس اس کے رب

نے اسے اچھی قبولیت کے ساتھ قبول کیا اور اچھی نشو ونما کے ساتھ اس کی پرورش کی اور اس کا کفیل زکریا کو بنا دیا۔ جب کبھی زکریا اس کے پاس عبادت خانے میں داخل ہوتا، اس کے پاس کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز پاتا، کہا اے مریم! یہ تیرے لیے کہاں سے ہے؟ اس نے کہا یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے کسی حساب کے بغیر رزق دیتا ہے۔''

آگے فرمایا:

﴿ وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ إِذَا قَضٰٓى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ ۝﴾

(آل عمران: ٤٢ تا ٤٨)

''اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سب جہانوں کی عورتوں پر تجھے چن لیا ہے۔ اے مریم! اپنے رب کی فرماں بردار بن اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔ یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں، ہم اسے تیری طرف وحی کرتے ہیں اور تو اس وقت ان کے پاس نہ تھا جب وہ اپنے قلم پھینک رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے اور نہ تو اس وقت ان کے پاس تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے۔ جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے، جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے، دنیا اور آخرت میں بہت مرتبے والا اور مقرب لوگوں سے ہوگا۔ اور لوگوں سے گہوارے میں بات کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی اور نیک لوگوں سے ہوگا۔ اس نے کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، حالانکہ کسی بشر نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا؟ فرمایا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے یہی کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اسے

کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔"

پھر فرمایا:

﴿ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا o لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَ مَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا o ﴾ (آل عمران: ۱۷۱۔۱۷۲)

"اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ گزرو اور اللہ پر مت کہو مگر حق۔ نہیں ہے مسیح عیسیٰ ابن مریم مگر اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ، جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے ایک روح ہے۔ پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ تین ہیں، باز آجاؤ، تمھارے لیے بہتر ہوگا۔ اللہ تو صرف ایک ہی معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بطور وکیل کافی ہے۔ مسیح ہرگز اس سے عار نہ رکھے گا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب فرشتے ہی اور جو بھی اس کی بندگی سے عار رکھے اور تکبر کرے تو عنقریب وہ ان سب کو اپنی طرف اکٹھا کرے گا۔"

اللہ عزوجل اپنی اس بندی کی تعریف کرتے ہوئے نصاریٰ کے غلط عقیدہ کی نفی یوں فرماتے ہیں:

﴿ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ o ﴾

(المائدۃ: ۷۵)

"نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر ایک رسول۔ یقیناً اس سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے اور اس کی ماں صدیقہ ہے، دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھ ان کے لیے ہم کس طرح کھول کر آیات بیان کرتے ہیں، پھر دیکھ کس طرح پھیرے جاتے ہیں۔"

ایک مقام پر اس صدیقہ و بتول سیّدہ کا مفصل تذکرہ اللہ کریم نے یوں فرمایا ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِیًّا o فَاتَّخَذَتْ مِنْ

دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّيٓ أَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَآ أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّ لَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَ لِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا وَ كَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَأَجَآءَهَا الْمَخَاضُ إِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ أَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَ هُزِّيْٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُوْلِيْٓ إِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۝ فَأَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۝ يٰٓأُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ أَبُوْكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَ أَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ إِذَا قَضٰٓى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝﴾ (مریم: ١٦ تا ٣٥)

’’اور کتاب میں مریم کا ذکر کر، جب وہ اپنے گھر والوں سے ایک جگہ میں الگ ہوئی جو مشرق کی جانب تھی۔ پھر اس نے ان کی طرف سے ایک پردہ بنالیا تو ہم نے اس کی طرف اپنا خاص فرشتہ بھیجا تو اس نے اس کے لیے ایک پورے انسان کی شکل اختیار کی۔ اس نے کہا بے شک میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں، اگر تو کوئی ڈر رکھنے والا ہے۔ اس نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ اس نے کہا میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا، جب کہ مجھے نہ کسی بشر نے چھوا ہے اور نہ میں کبھی بدکار تھی۔ اس نے کہا ایسے ہی ہے، تیرے رب نے کہا ہے یہ میرے لیے آسان ہے اور تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی اور اپنی طرف سے ایک رحمت بنائیں اور یہ شروع سے ایک طے کیا ہوا کام ہے۔ پس وہ اس (لڑکے) کے ساتھ حاملہ ہوگئی تو

اسے لے کر ایک دور جگہ میں الگ چلی گئی۔ پھر دردزہ اسے کھجور کے تنے کی طرف لے آیا، کہنے لگی اے کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بھلائی ہوتی۔ تو اس نے اسے اس کے نیچے سے آواز دی کہ غم نہ کر، بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی (جاری) کر دی ہے۔ اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گی۔ پس کھا اور پی اور ٹھنڈی آنکھ سے رہ، پھر اگر تو آدمیوں میں سے کسی کو دیکھے تو کہہ میں نے تو رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، سو آج میں ہرگز کسی انسان سے بات نہ کروں گی۔ پھر وہ اسے اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لے آئی، انھوں نے کہا اے مریم! یقیناً تو نے تو بہت برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں کوئی بدکار تھی۔ تو اس نے اس کی طرف اشارہ کر دیا، انھوں نے کہا ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی تک گود میں بچہ ہے۔ اس نے کہا بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور مجھے بابرکت بنایا جہاں بھی میں ہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی، جب تک میں زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا (بنایا) اور مجھے سرکش، بدبخت نہیں بنایا۔ اور خاص سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن فوت ہوں گا اور جس دن زندہ ہو کر اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہے عیسیٰ ابن مریم۔ حق کی بات، جس میں یہ شک کرتے ہیں۔ کبھی اللہ کے لائق نہ تھا کہ وہ کوئی بھی اولاد بنائے، وہ پاک ہے، جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہ کہتا ہے کہ ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتا ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۝﴾ (الانبیاء: ۹۱)

''اور اس عورت کو جس نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا، تو ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونکا اور اسے اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لیے عظیم نشانی بنا دیا۔''

پھر فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰیَةً وَّ اٰوَیْنٰهُمَاۤ اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ۝﴾

(المومنون: ۵۰)

''اور ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو عظیم نشانی بنایا اور دونوں کو ایک بلند زمین کی طرف جگہ دی،

جو رہنے کے لائق اور بہتے پانی والی تھی۔'' ❶

اسی طرح ایک مزید مقام پر یوں اس کا تذکرہ فرمایا ہے:

﴿ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ ﴾ (التحریم: ۱۲)

''اور عمران کی بیٹی مریم کی (مثال دی ہے) جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی ایک روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت کرنے والوں میں سے تھی۔'' ❷

آیات مذکورہ میں مشکل الفاظ کے معانی:

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا: یعنی اللہ تعالیٰ نے مریم کو اس کی ماں حنہ رضی اللہ عنہا سے (اچھی طرح) قبول کرلیا۔ ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے: تربیت میں کفالت اور اس کے معاملہ میں اہتمام کرنا۔ ❸

اَلْمِحْرَابُ: لفظ محراب سے مراد وہ معروف محراب نہیں ہے جو مسجدوں میں امام کے لیے بنائی جاتی ہے۔ یہاں اس سے مراد وہ چھوٹا سا کمرہ (حجرہ) ہے جو تنہائی کے لیے بنایا جاتا ہے۔ یہود و نصاریٰ عبادت خانہ سے الگ کچھ بلندی پر یہ محراب (حجرہ) بناتے تھے، جس میں کنیسہ کے مجاور رہتے تھے۔ محراب کا معنیٰ سیّد المجالس بھی

---

❶ اس ربوہ (ٹیلہ) سے مراد کون سا مقام ہے؟ اس بارے میں مفسرینؒ کا اختلاف ہے۔ اکثر اس سے مراد...... اسرائیلی روایات کے مطابق ......مصر لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ملک شام کا حاکم ہیروڈوس تھا۔ وہ نجومیوں سے سن کر، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سرداری ملے گی، بچپن ہی سے ان کا دشمن ہوگیا تھا اور ان کے قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام انھیں لے کر مصر چلی گئیں اور جب تک ہیروڈوس زندہ رہا ملک شام واپس نہ آئیں۔ انجیل کی کتاب متی میں یہ واقعہ اسی طرح مذکور ہے، لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اقرب قول یہ ہے کہ ''ربوہ'' سے مراد وہ جگہ ہے، جہاں حضرت مریم علیہا السلام وضع حمل کے وقت تشریف رکھتی تھیں۔ سورۂ مریم میں ہے کہ ان کے نیچے چشمہ جاری کردیا۔ واللہ اعلم۔ بہرحال اہل اسلام میں سے کسی نے ''ربوہ'' سے مراد کشمیر نہیں لیا اور نہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کشمیر میں بتائی ہے۔ یہ محض کذب بیانی اور دروغ بافی ہے۔ محلّہ ''خان یار'' شہر سری نگر میں جو قبر ''یوز آسف'' کے نام سے مشہور ہے اور جس کے متعلق ''تاریخ اعظمی'' کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ ''لوگ اسے کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا اور دوسرے ملک سے یہاں آیا تھا'' اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتانا پرلے درجے کی بے حیائی اور سفاہت ہے۔ (کذا فی بعض الحواشی)

❷ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''وہ شریف اور نیک خاندان میں سے تھی۔'' صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں میں بہت سے کامل ہوئے ہیں، لیکن عورتوں میں سے صرف چار کامل ہوئی ہیں۔ آسیہ رضی اللہ عنہا زوجۂ فرعون، مریم رضی اللہ عنہا بنت عمران، خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے، جیسے ثرید کی دوسرے کھانوں پر۔ مسند احمدؒ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت کی تمام عورتوں میں سے افضل چار ہیں، خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد، فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمدؐ، مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا بنت مزاحم۔ (شوکانی)

❸ دیکھیے: تفسیر البغوي، ج: ۱، ص: ۲۹۶.

ہوتا ہے اور امام کے لیے مسجد کا اگلا حصہ بھی۔ ❶

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ: بلاشبہ اللہ نے تیرا (اے مریم) چناؤ، انتخاب کرلیا ہے۔ اس نے تجھے اپنی اطاعت کے لیے منتخب کرلیا ہے اور اس نے اپنی عزت جو کسی کو عطا کرنا تھی اس کے لیے تجھے مخصوص کرلیا ہے۔ ❷

وَطَهَّرَكِ. بمعنی اے مریم! اللہ نے تیرے دین کو شک وشبہ اور بنی آدم کی عورتوں کے دین میں جو خرافات کی گندگیاں ہوتی ہیں، اُن سے تجھے پاک کردیا ہے۔ (تفسیر طبری، جلد: ۳، صفحہ: ۲۶۲)

يَا مَرْيَمُ اقْنُتِيْ: قنوت کا معنی ہوتا ہے: خشوع وخضوع کے ساتھ اطاعت و بندگی کو لازم کرلینا۔ ❸

وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ: عربی میں ''مس'' اس چیز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جس کے ساتھ لمس کی حس کا اِدراک ہو۔ پتہ چلے کہ کسی نے چھوا ہے۔ یہاں اس سے مراد نکاح ومباشرت ہے۔ (ایضاً، صفحہ: ۴۶۷) ❹

وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا: اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔ یہاں بغیاً سے مراد؛ زانیہ اور بدکار ہے۔ ❺

سَرِيًّا: جمہور مفسرین نے اس کا معنی ''چھوٹی نہر'' اور ''چشمۂ رواں'' کے کیے ہیں۔

اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ: یعنی جب وہ قرعہ اندازی کررہے تھے۔ (دیکھیے: تفسیر طبری، جلد: ۳، صفحہ: ۲۶۷) اس قرعہ اندازی کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ سیّدہ مریم علیہا السلام یہودیوں کے بہت بڑے عالم عمران رحمہ اللہ کی بیٹی تھی۔ جب ان کی والدہ حنہ بنت فاقوذ رضی اللہ عنہا نے انھیں بیت المقدس کی نذر کیا تو عبادت گاہ کے مجاوروں میں

---

❶ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: مختار الصحاح، ص: ۱۲۸۔ تفسیر الطبري، ج: ۳، ص: ۲٤٦۔ تفسیر البغوي، ج: ۱، ص: ۲۹۷۔ اور الزجاج کی: معانی القرآن، ج: ۱، ص: ٤٠٣۔

❷ معانی القرآن زجاج، جلد: ۱، صفحہ: ٤١٠۔ تفسیر طبری، جلد: ۳، صفحہ: ۲٦۲ اس آیت میں حضرت مریم علیہا السلام کے برگزیدہ ہونے کا دو مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محض تاکید کے لیے ہو یا پہلی برگزیدگی سے مراد بچپن میں حضرت مریم علیہا السلام کو شرفِ قبولیت بخشا ہو جو آیت ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾ میں مذکور ہے اور دوسری برگزیدگی سے مراد اللہ تعالیٰ کا انھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے لیے منتخب فرمانا اور خصوصی فضیلت عطا کرنا ہو۔ نساء العالمین سے صرف اس زمانہ کی عورتیں مراد ہیں، کیونکہ احادیث میں حضرت مریم علیہا السلام کی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں بھی اسی قسم کے الفاظ مذکور ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا کی بہترین عورت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد ہے۔'' (بخاری ومسلم) دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردوں میں تو بہت سے لوگ کامل ہوئے ہیں، مگر عورتوں میں صرف حضرت مریم علیہا السلام بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت دوسروں عورتوں پر ایسی ہے، جیسی ثرید کی بقیہ کھانوں پر۔'' (بخاری ومسلم)

❸ المفردات للراغب الاصفهاني، ص: ٤١٣.

❹ حضرت مریم علیہا السلام کو جب لڑکے کی خوشخبری دی گئی تو انھوں نے تعجب کا اظہار کیا۔ ﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ﴾ کہ مجھے تو آج تک کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا، پھر میرے ہاں بچہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ﴿كَذٰلِكِ اللّٰهُ ....الخ﴾ فرما کر انھیں تسلی دی، یعنی اللہ تعالیٰ کے یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ مزید دیکھیے: (سورۂ مریم، آیت: ۲۰۔۲۱)

❺ المفردات للراغب، ص: ٤٦٧۔ وتفسیر الجلالین، ص: ٤٠٥.

جھگڑا ہو گیا کہ اس بچی کی سرپرستی اور نگرانی کا شرف کون حاصل کرے۔ آخر کار انھوں نے قرعہ اندازی کی اور قرعہ جناب زکریا علیہ السلام کے نام نکل آیا۔ آپ، مریم علیہا السلام کے خالو تھے۔

وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ: (النساء:۱۷۱) یہاں کلمہ سے مراد "كُنْ" کا کلمہ ہے۔ یوں عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی۔ یہ معنیٰ نہیں ہے کہ وہ کلمہ کن ہی عیسیٰ بن مریم بن گیا تھا۔ ❶

وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ: (المائدہ:۷۵) یعنی انتہائی سچی، کبھی جھوٹ نہ بولنے والی، اللہ کی ولیہ اور پکی مومن۔ وہ عبودیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھیں کہ جو نبوت کے بعد دوسرا درجہ ہے۔ صدیقیت وہ نفع بخش علم ہوتا ہے جو یقین اور عمل صالح کے لیے پھل آور ہوتا ہے۔ ❷

فَانْتَبَذَتْ بِهِ: (سورۂ مریم:۲۲) یعنی: اِعْتَزَلَتْ وَهُوَ فِي بَطْنِهَا: عیسیٰ مریم کے پیٹ میں تھا اور وہ اسے لے کر (دور کسی مکان میں) الگ ہوگئی۔ یہاں "بِهِ" کی "باء" حال کے لیے ہے۔ یعنی اس حال میں کہ وہ عیسیٰ کو (اپنے رحم وبطن میں) اُٹھائے ہوئے تھے۔ ❸

اٰوَيْنٰهُمَا: (المومنون:۵۰) ہم نے مریم اور اس کے بیٹے دونوں کو ایک جگہ اور منزل عطا کی۔ ❹

ذَاتِ قَرَارٍ: ٹھہرنے اور قیام کرنے کے لائق، برابر، کھلا اور وسیع تھا کہ جس پر رہائش اختیار کرنے والے سکون سے رہ سکتے تھے۔ ❺

وَمَعِيْنٍ: (المومنون:۵۰) یعنی بہتا ہوا صاف پانی جو چشموں سے نکل کر بہہ رہا ہو۔ ❻

اُمّ عیسیٰ مریم بنت عمران علیہا السلام کا تعارف:

مریم بنت عمران علیہا السلام کے نام کی وضاحت قرآنِ حکیم میں بھی آ گئی ہے اور صحیح احادیث مبارکہ میں بھی۔ جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے اور سورۃ التحریم میں تو بمع ولدیت ذکر ہوا ہے۔ فرمایا ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيٓ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ (التحریم:۱۲) اُمّ عیسیٰ مریم بنت عمران علیہا السلام جناب داؤد علیہ السلام کی آل اور نسل میں سے تھیں۔

---

❶ دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، ج: ۲، ص: ۴۳۱۔ وتفسیر البغوي، ج: ۱، ص: ۵۰۲.

❷ تفصیل کے لیے: تفسیر البغوي، ج: ۲، ص: ۵۴۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ۳، ص: ۱۵۰۔ تیسیر الکریم الرحمٰن للسعدي، ج: ۱، ص: ۵۰۷.

❸ دیکھیے: تفسیر البحر المحیط، ج: ۶، ص: ۱۸۱.

❹ دیکھیے: تفسیر النسفي، ج: ۲، ص: ۴۷۳.

❺ معاني القرآن للزجاج، ج: ۴، ص: ۱۵.

❻ تفسیر البغوي، ج: ۳، ص: ۳۱۰.

آپ بنواسرائیل کے ایک پاکباز، معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ نے تمام بنواسرائیل میں سے نہایت اعلیٰ قسم کی نشو ونما اور تربیت پائی تھی۔ آپ کا شمار اللہ عزوجل کی انتہائی عبادت گزار، زاھدات، عبادتِ الٰہی میں عظیم رُتبہ و مقام حاصل کرنے والیوں اور دکھلاوے، ریا کاری سے پاک صرف ایک اللہ عزوجل کے لیے اطاعت وفرمانبرداری اور عبادت کو تندہی کے ساتھ عادت بنا لینے والیوں میں ہوتا تھا۔ ❶

صحیح احادیث مبارکہ میں سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کی بہت تعریف آئی ہے۔ بعض کو ہم یہاں بالترتیب بیان کیے دیتے ہیں:

۱: سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ ، كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ إِمْرَأَةُ فِرْعَوْنَ .)) ❷

''عورتوں پر عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کی۔ مردوں میں سے تو کامل بہت سے ہوگزرے ہیں لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران (اُمّ عیسیٰ) اور فرعون کی بیوی آسیہ کے سوا کوئی اور کامل پیدا نہیں ہوئی۔''

یہاں اس حدیث مبارک کی شرح میں دو باتیں سمجھنا ضروری ہیں:

1 ..... جیسا کہ فتح الباری میں حدیث نمبر: ۳۴۱۱ کی شرح کے تحت امام کرمانی رحمہ اللہ کا یہ قول درج ہے اور یہی بات سب سے زیادہ درست ہے کہ لفظ کمال سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُمّ عیسیٰ مریم بنت عمران یا آسیہ زوجۂ فرعون نبیہ تھیں، اس لیے کہ ''کمال'' کا لفظ کسی بھی چیز کے مکمل اور پورا ہونے پر بولا جاتا ہے۔ اور یہاں بی بی مریم اور آسیہ زوجۂ فرعون کے کمال سے مراد یہ ہے کہ عورتوں میں جو فضائل پائے جاتے ہیں وہ تمام کے تمام فضائل ومحاسن ان اللہ کی صالح بندیوں میں سوائے نبوت ورسالت کے بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے۔

2 ..... صحیح ابن حبان، مسند احمد، ابویعلی، الطبرانی، مستدرک حاکم اور سنن ابی داؤد میں سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلَدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ .)) ❸

---

❶ دیکھئے: تفسیر ابن كثير، ج: ٥، ص: ٢١٣.

❷ صحيح البخاري، كتاب احاديث الأنبياء، حديث : ٣٤٣٣ـ وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، حديث : ٦٢٧٢.

❸ فتح الباري، كتاب احاديث الأنبياء، شرح حديث نمبر : ٣٤١١.

''جنتیوں کی تمام عورتوں سے زیادہ افضیلت والی (اُمّ المؤمنین) خدیجہ بنت خویلد، سیّدہ فاطمۃ الزہراء (بتول وجگر گوشۂ رسول)، مریم بنت عمران (اُمّ عیسیٰ) اور آسیہ زوجۂ فرعون رضی اللہ عنہن جمیعاً ہیں۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری (شرح حدیث نمبر: ۳۴۱۱) میں الطبرانی، ابونعیم کی ''الحلیہ'' (ترجمہ عمرو بن مرہ) اور الثعلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ صحیح البخاری میں زیر بحث حدیث (۳۴۱۱) کی سند کے عین مطابق مذکور بالا محدثین نے سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسیہ زوجۂ فرعون اور مریم بنت عمران کے بعد سیّدہ خدیجہ بنت خویلد اور سیّدہ فاطمہ بنت محمد رضی اللہ عنہن جمیعاً کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ تو یہ دونوں محترمات بھی عورتوں میں کامل گزری ہیں۔

ب: سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيْجَةُ...)) ...... ''اُمّ عیسیٰ مریم بنت عمران اپنے زمانہ کی سب سے بہترین (فضائل و محاسن میں کمال کو پہنچ جانے والی) خاتون تھیں اور اس اُمت کی سب سے بہترین خاتون (فضائل ومحاسن میں کمال کو پہنچ جانے والی) اُمّ المؤمنین خدیجہ بنت خویلد ہیں رضی اللہ عنہا۔'' ❶

ج: سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((حَسْبُكَ مِنْ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ؛ مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ وَخَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ.)) ...... ''عورتوں کے لیے اُسوۂ حسنہ کے طور پر تمھیں دنیا جہان کی تمام عورتوں میں سب سے زیادہ (فضائل ومحاسن اور مناقب میں کمال کے اعتبار سے) اُمّ عیسیٰ مریم بنت عمران، اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ بنت خویلد، بتول عالم سیّدہ فاطمۃ الزہراء بنت محمد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آسیہ زوجۂ فرعون کافی ہیں۔ رضی اللہ عنہن جمیعاً۔'' ❷

د: ((وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ إِلَّا نَخَسَهُ الشَّيْطَانُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ نَخْسَةِ الشَّيْطَانِ إِلَّا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ. ثُمَّ قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: اِقْرَأُوْا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿وَإِنِّيٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَٰنِ الرَّجِيمِ﴾.)) ❸ ...... ''اور سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

---

❶ صحيح البخاري، حديث: ٣٤٣٢ـ وصحيح مسلم، حديث: ٦٢٧١.

❷ دیکھیے: جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب فضل خديجةؓ، حديث: ٣٨٧٨ـ وقال ابو عيسى الترمذي: هذا حديثٌ صحيح ووافقه الألباني رحمهما الله.

❸ وصحيح البخاري، كتاب التفسير، باب وَإِنِّي أُعِيذُهَا ...... الخ، ح: ٤٥٤٨ـ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فضل عيسىؑ، ج: ٤، ص: ١٨٣٨، ح: ٦١٣٣ـ

سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بچہ ایسا نہیں جسے شیطان کونچا نہ لگائے۔ بچہ اس کے کونچا لگانے سے روتا چلاتا ہے۔ مگر مریم کے بیٹے عیسیٰ اور اس کی ماں مریم علیہا السلام کو شیطان کونچا نہ لگا سکا۔'' یہ حدیث بیان کرکے جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: دلیل کے لیے اگر چاہو تو اللہ عزوجل کا یہ فرمان پڑھ لو ﴿ وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝﴾ (آل عمران:٣٦) (مریم علیہا السلام کی ماں حنہ بنت فاقوذ نے کہا) اور میں نے اس کا نام مریم رکھا (عابدہ وزاہدہ اللہ کی بندی) اور میں اسے اور اس کی اولاد کو مردود شیطان کے شر سے اے اللہ! تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث مبارک سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُمّ مریم حنہ بنت فاقوذ کی دُعا کو قبول کرلیا۔ پس شیطان بی بی مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہما السلام کے علاوہ تمام بنی آدم کو پیدائش کے بعد کونچا مارتا اور کچوکے لگاتا ہے، حتیٰ کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو بھی۔ ❶

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ مسئلہ بھی واضح کیا ہے کہ علمائے کرام میں سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کی نبوت کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں: فرشتے کے ساتھ مکالمہ اور اللہ عزوجل کے ساتھ بے روک ٹوک بات کرنے کی وجہ سے نبیہ تھیں۔ جبکہ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ مریم بنت عمران نبیہ نہیں تھیں بلکہ فرشتے نے تو اُس کے ساتھ گفتگو کی تھی ایک انسانی صورت میں آ کر۔ اور فرشتے کا دکھائی دینا بالکل اسی طرح سے تھا جیسا کہ جناب جبریل علیہ السلام دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ جیسی شکل وصورت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس وقت دکھائی دیے تھے جب انھوں نے نبی مکرم ﷺ سے اسلام اور ایمان کے بارے میں آ کر پوچھا تھا۔ یہ حدیث سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور تمام احادیث کی کتب میں درج ہے۔ ❷

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں مریم بنت عمران علیہا السلام نبیہ تھیں مگر اس موضوع پر دیگر آئمہ کرام وعلماءِ عظام کی تحقیقی بحث اور قرآن کی نص صریح سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی عورت نبیہ نہیں ہوئی اس موضوع پر پیچھے بات ہو چکی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے: فتح الباری، جلد: ٦، صفحہ: ٥٧٤، طبع دار السلام، کتاب احادیث الانبیاء، باب واذ قالت الملائکہ ...... الخ، حدیث: ٣٤٣٢ کی شرح دیکھ لیجیے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فرمان درج ذیل میں اس بات کی خبر دے رہے ہیں

---

❶ تفسير القرطبي، ج: ٤، ص: ٦٨.

❷ دحية بن خليفة بن فروة الكلبي، مشہور صحابی تھے۔ انتہائی خوبصورت تھے اور جبریل علیہ السلام کبھی کبھی آپ کی شکل میں نازل ہوا کرتے تھے۔ الإصابة، ج: ١، ص: ٤٦٣۔ تفسير القرطبي، ج: ١١، ص: ٩٠.

کہ اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر ہمیشہ مردوں سے مبعوث فرمائے ہیں، عورتوں سے کبھی نہیں۔ اور یہی جمہور علماء کرام رحمہم اللہ کی رائے اور قول ہے۔ اسی طرح اس آیت کریمہ کا سیاق وسباق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی آدم کی بیٹیوں میں سے کبھی بھی کسی عورت کو نبوت کے لیے منتخب کرتے ہوئے اس کی طرف شریعت کے قواعد واحکام والی وحی نہیں بھیجی۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (یوسف: ۱۰۹)

''اور ہم نے تجھ سے پہلے نہیں بھیجے مگر کچھ مرد، جن کی طرف ہم ان بستیوں والوں میں سے وحی کیا کرتے تھے، تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو متقی بنے تو کیا تم نہیں سمجھتے۔''

حتیٰ کہ موضوع کو مکمل کرتے ہوئے ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور وہ عقیدہ ورائے کہ جس پر اہل السنہ والجماعۃ کا اتفاق واجماع ہے اور اسی بات کو الشیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ عورتوں میں کوئی بی بی نبیہ نہیں ہوئی۔ بلکہ ان میں صدیقات ہوئی ہیں۔ (اور صدیق وصدیقہ کا درجہ نبوت کے بعد اور نبوت کے تابع ہوا کرتا ہے۔) جیسا کہ اللہ عزوجل نے دنیا جہان کی تمام عورتوں سے معزز ترین بی بی مریم بنت عمران علیہا السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ ﴾

(المائدۃ: ۷۵)

''نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر ایک رسول، یقیناً اس سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے اور اس کی ماں صدیقہ ہے، دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھ ان کے لیے ہم کس طرح کھول کر آیات بیان کرتے ہیں، پھر دیکھ کس طرح پھیرے جاتے ہیں۔''

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُمّ عیسیٰ مریم بنت عمران علیہا السلام کا معزز ترین مقام ''صدیقہ'' بیان فرمایا ہے۔ اگر آپ نبیہ ہوتیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ عزت وحیثیت بلند کرنے اور عظمت بیان کرنے والے مقام پر ضرور ان کا ذکر بطورِ نبیہ فرماتے۔ صحیح بات یہی ہے کہ وہ نبیہ نہیں بلکہ قرآن کی نص کے مطابق وہ صدیقہ تھیں۔ علیہا وعلی ابنہا

الصلوٰۃ والسلام۔ ❶

واقعہ وقصہ کی تفصیل:

قرآنِ حکیم نے ہمارے لیے مریم بنت عمران علیہا السلام کے واقعہ وقصہ کو اس کی ولادت سے لے کر آخر تک بیان کر دیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ ان کی والدہ بی بی حنہ بنت فاقوذ زوجہ عمران رضی اللہ عنہا نے نذر مان رکھی تھی کہ: اس کے رحم وبطن میں جو بچہ ہے اسے وہ اللہ کے دین اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے آزاد اور وقف کر دے گی۔ پھر اس نے دُعا کی کہ اللہ اس کی یہ نذر قبول فرما لے۔ مگر اس نے بچی کو جب جنم دیا تو اُس کا نام ''مریم'' (اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عابدہ وزاہدہ بندی) رکھ دیا اور پھر جیسا کہ پیچھے بیان ہوا ہے: زوجۂ عمران اُمّ مریم علیہا السلام نے مریم اور اس کی بعد میں ہونے والی اولاد کو شیطان کے کونچے اور اس کے شر سے پناہ مانگتے ہوئے ان کو اللہ کی پناہ میں دینے کی دُعا مانگی جسے اللہ عزوجل نے قبول فرمالیا اور اس کی نذر کو بھی اللہ کریم نے قبول فرمالیا۔ چنانچہ مریم بنت عمران کے معاملہ کے آغاز میں ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مریم کو خوش آمدید کہہ دیا۔ اور وہ اپنی ولادت کے وقت سے ہی اللہ عزوجل کی حمایت وتائید میں چلی گئی۔ اللہ ربّ العالمین نے اُس کے وجودِ اطہر (ڈیل ڈول اور خوبصورتی)، اس کے اعلیٰ اخلاق اور اللہ عزوجل کی عبادت وعبودیت اور اطاعت میں اس کی نہایت اچھے پیمانے پر نشوونما فرمائی۔ علاوہ ازیں اس کے لیے قبول کے اسباب آسان فرما دیے۔ سیّدنا زکریا علیہ السلام جیسے اللہ کے نبی اور صالح بندوں جیسی مریم بنت عمران کو ابتداء سے ہی صحبت میسر رہی۔ گویا ماں باپ، خالہ، خالو، خالو کے بیٹے، اولاد سمیت تمام گھرانہ ایک سے بڑھ کر ایک متقی، صالح اور عالم تھا تاکہ وہ ان سے نیکی، تقویٰ اور علم وعمل خوب اچھی طرح سے حاصل کر سکے۔ سیّدنا زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تو وہ پوری زندگی رہیں۔ ❷

سیّدہ مریم بنت عمران اپنے خالو سیّدنا زکریا علیہ السلام کی زیر کفالت اپنے اُس حجرۂ مبارکہ میں بالالتزام اللہ عزوجل کی عبادت میں زیادہ وقت گزارتیں جو ان کے لیے خاص کر دیا گیا تھا۔ آپ بہت زیادہ نماز پڑھنے والی اور اللہ عزوجل کا بذریعہ عبادت تقرب حاصل کرنے والی تھیں۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے ہمیں اپنے درج ذیل فرمان میں خبر دی ہے۔ فرمایا: ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ﴾ ...... ''جب بھی زکریا علیہ السلام مریم بنت عمران کے پاس اس کے حجرہ میں جاتے۔'' اس عبارت کے اسلوب سے پتہ چلتا ہے کہ بی بی مریم علیہا السلام ہمیشہ اللہ عزوجل کی عبادت میں مشغول رہتی تھیں۔ ❸

---

❶ دیکھئے: تفسیر ابن کثیر، ج: ٤، ص: ٣٤٥، ٣٤٦۔

❷ دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، ج: ٢، ص: ٢٨۔ وتفسیر البحر المحیط، ص: ٢، ص: ٤٤١۔ تفسیر الطبری، ج: ٣، ص: ٢٤١.

❸ تفصیل کے لیے دیکھیے: تیسیر الکریم الرحمٰن للسعدی، ص: ٢٤٢، ج: ١.

اس عبادت پر مداومت اور توجہ الی اللہ کی وجہ سے اس کا شمار اولیاء اللہ میں ہو گیا اور جیسا کہ اللہ عزوجل نے بیان فرمایا ہے: اسے بغیر کسی انسانی ذریعہ کے بند کمرے میں بے موسمی پھلوں اور دیگر کھانے پینے کی اشیاء کا مل جانا وہ کرامات ہیں کہ جو انھیں مسلسل حاصل تھیں۔ اس عجیب وغریب رزق کا اللہ عزوجل نے ذکر فرمایا ہے کہ جس کے بارے میں جب زکریا علیہ السلام نے اُن سے پوچھا تو کہا: یہ سب اللہ کریم کی طرف سے ہے۔ قرآن اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ ﴾

(آل عمران : ۳۷۔۳۸)

''جب کبھی زکریا اس کے پاس عبادت خانے میں داخل ہوتا، اس کے پاس کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز پاتا، کہا اے مریم! یہ تیرے لیے کہاں سے ہے؟ اس نے کہا یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے کسی حساب کے بغیر رزق دیتا ہے۔ وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے ایک پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کو بہت سننے والا ہے۔''

اسی طرح آگے قرآنِ حکیم میں بی بی مریم کو فرشتے کا مخاطب کر کے ہم کلام ہونا بھی مذکور ہے۔ فرشتوں نے آپ کا نام لے کر مخاطب کیا تاکہ آپ کی فرشتوں سے انسیت ہو، گھبرا نہ جائیں اور جو باتیں وہ ان کی طرف القاء کریں وہ اگلے معاملہ کی تمہید ثابت ہوں۔ [1] چنانچہ فرشتوں نے سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کو خبر دی کہ اللہ عزوجل نے اُنھیں دنیا جہان کی عورتوں میں سے منتخب کر کے وسوسوں اور خرافات وشرکیات جیسی غلاظتوں سے پاک کر دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳۲/۲) چنانچہ قرآن نے اس مکالمہ کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ ﴾

(آل عمران : ۴۲۔۴۳)

''اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سب جہانوں کی عورتوں پر تجھے چن لیا ہے اے مریم! اپنے رب کی فرماں بردار بن اور سجدہ کر اور رکوع

[1] دیکھئے: تفسیر البحر المحیط، جلد: ۲، صفحہ: ۴۵۵

کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔''

دنیا جہان کی عورتوں پر فضیلت اس لیے دی کہ (۱)...... آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو اللہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جبکہ اس سے قبل کبھی کوئی عورت اس کام کے لیے آزاد اور وقف نہیں ہوئی تھی۔ (۲)...... جب بالغ، جوان ہوگئیں تو بطورِ معجزہ بغیر خاوند کے بیٹے کو جنم دے دیا۔ ❶ اسی طرح جیسے کہ اوپر آلِ عمران کی آیت نمبر: ۴۳ میں بیان ہوا کہ فرشتوں نے بی بی مریم علیہا السلام کو کثرتِ عبادت، خضوع وخشوع اور رکوع وسجود کا حکم دیا تھا اور یہ اس لیے تھا تا کہ آپ ایک بہت بڑی آزمائش کے لیے تیار ہو جائیں۔ ❷

اللہ عزوجل کی طرف سے آزمائش یہ تھی کہ فرشتوں نے آپ علیہا السلام کو بشارت دے دی تھی کہ آپ ایک لڑکے کو جنم دیں گے اور اس کا نام المسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا علیہما السلام۔ فرشتوں نے اس لڑکے کی نسبت آپ ہی کی طرف کی تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ بیٹا آپ کو بغیر خاوند کے ہوگا۔ جب فرشتوں نے یہ پیغام اللہ عزوجل کا پہنچایا، جیسا کہ قرآنِ حکیم نے بیان فرمایا ہے:

﴿ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ (آل عمران: ٤٥۔٤٦)

''جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے، جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے، دنیا اور آخرت میں بہت مرتبے والا اور مقرب لوگوں سے ہوگا۔ اور لوگوں سے گہوارے میں بات کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی اور نیک لوگوں سے ہوگا۔''

تو بی بی مریم اپنے ربّ کریم کو مخاطب کر کے کہنے لگی:

﴿ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝﴾ (آل عمران: ٤٧۔٤٨)

''اس نے کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، حالانکہ کسی بشر نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا؟ فرمایا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے یہی کہتا

---

❶ دیکھئے: تفسیر بغوی، جلد: ۱، صفحہ: ۳۰۰۔ تفسیر قرطبی، جلد: ٤، صفحہ: ۸۲

❷ دیکھئے: تفسیر ابن کثیر، ج: ۲، ص: ۳۲.

ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔''

سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام نے اپنے دین کی خدمت اور عبادت میں بہت زیادہ مشغولیت کی وجہ سے شادی نہیں کی تھی۔ ❶ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے اللہ عزوجل نے ان کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ یعنی جب سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام مسجد اقصیٰ کی مشرقی جانب ایک اُونچے مقام پر جا کر رہنے لگیں اور وہاں آپ نے ایک پردہ تان لیا کہ جس کے ساتھ آپ اپنے گھر والوں سے بھی پوشیدہ ہوگئیں اور باقی لوگوں سے بھی۔ وہاں اللہ ربّ العالمین نے اپنے مقرب فرشتے جناب جبریل علیہ السلام کو ایک انسانی شکل وصورت میں بھیجا جو قد کاٹھ میں مکمل انسان دکھلائی دیتے تھے۔ اسے دیکھ کر بی بی مریم نے اللہ کی پناہ طلب کی اور کہنے لگیں:

﴿ قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴾ (مریم: ۱۸)

''اس نے کہا بے شک میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں، اگر تو کوئی ڈر رکھنے والا ہے۔''

جناب جبریل علیہ السلام نے اُن کو مخاطب کر کے کہا:

﴿ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴾ (مریم: ۱۹)

''اس نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔''

مگر مریم کہنے لگیں:

﴿ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴾ (مریم: ۲۰)

''اس نے کہا میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا، جب کہ مجھے نہ کسی بشر نے چھوا ہے اور نہ میں کبھی بدکار تھی۔''

یعنی نہ ہی تو میرا کوئی خاوند ہے اور نہ ہی میں کوئی فاحشہ وزانیہ عورت ہوں، مجھ سے اولاد کیسے ہوسکتی ہے؟

اس پر سیّدنا جبریل علیہ السلام نے انھیں جواب دیتے ہوئے کہا:

﴿ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَ لِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴾ (مریم: ۲۱)

''اس نے کہا ایسے ہی ہے، تیرے رب نے کہا ہے یہ میرے لیے آسان ہے اور تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی اور اپنی طرف سے ایک رحمت بنائیں اور یہ شروع سے ایک طے کیا ہوا کام ہے۔''

❶ فتح القدیر، ج: ۱، ص: ۳۴۱۔ والکشاف، ج: ۱، ص: ۴۳۰

یعنی اے مریم! تمہارے رب نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آپ سے ایک لڑکے کو بغیر آپ کے خاوند اور بغیر آپ کے زنا جیسے خبیث وقبیح فعل کے سرزد ہونے کے بعد پیدا کرے گا۔ اللہ کے ہاں فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس لیے یہ ناگزیر ہے اور یہ کام ہو کر رہے گا۔ لوحِ محفوظ میں اسی طرح لکھا ہے اور وہاں کا لکھا بدل نہیں سکتا۔

چنانچہ اس گفتگو کے بعد سیّدنا جبریل علیہ السلام نے ایک پھونک ماری (جیسے دم کرتے ہیں) جو بی بی مریم علیہا السلام کے رحم میں جاٹھہری اور اس سے انھیں عیسیٰ کا حمل ٹھہر گیا۔

﴿ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝﴾ (مریم: ۲۲)

''پس وہ اس (لڑکے) کے ساتھ حاملہ ہوگئی تو اسے لے کر ایک دور جگہ میں الگ چلی گئی۔'' ❶

اس کے بعد جب ولادت کا وقت قریب آیا تو بطن مبارک کے بوجھل پن نے ایک کھجور کے تنے کے پاس پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اس وقت پیش آمدہ حالت کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

﴿ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝﴾ (مریم: ۲۳)

''پھر دردِ زہ اسے کھجور کے تنے کی طرف لے آیا، کہنے لگی اے کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بھلائی ہوتی۔''

تنگی کی اس حالت میں سیّدہ مریم موت کی خواہش کرنے لگیں۔ اور اس بات کا اظہار کیا کہ اے کاش! وہ پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔ اس لیے کہ جب لوگوں کو اس ولادت کا علم ہوگا تو وہ کیا کہیں گے، کس طرح کی تہمتیں دھریں گے اور کیسی اُلٹی سیدھی باتیں کریں گے۔ یہ سوچ کر انھیں ایک بہت بڑے غم نے آ لیا۔ مگر اس جگہ کی نچلی جانب سے ایک فرشتے نے اسے آواز دے کر تسلی دیتے ہوئے کہا: آپ رنج کیوں کرتی ہیں؟ آپ کی تکلیف کے ازالہ کے لیے اللہ عزوجل نے نچلی جانب ایک چھوٹی نہر بذریعے چشمہ جاری کر دی ہے۔

﴿ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝﴾ (مریم: ۲۵۔۲۶)

---

❶ تاکہ حمل کے دن لوگوں کے طعن وتشنیع اور چہ میگوئیوں سے محفوظ رہ کر گزار سکیں۔ ''دُور مکان'' سے مراد بیت اللحم ہے، جو بیت المقدس سے آٹھ میل دُور واقع ہے، اسی کا نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ذکر ہے اور یہی وہ مشہور بات ہے جسے مفسرین یکے بعد دیگرے نقل کرتے رہے ہیں اور اس باب میں نصاریٰ کو بھی کوئی شک نہیں ہے۔ (ابن کثیر)

''اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گی۔ پس کھا اور پی اور ٹھنڈی آنکھ سے رہ، پھر اگر تو آدمیوں میں سے کسی کو دیکھے تو کہہ میں نے تو رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، سو آج میں ہرگز کسی انسان سے بات نہ کروں گی۔''

احتمال یہ ہے کہ کھجور کا یہ درخت اس وقت ثمر آور نہ تھا۔ اس لیے کہ جنابِ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سخت جاڑے کے موسم میں ہوئی تھی اور کھجوروں کو پھل گرمیوں میں لگا کرتا ہے۔ اور یہ بات اللہ عزوجل کے درج ذیل فرمان سے بطورِ احسان معلوم ہو رہی ہے۔ فرمایا ﴿تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾ ...... ''اللہ کی قدرت سے تمہارے اوپر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گریں گی۔'' پھر جیسا کہ اوپر آیت نمبر: ۲۶ کے ترجمہ میں یہ بات آ گئی ہے کہ اس فرشتے نے نصیحت کرتے ہوئے کہا اگر آپ کسی شخص کو دیکھیں اور وہ آپ سے آپ کے ولادت والے معاملے کے بارے میں سوال کرے تو اُسے اشارے اور زبانِ حال سے کہو کہ میں نے اللہ کی منت کے طور پر خاموشی کا روزہ رکھا ہے۔ اس لیے آج میں کسی انسان سے بات نہیں کر سکتی۔ ❶

بی بی مریم بنت عمران علیہا السلام بچے کو اُٹھائے ہوئے جب قوم کے پاس آئی تو لوگوں نے آپ پر تہمت دھرنا شروع کر دی اور بہت برا بھلا کہنے لگے:

﴿ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۝ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝﴾ (مریم: ۲۷۔۲۸)

''پھر وہ اسے اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لے آئی، انھوں نے کہا اے مریم! یقیناً تو نے تو بہت برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں کوئی بدکار تھی۔'' ❷

ان کا مقصد یہ تھا کہ اے مریم! اس طرح کا بے حیائی کا کام تمہارے خاندان میں سے کبھی کسی نے نہیں کیا تم تو نہایت صالح خاندان کی بیٹی ہو؟ پھر تم سے یہ انتہائی قبیح اور گھناؤنا جرم ہو کیسے گیا؟ لوگوں کی یہ گفتگو ان پر

---

❶ دیکھیے: تفسیر الطبري، ج: ١٦، ص: ٧٦۔ تفسیر القرطبي، ج: ١١، ص: ١٠١، ١٠٢.

❷ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کی بہن تو ہو نہیں سکتی کیونکہ ان کا زمانہ حضرت مریم علیہا السلام سے سینکڑوں برس پہلے کا ہے اس لیے مفسرین نے ان الفاظ کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے کسی بھائی کا نام ہارون ہو، جیسا کہ ایک حدیث میں بھی ہے کہ بنی اسرائیل اپنے نام اپنے انبیاء وصلحاء کے نام پر رکھ لیتے تھے۔ (مسلم، ترمذی) یا ہوسکتا ہے کہ زہد وعبادت میں تشبیہ کے طور پر اُسے ''اخت ہارون'' کہہ دیا ہو۔ یا ممکن ہے جناب ہارون علیہ السلام کے خاندان سے ہوں، اس لیے انھیں عربی محاورہ کے مطابق اخت ہارون کہہ دیا۔ جیسا کہ جب کوئی آدمی مضر قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے تو اسے ''اخا مضر'' کہہ کر پکار لیتے ہیں۔ گو یہ صحیح ہے کہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی ایک بہن کا نام بھی مریم تھا مگر وہ قطعاً مراد نہیں ہوسکتی اور نہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہی بن سکتی ہے۔ (ابن کثیر۔ شوکانی) یعنی تیرے خاندان میں کوئی بھی بدکار نہیں گزرا۔ تیرے ماں باپ دونوں نہایت نیک اور پرہیزگار تھے پھر تو نے یہ برے لچھن کہاں سے سیکھ لیے؟ (تفسیر وحیدی)

بہت بڑی تہمت اور ایک بہتان عظیم تھا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے یہودیوں کی بری خصلتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝﴾ (النساء: ۱۵۵۔۱۵۶)

''پھران کے اپنے عہد کو توڑ دینے ہی کی وجہ سے (ہم نے ان پر لعنت کی) اور ان کے اللہ کی آیات کا کفر کرنے اور ان کے انبیاء کو کسی حق کے بغیر قتل کرنے اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلاف میں محفوظ ہیں، بلکہ اللہ نے ان پر ان کے کفر کی وجہ سے مہر کر دی تو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت کم اور ان کے کفر کی وجہ سے اور مریم پر ان کے بہت بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے۔'' ❶

جب بنواسرائیل نے سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام سے جو برا بھلا کہا سو کہا، تو اُنھوں نے بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اسی سے پوچھ لو۔ یہ اس لیے فرمایا تا کہ اللہ کے حکم سے معجزہ ظاہر ہو جائے اور جب بچہ بول کر بتائے گا تو سیّدہ مریم علیہا السلام کی گناہ سے براءت بھی ظاہر ہو جائے گی کہ جو ان کے ذمہ قوم لگا رہی تھی۔ بنواسرائیل حیران ہو کر کہنے لگے بھلا ہم بچے سے کیا بات کریں جو گود میں ہے۔ مگر اللہ عزوجل نے دودھ پیتے بچے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو قوت گویائی عطا فرمائی اور اُس نے کہا:

﴿ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝﴾

(مریم: ۳۰۔۳۳)

''اس نے کہا بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور مجھے بابرکت بنایا جہاں بھی میں ہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی، جب تک میں زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا (بنایا) اور مجھے سرکش، بدبخت نہیں بنایا۔ اور خاص سلامتی

---

❶ '' بِكُفْرِهِمْ '' کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کو محال سمجھا جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کر کے صریح کفر کا ارتکاب کیا اور پھر حضرت مریم علیہا السلام کی طرف زنا کی نسبت کر کے مزید بہتان باندھا۔ (رازی) مزید تفصیل کے لیے: تفسیر بغوی، جلد: ٦، صفحہ: ١٢ دیکھ لیں۔

ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن فوت ہوں گا اور جس دن زندہ ہو کر اٹھایا جاؤں گا۔'' ❶

یوں سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کی براءت ظاہر ہوگئی۔ وہ مریم کہ جس کی پہچان ربّ العالمین نے عفت و عصمت والی صفت کے ساتھ کروائی ہے۔ پھر اللہ عزوجل نے مریم بنت عمران اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو اس بلند ٹیلے والی جگہ پر پناہ عطا فرمائی کہ جو اوپر سے ہموار، رہائش کے قابل تھا اور وہاں پر پانی کا انتظام بھی تھا۔ ❷

یہاں تک بی بی مریم بنت عمران علیہا السلام کا واقعہ قرآن میں مکمل ہو جاتا ہے، وہ مریم کہ جو اللہ عزوجل کے ہاں طاہرہ و عفیفہ اور صدیقہ تھیں اور وہ ایسی عورت تھیں کہ اللہ عزوجل نے ان کو اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہما السلام کو تمام جہانوں کے لیے اپنی نشانی بنا دیا تھا۔ اس حال میں کہ مریم نے عیسیٰ کو بغیر خاوند کے پیدا کیا اور عیسیٰ یوں پیدا ہوئے کہ اُن کا کوئی باپ نہیں ہے۔ بلاشبہ اُن کی اپنے بیٹے کے ساتھ شان و عظمت میں ان کے اپنے زمانے والے لوگوں کے درمیان ایک زبردست دلیل ہے۔ اور اللہ ربّ العالمین کی اس قدرت پر بھی زبردست دلیل ہے کہ وہ بغیر اصل کے جسموں کو پیدا کر کے انھیں نمو کے مراحل سے گزار سکتا اور زندگی عطا کر سکتا ہے۔ ❸

اسی طرح قرآنِ حکیم نے اس بات کی بھی دلیل دی ہے کہ عیسیٰ بن مریم اور ان کی والدہ مریم بنت عمران علیہم السلام بشر تھے، جیسا کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝﴾

(المائدة: ٧٥)

''نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر ایک رسول، یقیناً اس سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے اور اس کی ماں صدیقہ ہے، دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھ ان کے لیے ہم کس طرح کھول کر آیات بیان کرتے

---

❶ ان الفاظ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو گفتگو بیان کی جارہی ہے وہ ان کے بچپنے کی گفتگو ہے جو انھوں نے گود یا گھوارے میں کی۔ (ایضاً، سورۂ آل عمران: ٢٦) اور صحیح بخاری میں ہے کہ تین بچوں نے گھوارے میں گفتگو کی جن میں ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ گفتگو جوانی کے وقت کی ہے اور انھوں نے ﴿فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ کا ترجمہ کل کا بچہ کیا ہے مگر یہ تاویل مہمل سی ہے جو واقعات اور محاورہ کے خلاف ہے۔ گویا سب سے پہلا کلمہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان سے ادا کیا وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اعتراف تھا اور یہ کہ آئندہ مجھے کتابِ مقدس (انجیل) ملے گی۔

❷ تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر طبری، جلد: ١٨، صفحہ: ٢٧

❸ دیکھیے: تفسير الطبري، ج: ١٨، ص: ٢٥۔ تفسير البغوي، ج: ٣، ص: ٢٦٧۔ تفسير الفخر الرازي، ج: ٢٣، ص: ١٠٤۔ تفسير الطبري، ج: ١٨، ص: ٢٥۔ وتفسير القرطبي، ج: ١١، ص: ٣٣٨.

ہیں، پھر دیکھ کس طرح پھیرے جاتے ہیں۔''

یہ کھانا پینا اور سونا تو بشر کی خصلتیں ہوتی ہیں، اِلٰہ کی تو نہیں۔

اسرائیلی روایات:

سیّدہ مریم بنت عمران اور ان کے بیٹے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بہت ساری اسرائیلی روایات ذکر ہوئی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہم یہاں بالا جمال کیے دیتے ہیں۔

ا: امام طبری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ سیّدہ مریم بن عمران جب بالغ ہوگئیں تو آپ حجرۂ مبارکہ کی طرف چلی گئیں اور اس وقت آپ زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں کہ جب انھوں نے قرعہ کے ذریعے آپ کی کفالت والی ذمہ داری اور سعادت کو جیت لیا تھا۔ چنانچہ زکریا علیہ السلام نے اُن کو اپنے گھر میں رکھا اور آپ خود حجرۂ مبارکہ میں رہنے لگے۔ ❶

ب: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ہی جناب عبداللہ بن عباس اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم سے روایت درج کی ہے کہ جناب زکریا علیہ السلام نے بی بی مریم کو اپنے ہمراہ حجرۂ مبارکہ میں رکھا تھا۔ (ایضاً، صفحہ: ۲۴۴)

ج: امام طبری رحمہ اللہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جناب زکریا نے سیّدہ مریم علیہا السلام کی بغیر قرعہ کے کفالت کی تھی اور مریم کے بارے میں ان سے کسی نے بھی جھگڑا نہیں کیا تھا اور یہ اس لیے کہ مریم کی خالہ ان کی زوجۂ محترمہ تھیں۔ (ایضاً)

د: اسی طرح طبری رحمۃ اللہ علیہ نے شعیب الحیائی سے بھی روایت درج کی ہے کہ اہل ایلیا نے مریم کے بالغ ہو جانے کے بعد اس کے اخراجات کا بوجھ اُٹھانے کے خاطر آپس میں قرعہ اندازی کی، اس حیثیت سے کہ انھوں نے دیکھا کہ زکریا علیہ السلام ان کا کفالت والے خرچہ کا بوجھ اُٹھانے سے قاصر ہیں۔ ❷

ھ: اسی طرح طبری رحمہ اللہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ قرآنِ حکیم میں مذکور رزق سے مراد موسمِ گرما میں سردیوں کے پھل اور موسم سرما میں گرمیوں کے پھل ہیں۔ (ایضاً)

و: انھوں نے عبداللہ بن عباس اور دیگر علماء عظام کی روایت سے یہ بھی درج کیا ہے کہ رزق سے مراد بے موسمی انگور ہے۔ (ایضاً)

ز: امام سیوطی جناب مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ: ﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾ سے مراد علم ہے۔ ❸

---

❶ تفسير الطبري، ج: ٣، ص: ٢٤٣، ص: ٢٤٤. ❷ ايضاً۔ واسناده ضعيفٌ۔ فقيه الحسين بن داؤد المصيصي.

❸ دیکھئے: الدرّ المنثور، ج: ٢، ص: ١٨٦. اور اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں حسین بن داؤد بن مصیصی راوی ہے جو ضعیف ہے۔

ح: امام طبری نے جناب مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ: جب مریم علیہا السلام سے کہا گیا ﴿يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ﴾ ''اے مریم! اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کر۔'' (اس کی عبادت کے لیے تادیر ادب سے کھڑی رہ) تو وہ اتنی دیر تک کھڑی رہی کہ اس کے ٹخنوں میں ورم آ گئے۔ (دیکھئے: تفسیر طبری، جلد: ۳، صفحہ: ۲۶۵) اور امام طبری نے محمد بن اسحاق رحمہ اللہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ فرشتوں نے بی بی مریم سے روبرو گفتگو کی تھی۔ (ایضاً، جلد: ۳، صفحہ: ۲۶۴) یعنی بالمشافہ۔

ط: امام طبری رحمہ اللہ نے ہی محمد بن اسحاق رحمہ اللہ سے بھی روایت کی ہے کہ سیّدہ مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا ایک عبادت گاہ، کنیسہ میں گوشہ نشین تھیں اور آپ کے ساتھ اس کنیسہ میں ایک لڑکا تھا کہ جس کا نام ''یوسف'' تھا۔ اس لڑکے کے والدین نے بھی اسے نذر مان کر گوشہ نشیں کیا ہوا تھا اور یہ دونوں اکٹھے کنیسہ میں رہتے تھے۔ جب مریم اور یوسف دونوں کا پینے والا پانی ختم ہو جاتا تو یہ دونوں اپنے اپنے گھڑے اُٹھا کر اس جنگل کی طرف نکل آتے کہ جس میں پانی تھا (چشمہ وغیرہ کا) وہاں وہ دونوں میٹھا پانی تلاش کر کے اپنے گھڑے بھر لیتے اور پھر واپس کنیسہ میں آ جاتے۔ اس موقع پر فرشتے مریم علیہا السلام کا سامنا کرتے اور کہتے:

﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَآئِكَةُ يَمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَكِ عَلَى نِسَآءِ الْعَلَمِينَ ۝﴾ (آل عمران : ٤٢)

''اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سب جہانوں کی عورتوں پر تجھے چن لیا ہے۔''

جب سیّدنا زکریا علیہ السلام نے یہ سنا تو کہنے لگے: مریم بنت عمران کا ضرور کوئی خاص معاملہ ہے۔ [1]

ی: امام سیوطی نے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت درج کی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا: جب سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام بالغ ہو گئیں اور ایک دن وہ اپنے گھر میں بالکل تنہا تھیں کہ ان کے پاس بغیر اجازت کے ایک آدمی آیا۔ اسے دیکھ کر ان کو ڈر پیدا ہوا کہ یہ آدمی کہیں ان کو بے خبری میں مار ڈالنے کے لیے نہ آیا ہو۔ چنانچہ وہ کہنے لگیں:

﴿قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ۝﴾ (مریم : ١٨)

''اس نے کہا بے شک میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں، اگر تو کوئی ڈر رکھنے والا ہے۔'' [2]

[1] تفسير الطبري، ج: ٣، ص: ٢٦٤.

[2] دیکھئے: الدرّ المنثور، ج: ٥، ص: ٤٩٧.

س: اسی طرح امام سیوطی نے عن ابن عباس اور بواسطہ مرہ بن شراحیل الہمدانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہم اپنی کتاب میں درج کیا ہے کہ اُس حیض کی وجہ سے کہ جو انھیں آ رہا تھا مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا کنیسہ سے حجرہ مبارک کی طرف چلیں۔ اور جب پاک ہوگئیں تو دیکھا کہ ایک آدمی ان کے ہمراہ مکمل انسانی شکل وصورت میں ہے۔ اسے دیکھ کر یہ گھبرا گئیں اور کہنے لگیں:

﴿قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ (مریم: ۱۸)

''اس نے کہا بے شک میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں، اگر تو کوئی ڈر رکھنے والا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے وہ حجرہ سے باہر نکلیں اور اُس وقت اُن کے اوپر ان کی بڑی چادر بھی تھی۔ مگر اُس آدمی نے آپ کی آستین پکڑلی اور آپ علیہا السلام کی کرتی کی جیب میں پھونک ماری...... کہ جو سامنے سے پھٹی ہوئی تھی...... اور یہ پھونک مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا کے سینہ میں داخل ہوگئی کہ جس سے اُن کو حمل ٹھہر گیا۔ جس رات اُن کی بہن جو سیّدنا زکریا علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ تھیں ان کی ملاقات کے لیے آئیں اور یہ رات ان کی زیارت کے لیے مخصوص تھی۔ تو اپنی بہن کے لیے جب اُنھوں نے دروازہ کھولا اور اُنھوں نے ان کو اپنے ساتھ چمٹایا تو زوجۂ زکریا علیہما السلام کہنے لگیں: مریم کیا تم نے محسوس کیا ہے کہ میں حاملہ ہوں۔ سیّدہ مریم علیہا السلام کہنے لگیں: کیا تم نے بھی محسوس کیا کہ میں بھی حاملہ ہوں۔ یہ سن کر ان کی بہن زوجۂ زکریا علیہما السلام کہنے لگیں: میں نے محسوس کیا کہ جو میرے بطن ورحم میں ہے اُس نے اُسے سجدہ کیا کہ جو تمہارے بطن ورحم میں ہے۔ اور یہی تو اللہ کا فرمان ہے: ﴿مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ......'' (پھر فرشتوں نے زکریا علیہ السلام کو آواز دے کر کہا اور وہ اس وقت اپنے حجرہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، بے شک اللہ عزوجل تمھیں ایک فرزند یحییٰ کی خوشخبری دیتے ہیں) جو اللہ عزوجل کے کلمہ (عیسیٰ بن مریم علیہما السلام) کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔'' (آل عمران: ۳۹) [1]

ع: امام طبری رحمہ اللہ نے عن ابن جریج اور وہب بن منبہ روایت کیا ہے کہ: سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کی طرف بھیجا جانے والا فرشتہ جناب جبریل علیہ السلام تھے۔ [2]

ف: سیوطی نے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: جب مریم حاملہ ہوگئیں تو انھوں نے وضع حمل کر دیا۔ اور پھر ابن عباس وعکرمہ رضی اللہ عنہم سے درج کیا ہے کہ بی بی مریم سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کو آٹھ ماہ

---

[1] الدر المنثور، ج: ٥، ص: ٤٩٥۔ وقال ابن جرير، ج: ١، ص: ٣٥٤ عن هذا الإسناد: ولست أعلمه صحيحًا إذ كنت بإسناده مرتابًا وذكر ابن حجر أن راويه السدي خلط روايات الجميع فلم تتميز روايات الثقة من الضعيف. الدر، ج: ٨، ص: ٧٠١.

[2] تفسیر طبری، جلد: ١٦، صفحہ: ٦٠.

تک حمل کی حالت میں اُٹھائے رہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صرف نو گھنٹے تک اور ان کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ ❶

ص: امام سیوطی نے عن ابی عبیداللہ ذکر کیا ہے کہ سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کو جب دردِ زِہ ہوا تو وہ ایک سوکھے ہوئے کھجور کے تنے کے پاس آ گئیں کہ جسے اُن کے قریب یہاں لے آیا گیا تھا تاکہ یہاں پر ایک گھر بنایا جائے کہ جسے ''بیت اللحم'' کہا جاتا ہے۔ ❷ اور جب مریم علیہا السلام نے اُسے ہلایا تو وہ کھجور کا تر وتازہ درخت بن گیا۔ ❸

امام مجاہد رحمہ اللہ کے واسطہ سے سیوطی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ کھجور کا یہ درخت عجوہ کا تھا (ایضاً، جلد: ۵، صفحہ: ۵۰۴) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس ٹیلے کا ذکر (الربوہ کا) قرآن میں آیا ہے اس سے مراد بیت المقدس ہی ہے۔ (ایضاً، جلد: ۶، صفحہ: ۱۰۰)

ك: امام طبری نے سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ربوہ سے مراد فلسطین میں مقام ''رملہ'' ہے۔ ❹

ل: جبکہ سیوطی نے وہب بن منبہ، ابن زید، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمہم اللہ کے واسطہ سے درج کیا ہے کہ اس سے مراد مصر ہے۔ اور سیوطی نے امام مجاہد رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بھی درج کیا ہے کہ سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام نے فرمایا: جب میں تنہائی میں ہوتی تھی تو عیسیٰ مجھ سے باتیں کرتا، حالانکہ وہ ابھی میرے رحم میں ہی تھا۔ اور جب میں لوگوں کے درمیان ہوتی تو وہ میرے بطن مبارک میں سبحان اللہ اور اللہ اکبر پڑھتا رہتا اور میں سن رہی ہوتی تھی۔ ❺

ان روایات پر تبصرہ و بحث:

ان روایات میں سے بعض تو وہ ہیں جو بالکل ہی ناقابل قبول اور منکر ہیں۔ بعض ان میں سے صحیح اسناد سے ثابت ہیں اور بعض کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ چنانچہ یہ جو روایت کیا گیا ہے کہ جناب زکریا علیہ السلام نے بی بی مریم کو اپنے گھر میں رکھا تھا اور خود آپ حجرہ مبارکہ میں رہتے تھے تو یہ بات اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس

---

❶ دیکھئے: الدر المنثور، ج: ۵، ص: ٤٩٧۔ وقصص الانبیاء لابن کثیر، ص: ٥٦٨.

❷ بیت اللحم وہ جگہ ہے جہاں عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ فلسطین میں یہ ایک مشہور شہر ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: معجم ما استعجم، جلد: ١، صفحہ: ٢٨٩ اور الروض المعطار فی خبر الاقطار، صفحہ: ١٢٣

❸ الدرّ المنثور، ج: ٥، ص: ٥٠٠۔ ٥٠١.

❹ تفسیر الطبري، ج: ٨، ص: ٢٦.

❺ دیکھئے: حوالہ سابقہ، جلد: ۵، صفحہ: ۴۹۷۔

فرمان کے بالکل خلاف ہے۔ فرمایا ﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ﴾ ...... ''جب بھی زکریا علیہ السلام بی بی مریم کے پاس (اُن کے) حجرہ مبارکہ میں آتے۔'' (آل عمران: ۳۷) آیت کریمہ کے اس فقرہ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ سیّدہ مریم بنت عمران جناب زکریا علیہ السلام کے ہمراہ (عبادت کے لیے مخصوص) اس حجرہ مبارکہ میں رہتی تھیں۔

یہ جو بیان ہوا ہے کہ سیّدہ مریم علیہا السلام کی کفالت کے لیے قرعہ اندازی ان کی عمر سن بلوغت کو پہنچ جانے کے بعد ہوئی تھی اور یہ کہ جناب زکریا علیہ السلام کی کفالت کے بعد ہوئی تھی اور یہ اس لیے کہ آپ علیہ السلام اس کے کلفت و بوجھ سے عاجز آ گئے تھے ...... تو یہ بات بھی صحیح نہیں۔ درست بات یہ ہے کہ سیّدنا زکریا علیہ السلام نے قرعہ اندازی کے بعد سیّدہ مریم کی کفالت شروع کر دی تھی اور آیاتِ کریمہ کا ظاہری سیاق و سباق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کے معاملے میں اس پہلی قرعہ اندازی کے بعد دوبارہ کبھی قرعہ نہیں ڈالا گیا۔

رزق سے مراد علم والی جو بات درج کی گئی ہے تو یہ معنی بھی نہایت بعید کا معنی ہے۔ اس لیے کہ آیت کریمہ میں مذکور رزق سے مراد بالکل ظاہری طور پر وہ کھانے کی جنس ہے جو بدن کے لیے غذا کا کام دے سکے۔ جبکہ علم تو دل کی غذا ہوتا ہے اور وہ حواس خمسہ سے محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ اور مدت حمل کے بارے میں جو مختلف قسم کی روایات درج کی گئی ہیں تو امام ابن قیم رحمہ اللہ اس ضمن میں فرماتے ہیں (سورۂ مریم کی آیت نمبر: ۲۲ اور نمبر: ۲۳ میں) جو کلمہ ''فا'' فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ.... اور فَأَجَاءَ الْمَخَاضُ ...... میں آیا ہے اور یہاں اس ''ف'' کے ذریعے جو عطف موجود ہے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ حمل اور دردِ زہ کے مابین ایک مہلت ضرور تھی۔ اس لیے کہ بلاشبہ وہ مہلت کہ جو مریم علیہا السلام کے حمل اور دردِ زہ کے مابین تھی وہ ایک تھوڑی سی مدت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مدت ایک دن تھی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وقف صرف تین گھنٹوں کا تھا۔ زیادہ مفسرین کا رُجحان اسی بات کی طرف ہے تا کہ مریم کا حمل باقی دنیا جہان کی تمام عورتوں سے ممتاز ہو کر ان کے لیے عزت اور وقار کا ذریعہ بن جائے۔ سو اس بنا پر آیت کریمہ کا مقصود و مراد اس کا بیان ہوگا۔ [1]

اور ٹیلے والی جگہ و مقام کے بارے میں جو اختلاف ذکر ہوا ہے تو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض صحیح الاسناد روایات کی بنیاد پر اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس سے آٹھ میل کے فاصلے پر مقام ''بیت لحم'' مراد ہے۔

علاوہ ازیں سیّدنا زکریا علیہ السلام کا سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کی کفالت کرنے، قرعہ اندازی میں ان کا نام نکل آنے، فرشتوں کا بی بی مریم سے گفتگو کرنے، ان کا اپنے اہل خانہ سے الگ تھلگ رہنے، فرشتے کا ان کے

---

[1] دیکھئے: ابن قیم رحمہ اللہ کی بدائع التفسیر، جلد: ۳، صفحہ: ۱۳۶۔

پاس آنے، اُس سے اللہ کی پناہ مانگنے، سیّدنا جبریل علیہ السلام کا ان کی چادر میں پھونک مارنے اور اس سے ان کا حاملہ ہونے کا جو ذکر ہوا ہے تو یہ سب قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ جیسا کہ پیچھے تفصیلاً بیان ہو چکا ہے۔

علاوہ ازیں باقی جو روایات ہیں تو ان کے متعلق مجھے علم نہیں کہ وہ کس درجہ کی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس واقعہ سے مستفاد احکام:

۱۔ ...... اللہ عزوجل کے فرمانِ کریم ﴿وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ ...... سے کسی کی کفالت ذمہ لینے کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے۔ نبی مکرم ﷺ کا بھی ارشادِ گرامی ہے ((كَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ .)) ...... ''یتیم کی کفالت (خبر گیری و پرورش) کرنے والا خواہ اس کا عزیز ہو یا غیر ہو، میں اور وہ جنت میں اس طرح سے ساتھ ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں ہیں۔'' (راوی حدیث مالک رحمہ اللہ نے شہادت والی اور درمیانی انگلی کے ساتھ اشارہ کر کے سمجھایا کہ یوں۔) ❶

۲۔ ...... بلاشبہ خالہ دادی کے بعد باقی تمام رشتہ دار عورتوں میں سے کسی بچے کو گود لینے اور اس کی پرورش کرنے کے اعتبار سے زیادہ حقدار ہوتی ہے۔ اور یہ حکم بی بی مریم بنت عمران کی کفالت کے ضمن میں سیّدنا زکریا علیہ السلام کا انھیں کفالت میں لینے سے معلوم ہوا۔ اس لیے کہ آپ علیہ السلام بی بی مریم کی خالہ کے شوہر محترم تھے۔ اور نبی مکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی بھی ہے: ((اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ .)) ...... ''خالہ بمنزلہ ماں ہوتی ہے۔'' ❷

۳۔ ...... اللہ عزوجل کے سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کی طرف سے درج ذیل فرمان سے اس بات کے متعلق استفسار کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ جو عام طور پر قانونِ فطرت کے خلاف ہو اور یہ جواز اس ''قانون فطرت و عادت عامہ'' کے خلاف میں پائے جانے والے راز کو جاننے یا اس کی علت کی معرفت کے لیے ہوتا ہے۔ فرمایا: ﴿قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ﴾ (ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے۔) ❸

۴۔ ...... ﴿إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ (ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے) سے قرعہ اندازی کے جائز ہونے کی دلیل ملتی ہے۔ (شرعی اور جائز طریقے سے ہو۔) ❹

---

❶ دیکھئے: صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب فضل الإحسان ......الخ، حديث: ٧٤٦٩.

❷ تفسير القرطبي، ج: ٤، ص: ٨٦۔ وأحكام القرآن لابن العربي، ج: ١، ص: ٢٧٤۔ والإكليل، ص: ٦٩۔ المغني لابن قدامة، ج: ٨، ص: ٣٦٥۔ صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب كيف يكتب: هذا ما صالح فلان ابن فلان ......، ج: ٥، ص: ٣٥٨، حديث: ٢٦٩٩.

❸ أيسر التفاسير للجزائري، ج: ١، ص: ٢٦٤.

❹ دیکھئے: الإكليل، ص: ٦٩۔ وتفسير القرطبي، ج: ٤، ص: ٨٦.

۵..... ہر اس چیز سے اللہ کی پناہ حاصل کرنے کے جائز ہونے کی آیت کریمہ کے اس حصہ سے ملتی ہے کہ جس سے آدمی کو خوف آئے۔ فرمایا: ﴿قَالَتْ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ ❶

۶..... سیّدہ مریم بنت عمران کے درج ذیل قول سے ''دین میں فتنہ کے ڈر کی وجہ سے موت کی خواہش کرنے'' کے جائز ہونے کی دلیل بھی ملتی ہے۔ کہا: ((يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا .)) سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ عَلَى الْقَبْرِ فَيَتَمَرَّغُ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُ: يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَكَانَ صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ، وَلَيْسَ بِهِ الدِّيْنُ إِلَّا الْبَلَاءُ .)) ❷

''اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایک شخص کسی قبر کے پاس سے گزرے گا، اس پر وہ لوٹ لگانے لگے گا اور کہے گا: اے کاش! میں اس قبر والے کے بدلے قبر میں ہوتا۔ جبکہ کوئی رنج دُکھ اس کو دین، ایمان کا نہ ہوگا بلکہ دنیا کی آزمائش اور کسی آفت کی وجہ سے وہ موت کی آرزو کرے گا۔''

۷..... لازمی اور طے شدہ ہونے کے باوجود (کہ اللہ ربّ العالمین نے جو لکھ رکھا ہے وہ تو مل کر ہی رہے گا) رزق کے طلب کرنے میں اسباب و ذرائع اور کوشش کا استعمال واجب ہے۔ اللہ عزوجل نے بی بی مریم کو حکم دیا:

﴿ وَهُزِّيْٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝﴾ (مریم: ۲۵)

''اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گی۔''

اور دوسرے مقام پر اللہ کریم نے فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝﴾ (الملك: ۱۵)

''وہی ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو تابع بنا دیا، سو اس کے کندھوں پر چلو اور اس کے دیے ہوئے میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف (دوبارہ) اٹھ کر جانا ہے۔''

۸..... سورۂ مریم کی آیت نمبر: ۲۶ کے درج ذیل جملہ سے نذر کے جائز ہونے کی دلیل موجود ہے۔ فرمایا:

---

❶ السير التفاسير للجزائري، ج: ۱، ص: ۲۶۴.

❷ سنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب شدة الزمان، ج: ۲، ص: ۱۳۴۰۔ حديث صحيح۔ صحيح سنن ابن ماجة، ج: ۲، ص: ۳۷۵۔ والدين، التقوى والديانة.

﴿فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝﴾ اور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے ((مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ.))...... ''جو شخص اس بات کی نذر مان لے کہ وہ اللہ عزوجل کی اطاعت کرے گا تو اسے چاہیے کہ اللہ ربّ العالمین کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور جو اس بات کی نذر مانے کہ وہ اللہ کریم کی نافرمانی کرے گا تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔ (اور اپنی نذر کو توڑ دے۔)'' ❶

۹...... بلاشبہ گفتگو نہ کرنا اور خاموشی کا اختیار کرنا قربت کا ذریعہ بنا کرتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو خاموش رہنے کی نذر مریم بنت عمران نہ مانتی اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان کے مطابق نذر مان لینے کے بعد اسے وہ عمل میں نہ لے آتیں فرمایا ﴿اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا﴾ ...... ''بلاشبہ میں نے اللہ الرحمٰن کے لیے روزے کی منت مانی ہے اور میں آج کسی انسان سے ہرگز کلام نہیں کروں گی۔'' ❷

البتہ یہ مسئلہ یہاں پر سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری شریعت مطہرہ، اسلام میں خاموشی کی نذر ماننے سے منع کیا گیا ہے اور ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

((بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ فَسَأَلَ عَنْهُ، فَقَالُوا أَبُوْ إِسْرَائِيلَ نَذَرَ أَنْ يَقُوْمَ وَلَا يَقْعُدَ وَلَا يَسْتَظِلَّ وَلَا يَتَكَلَّمَ وَيَصُوْمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مُرْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ.)) ❸

''اس دوران کہ نبی مکرم ﷺ (ایک بار) خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپؐ نے ایک شخص کو کھڑے دیکھا۔ آپ ﷺ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو لوگوں نے بتلایا کہ یہ ابواسرائیل یسیر القرشی عامری نامی شخص ہے، جس نے نذر مان رکھی ہے کہ یہ کھڑا رہے گا، بیٹھے گا نہیں۔ نہ کسی سایہ کے نیچے جائے گا، نہ کسی سے بات چیت کرے گا۔ اور یہ روزہ بھی رکھے ہوئے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس سے کہو، بیٹھ جائے اور لوگوں سے بات چیت کرے، سایہ کے نیچے بیٹھے اور اپنا روزہ مکمل کرلے۔''

---

❶ دیکھئے: صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب النذر في الطاعة، حديث: ٦٦٩٦.

❷ دیکھئے: احكام القرآن للجصاص، ج: ٣، ص: ٢١٧.

❸ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب الأيمان والنذور، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ج: ١١، ص: ٥٩٤، حديث: ٦٤٠٦.

۱۰...... یَا اُخْتَ هٰرُوْنَ: کے فقرہ سے اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنے جائز ہیں۔ یہ ھارون کا نام سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے بھائی کے نام پر رکھا گیا نام تھا۔

۱۱...... جب قوم نے سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام پر فحاشی کی تہمت لگائی تو آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، اُنھیں کوئی جواب نہیں دیا......تو اس سے اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان ﴿وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ (الاعراف:۱۹۹) سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بے وقوف، جاہل لوگوں کے سامنے خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔

نصیحتیں اور دُروس:

۱...... جس طرح سیّدہ مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا کو اُن کے حجرہ مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رزق پہنچ جایا کرتا تھا، اسی طرح اللہ عزوجل کے اولیاء کرام کی کرامتیں ہوا کرتی ہیں۔ ❶

۲...... اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمانِ گرامی ﴿يَا مَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ﴾ اور ﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ﴾ سے یہ درس ملتا ہے کہ اللہ عزوجل سے قربت والے، اہل اللہ ہی دراصل اُس کی اطاعت اختیار کرنے والے اور اس کے لیے فرمانبردار ہوا کرتے ہیں۔ (ایضاً،صفحہ:۲۶۳)

۳...... ﴿وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ سے معلوم ہوا کہ بلاشبہ نماز اللہ عزوجل سے قربت کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ (ایضاً)

۴...... اللہ عزوجل کے اس فرمانِ گرامی ﴿وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ سے معلوم ہوا کہ کسی بندے پر اللہ کریم کا یہ بڑا انعام ہوتا ہے کہ وہ نیک اور صالح اللہ کے بندوں کی کفالت میں ہو۔ ❷

۵ بلاشبہ تمام کے تمام وسائل واسباب اپنے اندر مستقل تاثیر نہیں رکھتے بلکہ ان میں تاثیر وفوائد اللہ عزوجل کی طرف سے رکھی گئی ہوتی ہے۔ اور یہ بات ہمیں اللہ عزوجل کے درج ذیل فرمان سے معلوم ہوتی ہے، فرمایا ﴿قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ (مریم:۲۱) ''فرشتہ بولا: یوں ہی ہوگا، تیرا مالک فرماتا ہے بن باپ کے لڑکا پیدا کرنا مجھ پر آسان ہے۔''

۶...... اللہ عزوجل کے درج ذیل فرمانِ گرامی یہ سبق ملتا ہے کہ بغیر کسی بات پر فخر کیے مومن آدمی کو اپنے رب کے سامنے تواضع سے رہنا چاہیے۔ بالخصوص رزق کی نسبت اللہ کریم کی طرف کرنے کے معاملے میں۔ فرمایا ﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ❸

❶ دیکھئے: السير التفاسير للجزائري، ج: ١، ص: ٢٥٨. ❷ دیکھئے: تيسير اللطيف المنّان للسعدي، ص: ١٥٤.
❸ دیکھئے: في ظلال القرآن، ج: ١، ص: ٣٩٣.

۷...... ﴿وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ سے اللہ عزوجل کی سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کے بارے میں تعریف و توصیف والے نکتہ سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے عفت و عصمت اور شرم و حیاء کی فضیلت کا سبق ملتا ہے۔ ❶

۸......اللہ عزوجل کے فرمانِ گرامی ﴿قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝﴾ (مریم: ۱۸) ......''اس نے کہا بے شک میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں، اگر تو کوئی ڈر رکھنے والا ہے۔'' سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ لوگوں و تکلیف و ضرر پہنچانے والے فعل قبیح سے روکنے کے لیے اللہ کا تقویٰ نہایت کارآمد ہوتا ہے۔ (ایضاً)

۹......اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں عزت و شرف حاصل کرنے کے لیے سب سے معتبر صحیح سچا اور سچا عقیدہ ہے اور عمل صالح جیسا کہ سیّدہ مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا کا ایمان اور عفت و عصمت والا عمل صالح تھا۔ ❷

۱۰......ولادت کے وقت نفاس والے خون سے دوچار ہونے والی عورتوں کے لیے اللہ عزوجل کے درج فرمان سے تر و تازہ کھجوروں کا کھانا غذا کے طور پر نہایت فائدہ مند ہوتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا .... الخ﴾ (مریم: ۲۵-۲۶)

''اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گی۔ پس کھا اور پی اور ٹھنڈی آنکھ سے رہ۔''

جناب الربیع بن خثیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ کے مطابق میرے نزدیک بوقت ولادت نفاس والے خون سے دوچار ہونے والی عورتوں کے لیے تر و تازہ کھجوروں سے بڑھ کر کوئی غذا نہیں۔ اور اگر اللہ عزوجل کے علم میں ایسی عورتوں کے لیے تر و تازہ کھجوروں سے بڑھ کر کوئی غذا ہوتی تو وہ بی بی مریم کو وہی کھلاتا۔ جبکہ عمرو بن میمون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دم نفاس سے دوچار ہونے والی عورتوں کے لیے تازہ کھجوروں یا پھر عام کھجوروں سے بڑھ کر اچھی کوئی غذا نہیں ہوتی۔ اور جناب شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اگر اللہ عزوجل کے علم میں ہوتا کہ دمِ نفاس سے دوچار عورتوں کے لیے تر و تازہ کھجوروں سے بڑھ کر اچھی کوئی خوراک اور غذا ہے تو وہ سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کو ضرور اسے کھانے کا حکم فرماتا۔ ❸

---

❶ دیکھئے: الیسر التفاسیر للجزائري، ج: ۳، ص: ۱۱۔ ❷ دیکھئے: تفسیر القاسمی، ج: ۱۶، ص: ۵۸۷۳۔

❸ تفسیر الفخر الرازي، ج: ۲۱، ص: ۲۰۷۔ تفسیر القاسمي، ج: ۱۱، ص: ۴۱۳۸۔ الربیع بن خیثم یکنی أبا یزید کوفي تابعي ثقة، من خیار أصحاب عبداللہ بن مسعود۔ تاریخ الثقات، ص: ۱۵۴۔ تفسیر القرطبي، ج: ۱۱، ص: ۹۶۔

۱۱...... تکلیف وضرر دہ چیزوں کو دُور کرنے میں مشروع امر یہ ہے کہ آسان سے آسان کام یا گفتگو کے ذریعے ہو۔ جیسا کہ سیّدہ مریم علیہا السلام نے فرشتے کو (کہ اُس وقت وہ انسانی صورت میں تھا) سب سے پہلے ﴿اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ﴾ کہہ کر اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف دلایا۔ ❶

۱۲...... اس پورے واقعہ سے نہایت شاندار سبق یہ بھی ملتا ہے کہ بلاشبہ تہمتیں لگانے اور بہتان باندھنے والے فاسق قسم کے لوگوں کی یہ قبیح حرکتیں مومن آدمی کو ضرر نہیں پہنچا سکتیں۔ جیسا کہ سیّدہ مریم اُمّ عیسیٰ بنت عمران علیہا السلام کو اللہ عزوجل کے ہاں اُس ربّ العالمین کے دُشمنوں یہودیوں کی طرف سے آج تک بہتان واتہام کچھ نقصان نہ پہنچا سکا۔ بلکہ ان کی عزت میں اضافہ ہی ہوا۔ قرآنِ حکیم نے تو ان کی عزت و عظمت کچھ اس انداز سے بیان فرمائی ہے کہ تورات اور انجیل بھی ویسا وقار ان کا بیان نہ کر سکیں۔ یہودیوں نے تو سیّدہ مریم اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہما السلام کی نسبت اُس خبیث اور قبیح فعل کی طرف کر رکھی ہے کہ جس سے اللہ ربّ العالمین نے ان دونوں ماں بیٹا کو بری قرار دے کر انھیں صدیقہ کبریٰ کا خطابِ عظیم عطا فرما کر دنیا جہان کی عورتوں میں سے منتخب فرما لیا تھا۔ ❷

⇦⇦⇦ عمرو بن میمون تابعي روى عن جمع من الصحابة، توفي سنة ٧٤ أو ٧٥ أول خلافة عبدالملك۔ صفة الصفوة، ج: ٣، ص: ٣٥۔ فتح الباري، ج: ٩، ص: ٤٧٨۔ شقيق بن سلمة الأسدي يكنى أبا وائل الكوفي، رجل ثقة مخضرم مات في خلافة عمر بن عبدالعزيز وله مائة سنة۔ تقريب التهذيب، ص: ٢٦٨۔ وتاريخ الثقات، ص: ٢٢١۔ فتح الباري، ج: ٩، ص: ٤٧٨.

❶ دیکھئے: تفسیر ابن کثیر، ج: ٥، ص: ٢١٤.

❷ دیکھئے: امام ابن قیم رحمہ اللہ کی التفسیر القیم، ص: ٤٩٧۔ ٤٩٨.

فصل دوم:

قرآن میں بیویوں کے واقعات

اس فصل میں درج ذیل چند ایک مباحث (تحقیقی موضوعات) ہیں:

پہلا موضوع مطالعہ: جدہ بنی نوع انسان سیّدہ حواء زوجۂ آدم علیہا السلام

دوسرا موضوع مطالعہ: سیّدنا نوح علیہ السلام کی بیوی کا واقعہ

تیسرا موضوع مطالعہ: جناب لوط علیہ السلام کی بیوی کا واقعہ

چوتھا موضوع مطالعہ: جد الانبیاء سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجۂ محترمہ کا واقعہ

پانچواں موضوع مطالعہ: سیّدنا ایوب علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ کا واقعہ

چھٹا موضوع مطالعہ: سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ کا واقعہ

ساتواں موضوع مطالعہ: سیّدنا زکریا علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ کا واقعہ

آٹھواں موضوع مطالعہ: اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کا واقعہ

نواں موضوع مطالعہ: اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا قصہ

دسواں موضوع مطالعہ: اُمہات المؤمنین سیّدات عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما کا واقعہ

گیارھواں موضوع مطالعہ: مجادلہ والی ایک مومن خاتون کا قصہ

❀❀❀❀❀❀

(۱)...... جدہ بنی نوع انسان سیّدہ حواء زوجۂ آدم علیہما السلام کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

اللہ ربّ العالمین، خالق کائنات نے انسان کو مختلف صورتوں اور شکلوں میں پیدا فرمایا ہے اور ان کی تخلیق مختلف حالتوں کے ذریعے بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے کہ جنھیں ایک مرد اور ایک عورت (کے ملاپ) سے پیدا فرمایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى﴾ (الحجرات:۱۳)...... ''اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔'' لوگوں میں سے ایک شخصیت ایسی بھی ہیں کہ جنھیں خالق کائنات نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ ان کی صرف ماں ہے، باپ نہیں اور وہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہیں۔ جیسا کہ پیچھے مفصل بیان ہو چکا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝﴾ (آل عمران : ٤٥)

''جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے، جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے، دنیا اور آخرت میں بہت مرتبے والا اور مقرب لوگوں سے ہوگا۔''

﴿قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝﴾ (آل عمران : ٤٧)

''اس نے کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، حالانکہ کسی بشر نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا؟ فرمایا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے یہی کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔''

اور لوگوں میں ایک شخصیت ایسی بھی ہیں کہ جنھیں بغیر ماں کے صرف ایک مرد سے پیدا کیا گیا اور یہ تھیں سیّدہ حواء علیہا السلام، جو کہ تمام بنی نوع انسان کی ماں ہیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝﴾ (النساء: ۱)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں سے بھی، بے شک اللہ ہمیشہ تم پر نگہبان ہے۔''

پھر ایک ایسی شخصیت بھی ہیں کہ جنھیں مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا فرمایا گیا، یعنی اُن کا باپ ہے اور نہ ہی ماں۔ اور وہ ہیں سیّدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ جنھیں مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ جیسا کہ اللہ ربّ العالمین کا ارشاد گرامی ہے:

﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝﴾

(آل عمران: ۵۹)

''بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی طرح ہے کہ اسے تھوڑی سی مٹی سے بنایا، پھر اسے فرمایا ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے۔''

آیئے اب ہم قرآنِ حکیم اور صحیح احادیث مبارکہ کی روشنی میں سیّدہ حواء علیہا السلام کی سیرت و واقعہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

واقعہ کی تفصیل:

زوجۂ آدم سیّدہ حواء علیہما السلام کا قصہ و واقعہ قرآنِ حکیم میں چند ایک مقامات پر بیان ہوا ہے، جس کی تفصیل یوں ہے:

۱: اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ

عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝﴾ (البقرۃ : ۳۵۔۳۸)

''اور ہم نے کہا اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور دونوں اس میں سے کھلا کھاؤ جہاں چاہو اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا، ورنہ تم دونوں ظالموں سے ہو جاؤ گے۔ تو شیطان نے دونوں کو اس سے پھسلا دیا، پس انھیں اس سے نکال دیا جس میں وہ دونوں تھے اور ہم نے کہا اتر جاؤ، تمھارا بعض بعض کا دشمن ہے اور تمھارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔ پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے، تو اس نے اس کی توبہ قبول کر لی، یقیناً وہی ہے جو بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ ہم نے کہا سب کے سب اس سے اتر جاؤ، پھر اگر تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آ جائے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا سو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

ب: آگے ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَيٰٓاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَنَّةَ فَكُلَا مِنۡ حَيۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ فَوَسۡوَسَ لَهُمَا الشَّيۡطٰنُ لِيُبۡدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنۡهُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنۡ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَا مَلَكَيۡنِ اَوۡ تَكُوۡنَا مِنَ الۡخٰلِدِيۡنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيۡ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيۡنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوۡرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخۡصِفٰنِ عَلَيۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمۡ اَنۡهَكُمَا عَنۡ تِلۡكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلۡ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٚ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝ قَالَ اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمۡ فِي الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ۝ قَالَ فِيۡهَا تَحۡيَوۡنَ وَفِيۡهَا تَمُوۡتُوۡنَ وَمِنۡهَا تُخۡرَجُوۡنَ ۝﴾

(الاعراف : ۱۹۔۲۵)

''اور اے آدم! تو اور تیری بیوی اس جنت میں رہو، پس دونوں کھاؤ جہاں سے چاہو اور اس درخت کے قریب مت جاؤ کہ دونوں ظالموں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے لیے وسوسہ ڈالا، تاکہ ان کے لیے ظاہر کر دے جو کچھ ان کی شرم گاہوں میں سے ان سے چھپایا گیا تھا اور اس نے کہا تم دونوں کے رب نے تمھیں اس درخت سے منع نہیں کیا مگر اس لیے کہ کہیں تم دونوں فرشتے

بن جاؤ، یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور اس نے دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کے لیے یقیناً خیر خواہوں سے ہوں۔ پس اس نے دونوں کو دھوکے سے نیچے اتار لیا، پھر جب دونوں نے اس درخت کو چکھا تو ان کے لیے ان کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں اور دونوں جنت کے پتوں سے (لے لے کر) اپنے آپ پر چپکانے لگے اور ان دونوں کو ان کے رب نے آواز دی کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا اور تم دونوں سے نہیں کہا کہ بے شک شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔ دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔ فرمایا اتر جاؤ، تمھارا بعض بعض کا دشمن ہے اور تمھارے لیے زمین میں ایک وقت تک ایک ٹھکانا اور کچھ (زندگی کا) سامان ہے۔ فرمایا تم اسی میں زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔''

ج: اسی سورت میں آگے ایک مقام پر فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَاۤ اٰتٰىهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○﴾ (الاعراف: ۱۸۹۔۱۹۰)

''وہی ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ وہ اس کی طرف (جا کر) سکون حاصل کرے، پھر جب اس نے اس (عورت) کو ڈھانکا تو اس نے ہلکا سا حمل اٹھا لیا، پس اسے لے کر چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ بھاری ہوگئی تو دونوں نے اللہ سے دعا کی، جو ان کا رب ہے کہ بے شک اگر تو نے ہمیں تندرست بچہ عطا کیا تو ہم ضرور ہی شکر کرنے والوں سے ہوں گے۔ پھر جب اس نے انھیں تندرست بچہ عطا کیا تو دونوں نے اس کے لیے اس میں شریک بنا لیے جو اس نے انھیں عطا کیا تھا، پس اللہ اس سے بہت بلند ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔''

د: ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ اَبٰى ○ فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ○ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ○ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ○ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ

هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى ○ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ○﴾ (طٰهٰ: ١١٦ـ١٢٣)

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، اس نے انکار کیا۔ تو ہم نے کہا بے شک یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے، سو کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے کہ تو مصیبت میں پڑ جائے گا۔ بے شک تیرے لیے یہ ہے کہ تو اس میں نہ بھوکا ہوگا اور نہ ننگا ہوگا۔ اور یہ کہ بے شک تو اس میں نہ پیاسا ہوگا اور نہ دھوپ کھائے گا۔ پس شیطان نے اس کے دل میں خیال ڈالا، کہنے لگا اے آدم! کیا میں تجھے دائمی زندگی کا درخت اور ایسی بادشاہی بتاؤں جو پرانی نہ ہو؟ پس دونوں نے اس میں سے کھالیا تو دونوں کے لیے ان کی شرم گاہیں ظاہر ہوگئیں اور وہ دونوں اپنے آپ پر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ بھٹک گیا۔ پھر اس کے رب نے اسے چن لیا، پس اس پر توجہ فرمائی اور ہدایت دی۔ فرمایا تم دونوں اکٹھے اس سے اتر جاؤ، تم میں سے بعض بعض کا دشمن ہے، پھر اگر کبھی واقعی تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کے پیچھے چلا تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ مصیبت میں پڑے گا۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

رَغَدًا: یعنی وَاسِعًا هَنِيْئًا...... بافراغت کھلا۔ (کھاؤ، پیو جہاں سے چاہو) ❶

فَاَزَلَّهُمَا: یعنی آدم اور حواء دونوں کو شیطان نے پھسلا لیا۔ ❷

مُسْتَقَرٌّ: یعنی استقرار، ٹھہرنے، قیام کرنے کی جگہ۔ ❸

وَمَتَاعٌ: یعنی اِنْتِفَاعُ مُمْتَدَّ الْوَقْتِ...... وسعت زمانہ کے ساتھ فائدہ اُٹھانا۔ ❹

اِلٰى حِيْنٍ: اَلْمُرَادُ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ...... یعنی قیامت تک کے لیے۔ ❺

---

❶ دیکھیے: تفسير الطبري، ج: ١، ص: ٢٣٠ـ تفسير البغوي، ج: ١، ص: ٦٣.

❷ اتحاف فضلاء البشر، ص: ١٣٤ـ النشر في القراءات العشر، ج: ٢، ص: ٢١١.

❸ دیکھیے: فتح القدير، ج: ١، ص: ٦٨.

❹ دیکھیے: المفردات للراغب، ص: ٤٦١.

❺ تفسير ابن كثير، ج: ١، ص: ١١٤ـ تفسير البغوي، ج: ١، ص: ٦٥.

وَبَثَّ: یعنی نَشَرَ: پھیل گئے۔ ❶

فَوَسْوَسَ: اس کا اصل لغوی معنی ہوتا ہے: محسوس نہ ہونے والی حرکت یا پوشیدہ آواز۔ جیسے زیور وغیرہ کی ہلکی چھنکار اور یہاں مراد ہے: شیطان کا کسی کے دل میں برا اور غلط خیال پیدا کرنا۔ ❷

لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا: تا کہ وہ (آدم علیہ السلام) اس کی طرف (حواء علیہا السلام) مائل ہو کر اس سے اپنی ضرورت پوری کرے۔ ❸

فَلَمَّا تَغَشَّاهَا: یعنی جب آدم علیہ السلام نے انھیں اپنی چادر میں لے کر اُن سے جماع والی اپنی حاجت پوری کرلی۔ ❹

فَمَرَّتْ بِهِ: أَي استمرّتْ بِالْحَمل ...... یعنی حمل کو لیے چلتی پھرتی رہی۔ ❺

أَثْقَلَتْ: یعنی اُس کا حمل بوجھل ہو گیا۔ ❻

فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ: پس شیطان نے ان دونوں (آدم وحواء علیہما السلام) کو دھوکہ دے کر اپنی طرف جھکا لیا۔ کہا جاتا ہے: مَا زَالَ فُلَانٌ يُدَلِّي فُلَانًا بِغُرُوْرٍ ...... یعنی فلاں آدمی فلاں شخص کو ہمیشہ دھوکے میں رکھتا ہے۔ اور اُس سے ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے۔ ❼

لِيُبْدِيَ لَهُمَا: تا کہ وہ (شیطان) ان دونوں (آدم وحواء علیہما السلام) کو ظاہر کر دے۔ ❽

مَا وُوْرِيَ: اَیْ سُتِرَ: یعنی چھپایا گیا تھا۔ (ان کا ستر وغیرہ۔) ❾

سَوْآتِهِمَا: یعنی ان دونوں کے جسموں کے پوشیدہ حصے۔ ❿

---

❶ تفسير الطبري، ج: ٤، ص: ٢٢٥.

❷ دیکھئے: تفسير البغوي، ج: ٢، ص: ١٥٢.

❸ تفسير الطبري، ج: ٩، ص: ١٤٣.

❹ ایضاً۔ وتفسير جلالين، ص: ٢٣١.

❺ تفسير غريب القرآن لابن قتيبه، ص: ١٧٥۔ وتفسير المشكل من غريب القرآن لمكى بن ابى طالب القيسى، ص: ٨٩.

❻ تفسير الطبري، ج: ٩، ص: ١٤٤.

❼ دیکھئے: تفسير الطبري، ج: ٨، ص: ١٤٢.

❽ البغوي، ج: ٢، ص: ١٥٢۔ وزاد المسير، ج: ٣، ص: ١٧٩.

❾ المفردات للراغب، ص: ٥٢٠۔ وتفسير البغوي، ج: ٢، ص: ١٥٢.

❿ وتفسير البغوي، ج: ٢، ص: ١٥٢.

وَقَاسَمَهُمَا: یعنی آدم وحواء علیہما السلام کے لیے شیطان نے قسمیں کھائیں۔ ❶

وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ: ......یعنی شرم سے جنت کے پتے اپنے اوپر چپکانے (جوڑنے، لپیٹنے) لگے تاکہ وہ اپنے ستر کو ڈھانپ سکیں۔ ❷

سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کا تعارف:

یہ تھیں تمام بنی نوع انسان کی ماں سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا۔ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل حدیث میں ان کا نام بالصراحت ذکر ہوا ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَوْ لَا بَنُوْا إِسْرَائِيْلَ لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ وَلَوْ لَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ أُنْثٰى زَوْجَهَا .)) ......''اگر قوم بنواسرائیل نہ ہوتی تو گوشت سڑا (بدبودار) نہ ہوا کرتا۔ اور اگر حواء رضی اللہ عنہا نہ ہوتیں تو عورت کبھی اپنے شوہر سے دغا نہ کرتی۔'' ❸

سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا سیّدنا آدم علیہ السلام کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا کی گئی تھیں، جیسا کہ صحیح حدیث میں مذکور ہے:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلْعِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ .)) ❹

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے بارے میں میری وصیت کا ہمیشہ خیال کرنا اس لیے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ پسلی میں بھی سب سے ٹیڑا حصہ اوپر والا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اسے بالکل سیدھی کرنے کی کوشش کرے گا تو انجام کار اسے توڑ بیٹھے گا اور اگر اسے وہ یونہی چھوڑ دے گا تو پھر وہ ہمیشہ کے لیے ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں کے بارے میں میری نصیحت مانو اور عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔''

سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کی پیدائش جناب آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پچھلی جانب سے ہوئی تھی اور آپ علیہ السلام اُس وقت سوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب آپ بیدار ہوئے سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور انھوں نے آپ علیہ السلام

---

❶ تفسير الطبري، ج: ٨، ص: ١٤١.

❷ ايضًا، ج: ٨، ص: ١٤٢۔ وتفسير البغوي، ج: ٢، ص: ١٥٣.

❸ صحيح البخاري، كتاب احاديث الأنبياء، حديث: ٣٣٣٠.

❹ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، ج: ٦، ص: ٤١٨، حديث: ٣٣٣١۔ صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب الوصية بالنساء، ج: ٢، ص: ١٠٩١.

سے پیار محبت کی باتیں کی تو آپ کو اُن سے اُنسیت ہوگئی۔ ❶

کہا جاتا ہے کہ سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کا یہ نام اس لیے رکھا گیا تھا کہ آپ تمام بنی نوع انسان کی ماں ہیں اور یہ نام اس لیے بھی آپ کا پڑا کہ آپ ایک زندہ وجود سے پیدا ہوئی تھیں اور وہ تھے سیّدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ حَــوَی الشَّيْءَ حَوَايَةً ...... کا معنی ہوتا ہے: جمع کرنا، مشتمل ہونا۔ اَلْـحِوَاءُ ...... وہ جگہ جو کسی شے کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہو۔ تَحوّٰی ...... لپٹ گیا۔ ❷

سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کے مفصل حالات:

جیسا کہ پیچھے بیان ہوا، قرآنِ کریم ہمارے سامنے سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کے بعض ضروری حالات و واقعات بیان کرتا ہے۔ آپ تمام بنی نوع انسان کی ماں ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو سیّدنا آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا تھا کہ جو تمام بنی نوع انسان کے باپ ہیں۔ اللہ عزوجل نے سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کی شادی جناب آدم علیہ السلام سے آسمانوں پر ہی کردی تھی اور پھر جب دونوں اللہ کے حکم اور مشیت کے تحت زمین پر آ گئے تو دونوں سے بنی نوع انسان کی افزائش نسل ہوئی جیسا کہ پیچھے سورۃ النساء کی آیت نمبر: ا کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ ❸

سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو واقعات قرآنِ حکیم میں بیان ہوئے ہیں، ان میں سے اکثر کا تعلق ان معاملات سے ہے جو آسمان میں پیش آئے تھے۔ جیسا کہ پیچھے بیان کردہ آیاتِ مبارکہ کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کو جناب آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے پیدا کر دیا گیا تھا۔ جبکہ اللہ عزوجل

---

❶ دیکھئے: تفسیر ابن كثير، ج: ۲، ص: ۱۷۹.

❷ دیکھئے: القاموس الوحید، طبع ادارہ اسلامیات، لاہور، ص: ۳۹۷۔ ولغات الحدیث، علامہ وحید الزمان خان، طبع میر محمد کتب خانہ، کراچی، جلد اوّل، صفحہ: ۱۷۰۔ تاريخ الطبري، ج: ۱، ص: ٦٩۔ الكامل لابن الأثير، ج: ۱، ص: ۲۰۔ تفسير القرطبي، ج: ۱، ص: ۳۰۱۔ قصص الأنبياء لابن كثير، ص: ۱۸۔ تفسير الفخر الرازي، ج: ۹، ص: ١٦٧۔ روح المعاني للألوسي، ج: ۱، ص: ٢٣٤. الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج ۱، ص ٤٠.

❶ یعنی پوری نوعِ انسانی ابوالبشر آدم علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ اسی ایک نفس سے اللہ تعالیٰ نے اس کا جوڑا (حواء) پیدا کیا۔ بعض نے مِنْهَا کا ترجمہ ای من جنسہا کیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ نفس واحدۃ نہیں بلکہ دو نفسوں سے انسان کی تخلیق کی ابتداء ہوئی اور ظاہر ہے کہ یہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔ (روح المعانی) اب یہ سوال کہ آدم علیہ السلام سے ان کی زوجہ کی تخلیق کیسے ہوئی؟ قرآن نے اسے بیان نہیں کیا اور احادیث صحیحین سے یہ تو ثابت ہے کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور بعض روایات میں ((فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ)) بھی آیا ہے کہ سب عورتیں پسلی سے پیدا ہوئی ہیں مگر کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ خصوصیت کے ساتھ حضرت حوا (زوجہ آدم) آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ بلکہ یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے اور یہی تصریح چونکہ توراۃ میں بھی وارد ہے، اس لیے اغلب یہ ہے کہ یہ روایت اہل کتاب سے اخذ کی گئی ہے۔ اس بنا پر پسلی سے پیدا کیے جانے والی روایت کی علماء نے تاویل کی ہے کہ اس سے عورت کی فطرت اور طبیعت کی طرف اشارہ ہے اور بعد میں حدیث کا تتمہ ((فَانْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا اَوْ كَمَا قَالَ)) سے مزید اس تاویل کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق اور انھیں فرشتوں کے سجدہ کر لینے کے بعد فرماتے ہیں:

﴿ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (البقرة: ٣٥)

''اور ہم نے کہا اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور دونوں اس میں سے کھلا کھاؤ جہاں چاہو اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا، ورنہ تم دونوں ظالموں سے ہو جاؤ گے۔'' [1]

چنانچہ سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا جنابِ آدم علیہ السلام (اپنے خاوند محترم) کے ہمراہ جنت میں جا داخل ہوئیں۔ وہاں اللہ عزوجل نے جب تک چاہا ان دونوں کو جنت سے فائدہ پہنچایا۔ دونوں کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ جنت میں جہاں سے چاہیں اور جتنا چاہیں بافراغت کھائیں پئیں۔ اس معاملے میں وہاں ان کے لیے کوئی تنگی نہ تھی۔ اور پھر ربّ ذوالجلال نے ان دونوں کو ایک خاص درخت کا پھل کھانے کی ممانعت سے آزمائش میں ڈال دیا۔ [2]

دونوں کو شیطان کے بارے میں خبردار بھی فرما دیا تھا کہ وہ اس کے شر سے بچ کر رہیں اور دونوں اس کے خطرے سے متنبہ رہیں۔ اور اگر ان دونوں نے اس کی بات کو مان لیا تو انھیں جنت سے باہر نکال دیا جائے گا اور وہ اپنے آپ پر خود ظلم کرنے والے بن جائیں گے۔ [3]

اس تنبیہ کے باوجود شیطان ان دونوں کو آزمائش میں ڈالنے اور اللہ عزوجل کے حکم کی نافرمانی کروانے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ اُس نے دونوں کو غلطیوں اور لغزشوں میں لا پھینکا۔ بالآخر اس نے دونوں کو جنت اور اس کی نعمتوں سے محروم کروا کر ہی چھوڑا۔ جمہور علماءِ اُمت نے قرآن میں مذکور ان الفاظ: ﴿وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ (الاعراف: ۲۱)...... ''اور وہ اُن سے قسمیں کھانے لگا کہ میں بلاشک وشبہ تمہارا خیرخواہ ہوں۔'' سے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ شیطان کا آدم و حواء علیہما السلام کو گناہوں اور غلطیوں میں پھنسا لینا بالکل

---

[1] اس آیت میں آدم علیہ السلام کی تیسری فضیلت کا بیان ہے کہ فرشتوں سے سجدہ کروانے کے بعد انھیں جنت میں سکونت کی اجازت دی۔ بعض نے اس جنت سے زمین پر کوئی باغ مراد لیا ہے، مگر صحیح یہ ہے یہ جنت آسمان پر تھی۔ پھر جس درخت کے قریب جانے سے آدم کو منع فرمایا ہے، اس کی تعیین میں بھی اختلاف ہے۔ حافظ ابن کثیر مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''قرآن نے اس کے نام یا خاصیت کی کوئی تصریح نہیں فرمائی اور نہ کسی حدیث سے اس کی تعیین ہوتی ہے، پھر نہ اس کے جاننے میں کوئی علمی یا اعتقادی فائدہ پنہاں ہے اور نہ اس کے جاننے میں کوئی ضرر ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کی تعیین سے احتراز کیا جائے۔'' یہی رائے حافظ ابن القیم اور امام رازی کی ہے اور اکثر سلف اُمت کا بھی یہی قول ہے۔ (عصمت انبیاء کے لیے دیکھئے: سورۂ ص اور حواء کی پیدائش کے لیے سورۂ نساء اور اعراف)

[2] دیکھئے: تفسیر ابی السعود، ج: ۱، ص: ۹۰۔ الکشاف، ج: ۱، ص: ۲۷۳.

[3] دیکھئے: تفسیر الطبري بتصرف، ج: ۱، ص: ۲۸۴۔ اور ج: ۱۶، ص: ۲۲۲۔ تفسیر البغوي، ج: ۱، ص: ۱۶۳۔ ج: ۲، ص: ۲۳۳.

بالمشافہ گفتگو کے ذریعے تھا۔ (یہ بات یاد رہے کہ سیّدنا آدم اور ان کی زوجہ حواء علیہما السلام شیطان کی بات پر یقین نہیں لے آئے تھے بلکہ جذبات سے مغلوب ہو کر اُنھوں نے معصیت کا ارتکاب کیا تھا۔)

شیطان آدم و حواء علیہما السلام سے کہنے لگا: تمہارے ربّ نے جو تمھیں اس درخت کا پھل کھانے سے منع کیا ہے، تو یہ صرف اس لیے کہ اُس نے تم دونوں کا فرشتے بن جانا یا جنت میں ہمیشہ رہنا برا سمجھا ہے۔ یعنی شیطان نے ان دونوں کو یوں بہکایا کہ اگر تم دونوں اس درخت کے پھل سے کچھ بھی چکھ لو گے تو تم میں بھی فرشتوں کی سی خصوصیات (فطری کمالات) پیدا ہو جائیں گی۔ اس کے بعد نہ تمھیں کھانے پینے کی کوئی حاجت رہے گی اور نہ ہی تمھیں موت آئے گی۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس جنت میں رہو گے۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے: (جیسا کہ پیچھے بیان ہوا ہے۔)

﴿فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝﴾ (طٰہٰ: ۱۲۰)

''پس شیطان نے اس کے دل میں خیال ڈالا، کہنے لگا اے آدم! کیا میں تجھے دائمی زندگی کا درخت اور ایسی بادشاہی بتاؤں جو پرانی نہ ہو؟'' ❶

اور پھر ظالم نے اپنی قسم کے ذریعے دونوں کو دھوکے میں ڈال دیا۔ ❷ چنانچہ جیسے ہی دونوں نے اس درخت کے پھل کو چکھا تو دونوں کے ستر کھل گئے اور پھر وہ لگے اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانپنے۔ تب اللہ عزوجل نے ان دونوں کو ان کی غلطی پر یوں سرزنش فرمائی:

﴿وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (الاعراف: ۲۲)

''اور ان دونوں کو ان کے رب نے آواز دی کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا اور تم دونوں سے نہیں کہا کہ بے شک شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے؟'' ❸

---

❶ قرآن میں شیطان کے وسوسہ ڈالنے اور پھسلانے کی نسبت بعض آیات میں صرف آدم علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے اور بعض میں دونوں کی طرف۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں تو شیطان آدم علیہ السلام ہی کے دل میں وسوسہ انداز ہوا ہے حوا کا ذکر بالتبع ہے۔ لہٰذا عوام میں جو یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ شیطان نے پہلے حوا کو پھسلایا اور پھر ان کے ذریعے آدم علیہ السلام کو قابو میں کیا یہ قطعی غلط اور لغو ہے اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔

❷ تفسیر الطبري، ج: ۸، ص: ۱٤٠۔ تفسیر البغوي، ج: ۲، ص: ۱٥۳۔ تفسیر أبي السعود، ج: ۳، ص: ۲۲۱.

❸ اس آیت اور اس کے علاوہ بہت سی دوسری آیات اور احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں صوت (آواز) ہے اور فرشتے اور آدمی اس کی آواز سن سکتے ہیں اہل حدیث کا یہی مذہب ہے۔ (تفسیر وحیدی) لہٰذا اس کی بات نہ سننا مگر تم اس کے فریب میں آ گئے، کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ پروردگار! اس نے تیری قسم کھائی اور ہم کو یہ معلوم نہ تھا کہ تیرے بندوں میں کوئی ایسا بھی ہوسکتا ہے جو تیرا پاک نام لے کر جھوٹی قسم کھائے۔ (ابن کثیر)

اب اُنھیں فوراً احساس ہوگیا کہ ہم تو زبردست غلطی کر بیٹھے ہیں۔ تب اُنھوں نے فوراً اللہ ربّ کریم کی طرف توبہ کے لیے رجوع کیا:

﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾

(الاعراف : ۲۳)

’’دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔‘‘

چنانچہ اللہ ربّ العالمین نے دونوں کی توبہ قبول فرمالی۔ قرآنِ حکیم میں اس حوالے سے اللہ کریم کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝﴾

(البقرۃ : ۳۷)

’’پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے، تو اس نے اس کی توبہ قبول کر لی، یقیناً وہی ہے جو بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔‘‘

تو توبہ کی قبولیت میں سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا بھی جنابِ آدم علیہ السلام کے ساتھ شامل تھیں۔ (دیکھئے: بدائع التفسیر، جلد:۱، صفحہ:۳۱۲) اس غلطی کے سرزد ہوجانے کے بعد اللہ عزوجل نے دونوں کو زمین پر اُتر جانے کا حکم فرمایا اور انھیں جنت سے نکال دیا گیا۔

﴿ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ : ۳۸)

’’ہم نے کہا سب کے سب اس سے اتر جاؤ، پھر اگر کبھی تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آ جائے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا سو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘ [1]

---

[1] مخاطب تو آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ ہیں مگر مراد ان کی ذریت ہے یعنی تمہارے پاس میری طرف سے انبیاء ورسل وحی کی ہدایت لے کر آتے رہیں گے۔ (ابن کثیر) ہدایت کا یہ سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا۔ آنحضرت اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور قرآنِ مجید آخری کتابِ ہدایت ہے۔ تاریخ بخاری اور مستدرک حاکم میں ہے کہ انبیاء کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے، جن میں سے تین سو پندرہ نبی رسول ہیں۔ (قرطبی) آج ہمارے پاس ہدایت الٰہی کے دو نوشتے ہیں یعنی کتاب وسنت۔ ان کے ساتھ تمسک سے ہی ہم ضلالت سے بچ سکتے ہیں۔ حزن سے مراد وہ افسوس ہے جو گذری چیز پر ہوتا ہے اور خوف آئندہ متوقع خطرے سے۔ مقصد یہ ہے کہ متبعین ہدایت آخرت میں نہ تو دنیا کی زندگی پر افسوس کریں گے، جیسا کہ کفار کو افسوس ہوگا۔ (الانعام: ۲۷) اور نہ قیامت کے اہوال وشدائد ہی سے انھیں کوئی اندیشہ ہوگا۔ ﴿وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ﴾ (النحل: ۸۹۔ الانبیاء: ۱۰۳)

جب سیّدنا آدم اور حواء علیہما السلام جنت سے اُتر کر زمین پر آئے تو ابتداء میں ان کے لیے گھر کوئی نہیں تھا۔ تب اللہ عزوجل نے انھیں گھر، رہنے کے لیے جگہ تعمیر کرنے کا حکم فرمایا اور جتنی عمر اُن کے مقدر میں اللہ عزوجل نے لکھ رکھی تھی اتنی عمر یہاں گزارنے کا حکم فرمایا اور یہ بتلا دیا کہ آخر میں یہ عمر تمہاری منقطع ہو جائے گی۔ ❶

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم وحواء علیہما السلام کو زمین پر اس غرض سے بھیجا کہ یہاں ان کی آزمائش یقینی ہو کر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے۔ اس لیے کہ اللہ ربّ العالمین نے زمین کو آزمائش کا گھر اور جنت، دوزخ کو جزاء وسزا کا گھر بنایا ہے۔ (ایضاً، جلد: ۱، صفحہ: ۳۲۱) اور پھر اللہ عزوجل نے سیّدنا آدم اور اُن کی بیوی حواء رضی اللہ عنہا کو خبردار فرما دیا کہ زمین میں ان دونوں سے شیطان کی دشمنی مسلسل قائم رہے گی، اس لیے ہمیشہ اس سے خبردار رہنا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ٥﴾ (یوسف: ۵) ''بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔'' ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ٥ إِنَّ الشَّيْطَٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَٰبِ السَّعِيرِ ٥﴾ (فاطر: ۵۔۶)

''اے لوگو! یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے تو کہیں دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور کہیں وہ دھوکے باز تمھیں اللہ کے بارے میں دھوکا نہ دے جائے۔ بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے تو اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنے گروہ والوں کو صرف اس لیے بلاتا ہے کہ وہ بھڑکتی آگ والوں سے ہو جائیں۔''

سیّدہ حواء اور آدم علیہما السلام کے زمین پر اُتر آنے کے بعد دونوں کے درمیان دنیاوی زندگی کا وہ سفر شروع ہو گیا کہ جس کا ذریعہ آدم علیہ السلام کے لیے سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کو سکون وراحت کا سامان بنایا گیا تھا۔ اور پھر بنی نوع انسان کی پہلی ماں سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کے حاملہ ہو کر بچوں کی پیدائش کے ساتھ زمین پر انسانوں کی آبادی پھیلنے لگی۔ اللہ عزوجل نے حواء رضی اللہ عنہا کے ثقل حمل کے وقت آدم وحواء دونوں کا اللہ تبارک کی طرف دُعا کے ذریعے متوجہ ہونے کو بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ دونوں اللہ سے اس طرح گزارش کرنے لگے:

﴿فَلَمَّآ أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ ءَاتَيْتَنَا صَٰلِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّٰكِرِينَ ٥﴾

(الاعراف: ۱۸۹)

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر القرطبی، جلد: ۱، صفحہ: ۲۹۹۔

''پھر جب وہ بھاری ہوگئی تو دونوں نے اللہ سے دعا کی، جو ان کا رب ہے کہ بے شک اگر تو نے ہمیں تندرست بچہ عطا کیا تو ہم ضرور شکر کرنے والوں سے ہوں گے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہفتے کے تمام دنوں میں سے بہتر دن جمعہ کا ہے۔ اس میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔ اسی میں ان کو جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن میں انہیں جنت سے باہر نکال دیا گیا۔ قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔'' ❶

صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور مابعد کے سلف و خلف مفسرین و محدثین اور مؤرخین عظام نے حضرت آدم و حواء علیہما السلام اور ابلیس و اشیائے دیگر کے دنیا پر اترنے کو کوئی ایک مقامات پر بیان کیا ہے۔ بعض نے مکہ مکرمہ اور اس کے گردونواح کا علاقہ بتایا ہے اور کسی نے ہند کا۔ مگر اس ضمن میں نہ قرآن مجید میں کوئی صراحت ہے اور نہ کسی صحیح مرفوع حدیث میں۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! کل نبی کتنے ہوئے ہیں؟'' فرمایا: ''ایک لاکھ چوبیس ہزار۔'' میں نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! ان میں سے رسول کتنے تھے؟'' فرمایا: ''تین سو تیرہ کا جم غفیر۔'' میں نے عرض کی: ''ان میں سب سے پہلے کون ہوا؟'' فرمایا: ''آدم علیہ السلام۔'' میں نے (حیرانی سے) پوچھا: ''اللہ کے رسول! کیا آپ نبی مرسل تھے۔'' فرمایا: ''ہاں! اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا۔ پھر ان میں اپنی (خاص عزت و تکریم والی) روح پھونکی۔ پھر ابتدائے زمانہ انسانی میں انہیں حواء کو جننے کے قابل بنایا۔ (اور آگے ان کی دونوں سے نسل چلی۔) ❷

اسرائیلی روایات:

سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے متعلق بعض اسرائیلی روایات بھی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں جنھیں یہاں اجمالاً بیان کیا جاتا ہے۔

۱..... امام طبری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود اور دیگر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں وحشت سی محسوس کرتے ہوئے چلتے پھرتے تھے۔ ان کی بیوی نہ تھی کہ جس سے اُن کو سکون اور راحت ملتی۔ چنانچہ وہ ایک بار سوگئے۔ جب بیدار ہوئے تو ان

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۱۹۷۷۔ محدثین وشارحین نے اس حدیث سے جمعہ کے دن کی باقی دنوں پر فضیلت ثابت کی ہے۔ آدم علیہ السلام کے اس دن میں جنت سے نکلنے کی فضیلت یوں ہوئی کہ کرۂ ارضی پر ان کی نسل کا آغاز ہوا کہ جن میں سے اللہ کے صالح بندے، اولیاء، شہداء اور انبیاء ورسل بھی ہوئے۔

❷ دیکھیے: البداية والنهاية جلد اوّل، ص ۹۹.

کے سر کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ہی پسلی سے پیدا فرمایا تھا۔ آدم علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: تم کون ہو؟ وہ کہنے لگی: میں ایک عورت ہوں۔ جناب آدم علیہ السلام نے پوچھا: تمھیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ وہ کہنے لگی: تاکہ تم مجھ سے راحت اور سکون واُنسیت حاصل کرو۔ ❶

ب...... امام سیوطی نے ابراہیم النخعی رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے آدم اور ان کی بیوی حواء علیہا السلام کو پیدا فرمالیا تو آدم علیہ السلام کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ اُس نے آپ علیہ السلام کو حواء رضی اللہ عنہا کے ساتھ جماع کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ نے ایسے ہی کیا۔ ❷

ج..... سیوطی نے اشعت الحدانی رحمہ اللہ سے بھی روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: حواء جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت تھیں۔ جب انھیں حمل ہوجاتا تو بچے کو اُس کے بطن ورحم کے اندر سے دیکھا جاسکتا تھا۔ آیا لڑکا ہے یا لڑکی۔ اس قدر سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کا وجود مبارک شفاف تھا۔ ❸

د..... امام سیوطی نے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان: ﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ کے بارے میں ابو مالک رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ کھجور کا درخت تھا۔ اور اسی طرح سیوطی رحمہ اللہ نے یزید بن عبداللہ بن قسیط سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: یہ درخت لیموں کا تھا۔ امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول درج کیا ہے کہ یہ انجیر کا درخت تھا۔ حضرت عطیہ کا قول لکھا ہے کہ یہ خوشہ والا کوئی درخت (پودا) تھا۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ گندم کا پودا تھا۔ امام ابوالعالیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا درخت تھا کہ جو کوئی اس کا پھل کھالیتا تھا اس کا وضو ٹوٹ جاتا تھا اور جنت میں حدث کا ہونا ٹھیک نہیں تھا، کیونکہ جنت ایسی چیزوں سے پاک ہے۔ ❹

ھ: امام طبری نے جناب وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ اس درخت کی شاخیں ایک دوسری سے مل کر پھیلی ہوئی تھیں۔ اور اس کے پھل کو فرشتے کھاتے تھے تاکہ وہ ہمیشگی والی زندگی حاصل کرسکیں۔ پھر ابن زید رحمہ اللہ سے روایت درج کی ہے کہ جب سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا نے اس درخت کے پھل کو کھانے کے لیے

---

❶ دیکھیے: تفسیر الطبري، ج: ١، ص: ٢٢٩، ٢٣٠۔ الدر المنثور، ج: ١، ص: ١٢٧.

❷ دیکھیے: الدرّ المنثور، ج: ١، ص: ١٢٩ وهو حديث مرسل.

❸ الدرّ المنثور، ج: ١، ص: ١٣٠۔ ونسبه لابن أبي حاتم وأبي الشيخ، ورجال ابن أبي حاتم ثقات۔ هو أشعث بن عبدالله بن جابر الحُدَّاني الأزدي بصري يكنى أبا عبدالله، صدوق۔ التقريب، ص: ١٤٩، رقم: ٥٣١۔ المصدر السابق، ج: ١، ص: ١٢٨۔ وهو حديث مرسل.

❹ الدرّ المنثور، ج: ١، صفحه: ١٢٩، ص: ١٣٠۔ وتفسير الطبري، ج: ١، ص: ٢٣١

مزین کرلیا اور دونوں نے جب اسے کھالیا تو ان دونوں کے ستر اُتر گئے۔ تب اللہ عزوجل نے فرمایا: میرے اوپر لازم ہے کہ میں حواء کو ہر ماہ ایک بار ضرور خون آلود کروں، جس طرح اس طرح کو زخمی کیا گیا ہے۔ اور یہ کہ میں عورت ذات کو بے وقوف بنادوں۔ میں نے اسے بردبار پیدا کیا تھا اور یہ کہ میں اسے ایسا بنادوں گا کہ وہ تکلیف کی حالت میں حمل کو اُٹھائے پھرے اور وضع حمل بھی حالت تکلیف میں ہی کرے۔ میں نے تو اسے ایسا تخلیق کیا تھا کہ وہ اپنے حمل کو آسانی سے اُٹھائے پھرے اور باآسانی ہی وضع حمل کرلے۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی طبری نے ایسا ہی روایت کیا ہے۔ ❶

و..... اسی طرح طبری نے سعید بن میسّب رحمہ اللہ سے روایت درج کی ہے کہ آدم علیہ السلام نے اس درخت کا پھل شعوری طور پر کھایا ہی نہیں تھا۔ بات یہ تھی کہ حواء (رضی اللہ عنہا) نے ان کو شراب پلادی تھی۔ حتیٰ کہ جب آپ نشے کی حالت میں ہوگئے تو وہ ان کو اس درخت کے پاس لے آئیں اور پھر آپ نے اس کا پھل کھالیا۔ ❷

ز..... بغوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ آدم وحواء علیہما السلام کے لباس نور کے تھے۔ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دیگر اصحاب سے روایت بیان کی گئی ہے کہ ان دونوں کا لباس ناخنوں کے مشابہ ایک خوشبودار پودے سے بنا ہوا تھا۔ ❸

ح..... سیوطی نے حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ آدم وحواء علیہما السلام کا جنت میں ٹھہرنا دن کی ایک گھڑی کے برابر تھا جو کہ دنیا کے دنوں کے حساب سے ایک سوتیس سال بنتے ہیں۔ اسی طرح سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کی جنت میں ٹھہرنے کی مدت ظہر اور عصر کے درمیانی وقت کے برابر تھی۔ پھر موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ کی روایت درج کی ہے کہ ان کا جنت میں رُکنا دن کا چوتھا حصہ اڑھائی ساعتیں تھا جو کہ دوسو پچاس سال بنتے ہیں۔ ❹

ط..... طبری نے وھب بن منبہ رحمہ اللہ کی روایت سے درج کیا ہے کہ جب شیطان نے آدم وحواء علیہما السلام کو پھسلانے کا ارادہ کیا تو وہ ایک سانپ کے پیٹ میں گھس گیا۔ یہ سانپ جنت میں گھس گیا۔ پھر شیطان وہاں اس سے باہر نکل آیا اور اُس نے خود پہلے اس درخت کا پھل کھایا۔ اس کے بعد اُس نے حواء رضی اللہ عنہا

---

❶ دیکھئے تفسیر طبری، جلد: ۱، صفحہ: ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷.

❷ ایضًا، ص: ۲۳۷.

❸ تفسیر البغوي، ج: ۱، ص: ۵۰۔ وتفسیر ابن کثیر، ج: ۳، ص: ۳۹۴۔ [illegible] ، ص: ۲۱۳

❹ دیکھئے: الدر المنثور، جلد: ۱، صفحہ: ۱۲۷.

کو اسے کھالینے کو رتجھوایا۔ حواء نے یہ پھل آدم علیہ السلام کو نہایت خوبصورت کر کے پیش کیا اور پھر انھوں نے اسے کھالیا۔ ❶

ی..... سیوطی نے سعید بن حدین الحضرمی رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ ابلیس جنت میں سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور بانسری بجانے لگا۔ سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا نے جب یہ بانسری سنی تو شیطان نے اُسے خوشی پر برانگیختہ کر دیا۔ چنانچہ وہ کہنے لگی: میں تجھے اللہ کی قسم دیتی ہوں کہ اسے بند کرو۔ اس بانسری کی آواز نے تو مجھے ہلاک کر دیا ہے۔ یعنی اتنی یہ دلکش ہے۔ تب اُس نے بانسری سے ایسی سر نکالی کہ جس سے اُس نے حواء رضی اللہ عنہا کو غمگین کر دیا حتیٰ کہ اس کا دل کاٹ کر رکھ دیا۔ اور پھر بانسری کو بند کر دیا۔ سیّدہ حواء اُس سے باتیں کرنے لگی۔ شیطان اُس سے اور اُس کے خاوند سے دوستی کا اظہار کرنے لگا، حتیٰ کہ اُس نے بی بی حواء کو ممنوعہ درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کر لیا۔

پھر سیّدہ حواء نے آدم علیہ السلام کے سامنے اس پھل کے کھانے کو نہایت مزین کر کے پیش کیا۔ چنانچہ سیّدنا آدم نے بھی اس پھل کو کھالیا اور سیّدہ حواء نے بھی۔ اس کے بعد اللہ عزوجل نے فرشتوں کو بھیجا، جنھوں نے ان کی گردنوں پر مار کے اُنھیں جنت سے باہر نکال دیا۔

اسی طرح سیوطی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت درج کی ہے کہ جنابِ آدم کو ہندوستان میں اتار دیا گیا اور حواء کو جدہ (جزیرۂ عرب) میں علیہما السلام۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سیوطی نے روایت درج کی ہے کہ آدمؑ کو مکہ میں صفا پہاڑی پر اُتارا گیا اور سیّدہ حواء کو مروہ پہاڑی پر۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے درج کیا ہے کہ سیّدنا آدم و حواء علیہما السلام پر شہوت زمین پر اُنھیں اتار دینے کے بعد ڈالی گئی تھی۔ جبکہ سیوطی رحمہ اللہ نے سیّدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت درج کی ہے کہ جب سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا حاملہ ہو جاتیں اور جنم دے لیتیں، تو ان کا کوئی بیٹا زندہ نہ رہتا۔ شیطان اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا: اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھو تب وہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ آدم و حواء نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ تو یہ معاملہ شیطان کی وحی اور اس کے حکم میں سے تھا۔ (جس کی اطاعت دونوں نے کر لی۔) ❷

ان اسرائیلی روایات کا تحقیقی جائزہ:

ان میں سے بعض روایات تو بالکل واہیات اور قابل ردّ ہیں۔ بعض ان میں سے ثابت ہیں اور باقی ایسی

---

❶ دیکھئے: تفسیر طبری، جلد: ۱، صفحہ: ۲۳۵.

❷ دیکھئے: الدرّ المنثور، ج: ۱، ص: ۱۳۵، ج: ۳، ص: ۶۲۴، ص: ۶۲۳.

ہیں کہ جن کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کو جنت میں پیدا کیا گیا تھا تو یہ بات قرآنِ حکیم کے واضح معانی کے بالکل خلاف ہے۔ جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان کی تخلیق سیّدنا آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہو چکی تھی۔

اور یہ جو بیان ہوا ہے کہ سیّدنا آدم علیہ السلام کی بی بی حواء سے مباشرت جنت میں ہوئی تھی تو یہ بات بھی قرآن واحادیث میں مذکور واقعہ کے خلاف ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سیّدنا آدم علیہ السلام کی بی بی حواء سے مباشرت دونوں کو زمین پر اتار دیے جانے کے بعد ہوئی تھی۔ جیسا کہ پیچھے سورۃ الاعراف کی آیت (نمبر:۱۸۹) کے مفہوم اور اس کی تشریح کے ضمن میں گزر چکا ہے اور اس میں سیّدہ حواء علیہا السلام کے حمل کی خبر مذکور ہے۔

یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا نے سیّدنا آدم علیہ السلام کو شراب پلائی تھی حتیٰ کہ آپ کو نشہ چڑھ گیا اور پھر آپ علیہ السلام نے ممنوع درخت کا پھل کھالیا...... تو یہ بات بھی بالکل باطل ہے۔ اس لیے کہ جنت میں تو نشے کا تصور تک نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے جنت کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ۝﴾ (الصافات: ٤٧)

''نہ اس میں کوئی دردسر ہوگا اور نہ وہ اس سے مدہوش کیے جائیں گے۔''

شیطان کے سانپ کے پیٹ میں داخل ہونے اور پھر سانپ کے جنت میں گھس جانے کی جو بات ہوئی ہے...... تو سانپ کو آسمانوں میں کون لے کر گیا تھا، جبکہ یہ تو زمین کے کیڑوں اور حیوانات میں سے ایک رینگنے والا کیڑا ہے۔ اسی طرح شیطان کا جنت میں جو بانسری بجانے والا واقعہ بیان ہوا ہے اور یہ کہ سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا اس بانسری کی آواز سے خوشی میں جھوم اُٹھی تھی ...... الخ، تو یہ بھی ایک بیہودہ بات ہے جو کہ ویسے بھی صحت کے درجہ سے کوسوں دُور ہے۔ اور پھر یہ جو بیان ہوا کہ فرشتوں نے آدم وحواء علیہما السلام کو جنت سے دھکے دے کر باہر نکالا تھا تو اس پر بھی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ بعینہٖ سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو روایت کیا گیا ہے کہ سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا جنت میں قیام کے دوران حاملہ ہو جاتی تھیں اور ان کا حمل (بطن میں بچہ) ان کے پیٹ کے باہر سے دیکھا جاتا تھا تو یہ بھی جھوٹ ہے۔ اُنھیں حمل تو یہاں زمین پر ٹھہرنے لگا تھا، جنت میں ان کے حاملہ ہونے کا قرآنِ حکیم اور صحیح احادیث میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔

اور شجر ممنوع کے متعلق جو مختلف فیہ اقوال ذکر ہوئے ہیں کہ جس کا پھل آدم وحواء علیہما السلام کھا بیٹھے تھے تو اس بارے میں بھی کوئی واضح دلیل نہیں ہے جو ان اقوال میں سے کسی قول کی تائید کرے کہ وہی بات درست ہے۔ [1]

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے: تفسیر طبری، جلد: ۱، صفحہ: ۲۳۳۔ تفسیر بغوی، جلد: ۲، صفحہ: ۱۵٤ اور تفسیر قرطبی؛ جلد: ۱، صفحہ: ۳۰۵۔

اور یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ شجر ممنوع کا پھل جو بھی کھالیتا تھا وہ پاخانہ کرنے لگتا تھا تو یہ بات بھی خلافِ حقیقت ہے۔ اس لیے کہ اس پھل کے کھانے سے آدم وحواء علیہما السلام کا ستر تو کھل گیا تھا مگر پاخانہ وغیرہ قطعاً نہیں آیا تھا۔ ویسے بھی صحیح احادیث کے مطابق یہ ہے کہ جنت میں اس طرح کی گندگی ہوتی ہی نہیں۔ پھر یہ جو بیان ہوا کہ فرشتے اس درخت کے پھل کو کھا کر ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لیتے ہیں یہ بھی قرآن کے خلاف اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝﴾ (الفرقان: ۷)

''اور انھوں نے کہا اس رسول کو کیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا کہ اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا۔''

دوسرے ایک مقام پر سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جو فرشتے تھے اور اُن کے پاس انسانی شکلوں میں آئے تھے، فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝﴾ (هود: ۶۹۔۷۰)

''اور بلاشبہ یقیناً ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے، انھوں نے سلام کہا، اس نے کہا سلام ہو، پھر دیر نہیں کی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا۔ تو جب ان کے ہاتھوں کو دیکھا کہ اس کی طرف نہیں پہنچتے تو انھیں اوپرا جانا اور ان سے ایک قسم کا خوف محسوس کیا، انھوں نے کہا نہ ڈر! بے شک ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔''

سیّدنا آدم وحواء علیہما السلام کے جنت میں رُکنے اور ٹھہرنے کی مدت کے حوالے سے جو مختلف اقوال پیچھے بیان ہوئے ہیں تو ان میں سے کسی بھی قول کے بارے میں کہیں صحیح دلیل نہیں ہے۔ قرآنی آیات کے سیاق وسباق سے ظاہر بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک مختصر سی مدت تھی۔ اسی طرح آدم وحواء علیہما السلام کے زمین میں کسی خاص جگہ اور مقام پر اُتارے جانے کے حوالے سے جو اختلاف روایت کیا گیا ہے تو اس ضمن میں بھی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے جو کسی بھی مقام کی تعیین کرے۔

اور یہ جوان کا اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھنے کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ یہ شیطان کی اُن کی طرف

وحی اور مشورے کی بنا پر تھا تو یہ بات بھی یکسر باطل ہے۔ اس لیے کہ سیّدنا آدم علیہ السلام نبی معصوم کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے پاک تھے۔ علاوہ ازیں علماء اسلام نے اس خبر کو باطل قرار دیا ہے۔ ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ خبر جامع ترمذی وغیرہ کی ایک ضعیف روایت میں مذکور ہے۔ ❶ اور اسرائیلی روایات میں سے اکثریت ان روایتوں کی ہے جو پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہی نہیں ہیں۔ اور عقلمند آدمی تو ان روایات پر اعتماد کرتا ہی نہیں۔ بلاشبہ آدم و حواء علیہما السلام کو اللہ عزوجل نے آزمائش و امتحان سے دوچار فرمایا تھا، مگر مومن آدمی ایک ہی بل سے دوبار ڈسا نہیں جاتا۔ جنت میں شجر ممنوع کا پھل کھا لینے پر شیطان نے انھیں جو ورغلا لیا تھا تو اس کے بعد دونوں کے متعلق تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے اس ملعون کی کسی نصیحت کو قبول کیا ہو اور نہ ہی انھوں نے اس کی کوئی بات سنی تھی۔ ❷

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم تو اس ضمن میں جناب حسن بصری رحمہ اللہ کے مذہب و مسلک پر ہیں۔ اس سیاق سے مراد آدم و حواء علیہما السلام نہیں ہیں بلکہ یہ جو اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝﴾

(الاعراف: ۱۹۰)

”پھر جب اس نے انھیں تندرست بچہ عطا کیا تو دونوں نے اس کے لیے اس میں شریک بنا لیے جو اس نے انھیں عطا کیا تھا، پس اللہ اس سے بہت بلند ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔“

تو اس سے مراد ان کی اولاد سے مشرک لوگ ہیں۔ اسی لیے تو اللہ عزوجل نے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ ...... ”تو اللہ تعالیٰ برتر ہے، اُن کے شرک سے کہ جو وہ کرتے ہیں۔“ ❸

اور یہ جو روایت کیا گیا ہے کہ سیّدہ حواء رضی اللہ عنہا نے آدم علیہ السلام کے لیے شجر ممنوع کے پھل کو بڑا مزین کر کے پیش کیا تھا تو یہ بات قدرے درست لگتی ہے۔ اس پر پیچھے بیان کردہ ایک صحیح حدیث شاہد ہے۔ اس میں ہے کہ؛ ((لَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ أُنْثٰى زَوْجَهَا .)) ...... اور اس کی شرح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ”اس جملے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو بی بی حواء کی طرف سے سیّدنا آدم علیہ السلام کے لیے شجر ممنوع کے

---

❶ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو جامع الترمذی میں ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے: کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ومن سورۃ الاعراف، حدیث: ۳۰۷۷۔

❷ دیکھئے: احکام القرآن لابن العربي، ج: ۲، ص: ۸۲۰.

❸ تفسیر ابن کثیر، جلد: ۳، صفحہ: ۵۳۱

پھل کو کھا لینے کی خاطر نہایت مزین کر کے پیش کیا گیا تھا، حتیٰ کہ آپ علیہ السلام اس غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے (اور اس وقت آپ نبی نہیں تھے۔) ❶

اس واقعہ سے مستفاد احکام:

۞ ......اللہ عزوجل کے فرمانِ گرامی ﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ سے یہ حکم معلوم ہوا کہ برائی کے ذرائع اور وسائل کو ہی روک دینا واجب ہے۔ تاکہ کوئی اس کے قریب ہی نہ جا سکے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے شجر ممنوع کا پھل کھانے سے منع فرمانے کا ارادہ فرمایا تو اس سے ایسے الفاظ کے ساتھ منع فرما دیا کہ جو کھا لینے اور کھانے کی طرف دعوت دینے کا تقاضا کرتا تھا اور وہ ''اس کے قریب جانا تھا۔'' اسی طرح اللہ عزوجل نے زنا کاری سے روکنے کی خاطر فرمایا: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ ......''اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔'' (یعنی زنا کے لیے مائل کرنے والی چیزوں کو ہی اختیار نہ کرو...... سورۃ الاسراء: ۳۲)

۞ ......اللہ ربّ العالمین کے درج ذیل فرمانِ گرامی سے پردے کا وجوب ثابت ہوتا ہے، فرمایا:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (الاعراف: ٢٧)

''اے آدم کی اولاد! کہیں شیطان تمھیں فتنے میں نہ ڈال دے، جس طرح اس نے تمھارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا، وہ دونوں سے ان کے لباس اتارتا تھا، تاکہ دونوں کو ان کی شرمگاہیں دکھائے، بے شک وہ اور اس کا قبیلہ تمھیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کے دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔''

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ، وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَلَا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ.)) ❷

''کوئی بھی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کو (کہ جس کا چھپانا فرض ہے) نہ دیکھے۔ اور نہ عورت کسی دوسری

---

❶ دیکھئے: فتح الباري، ج: ٦، ص: ٤٢٤.

❷ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب تحریم النظر الی العورات، حدیث: ٧٦٨.

عورت کے ستر کو دیکھے۔ اور مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ ہی عورت کسی دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں لیٹے۔''

... خاوند پر اپنی بیوی کا جو نفقہ واجب ہے وہ چار چیزیں ہیں: (۱) کھانا، (۲) پینا، (۳) کپڑے اور (۴) گھر۔ ان کے علاوہ جو کچھ مزید دے گا اُس پر اُسے اجر ملے گا۔ یہ چار چیزیں تو لازم ہیں کیونکہ زندگی انہی چار چیزوں سے قائم رہتی ہے۔ اس کے لیے دلیل قرآنِ عظیم کا یہ ارشاد ہے:

﴿ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝﴾

(طٰہٰ: ۱۱۷-۱۱۹)

''تو ہم نے کہا بے شک یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے، سو کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے کہ تو مصیبت میں پڑ جائے گا۔ بے شک تیرے لیے یہ ہے کہ تو اس میں نہ بھوکا ہوگا اور نہ ننگا ہوگا۔ اور یہ کہ بے شک تو اس میں نہ پیاسا ہوگا اور نہ دھوپ کھائے گا۔''

اور دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا ..... ﴾ (الطلاق: ۱)

''اللہ سے ڈر جاؤ جو تمہارا رب ہے اور عورتوں کو ان کے گھروں (یعنی اپنے خاوندوں کے گھروں) سے مت نکالو اور نہ ہی وہ (ایامِ عدت میں) خود ان گھروں سے نکلیں۔''

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ......)) [1]

''(یہ خطبہ حجۃ الوداع کے درمیان آپ نے فرمایا تھا) اور تم لوگ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور ان پر زیادتی نہ کرو۔ اس لیے کہ انھیں تم نے اللہ عز وجل کی امان سے حاصل کیا ہے۔ اور تم لوگوں نے ان کے ستر (شرم گاہوں) کو اللہ تعالیٰ کے (اس کے اذن وحکم) سے اپنے لیے حلال کیا ہے۔ اور ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ تمہارے بستر پر وہ کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں (یعنی تمہارے گھر میں) کہ جس کا

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم، حدیث: ۲۹۵۰.

آنا تمھیں ناگوار گزرتا ہو۔ پھر اگر وہ ایسا کریں تو ان کو اس طرح سے مارو کہ انھیں سخت چوٹ نہ لگے۔ (یعنی ہڈی وغیرہ نہ ٹوٹے، کوئی عضو ضائع نہ ہو، حسن صورت میں فرق نہ آئے کہ تمہاری کھیتی اجڑ جائے۔) اور ان کا حق تمہارے اوپر یہ ہے کہ ان کا کھانا پینا اور دستور کے مطابق ان کا کپڑا تمہارے ذمہ ہے۔''

۴......گناہوں سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہیے، اگرچہ وہ چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ آدم و حواء علیہما السلام کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تو کہنے لگے:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝﴾ (الاعراف: ۲۳)

''دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔'' ❶

۵......دنیا کے امور طلب کرنے کے لیے بھی دُعا کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ آدم و حواء علیہما السلام نے صالح اولاد کے لیے دُعا کی تھی۔ اسی طرح اللہ عزوجل نے سیّدنا سلیمان بن داود علیہما السلام کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ:

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۝﴾ (صٓ: ۳۵)

''اس نے کہا اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو، یقیناً تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔'' ❷

اس واقعہ سے حاصل شدہ دُروس اور نصیحتیں:

۱......میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کا خیال کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ بیویاں خاوندوں ہی سے پیدا کی گئی ہیں۔ دونوں کے درمیان بہت قریب کا رشتہ ہے بھی ہے اور نہایت قریب کا تعلق بھی۔ یہ سبق ہمیں اللہ عزوجل کے اس فرمان سے ملتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۝﴾ (النساء: ۱)

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھئے: تفسیر ابی السعود، ج: ۳، ص: ۲۲۱۔ وتیسیر الکریم، ج: ۳، ص: ٤٤٦.

❷ تفصیل کے لیے دیکھئے: تفسیر القاسمی، جلد: ۷، صفحہ: ۲۹۲۳۔

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں سے بھی، بے شک اللہ ہمیشہ تم پر پورا نگہبان ہے۔''

۲...... آدمی (مرد) کمانے اور روزی حاصل کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اور جہاں تک عورت کا تعلق ہے تو وہ اپنی چادر، چار دیواری میں ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے (سورۂ طٰہٰ میں) جب آدم علیہ السلام کو اس بات کی نصیحت فرمائی کہ: ''دیکھو شیطان تمہارا دشمن ہے اور تمہاری بیوی کا بھی۔ ایسا نہ ہو کہ: وہ تم دونوں کو جنت سے باہر نکلوا دے اور تو (اے آدم!) محنت مشقت میں جا پڑے۔'' (طٰہٰ: ۱۱۷) چنانچہ اللہ ربّ العالمین نے جنت سے نکلنے کے متعلق کو دونوں میاں بیوی (آدم و حواء علیہما السلام) کو مخاطب فرمایا، مگر روزی کے لیے محنت مشقت کے حوالے سے مخاطب صرف آدم علیہ السلام کو ہی کیا ہے۔ اس آیت کریمہ کے مذکور بالا معنی کو ہی امام ابن قیم رحمہ اللہ نے مناسب جانا ہے۔ ❶

۳...... بعض اُمور میں ارادہ و اختیار ہی وہ وصف ہے کہ جس کے ساتھ انسان اور حیوان کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ یہ بات ہمیں اللہ عزوجل کے آدم و حواء علیہما السلام کو شجر ممنوع کے پھل کو حرام کرنے والے حکم کے ساتھ امتحان میں ڈالنے سے معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دونوں کو اس حکم کے بعد اسے کھا لینے یا نہ کھانے کا اختیار و ارادہ عطا فرمایا تھا۔ ❷ اسی بات کو اللہ عزوجل نے ایک مقام پر اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ إِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُوْرًا ۝ ﴾ (الدھر: ۳)

''بلاشبہ ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ وہ شکر کرنے والا بنے اور خواہ ناشکرا۔''

۴...... جب مومن آدمی کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی جائے اور قسم اُٹھانے والا اُسے وھم میں مبتلا کرے کہ وہ اس کا خیر خواہ ہے، تو اُس کو دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ (اور وہ قسم اُٹھانے والے کی بات پر یقین کر لیتا ہے۔) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بارے میں بتلایا ہے کہ ﴿ وَقَاسَمَهُمَآ إِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ﴾ (الاعراف: ۲۱)

''اور اس نے دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کے لیے یقیناً خیر خواہوں سے ہوں۔''

اور پھر دونوں نے اس کی بات اور قسم کو سچ مانتے ہوئے شجر ممنوع کا پھل کھا لیا۔ ❸

---

❶ دیکھیے: بدائع التفسیر، جلد: ۳، صفحہ: ۱۷۰.

❷ دیکھیے: فی ظلال القرآن، جلد: ۱، صفحہ: ۵۸.

❸ دیکھیے: تفسیر البغوي، ج: ۲، ص: ۱۵۳۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ۳، ص: ۳۹۳۔ تفسیر الکریم الرحمٰن، ج: ۲، ص: ۱۰۰۔۱۰۱.

۵.....سیّدنا آدم وحواء علیہما السلام کے حرص وطمع سے کہ جب انھوں نے (شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے) شجر ممنوع کا پھل کھالیا، یہ سبق ملتا ہے کہ ایسا لالچ جونفسانی خواہش سے متعلق ہو برے اخلاق میں سے سب سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ اگر اللہ کریم کی رحمت آدم وحواء علیہما السلام کے شامل حال نہ ہوتی تو وہ دونوں جانیے کہ ہلاک ہو گئے تھے۔ ❶

۶.....اس واقعہ سے عورت کی کمزوری اور اس کے عزم وارادہ کی قلت کا پتہ چلتا ہے۔ اس لیے سیّدہ حواء نے آدم علیہ السلام سے پہلے شجر ممنوع کا پھل کھالیا اور آدم علیہ السلام کے لیے نافرمانی کو آسان بنا دیا۔ ❷

۷.....اللہ عزوجل کے فرمان گرامی ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْءٰتِهِمَا﴾ ...... ''پھر آدم وحواء دونوں کو شیطان نے وسوسے ڈال کر بہکا دیا۔ (اُس کا مطلب یہ تھا کہ) اُس کا ستر جو ڈھکا ہوا ہے وہ ان دونوں کو کھول دکھائے۔'' (الاعراف:۲۰) سے یہ سبق ملتا ہے کہ تنہائی میں اکیلے یا خاوند کے پاس بغیر ضرورت کے ستر کا کھولنا نہایت قبیح اور طبیعوں میں انتہائی ناپسندیدہ معیوب تحریک پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((اَللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ .)) ...... ''اللہ عزوجل لوگوں کی نسبت اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اُس سے حیاء کی جائے۔'' ❸

۸.....اللہ ربّ العالمین کے فرمان درج ذیل سے یہ سبق ملتا ہے کہ نعمت کے زوال سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہیے۔ فرمایا﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا﴾ (الاعراف:۲۷) ''آدمیو! خیال رکھو شیطان تم لوگوں کو بہکا نہ دے (وہ تمہارا دشمن ہے) جیسے اُس نے تمہارے ماں باپ (آدم وحواء علیہما السلام) کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ اُن کے کپڑے اُتروا دیے تاکہ وہ ان کا ستر اُنھیں دکھادے۔''

۹.....مومن آدمی کو چھوٹے گناہوں کے بارے میں تساہل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اس لیے کہ آدم وحواء (علیہما السلام) نے جب شجر ممنوع کا پھل کھالیا تو اللہ کریم سے معافی مانگنے کے لیے پوری زندگی دُعا کرتے رہے: ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾ (الاعراف:۲۳) ''دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا

❶ يسير اللطيف المنان بتصرف، صفحه: ١٠٦.

❷ دیکھئے: اليسر التفاسير للجزائري، ج: ٣، ص: ٨٢، ٨٣۔ قصص الانبياء لابن كثير، ص: ٢٥۔ وفتح الباري، ج: ٦، ص: ٤٢٤.

❸ صحيح البخاري، كتاب الغسل، باب من اغتسل عُريانًا ، حديث: ٢٧٨.

تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔'' گناہ کا ادراک ہوتے ہی فوراً اللہ کریم کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور جیسے ہمارے ماں باپ (آدم وحواء علیہما السلام) نے خلوصِ دل سے توبہ کی تھی، ہمیں بھی ویسی ہی نصیحت آموز توبہ کرنی چاہیے۔

۱۰...... اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی ﴿وَأَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (ان دونوں کے رب نے انھیں آواز دے کر یہ بھی فرمایا:) ''اور میں نے تمھیں کہہ دیا تھا کہ بلاشبہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔'' (الاعراف: ۲۲)...... سے انسان کے ساتھ شیطان کی دشمنی اور اس کے بہکاوے سے بچنے کے لیے اُس دشمنی کی معرفت حاصل کرنے کے وجوب کا بھی سبق ملتا ہے۔ [1]

۱۱...... امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بلاشبہ آدمی جب اپنے نقص و جرم کا اعتراف کرلے تو وہ اپنے نفس کو اس چیز کے ساتھ ترجیح دے کہ جو اُسے علم نہ ہونے (یعنی جہالت) اور اس بھول کے ساتھ صبر کے نہ ملنے کی وجہ سے پہنچتا ہے کہ جس نے جنت سے اُس کے حصے کو کھو دینے نے واجب کر دیا ہو۔ اس کے بعد کہے: ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾ (الاعراف: ۲۳) ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔'' بلاشبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اگر خطاؤں، گناہوں کو معاف نہ فرمایا تو وہ اس کے اثر اور ان کے انجام وسزا کو ضرور روک دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئندہ بندہ ان غلطیوں سے بچا رہے گا۔ اور اگر اس نے معاف نہ کیا تو ان برائیوں، گناہوں کے آثار بندے کو ضرور تکلیف پہنچاتے رہیں گے۔ جیسے کہ زہر آلود کھانے کے آثار ہوتے ہیں کہ اگر تریاق وغیرہ کے استعمال سے اپنا علاج کروانے والے نے اس کا تدارک نہ کیا تو یہ زہر اُسے تکلیف ضرور پہنچائے گا۔ یہ لازمی بات ہے۔ [2]

۱۲...... بلاشبہ دنیاوی زندگی کی مدت عارضی اور وقتی ہے۔ یہ زندگی کوئی حقیقی قیام گاہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ زندگی تو بلاشبہ ایک گزرگاہ ہے کہ جس پر چلتے ہوئے اُخروی زندگی کے لیے زادِ راہ تیار کرنا ہوتا ہے۔ یہ بات ہمیں اللہ کریم کے درج ذیل فرمان سے حاصل ہوتی ہے۔ فرمایا: ﴿وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝﴾...... ''اور تمہارے لیے زمین ایک وقت تک (یعنی مرنے تک) رہنے کا ٹھکانا اور فائدہ اُٹھانا ہے۔'' (الاعراف: ۲۴) [3]

---

[1] اليسر التفاسير، ج: ۱، ص: ۳۹.
[2] دیکھئے: بدائع التفسیر، جلد: ۲، صفحه: ۲۰۲.
[3] دیکھئے: تیسیر الكريم الرحمٰن للسعدي، ج: ۱، ص: ۵۳.

(۲)......سیّدنا نوح علیہ السلام کی بیوی کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اہل ایمان متقی، صالح لوگوں کی مصاحبت اور دوستی آدمی کے وقار و شرف میں اضافہ کا ذریعہ بھی بنتی ہے اور آدمی میں ایسے نیک لوگوں کے ذریعے خیر سے محبت کی نشو و نما بھی کرتی ہے۔ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: اَلرَّجُلُ عَلَى دِيْنِ خَلِيْلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ .)) [1]

''نبی مکرم ﷺ فرماتے تھے: آدمی اپنے جگری دوست کے دین و مذہب پر ہوتا ہے تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اس بات پر نظر رکھے؛ وہ کس سے دوستی لگا رہا ہے؟''

لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے کہ بعض لوگ بڑے شقی ہوتے ہیں، خیر و برکت اور اصلاح و تقویٰ سے محروم رہ جانے والے کہ جو نیک اور صالح لوگوں کی مصاحبت و دوستی سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ وہ اپنے نفس اور شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ کچھ اسی طرح کے لوگوں سے تعلق رکھنے والی ایک عورت کا واقعہ اللہ عزوجل قرآنِ حکیم میں ہماری نصیحت کے لیے بیان فرماتے ہیں۔ یہ عورت اللہ کے محبوب نبی اور رسول سیّدنا نوح علیہ السلام کی بیوی تھی۔ اس عورت کا ذکر سیّدنا نوح علیہ السلام کے ساتھ قرآنِ حکیم میں تین مقامات پر آیا ہے:

۱: اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ○ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ

---

[1] مسند الإمام أحمد، ج: ۳، ص: ۲۲٤ـ ۳۰۳ـ وسنن الترمذي، كتاب الزهد، باب: ٤٥، ج: ٤، ص: ٥٨٩، حديث: ۲۳۷۸ـ وقال الترمذي: حديث حسن غريب۔ وسنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب من يؤمر أن يجالس، ج: ٤، ص: ۲٥۹.

عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ حَتّٰى إِذَا جَآءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ إِلَّا قَلِيْلٌ ۝﴾ (هود: ٣٦۔٤٠)

''اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ تیری قوم میں سے کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا مگر جو ایمان لا چکا، پس تو اس پر غمگین نہ ہو جو وہ کرتے رہے ہیں۔ اور ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا اور مجھ سے ان کے بارے میں بات نہ کرنا جنھوں نے ظلم کیا، یقیناً وہ غرق کیے جانے والے ہیں۔ اور وہ کشتی بناتا رہا اور جب کبھی اس کے پاس سے اس کی قوم کے کوئی سردار گزرتے اس سے مذاق کرتے۔ وہ کہتا اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو تو ہم تم سے مذاق کرتے ہیں، جیسے تم مذاق کرتے ہو۔ پس تم جلد ہی جان لوگے کہ وہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب اترتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور ابل پڑا تو ہم نے کہا اس میں ہر چیز میں سے دو قسمیں (نر و مادہ) دونوں کو اور اپنے گھر والوں کو سوار کر لے، سوائے اس کے جس پر پہلے بات ہو چکی اور ان کو بھی جو ایمان لے آئے اور اس کے ہمراہ تھوڑے سے لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا۔''

ب: دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿فَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَآءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا إِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (المؤمنون: ٢٧۔٢٨)

''تو ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا، پھر جب ہمارا حکم آ جائے اور تنور ابل پڑے تو ہر چیز میں سے دو قسمیں (نر و مادہ) دونوں کو اور اپنے گھر والوں کو اس میں داخل کر لے، مگر ان میں سے وہ جس پر پہلے بات طے ہو چکی اور مجھ سے ان کے بارے میں بات نہ کرنا جنھوں نے ظلم کیا ہے، وہ یقیناً غرق کیے جانے والے ہیں۔ پھر جب تو اور جو تیرے ساتھ ہیں، کشتی پر چڑھ جاؤ تو کہہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات دی۔''

ج: تیسرے مقام پر یوں تذکرہ کیا ہے:

﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝﴾ (التحریم: ۱۰)

''اللہ نے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان کی، وہ ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، پھر انھوں نے ان دونوں کی خیانت کی تو وہ اللہ سے (بچانے میں) ان کے کچھ کام نہ آئے اور کہہ دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں آگ میں داخل ہو جاؤ۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

اَمْرُنَا: یعنی اے نوح! تمہاری قوم (بنی راسب) کو عذاب دے کر تباہ کرنے کا ہمارا فیصلہ۔ [1]

وَفَارَ التَّنُّوْرُ: الفور کا معنی ہوتا ہے: شدت سے اُبلنا۔ یہ کلمہ بالعموم آگ کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ جب وہ بھڑک اُٹھے یا پھر ہنڈیا کے بارے میں کہ جب وہ اُبلنے لگے۔ اور مجازاً غصہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ سورۃ الملک میں جہنم کے متعلق فرمایا گیا ہے: ﴿وَهِيَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾ ...... ''اور وہ ایسی بھڑک رہی ہوگی گویا اب جوش کے مارے (یا غصہ سے) کوئی دم میں پھٹ پڑتی ہے۔'' (آیت: ۷، ۸)

اور یہاں: وَفَارَ التَّنُّوْرُ ...... میں تنور سے مراد وہ معروف تندور ہے کہ جس میں روٹیاں پکانے کے لیے آگ جلائی جاتی ہے۔ مگر سیّدنا نوح علیہ السلام کے زمانے میں ان کے گھر جو تنور تھا زمین کے اوپر اُسے طوفان کا نشان بنا رکھا تھا کہ جب اس تنور سے پانی اُبلنا شروع ہو جائے تو اُس وقت کشتی میں سوار ہو جانا۔ تفسیر ابن عباس (رضی اللہ عنہما) میں ہے کہ تنور سے مراد رُوئے زمین ہے، یعنی ساری زمین چشمۂ آب بن گئی اور پانی اُبلنے لگا۔ جیسے کہ سورۃ القمر میں اس کی وضاحت یوں ہے:

﴿ وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝﴾ (القمر: ۱۲)

''اور زمین کو چشموں کے ساتھ پھاڑ دیا، تو تمام پانی مل (کر ایک ہو) گیا، اس کام کے لیے جو طے ہو چکا تھا۔'' [2]

---

[1] تفسیر الطبري، ج: ۱۸، ص: ۱۷.

[2] المفردات للراغب، ص: ۳۸۷۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ٤، ص: ۲٥٤۔ التسهيل لابن جزي، ج: ۲، ص: ۱۰٥۔ تفسير الطبري، ج: ۱۲، ص: ٤۰.

سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ: یعنی جس کے بارے میں پہلے سے اللہ عزوجل کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ ناکام ونامراد (بدبخت) ہوگا۔ اور بلاشبہ اس کی ہلاکت کافروں کے ساتھ ہوگی، یہاں اس سے مراد سیّدنا نوح علیہ السلام کا بیٹا اوران کی بیوی ہے۔ ❶ جیسا کہ سورۂ ھود میں اس کی وضاحت موجود ہے۔فرمایا:

﴿ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَ نَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَ كَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ○ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ○﴾ (هود: ٤٢-٤٣)

"اور وہ انھیں لے کر پہاڑوں جیسی موج میں چلی جاتی تھی، اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی اور وہ ایک علیحدہ جگہ میں تھا، اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہوجا اور کافروں کے ساتھ (شامل) نہ ہو۔ اس نے کہا میں عنقریب کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا، جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ کہا آج اللہ کے فیصلے سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر وہ رحم کرے اور دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی تو وہ غرق کیے گئے لوگوں میں سے ہوگیا۔"

بِأَعْيُنِنَا: ہماری آنکھوں کے سامنے۔ یعنی تمہارا کشتی کو بنانا ہمارے منظر میں رہے گا۔ ❷

وَوَحْيِنَا: یعنی جیسے ہم بتائیں ویسا اسے بنانے کے بارے میں ہماری تعلیم کے مطابق اسے بناؤ۔ ❸

فَاسْلُكْ: اس کشتی میں بٹھا لے، سوار کر لے۔ ❹

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا: کافروں کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی ہے۔ ایسے مواقع پر اس طرح کی مثالیں بیان کرنے کا مقصد کسی غیر متوقع صورتِ حال کو بیان کرنا ہوتا ہے، تاکہ حیرانگی میں اس واقعہ سے ملتے جلتے کسی اور واقعہ کے بارے میں معرفت و جان کاری حاصل ہو سکے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں موجود کافروں اور مشرکوں کی حالت بیان کرنے کے لیے دی ہے۔ تاکہ اُنھیں معلوم ہو سکے کہ کفر کے ساتھ کوئی نیکی کام نہیں آتی، حتیٰ کہ پیغمبر کی رشتہ داری بھی

---

❶ اضواء البیان، جلد: ٣، صفحہ: ٢٦

❷ تفسیر طبری، جلد: ١٨، صفحہ: ١٧.

❸ ایضاً۔ وروح المعانی للآلوسی، جلد: ١٨، صفحہ: ٢٦.

❹ تفسیر طبری، جلد: ١٨، صفحہ: ١٧.

فائدہ نہیں دیتی۔ ❶

عَبْدَیْنِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے سیّدنا نوح اور سیّدنا لوط علیہما السلام کے ناموں کی جگہ اس لفظ کو کنایۃً استعمال فرمایا ہے اور آگے: مِنْ عِبَادِنَا...... فرما کر ان کے وقار و شرف میں اضافہ فرمادیا ہے۔ اور اس بیان سے مقصود ان دونوں بزرگوں کی صلاح و تقویٰ والی اس صفت کو بیان کرنا ہے کہ جس کے ساتھ وہ برگزیدہ و ممتاز ہو جاتی ہیں کہ جنھیں اللہ ربّ العالمین نے اپنی رسالت و نبوت اور بندگی کے لیے چن رکھا ہوتا ہے۔ ❷

فَخَانَتَاهُمَا: خیانت سے مراد: راز والی باتوں میں عہد موثوق کو توڑ کر حق کی مخالفت کے ذریعے خیانت کرنا۔ اور یہاں ان دونوں عورتوں کی خیانت سے مراد دین حنیف کے بارے میں اُن کی خیانت تھی۔ ❸

سیّدنا نوح علیہ السلام کی بیوی کا تعارف:

اس عورت کا نام نہ تو قرآن میں ذکر ہوا ہے اور نہ ہی حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ البتہ مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ اس کا نام واعلۃ یا والعۃ تھا۔ ❹ ہمیں اس کے نام کی تحقیق و جستجو کرنے کی خاص ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر اس کا نام معلوم کرنے اور جاننے سے کچھ خاص فائدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے قرآن میں بیان کردیتے یا پھر اپنے حبیب و خلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ہمیں مطلع فرمادیتے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ عورت نوح علیہ السلام کے چاروں بیٹوں: حام، سام، یافث اور یام کی ماں تھی۔ ❺

واقعہ کی تفصیل:

سیّدنا نوح علیہ السلام کی یہ بیوی اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی کے پاک اور معزز گھرانے میں زندگی گزار رہی تھی۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بات کی تمنا رکھتے تھے کہ وہ آپ کے نقش قدم پر چلے اور آپ کے ساتھ قربت کی وجہ سے اُسے ان لوگوں میں ہونا چاہیے تھا جو آپ کی دعوت الی اللہ کو قبول کر کے اس کی اتباع کرنے میں سے صف اوّل کے لوگ تھے۔ جیسا کہ اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا معاملہ نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

❶ دیکھئے: تفسیر ابی السعود، جلد: ۸، صفحہ: ۲۶۹۔ وروح المعانی للآلوسی، جلد: ۲۸، صفحہ: ۱۶۲۔

❷ تفسیر البحر المحیط، جلد: ۸، صفحہ: ۲۹٤۔

❸ خیانت (چوری) سے مراد دینی خیانت ہے نہ کہ اخلاقی خیانت۔ عکرمہؒ اور ضحاکؒ کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی لوگوں سے کہا کرتی تھی یہ (حضرت نوح) دیوانہ ہیں اور حضرت لوط کی بیوی قوم کو اپنے گھر آنے والے مہمانوں کی خبر دیا کرتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ منافق تھیں۔ الغرض اس پر اجماع ہے کہ کسی نبی علیہ السلام کی بیوی نے بدکاری کا ارتکاب نہیں کیا۔ یہی چیز ابن عساکر کی ایک مرفوع روایت میں بھی آئی ہے۔ (شوکانی) مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: المفردات للراغب، صفحہ: ۱۶۳۔ والکشاف، جلد: ۴، صفحہ: ۱۳۱۔

❹ دیکھئے: تفسیر بغوی، جلد: ۲، صفحہ: ۳۸٤، جلد: ٤، صفحہ: ۳٦۸، وجلد: ۳، صفحہ: ۳۰۷۔

❺ دیکھئے: البدایہ والنہایہ، جلد: ۱، صفحہ: ۱۱۲

ساتھ تھا۔ مگر اس عورت نے اپنے خاوند محترم سیّدنا نوح علیہ السلام سے دینی خیانت کر کے کفر کا ارتکاب کیا اور آپ سے مخاصمت و معاندت کی۔ یہ عورت اپنے محترم خاوند (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر جنون کی تہمت دھرتی تھی کہ آپ (نعوذ باللہ) پاگل ہیں۔ اور اگر کوئی شخص آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم (بنو راسب) میں سے آپ پر ایمان لے آتا تو وہ اس کے بارے میں قوم کے جابر لوگوں کو جا کر اطلاع دے دیتی۔ اُس کی اپنے محترم و مکرم خاوند کے ساتھ خیانت کا یہی معنی ہے۔ ❶

یہ عورت اپنے کفر اور اپنی سرکشی پر ڈٹی رہی اور اس نے پوری زندگی اپنے محترم و مکرم خاوند سیّدنا نوح علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ اور پھر جب نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کو ہلاک کرنے کے بارے میں اللہ عزوجل کا فیصلہ آ گیا تو اس عورت کو اللہ کے انبیاء میں سے ایک نبی کی بیوی ہونے کے ناطے نے کوئی فائدہ نہ دیا۔ جبکہ وہ اپنے رب کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتی رہی تھی۔ چنانچہ وہ طوفان میں غرق ہو کر ہلاک ہونے والوں میں سے ہوگئی۔ آخرت میں اس سے کہا جائے گا: چل! تو بھی جہنم میں جانے والوں کے ہمراہ دوزخ میں جا داخل ہو۔ یوں اُس نے دنیا میں بھی خسارہ حاصل کیا اور آخرت میں بھی خسارہ پانے والوں میں سے ہوگئی۔ یہی تو واضح خسارہ اور کھلم کھلا نقصان ہے۔

بعض انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں کی خیانت کے معنیٰ ومفہوم کے بارے میں مسئلہ:

اُمت اسلامیہ کے تمام علماءِ عظام و ائمہ کرام رحمہم اللہ کے ہاں یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اللہ عزوجل نے انبیاء کرام اور اپنے برگزیدہ رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عزتوں کو محفوظ فرما کر ان کی ازواج کی زنا جیسی فواحش سے بچایا ہوا تھا۔ اور یہ کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعض بیویوں کی خیانت کے بارے میں اللہ ربّ العالمین نے جو خبر دے رکھی ہے تو بلاشبہ اس سے مراد دینی اُمور میں خیانت تھی نہ کہ بستر والی خیانت۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جناب نوح علیہ السلام کی بیوی اور جناب لوط علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''ان دونوں عورتوں نے زنا جیسے جرمِ عظیم کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ سیّدنا نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ لوگوں سے کہتی: نوح تو پاگل ہے۔ جبکہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا جرم یہ تھا کہ وہ اپنے گھر میں آئے ہوئے خوبصورت لڑکوں کے بارے میں جا کر لوگوں کو بتلا دیا کرتی تھی۔'' ❷

---

❶ دیکھئے: تفسیر طبری، جلد: ۲۸، صفحہ: ۱۶۹۔ تفسیر بغوی، جلد: ٤، صفحہ: ۳٦۸.

❷ تفسير الطبري، ج: ۲۸، ص: ۱٦۹، ۱۷۰۔ من طريق سفيان، عن موسى بن أبي عائشة، عن سليمان بن قيس، عن ابن عباس ورجاله ثقات.

امام الضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کسی بھی نبی کی بیوی نے کبھی بے حیائی والی سرکشی اختیار نہیں کی۔'' (ایضاً)

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ جو قرآن میں آیا ہے: ﴿فَخَانَتَاهُمَا﴾...... ان دونوں عورتوں (نوح اور لوط علیہما السلام کی عورتوں) نے ان دونوں پیغمبروں کی خیانت کی تھی۔ تو اس سے مراد ہے: دینی اُمور و مسائل میں خیانت۔'' (ایضاً)

جناب فضیلۃ الشیخ الشنقیطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مذکور بالا معنی سے نبی مکرمؐ کی ازواجِ مطہرات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور سے شادی کرنے کو حرام قرار دینے کا معنی معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے درج ذیل فرمان کے موجب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجۂ محترمہ رضی اللہ عنہا کا آپ کے ساتھ نکاح ہو کر آپ کے ہمراہ ایک وقت گزار لینے کے بعد (طلاق لے کر) کسی اور سے شادی کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دے گا۔ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴾ (الاحزاب: ۵۳)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھروں میں مت داخل ہو مگر یہ کہ تمھیں کھانے کی طرف اجازت دی جائے، اس حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو اور لیکن جب تمھیں بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، پھر جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور نہ (بیٹھے رہو) اس حال میں کہ باتوں میں دل لگانے والے ہو۔ بے شک یہ بات ہمیشہ سے نبی کو تکلیف دیتی ہے، تو وہ تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ حق سے شرم نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمھارا کبھی بھی حق نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ اس کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو۔ بے شک یہ بات ہمیشہ سے اللہ کے نزدیک بہت بڑی ہے۔'' [1]

---

[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ پر لوگوں کو دعوت دی۔ جب کھانا کھا چکے تو بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھنے کے لیے تیار ہوئے مگر کچھ لوگ پھر بھی بیٹھے رہے۔ حتیٰ کہ تیار ہوئے مگر کچھ لوگ پھر ⇦⇦⇦

دیکھیے! جب ازواجِ مطہرات سے کسی صحابی کا بغیر اوٹ کے کوئی سوال کرنا آپ ﷺ کو تکلیف دیتا ہے، تو آپ ﷺ کے بعد ان سے کسی کا نکاح کرنا اللہ عزوجل کے ہاں اور بھی بڑی بُری بات ہوگی۔ بلاشبہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ ومقام اللہ ربّ العالمین کے ہاں اس سے بھی بہت بڑا ہے۔ ❶

اس واقعہ سے ماخوذ احکام:

۱...... ﴿كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا﴾ ...... سے مرد کا عورت پر محافظ ونگران کا رہنا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہاں لفظ "تَحْت" دوسرے سے کم درجہ ہونے کا مفہوم واضح کررہا ہے۔

۲...... اس واقعہ سے دوسرا حکم ہمیں خیانت کے ممنوع وحرام ہونے کا ملتا ہے۔ بلاشبہ سیّدنا نوح علیہ السلام کی بیوی کے لیے عذاب کا سبب، اس کی اپنے خاوند محترم سے خیانت ہی تو تھی۔

۳...... اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان سے جیسا کہ معلوم ہوتا ہے، کافروں سے تعلقات ختم کرنا اور ان سے برأت کا اظہار کرنا واجب ہے، چاہے ان کے ساتھ کتنا ہی قریبی رشتہ اور تعلق کیوں نہ ہو۔ فرمایا:

﴿حَتّٰى إِذَا جَآءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ط وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ إِلَّا قَلِيْلٌ ۝﴾

(ھود: ۴۰)

⇐⇐⇐ بھی بیٹھے رہے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ اُٹھ کر چلے گئے۔ آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ تین شخص ابھی تک بیٹھے باتوں میں مشغول ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے۔ آخر جب وہ لوگ چلے گئے تو میں نے آپ ﷺ کو اطلاع دی اور آپ ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (شوکانی) اس آیت کو آیت حجاب (پردہ کی آیت) کہا جاتا ہے۔ یہ پردہ کا مسئلہ اس آیت میں دوسرا مسئلہ ہے۔ روایات صحیحہ میں ہے کہ آیت حجاب کا نزول بھی منجملہ ان باتوں کے ہے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ربّ کی موافقت پائی ہے۔ صحیحین میں مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:..... بہتر ہے کہ آپ ﷺ انھیں (ازواج کو) پردہ کا حکم فرمائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ ذوالقعدہ ۵ ہجری کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شب زفاف کی صبح کو نازل ہوئی۔ لہٰذا اصل سبب نزول حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت کی ازواج کے گھروں پر پردے لٹکا دیے گئے۔ (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج کسی مرد کے سامنے نہ جائیں۔ کیونکہ وہ دنیا وآخرت میں آنحضرت ﷺ کی بیویاں اور تمہاری مائیں ہیں جیسا کہ آغاز سورۃ میں گزر چکا ہے، مگر یہ حکم ان ازواج کا ہے جن کو آپ ﷺ نے طلاق دے کر الگ نہیں کیا تھا اور آپ ﷺ کی زندگی تک آپ ﷺ کے حرم میں رہیں۔ یہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی حرم ہیں، جن سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے۔ (قرطبی) اس آیت میں ان لوگوں کے لیے وعید ہے جن کی طرف آیت ﴿ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ﴾ اور ﴿مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ میں اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی اگر تم آنحضرت ﷺ یا آپ کی ازواج مطہرات کے متعلق دل میں کوئی برا خیال رکھو گے تو اللہ تعالیٰ سے چھپا نہ رہے گا اور تمھیں اس کی ضرور سزا ملے گی۔ فهذه الاية منعطفة على ما قبلها۔ (قرطبی)

❶ دیکھیے: اضواء البیان، جلد: ۸، صفحہ: ۳۸۱۔

''یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور ابل پڑا تو ہم نے کہا اس میں ہر چیز میں سے دو قسمیں (نر اور مادہ) دونوں کو اور اپنے گھر والوں کو سوار کر لے، سوائے اس کے جس پر پہلے بات ہو چکی اور ان کو بھی جو ایمان لے آئے اور اس کے ہمراہ تھوڑے سے لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ سیّدنا نوح علیہ السلام کو منع کر دیا گیا کہ وہ کشتی میں اپنے ساتھ اپنی بیوی اور اپنے بیٹے کو سوار نہ کریں۔ ایک اور مقام پر اللہ ربّ العالمین ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۙ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۙ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۙ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۙ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ (المجادلة: ۲۲)

''تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کا خاندان۔ یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور انھیں اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ قوت بخشی ہے اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں، یاد رکھو! یقیناً اللہ کا گروہ ہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔''

۴..... اللہ کے رسولوں کی دعوت الی اللہ کو قبول کر کے ایمان و اسلام کو اختیار کرنا واجب ہے اور یہ بات ہمیں نوح علیہ السلام کی بیوی کے انکار سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ اسی جرم کی بنا پر ہلاک ہو گئی۔

۵..... اللہ عزوجل کے فرمانِ گرامی: ﴿وَأَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ سے یہ حکم معلوم ہوا کہ بیوی بھی اہل میں سے ہوتی ہے۔ (دیکھئے: الاکلیل، صفحہ: ۱۵۱)

۶..... اللہ ربّ العالمین کے درج ذیل فرمان سے معلوم ہوا کہ: جو شخص کفر کی حالت پر مرے گا وہ قطعی طور پر جہنم میں جائے گا۔ فرمایا: ﴿وَقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝﴾ اور ان دونوں عورتوں (نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں) کے لیے یہ حکم ہوا کہ جہنم میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ۔''

۷: لفظ ﴿إِمْرَاَةَ نُوْحٍ﴾ اور درجِ ذیل آیت کریمہ سے یہ حکم بھی معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی کافر عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے۔ فرمایا:

﴿ اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝﴾

(المائدۃ: ۵)

''آج تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے جنھیں کتاب دی گئی اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور مومن عورتوں میں سے پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جب تم انھیں ان کے مہر دے دو، اس حال میں کہ تم قید نکاح میں لانے والے ہو، بدکاری کرنے والے نہیں اور نہ چھپی آشنائیں بنانے والے اور جو ایمان سے انکار کرے تو یقیناً اس کا عمل ضائع ہوگیا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہے۔'' [1]

واقعہ سے مستفاد دُروس و اسباق:

۱ ...... خاوند کا اپنی بیوی پر اعتماد کرنا، اس عورت کا صرف بیوی ہونا کافی نہیں ہوتا، بلکہ عورت خاوند کے دینی، اسلامی اور دعوتی منہج کو بھی سمجھے۔ دیکھ لیجیے! سیّدنا نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی بیوی اس طرح کی ذمہ داری کو ادا نہ کرتے ہوئے خیانت کا ارتکاب کر بیٹھی اور جہنم میں چلی گئی۔ اللہ ربّ العالمین کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾ (التغابن: ۱۴)

---

[1] یعنی ان سے نکاح کرنا درست ہے چاہے وہ اپنے دین پر قائم رہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ پاکدامن ہوں نہ کہ آزاد منش اور آوارہ قسم کی، جو انسان کے ایمان کو بھی تباہ کر ڈالیں۔ جمہور کے نزدیک یہاں اَلْمُحْصَنَاتِ سے یہی معنی مراد ہیں، تاکہ حشفاو سوء کیلة (ردّی کھجور اور برا ماپ) کی ضرب المثل صادق نہ آئے۔ (ابن کثیر) گویا دوسری مشرک عورتوں سے ان کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس آیت کے تحت کتابی عورتوں سے نکاح کر رکھے تھے، مگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صرف ''موحدہ کتابیہ'' سے نکاح جائز سمجھتے تھے۔ (شوکانی) اس آیت میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا صرف جائز ہے، مستحب اور مستحسن نہیں ہے اور یہ کہ جو شخص اس اجازت سے فائدہ اُٹھائے اسے اپنے ایمان کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی غیر مسلم بیوی سے متاثر ہو کر اپنے ایمان و اخلاق سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک تمھاری بیویوں اور تمھارے بچوں میں سے بعض تمھارے دشمن ہیں، سو ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' ❶

۲...... اس واقعہ سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ اللہ عزوجل کے صالح بندوں کو بعض تکلیفوں کے ذریعے ڈرا کر ان کے ربّ کریم کی طرف سے عنایت و مہربانی کی جاتی ہے اور ان سے دفاع کیا جاتا ہے۔ دیکھ لیجیے جب نوح علیہ السلام کی بیوی نے اپنے محترم و مکرم خاوند سے عداوت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنے بندے نوح کا انتقام لے لیا۔ ❷

۳...... ہر وہ شخص کہ جو معصیت و نافرمانی کا ارتکاب کرے، اللہ کے حکم کی مخالفت کرے اور اس بات کی اُمید رکھے کہ اسے دوسرے کی صلاح فائدہ دے گی تو اللہ عزوجل کے درج ذیل فرمان سے یہ سبق ملتا ہے کہ اس کے ایسے ہر طمع و لالچ کو منقطع کر دیا جاتا ہے۔ فرمایا: ﴿فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ ......''چنانچہ نوح اور لوط علیہما السلام کی دونوں بیویوں نے اپنے خاوندوں سے خیانت کی، تو ان کے خاوند اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کے کچھ کام نہ آئے۔''

۴...... جب آدمی خود صالح (توحید و سنت پر پختہ) نہ ہو تو اُسے کسی بھی اللہ کے صالح بندے کی قربت فائدہ نہیں دے سکتی۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ ❸

۵...... بیوی کا اپنے خاوند کی خیانت کرنا بہت بڑا قبیح فعل ہے۔ اس لیے کہ بلاشبہ قرآن کریم نے سیّدنا نوح علیہ السلام کی بیوی کے کفر کو ان کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا ہے۔ جبکہ جناب نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی کافر تھا، مگر اس کے بارے میں قرآن کے اندر یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ اپنے والد کا خائن تھا۔

۶......﴿فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ صرف مومن آدمی ہی توحید، زہد

❶ بعض اوقات آدمی بیوی بچوں کی محبت میں پھنس کر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو بھلا دیتا ہے اور اپنی آخرت تباہ کر لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو اہل و عیال اس تباہی کا باعث بنیں، ان سے بڑھ کر آدمی کا کوئی دشمن نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے دشمنوں سے ہوشیار رہو، ایسا نہ ہو کہ تم ان کی محبت میں پڑ کر اپنی آخرت تباہ کر لو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں کچھ لوگ تھے جو مسلمان ہو چکے تھے اور ہجرت کر کے مدینہ آنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کے بیوی بچوں نے انھیں ہجرت کرنے سے باز رکھا۔ پھر جب وہ (آخر کار) ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے اور انھوں نے دیکھا کہ دوسرے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر دین کا خوب علم حاصل کر چکے ہیں تو انھیں سخت افسوس ہوا اور انھوں نے اپنی بیوی بچوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (شوکانی) دیکھیے: تفسیر فخر الدین الرازی، جلد: ۳۰، صفحہ: ۵۰۔

❷ دیکھیے: التحریر والتنویر لابن عاشور، ج: ۲۸، ص: ۳۷۵.

❸ دیکھیے: تفسیر ابن قیم رحمہ اللہ، صفحہ: ٤٩٦۔ وتفسیر قرطبی، جلد: ۱۸، صفحہ: ۲۰۲

وتقویٰ اور عمل صالح میں اپنے سے بڑھ کر زیادہ کامل شخصیت سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ بدکردار اور مشرک و بدعتی ہرگز نہیں۔ مذکور بالا الفاظ سے معلوم ہوا کہ اگر سیّدنا نوح اور سیّدنا لوط علیہما السلام کی بیویاں مومن، مسلمان ہوتیں تو انھیں اللہ ربّ العالمین کے انبیاء کرام میں سے دو نبیوں کی بیویاں ہونا ضرور فائدہ دیتا۔ اسی مفہوم میں اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی قدر ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝﴾ (الطور: ۲۱)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد کسی بھی درجے کے ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان سے ان کے عمل میں کچھ کمی نہ کریں گے، ہر آدمی اس کے عوض جو اس نے کمایا گروی رکھا ہوا ہے۔'' [1]

❁❁❁❁❁❁

[1] یعنی اولاد کے ساتھ آ ملنے سے یہ نہیں ہوگا کہ اُن کے کسی عمل کا ثواب کم ہو جائے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل و کرم ہوگا کہ ان کی اولاد گو درجات میں کم ہوگی لیکن ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کے لیے انہی کے درجہ میں رکھی جائے گی، بشرطیکہ وہ انہی کے راستہ پر چلنے والی ہو۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی جب جنت میں داخل ہوگا تو اپنے والدین، بیوی اور اولاد کے بارے میں دریافت کرے گا۔ اس سے کہا جائے گا کہ وہ تیرے درجہ اور عمل کو نہیں پہنچے۔ وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ! میں نے تو اپنے لیے اور ان کے لیے عمل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ انھیں بلند درجہ دے کر اُن کے ساتھ ملا دیا جائے۔'' اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی۔ (شوکانی وتفسیر الثوری: ۲۸۳ والمصباح المنیر ص۱۳۲۲) اسی طرح نیک اولاد کی وجہ سے ماں باپ کے درجات میں بھی بلندی ہوگی۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند فرمائے گا۔ وہ عرض کرے گا: ''یہ بلند درجہ مجھے کیسے مل گیا؟'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تیرے لڑکے کے تیرے لیے استغفار کی وجہ سے۔'' (شوکانی مسند الامام احمد: ۵۰۹/۲)

(۳)......سیّدنا لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

بعض زمان و مکان میں دنیا کے اندر کوئی ایسی بیوی بھی ہوتی ہے کہ جو اپنے خاوند کی دشمن ہو۔ حالانکہ اس کا خاوند دنیا کے پرہیزگار ترین بندوں میں سے انتہائی متقی اور اللہ کے نبیوں میں سے ایک پیغمبر ہوتا ہے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں سورۃ التغابن کی آیت نمبر: ۱۴ کے معنی و مفہوم کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ﴾ ......''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، مسلمانو! (ہوشیار رہو) تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد ہی میں بعض تمہارے دشمن ہوتے ہیں۔ اس لیے اُن سے خبردار رہو۔'' تو ...... جیسا کہ آیت کریمہ کے مفہوم سے واضح ہے یہ دشمن والا وصف بعض عورتوں میں ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اسی جنس سے تعلق رکھنے والی عورتوں میں سے ایک عورت کے بارے میں ایک اور عورت کا ہمیں واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ عورت بھی اپنے خاوند کے لیے نہایت بری ساتھی ثابت ہوئی۔ اس نے اپنے خاوند کے خلاف قوم کے خبیث ترین لوگوں کی بھرپور مدد کی تھی۔ بلکہ اُس نے تو پورے اصرار سے اپنے خاوند کے ساتھ دشمنی کی تھی۔ حتیٰ کہ وہ وقت آن پہنچا جب اللہ الجبار نے اُس سے انتقام لے لیا۔ یہ تھی سیّدنا لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی والہہ۔

قرآنِ حکیم میں اس عورت کے تذکرہ سمیت آٹھ مقامات پر اس کا اور اس کی قوم کا واقعہ بیان ہوا ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

اللہ ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

﴿ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ﴾ (الاعراف: ۸۰۔۸۴)

''اور لوط کو (بھیجا)، جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے نہیں کی۔ بے شک تم تو عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت سے آتے ہو، بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔ اور اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انھوں نے کہا انھیں اپنی بستی سے نکال دو، بے شک یہ ایسے لوگ ہیں جو بہت پاک بنتے ہیں۔ تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بچا لیا مگر اس کی بیوی، وہ پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔ اور ہم نے ان پر بارش برسائی، ایک زبردست بارش۔ پس دیکھ مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟'' ❶

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝﴾ (هود: ٧٧۔٨٣)

''اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آئے، وہ ان کی وجہ سے مغموم ہوا اور ان سے دل تنگ ہوا اور اس نے کہا یہ بہت سخت دن ہے۔ اور اس کی قوم (کے لوگ) اس کی طرف بے اختیار

❶ عربی انساب کی کتابوں اور بائبل کی کتاب پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ کتاب پیدائش میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان کے والد کا نام حاران تھا اور وہ بابل کے ایک شہر میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد حضرت لوط بھی اپنے چچا حضرت ابراہیم کے ساتھ عراق سے نکل کھڑے ہوئے اور کچھ مدت تک شام و فلسطین میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آخر کار حضرت ابراہیم نے انھیں مستقل طور پر شرق اُردن کے علاقہ میں سکونت رکھنے کا حکم دیا تا کہ وہاں کی بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کی جائے۔ اس علاقہ کا صدر مقام سدوم تھا جو بحیرہ مردار کے قریب کسی جگہ پر واقع تھا۔ سدوم کے علاوہ اس علاقہ میں چار اور بڑے شہر تھے اور وہ سب کے سب نہایت آباد اور زرخیز تھے۔ اہل سدوم کو اس لحاظ سے حضرت لوط کی قوم کہا گیا ہے کہ وہ ان کی طرف مبعوث تھے یا شاید ان کا ان سے سسرالی کا رشتہ ہوگا۔

دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے اور وہ پہلے سے برے کام کیا کرتے تھے۔ اس نے کہا اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں، یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں، تو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں؟ انھوں نے کہا بلاشبہ یقیناً تو جانتا ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں اور بلاشبہ یقیناً تو جانتا ہے ہم کیا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا کاش! واقعی میرے پاس تمھارے مقابلہ کی کچھ طاقت ہوتی، یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا۔ انھوں نے کہا اے لوط! بے شک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، یہ ہرگز تجھ تک نہیں پہنچ پائیں گے، سو اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے کر چل نکل اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر تیری بیوی۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اس پر وہی مصیبت آنے والی ہے جو ان پر آئے گی۔ بے شک ان کے وعدے کا وقت صبح ہے، کیا صبح واقعی قریب نہیں۔ پھر جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اس کے اوپر والے حصے کو اس کا نیچا کر دیا اور ان پر تہ بہ تہ کھنگر کے پتھر برسائے۔ جو تیرے رب کے ہاں سے نشان لگائے ہوئے تھے اور وہ ان ظالموں سے ہرگز کچھ دور نہیں۔'' [1]

[1] ''بَنَاتِیْ'' (بیٹیوں) سے مراد ان لوگوں کی اپنی عورتیں ہیں کیونکہ نبی اپنی قوم کے لیے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے اور قوم کی ساری عورتیں نبی کی بیٹیاں ہوتی ہیں، جیسا کہ نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ (احزاب: ٦) یہی تفسیر راجح ہے۔ بعض نے لوط علیہ السلام کی اپنی بیٹیاں بھی مراد لی ہیں کہ ان سے شادی کر لو۔ (کمافی الموضح) اور تو جانتا ہے ہم جو کرنا چاہتے ہیں، یعنی ہمیں عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، ہم تو اس بدکاری کے خوگر ہو چکے ہیں۔ (ابن کثیر) ان کے اس جواب سے ان کی خباثت کا پورا نقشہ سامنے آ جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کو اس عذاب کا مستحق کیوں سمجھا گیا جو ان کے علاوہ اور کسی قوم پر نازل نہیں کیا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام اس قوم میں ایک طرح سے اجنبی تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اہل سدوم کی اصلاح پر مقرر فرمایا تھا۔ اس بنا پر انھوں نے دھمکی کے طور پر ان سے کہا کہ اگر میرا کوئی زبردست کنبہ یہاں ہوتا تو تم سے نبٹ لیتا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی زبان سے یہ الفاظ پریشانی کی حالت میں بے ساختہ نکل گئے ورنہ ان کو اللہ تعالیٰ کا سہارا ہی کافی تھا۔ حدیث میں آیا ہے: ''اللہ تعالیٰ لوط پر رحم فرمائے کہ وہ زبردست آسرا یعنی اللہ کا سہارا رکھتے تھے۔ اُن کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی بھیجا وہ اپنی قوم میں ایک کنبہ رکھتا تھا۔'' (ابن کثیر) فرشتوں نے یہ جو کہا: وہ ہرگز تیرے پاس پھٹک نہ سکیں گے، تو مراد یہ ہے کہ جب فرشتوں نے دیکھا کہ حضرت لوط علیہ السلام بالکل عاجز آ گئے ہیں اور اپنی قوم کے بدکاروں کو روک نہ سکنے کی وجہ سے سخت رنجیدہ ہیں تو انھوں نے ظاہر کر دیا کہ ہم فرشتے ہیں۔ پیچھے سے عذاب کی بناء پر شور اور دھماکوں کی آواز بھی آئے تب بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھو بلکہ اس علاقہ سے جلد از جلد نکل جانے کی فکر کرو۔ اسے ساتھ نہ لے جاؤ کیونکہ وہ کافر ہے یا وہ پیچھے مڑ کر دیکھے گی۔ علمائے تفسیر کا بیان ہے کہ جب حضرت لوط علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے چل دیے تو اُن کی بیوی بھی ساتھ تھی، لیکن جب عذاب نازل ہونے کی آوازیں آنے لگیں تو وہ پیچھے مڑ کر اپنی قوم کی تباہی پر افسوس کرنے لگی۔ ایک پتھر اس پر بھی آ کر گرا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔ یہ مطلب اس صورت میں ہو سکتا ہے جب ﴿اِلَّا امْرَاَتَكَ﴾ کا استثناء لا یلتفت سے ہو۔ مگر اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ وہ ساتھ ہی نہیں گئی تھی بلکہ اپنی قوم کے ساتھ رہتے ہوئے وہیں ہلاک ہو گئی تھی۔ اس صورت میں یہ استثناء ''فاسر باهلك'' سے ہوگا۔ (ابن کثیر)

ایک تیسرے مقام پر فرمایا:

﴿ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝﴾ (الحجر: ٥٧۔٦٦)

”اس نے کہا تو اے بھیجے ہوؤ! تمھارا معاملہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ سوائے لوط کے گھر والوں کے کہ یقیناً ہم ان سب کو ضرور بچا لینے والے ہیں۔ مگر اس کی عورت، ہم نے طے کر دیا ہے کہ بے شک وہ یقیناً پیچھے رہنے والوں سے ہے۔ پھر جب لوط کے گھر والوں کے پاس بھیجے ہوئے آئے۔ تو اس نے کہا تم تو ایسے لوگ ہو جن کی جان پہچان نہیں۔ انھوں نے کہا بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں وہ شک کیا کرتے تھے۔ اور ہم تیرے پاس حق لے کر آئے ہیں اور بلاشبہ ہم یقیناً سچے ہیں۔ پس تو اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے چل اور خود ان کے پیچھے پیچھے چل اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے اور چلے جاؤ جہاں تمھیں حکم دیا جاتا ہے۔ اور ہم نے اس کی طرف اس بات کی وحی کر دی کہ بے شک ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہی کاٹ دی جانے والی ہے۔“

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ۝ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَّمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (الشعراء: ١٦٨۔١٧٤)

”اس نے کہا بے شک میں تمھارے کام سے سخت دشمنی رکھنے والوں سے ہوں۔ اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو اس سے نجات دے جو یہ کرتے ہیں۔ تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی۔ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں سے تھی۔ پھر ہم نے دوسروں کو

ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے ان پر بارش برسائی، زبردست بارش۔ پس ان لوگوں کی بارش بری تھی جنھیں ڈرایا گیا تھا۔ بے شک اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان والے نہیں تھے۔''

سورۃ النمل میں یوں بیان ہے:

﴿وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ۝ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ۝ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ۝﴾ (النمل: ٥٤۔٥٨)

''اور لوط کو جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کو آتے ہو، جب کہ تم دیکھتے ہو۔کیا بے شک تم واقعی عورتوں کو چھوڑ کر شہوت سے مردوں کے پاس آتے ہو، بلکہ تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت برتتے ہو۔تو اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انھوں نے کہا لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو، بلا شبہ یہ ایسے لوگ ہیں جو بہت پاکباز بنتے ہیں۔تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بچا لیا مگر اس کی بیوی۔ ہم نے اسے پیچھے رہنے والوں میں طے کر دیا تھا۔اور ہم نے ان پر بارش برسائی، زبردست بارش، سو بری بارش تھی ان لوگوں کی جو ڈرائے گئے تھے۔''

سورۃ العنکبوت میں یہی بیان اس طرح سے آیا ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُو أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ۝ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۚ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ وَلَمَّا أَن جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَلَقَد تَّرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝﴾

(العنکبوت: ٣١۔٣٥)

''اور جب ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے تو انھوں نے کہا یقیناً ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، بے شک اس کے رہنے والے ظالم چلے آئے ہیں۔ اس نے

کہا اس میں تو لوط ہے۔ انھوں نے کہا ہم اسے زیادہ جاننے والے ہیں جو اس میں ہے، یقیناً ہم اسے اور اس کے گھر والوں کو ضرور بچالیں گے، مگر اس کی بیوی، وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔ اور جیسے ہی ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آئے وہ ان کی وجہ سے مغموم ہوا اور ان کے سبب دل میں تنگ ہوا اور انھوں نے کہا نہ ڈر اور نہ غم کر، بے شک ہم تجھے اور تیرے گھر والوں کو بچانے والے ہیں مگر تیری بیوی، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔ بے شک ہم اس بستی والوں پر آسمان سے ایک عذاب اتارنے والے ہیں، اس وجہ سے جو وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس سے ان لوگوں کے لیے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی جو عقل رکھتے ہیں۔''

سورۃ الصافات میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح سے ہے:

﴿ وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ ٥ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ٥ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ٥ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ٥ وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ ٥ وَبِاللَّيْلِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ٥﴾ (الصافات: ١٣٣-١٣٨)

''اور بلاشبہ لوط یقیناً رسولوں میں سے تھا۔ جب ہم نے اسے اور اس کے سب گھر والوں کو نجات دی۔ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔ اور بلا شبہ تم یقیناً صبح جاتے ہوئے ان پر سے گزرتے ہو۔ اور رات کو بھی۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں؟''

مشکل الفاظ کے معانی:

اَلْغَابِرِيْنَ: پیچھے رہ جانے والے۔ یہ لفظ اس معنی میں بھی آتا ہے کہ کوئی آدمی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تھوڑا سا چل کر رُک جائے۔ یہ لفظ الٹ معانی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ❶

اللہ کریم نے یہاں مِنَ الْغَابِرِيْنَ فرمایا ہے، مِنَ الْغَابِرَاتِ نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہاں پر یہ ہے کہ: لوط علیہ السلام کی بیوی والہہ ان لوگوں میں سے تھی جو مردوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے تھے۔ چنانچہ جب اس کا بیان مردوں کے ذکر کے ساتھ ملا کر کیا گیا تو کہا گیا: مِنَ الْغَابِرِيْنَ۔ ❷

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ: رات کے وقت چلنے کے معنی میں یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے۔ ❸

---

❶ دیکھئے: القاموس الوحید، ص: ١١٥٢ - تفسیر الطبري، ج: ٨، ص: ٢٣٦ - تفسیر البغوي، ج: ٢، ص: ١٨٠ - المفردات للراغب، ص: ٣٥٧ - التسهیل لإبن جزي، ج: ٢، ص: ١٤٧.

❷ تفسیر الطبري، ج: ٨، ص: ٢٣٦.

❸ ایضاً، جلد: ١٢، صفحہ: ٨٩

بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ: یعنی رات کے باقی حصے میں۔ ❶

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ: یعنی تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ ❷

اس عورت کا تعارف:

احادیث صحیحہ اور قرآنِ حکیم میں اس عورت کا نام بالصراحت کہیں بھی مذکور نہیں ہے۔ البتہ مؤرخین نے اس کا نام کہیں: ھیشفع ذکر کیا ہے، کہیں واھلہ اور کہیں پر والہہ۔ ❸ ایسی عورت کے نام کی جانچ پڑتال کرنے سے کچھ خاص فائدہ بھی نہیں ہے۔ قرآن وسنت میں کہیں ذکر نہیں، اگر ضروری ہوتا تو بیان ہو جاتا۔

واقعہ کی تفصیل:

جیسا کہ آپ نے پچھلے صفحات میں پڑھ لیا ہے کہ قرآنِ حکیم نے اس عورت اور اس کی قوم کا مختلف مقامات پر مفصل ذکر کیا ہے۔ یعنی اس ظالم اور اپنے ربّ کے ساتھ دشمنی کرنے والی اپنے محترم ومکرم خاوند کی بھی دشمن کا تذکرہ۔ اور وہ اس طرح کہ والہہ (لوط علیہ السلام کی بیوی) نے دین کے معاملے میں اپنے محترم خاوند کی خیانت کی اور اس نے جنابِ لوط علیہ السلام کے تمام اہل خانہ میں سے اکیلی نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ قوم کے لوگوں نے جناب لوط علیہ السلام کو منع کر رکھا تھا کہ وہ اپنے گھر میں کسی مہمان کو ٹھہرنے نہیں دیں گے۔ مگر آپ علیہ السلام اپنے مہمانوں کو ان سے چھپا کر رکھا کرتے تھے۔ یہ ظالم ایسی تھی کہ: اگر گھر میں کوئی خوبصورت مہمان آ جاتا تو جا کر قوم کو خبر دے دیتی۔ اس کی عمر گزرتے گزرتے بڑی ہوگئی تھی مگر یہ اپنی اسی چال پر قائم تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانِ گرامی: ﴿إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ﴾ سے معلوم ہو رہا ہے۔

چنانچہ اس کے معاملے میں بھی عذاب کا وہی فیصلہ ہوا جو اس کی قوم کے بارے میں دنیا کے اندر ہی کر دیا گیا تھا۔ اور یہ اس کا اپنی قوم کے ساتھ گناہ پر ان کی معاونت کی وجہ سے ہوا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر جناب لوط علیہ السلام کو خبر دے دی تھی کہ ان کی بیوی کو اس کی قوم کے ساتھ عذاب سے دوچار کر دیا جائے گا۔ ❹

سورۂ ھود کی آیت نمبر: ۸۱ میں یہ جو اللہ ربّ العالمین نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ

---

❶ تفسیر غریب القرآن، صفحہ: ۲۰۷۔ تفسیر طبری، جلد: ۱۲، صفحہ: ۸۹.

❷ طبری، جلد: ۱۲، صفحہ: ۹۳.

❸ دیکھئے: تفسیر طبری، جلد: ۲۳، صفحہ: ۹۷۔ تفسیر بغوی، جلد: ٤، صفحہ: ۳٦۸.

❹ دیکھئے: تفسیر الطبري، ج: ۲۸، ص: ۱٦۹۔ تفسیر البغوي، ج: ٤، ص: ۳٦۸۔ تفسیر الطبري، ج: ۲۰، ص: ۱٤۷۔ تیسیر الکریم الرحمٰن للسعدي، ج: ۲، ص: ۳۸۱۔ دعوة الرسل إلى الله تعالیٰ للعدوي، ص: ۷۲۔ تفسیر الطبري، ج: ۱۲، ص: ۸۹.

اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ﴾ ...... ''تو ایسا کر کہ (اے لوط!) اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر کچھ رات رہی یہاں (علاقۂ غور زغر) سے چل دے اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر صرف تیری بیوی۔ اس کو بھی وہی عذاب ہوگا جو ان لوگوں کو ہوگا۔'' تو اس حوالے سے پیچھے حاشیہ میں تفصیل بیان ہو چکی ہے جو کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے۔ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بالکل اسی معنی کی تفسیر اپنی کتاب میں کی ہے۔ ❶

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر مفسرین (ابوحیان، شنقیطی رحمہم اللہ) کے مقابلے میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ لوط علیہ السلام کی بیوی والہہ اپنی قوم کے ساتھ پیچھے رہ گئی تھی، وہ آپ کے ہمراہ نکلی ہی نہ تھی۔ اور یہ کہ سیّدنا لوط علیہ السلام نے اسے درحقیقت بتلایا ہی نہ تھا کہ اس کی قوم کے بارے میں اللہ ذوالجلال کا کیا فیصلہ آ چکا ہے۔ ❷

آپ رحمہ اللہ نے '' اَلْغَابِرِيْنَ '' سے مراد '' اَلْبَاقِيْنَ ''لیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: بعض مفسروں نے '' مِنَ الْغَابِرِيْنَ '' کی تفسیر '' اَلْهَالِكِيْنَ '' سے کی ہے۔ یہ تفسیر باللازم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اس کے چلنے کے بارے میں خبر دی ہے اور وہ یہ کہ اس سے کہا جائے گا: ﴿أُدْخُلِي النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِيْنَ﴾ چل تو بھی جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ اس میں داخل ہو جا۔'' اسی بنا پر وہ اللہ کی رحمت سے دور ہٹا دیے جانے والے شقی قسم کے لوگوں میں سے ہوگئی۔ اور یہ کہ دُنیا جہان میں اس کے معاملے کو رسوا کر دیا گیا اور وہ اس طرح کہ اس کا واقعہ و معاملہ (کہ جو نہایت برا تھا) اللہ کی کتاب مبین (قرآنِ مجید) میں بیان کر دی گئی اور یہ واقعہ تا قیامت اللہ ربّ العالمین کی طرف سے اس کتابِ عظیم میں محفوظ کر دیا گیا۔

اسرائیلی روایات:

سیّدنا لوط علیہ السلام کی بیوی (والہہ) کے واقعہ سے متعلق بہت ساری اسرائیلی روایات کتابوں میں ذکر ہوئی ہیں، جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم یہاں بالا جمال کر دیتے ہیں۔

۱..... روایت کیا گیا ہے کہ جب لوط علیہ السلام کے مہمان فرشتے انسانوں کے ڈیل ڈول اور جسموں میں ان کے پاس آئے تو آپ علیہ السلام کے گھر والوں کو ان کے بارے میں پتہ تھا مگر جناب لوط علیہ السلام کو ان کی خبر نہیں تھی۔ چنانچہ لوط علیہ السلام کی بیوی گھر سے باہر نکلی اور اس نے اپنی قوم کو ان مہمان لڑکوں کے بارے میں اطلاع دیتے ہوئے کہا: ہمارے گھر میں ایسے خوبصورت لونڈے آئے ہیں کہ میں نے اس سے پہلے کبھی ایسے

---

❶ دیکھئے: تفسير الطبري، ج: ۱۲، ص: ۸۹.

❷ قوم لوط اور والہہ کے بارے میں مکمل معلومات کے لیے ہماری کتاب ''جد الانبیاء سیّدنا ابراہیم علیہ السلام'' کے صفحات: ۹۴ تا ۱۱۹ کا مطالعہ کریں۔

حسین چہرے نہیں دیکھے اور نہ ہی میں نے ان سے زیادہ پیاری خوشبو کبھی سونگھی ہے جو ان کے بدنوں سے پھوٹ رہی ہے۔ پھر کیا تھا: لوط علیہ السلام کی قوم (اہالیانِ سدوم) اس کے پاس دوڑتی ہوئی آ پہنچی۔'' ❶

ب..... ایک روایت یوں بیان کی گئی ہے کہ لوط علیہ السلام کی بیوی (والہہ) آپ علیہ السلام کے مہمانوں سے متعلق اپنی قوم کو جا کر اطلاع دے دیا کرتی تھی کہ اس وقت وہ کہاں ہیں۔ اس کی اطلاع دینے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اگر کوئی مہمان رات کے وقت آ جاتا تو وہ آگ جلا کر قصبہ والوں کو مطلع کر دیتی۔ اور اگر کوئی مہمان دن کے وقت آ جاتا تو وہ دُھواں کر دیتی تاکہ اس کی قوم کو اطلاع مل جائے کہ اُن کے ہاں کوئی مہمان آیا ہے۔ ❷ یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ لوط علیہ السلام کی بیوی عذاب سے کچھ پہلے اپنی قوم کے ساتھ ہی ٹھہری رہی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے محترم خاوند اور اپنی دونوں بیٹیوں (ریثا اور ذعرتا) کے ہمراہ اس علاقے سے نکل گئی تھی مگر جب اُس نے اس علاقے کو نیچے سے اکھاڑ کر اُلٹا اوندھا مارنے کی وجہ سے لوگوں کی چیخ و پکار سنی تو وہ اپنی قوم کی طرف پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی۔ اور پھر حسرت بھرے انداز میں کہا: ہائے میری قوم! ❸

ج..... یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ: جناب لوط علیہ السلام کی بیوی پیچھے رہ گئی تھی اور پھر اسے ایک پتھر کے ذریعے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ (دیکھئے: تفسیر طبری، جلد: ۲۳، صفحہ: ۹۷)

د..... روایت کیا گیا ہے کہ جب قوم لوط پر عذاب کا فیصلہ کر دیا گیا اور لوط علیہ السلام کی بیوی نے دھڑام کی آواز سنی (جیسے کہ دھماکہ ہوتا ہے) تو کہنے لگی: ہائے میری قوم! اُسی وقت ایک پتھر آیا اور اس نے اُسے قتل کر ڈالا۔ ❹

ھ: بیان کیا جاتا ہے کہ فرشتے جب نہر سدوم کے پاس آئے تو اُن کی ملاقات جنابِ لوط علیہ السلام کی بیٹی سے ہوئی جو اپنے گھر والوں کے لیے (گھڑے وغیرہ میں) پانی لے جا رہی تھی۔ جناب لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں، بڑی کا نام ریثا تھا، جبکہ چھوٹی کا نام رعزیا۔ آنے والے مہمان فرشتے اُس سے کہنے لگے: ارے او لڑکی! کیا یہاں کوئی گھر بھی ہے؟ وہ کہنے لگی: جی ہاں، (رہنے کے لیے گھر ہے۔) مگر تم یہاں اپنی جگہ پر ہی رُکے رہو، یہاں تک کہ میں تمہارے پاس واپس آ جاؤں۔ چنانچہ وہ ان کے بارے میں اپنی قوم کی جانب سے متوقع بدتمیزی سے متعلق ڈر گئی۔ تب وہ اپنے والد محترم سیّدنا لوط علیہ السلام کے پاس آئی اور کہنے لگی: ابو جان! شہر

---

❶ الكامل في التاريخ لابن الأثير، ج: ١، ص: ٦٩۔ المنتظم لابن الجوزي، ج: ١، ص: ٢٨٤۔ تاريخ الطبري، ج: ١، ص: ١٧٩۔ وقصص الأنبياء لابن كثير، ص: ١٩٨

❷ دیکھئے: تفسیر بغوی، جلد: ٤، صفحہ: ٣٦٨

❸ دیکھئے: ابن کثیر: قصص الانبیاء، صفحہ: ٢٠٢ اور الدر المنثور، جلد: ٤، صفحہ: ٤٦٢.

❹ دیکھئے: الکامل فی التاریخ / ابن اثیر، جلد: ١، صفحہ: ٦٩۔ المنتظم لابن الجوزی، جلد: ١، صفحہ: ٢٨٥

کے دروازے پر دو تین نوجوان آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آج سے پہلے میں نے ان سے بڑھ کر کوئی حسین و جمیل نہیں دیکھا۔ ان کی خبر لیجیے! ایسا نہ ہو کہ آپ کی قوم کے لوگ انھیں پکڑ کر لے جائیں اور انھیں رسوا کریں۔''[1]

ان اسرائیلی روایات پر تبصرہ:

مذکور بالا ان اسرائیلی روایات میں سے بعض تو سنداً و معنیً درست ہیں۔ بعض نا قابل قبول ہیں اور بعض کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ چنانچہ یہ جو بیان ہوا ہے کہ یہ عورت اپنے خاوند کے مہمانوں کے بارے میں اپنی قوم کو مطلع کر دیا کرتی تھی تو یہ ہے معنی اس کی خیانت کا اپنے زوج محترم سیّدنا لوط علیہ السلام کے ساتھ، جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔

اور یہ جو بیان ہوا ہے کہ وہ اپنے محترم و مکرم خاوند جناب لوط علیہ السلام کے ہمراہ نکل گئی تھی۔ پھر یہ بیان ہوا کہ نہیں بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ پیچھے رہ گئی تھی، تو یہ دونوں باتیں درست ہیں اور دونوں کا ہی احتمال ہے۔ جیسا کہ ہم نے پیچھے مفصل بیان کر دیا ہے۔ البتہ یہ جو ذکر ہوا ہے کہ ایک پتھر آیا اور اس کے ساتھ اس عورت کو کچل دیا گیا تھا۔ تو یہ بات درست نہیں اور اس کی تردید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے: ﴿إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ﴾ ......
''اس کو بھی وہی عذاب ہوگا جو ان لوگوں کو ہوگا۔'' (ھود:۸۱)

اور اس کی قوم کو جو عذاب پہنچا تھا اسے اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝﴾ (ھود: ۸۲۔۸۳)

''پھر جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اس کے اوپر والے حصے کو اس کا نیچا کر دیا اور ان پر تہ بہ تہ کھنگر کے پتھر برسائے۔ جو تیرے رب کے ہاں سے نشان لگائے ہوئے تھے اور وہ ان ظالموں سے ہرگز کچھ دور نہیں۔''

تو ان آیات میں مسخ کرنے کا ذکر نہیں ہے۔

اور یہ جو بیان ہوا ہے کہ لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے فرمانِ گرامی ﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ﴾ اور ﴿اِذْ نَجَّيْنَاهُ وَاَهْلَهٗ اَجْمَعِيْنَ﴾ سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ بیٹیاں بھی اہل سے ہی ہوتی ہیں۔ اسی طرح بیٹے بھی اہل میں سے ہی ہوتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے واقعہ میں بیان فرمایا ہے کہ

[1] دیکھیے: تاریخ طبری، جلد: ۱، صفحہ: ۱۷۹.

جناب نوح علیہ السلام اللہ سے کہنے لگے: ﴿اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ﴾ ...... ''بلاشبہ میرا بیٹا بھی میرے اہل میں سے ہے۔''
(ھود:۴۵)

دیگر روایات کے بارے میں ہمیں کچھ علم نہیں کہ یہ صحیح ہیں یا نہیں، بلکہ ان کا تعلق ان روایات سے ہے کہ جن کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔

واقعہ سے مستفاد احکام اور دُروس ونصائح:

۱...... اللہ عزوجل کے فرمانِ گرامی: ﴿فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِيْنَ﴾ ...... ''پھر انھوں نے ان دونوں کی خیانت کی تو وہ اللہ سے (بچانے میں) ان کے کچھ کام نہ آئے اور کہہ دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں آگ میں داخل ہو جاؤ۔'' سے گناہ اور سرکشی پر عدم تعاون کا درس اور حکم معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ دونوں بیبیوں نے اپنی اپنی قوم کے ساتھ گناہ پر تعاون کیا اور عذاب میں مبتلا ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ کا اس ضمن میں حکم بھی یہی ہے۔ فرمایا:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝﴾ (المائدۃ: ۲)

''اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔''

۲...... اس واقعہ سے یہ نتیجہ برآمد ہوا اور یہ حکم بھی معلوم ہوا کہ: قومِ لوط جیسا لواطت والا عمل قبیح کبیرہ ترین گناہوں میں سے ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اُس قوم کو اس انداز میں تباہ و برباد کیا تھا۔

۳...... تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خاوند کے راز کو افشاء کرنا عورت پر حرام ہے۔ اور یہ کہ ﴿فَخَانَتَاهُمَا﴾ سے معلوم ہوا لوط علیہ السلام کی بیوی اپنے خاوند کے راز کو افشاء کر کے قوم کو بتلا دیا کرتی تھی۔

۴...... سیّدنا لوط علیہ السلام کی اپنے خاوند سے خیانت اور اس پر تباہ و برباد ہونے والوں کے ہمراہ عذاب کے نازل ہونے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جو کوئی گناہ کے کاموں میں کسی دوسرے کی مدد کرے گا وہ اس گناہ اور اس کی سزا میں اس کا حصے دار ہوگا۔

۵...... جب معصیتیں اور گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو وہ دل پر مہر کی طرح لگ جاتے ہیں حتیٰ کہ گنہگار آدمی کا شمار غافلوں میں ہونے لگتا ہے۔ جیسا کہ بعض سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے فرمانِ گرامی: ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾ ...... ''ہرگز نہیں، بلکہ زنگ بن کر چھا گیا ہے ان کے دلوں پر جو

وہ کماتے تھے۔'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ زنگ اس لیے دلوں پر لگ جاتا ہے کہ وہ گناہ پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور پھر دل اندھا ہو جاتا ہے۔ گناہ کر کے جب دل زنگ آلود ہو جاتا ہے تو اس زنگ کے غلبہ سے آدمی کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ پھر یہ سختی غالب آ کر تالے کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر اس پر مہر سی لگ جاتی ہے کہ جس کے بعد کوئی خیر کی بات اس میں داخل ہی نہیں ہونے پاتی۔ حتیٰ کہ دل ایک ایسے پردے اور غلاف میں لپٹ جاتا ہے کہ جس پر حق کبھی اثر انداز نہیں ہوتا۔ ❶

یہ سارا نتیجہ ہمیں لوط علیہ السلام کی بیوی کے کردار سے حاصل ہوتا ہے۔ کس طرح وہ گمراہی پر گامزن رہی۔

۶...... اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیّدنا لوط علیہ السلام کی بیوی کا سرکشی وخیانت کی راہ پر کھڑے ہونے کے بارے میں جو مطلع فرمایا ہے تو یہ اس کے کفر کی وجہ سے تھا...... اس سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کو کفر، ظلم اور فساد پر اصرار کی اُس راہ پر نہیں چل کھڑا ہونا چاہیے کہ جو عذابِ عظیم کی موجب بن جائے۔ ❷

۷...... اللہ ربّ العالمین کے درج ذیل فرمان: ﴿إِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغَابِرِيْنَ﴾ سے یہ سبق ملتا ہے کہ بڑھاپے کی حالت میں معاصی، گناہ، لڑکپن یا جوانی کے زمانے سے زیادہ بھونڈے ہوتے ہیں۔ مذکور بالا الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے بڑھاپے والے وصف کو بیان فرمایا ہے۔ بڑھاپے میں تو اُس کو چاہیے تھا کہ وہ گناہوں سے بہت زیادہ دُور رہتی۔ مگر اس کی بدطینت عادت اسے عذاب سے دوچار کر کے جہنم لے گئی۔ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ثَـلَاثَةٌ لَا يُـكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْـمٌ: شَيْـخٌ زَانٍ وَمَـلِكٌ كَـذَّابٌ وَعَـائِـلٌ مُسْتَكْبِرٌ . وَقَالَ أَيْضًا: أَعْذَرَ اللّٰهُ إِلَى امْرِیءٍ أَخَّرَ أَجَلَهُ حَتَّى بَلَّغَهُ سِتِّيْنَ سَنَةً .)) ❸

''تین قسم کے آدمیوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت والے دن بات ہی نہیں کریں گے۔ نہ انھیں کچھ سزا وغیرہ دے کر پاک کریں گے اور نہ ہی ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) دیکھیں گے۔ بلکہ ان کے لیے نہایت دردناک عذاب ہوگا۔ (۱)..... ہر زنا کار بوڑھے کی طرف۔ (۲)...... ہر جھوٹے

❶ دیکھئے: بدائع التفسير لابن قيم، جلد: ٥، صفحه: ١٥٤۔ ابن قیم رحمہ اللہ کی ہی "الجواب الكافي"، صفحه: ٥٤ اور عبدالعزیز السلمان کی "موارد الظمآن"، جلد: ١، صفحه: ٢٦، ٢٧۔

❷ دیکھئے: اليسر التفاسير للجزائری، جلد: ٣، صفحه: ٣٦٥، صفحه: ٤٤٨.

❸ صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية، ج: ١، ص: ١٠٢، حديث: ٢٩٦۔ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب الرقاق، باب من بلغ ستين سنة فقد أعذر الله إليه في العمر، ج: ١١، ص: ٢٤٣، حديث: ٦٤١٩.

بادشاہ کی طرف اور (۳)...... ہر فقیر، تہی دست متکبر آدمی کی طرف۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بھی فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ہر اُس آدمی کے عذر کے سلسلے میں حجت تمام کر دی کہ جس کی موت کو اُس نے مؤخر کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ گیا۔'' اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۚ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۖ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝﴾ (فاطر: ۳۶۔۳۷)

''اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، نہ ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے اس کا کچھ عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ایسے ہی ہر ناشکرے کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور وہ اس میں چلائیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں نکال لے، ہم نیک عمل کریں گے، اس کے خلاف جو ہم کیا کرتے تھے۔ اور کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہیں دی کہ اس میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا حاصل کر لیتا اور تمھارے پاس خاص ڈرانے والا بھی آیا۔ پس چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

۸...... امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو چاہتا ہے، اسے ہدایت نصیب کرتا ہے اور اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے اسے گناہوں سے بچا کر معاف کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ جسے چاہتا ہے، اسے گمراہ کر کے ذلیل و رسوا کر کے اور یہ بھی اس کا عدل ہی ہوتا ہے کہ وہ آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ تمام تر لوگ اس کی مشیئت میں اس کے فضل اور اُس کے عدل کے مابین پلٹی کھاتے رہتے ہیں۔ وہ ذاتِ اقدس اپنے شریکوں اور اپنے مخالفوں سے بہت ہی بلند و بالا ہے۔ اس کے فیصلے کو کوئی ردّ کرنے (ٹالنے والا) نہیں، نہ ہی کوئی اس کے حکم کے خلاف فیصلہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اُس کے حکم پر غالب آ سکتا ہے۔ [1]

اللہ عزوجل کا جنابِ لوط علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں یہی تو فیصلہ تھا اور وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ تباہ و برباد ہوگئی۔ فرمایا:

﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝﴾ (النمل: ۵۷)

''تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بچا لیا مگر اس کی بیوی۔ ہم نے اسے پیچھے رہنے والوں میں طے کر دیا تھا۔''

---

[1] دیکھیے: شرح العقیدہ الطحاویة، صفحہ: ۱۰۸۔

(۴)......جد الانبیاء سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا

واقعہ کا داخلی دروازہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خلیل نبی سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دو نہایت صالح، صبر و استقلال والی، مومن بیویاں عطا فرما کر احسانِ عظیم فرمایا تھا۔ ان میں سے ایک نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نیکی کے کاموں میں بھرپور کوشش کر کے اور مہمانوں کی خدمت وتکریم کے ذریعے صبر و استقلال کا راستہ اختیار کیا تھا حتیٰ کہ یہ محترمہ بڑی عمر کو پہنچ گئیں۔ پوری زندگی یہ معزز خاتون اسی نیکی وصبر کی راہ پر گامزن رہیں۔ جبکہ دوسری زوجہ محترمہ نے اُس وقت انتہائی صبر و استقلال سے کام لیا جب ان کے محترم ومکرم خاوند ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انھیں اور ان کے دودھ پیتے بیٹے سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کو ایک بے آب وگیاہ وادی (بطحاء) میں چھوڑ آئے تھے۔ (رضی اللہ عنہما) قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان دونوں میں سے پہلی کا واقعہ دو مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ (باقی جگہوں پر اشارۃً ذکر موجود ہے۔) چنانچہ فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ○ فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ○ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ○ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○﴾ (هود: ۶۹۔۷۳)

''اور بلاشبہ یقیناً ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے، انھوں نے سلام کہا، اس نے کہا سلام ہو، پھر دیر نہیں کی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا۔ تو جب ان کے ہاتھوں کو دیکھا کہ اس کی طرف نہیں پہنچتے تو انھیں اوپرا جانا اور ان سے ایک قسم کا خوف محسوس کیا، انھوں نے کہا نہ ڈر! بے شک ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور اس کی بیوی کھڑی تھی، سو ہنس پڑی تو ہم نے

اسے اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔ اس نے کہا ہائے میری بربادی! کیا میں جنوں گی، جب کہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا خاوند ہے بوڑھا، یقیناً یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔ انھوں نے کہا کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو! بے شک وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے۔''

دوسرے مقام پر قدرے تفصیل سے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝ قَالُوْا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝﴾ (الذاريات : ٢٤ ـ ٣٠)

''کیا تیرے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی ہے؟ جب وہ اس پر داخل ہوئے تو انھوں نے سلام کہا۔ اس نے کہا سلام ہو، کچھ اجنبی لوگ ہیں۔ پس چپکے سے اپنے گھر والوں کی طرف گیا، پس (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آیا۔ پھر اسے ان کے قریب کیا کہا کیا تم نہیں کھاتے؟ تو اس نے ان سے دل میں خوف محسوس کیا، انھوں نے کہا مت ڈر! اور انھوں نے اسے ایک بہت علم والے لڑکے کی خوشخبری دی۔ تو اس کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی، پس اس نے اپنا چہرہ پیٹ لیا اور اس نے کہا بوڑھی بانجھ! انھوں نے کہا تیرے رب نے ایسے ہی فرمایا ہے، یقیناً وہی کمال حکمت والا، بے حد علم والا ہے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

فَضَحِكَتْ: اور وہ ہنس پڑی۔ اور یہ اس وقت ہوا جب زوجۂ خلیل اللہ سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو قومِ لوط کی اس غفلت پر تعجب ہوا کہ جس غفلت کی وجہ سے اُنھیں اللہ کے عذاب نے آن گھیرا تھا۔ یہاں پر یہ معنی امام ابوجعفر ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کلمہ کی علت یوں بیان کی ہے کہ ''ہم نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ یہی سب اقوال سے زیادہ درست ہے۔ کیونکہ یہ لفظ آنے والے فرشتوں کے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سے یوں کہنے کے بعد ذکر ہوا ہے: ﴿قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ﴾ (ھود: ٧٠) ''انھوں نے کہا: ڈریں مت ہمیں تو قومِ لوط کی طرف (اُنھیں تباہ کرنے کے لیے) بھیجا گیا ہے۔'' [1]

---

[1] دیکھیے: تفسیر الطبري، جلد: ١٢، ص: ٧٤۔ وفتح القدیر، جلد: ٢، ص: ٥١٠.

یَاوَیْلَتٰی: (اے وائے مجھ کو، دوئی نوج،) یہ کلمہ تعجب ہے اور یہ اُس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی بہت بڑا معاملہ پیش آنے والا ہو۔ اکثر یہ کلمہ عورتوں کی زبانوں پر آیا کرتا ہے۔'' ❶

بَعْلِيْ: میرا خاوند۔ بعل کا اصل معنی ہوتا ہے: کسی معاملہ کا ذمہ دار، مالک۔ مگر یہاں مراد خاوند ہے۔ ❷

فَرَاغَ اِلٰی اَهْلِهٖ: اور ابراہیم (علیہ السلام) اپنے اہل خانہ کی طرف (آہستہ سے) پھر آیا۔ '' اَلرِّوَاغ '' کا معنی ہوتا ہے کہ: آپ کا کسی جگہ سے جانا اور واپس آنا خفیہ طریقے سے ہو۔ ❸

فَأَقْبَلَتْ إِمْرَأَتُهٗ: (یہ سن کر) ابراہیم (علیہ السلام) کی بی بی آگے بڑھی۔ جیسے کوئی کہے: أَقْبَلَ يَشْتُمُنِيْ: وہ میری طرف متوجہ ہو کر مجھے گالیاں دینے لگا۔ یعنی آگے بڑھ کر۔ ❹

فِيْ صَرَّةٍ: یعنی فِيْ صَيْحَةٍ: حیرانگی کے عالم میں۔ (ایضاً)

فَصَكَّتْ وَجْهَهَا: یعنی تعجب و حیرانگی سے اپنے منہ پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے (جیسے بالعموم بوڑھی عورتیں کرتی ہیں) کہنے لگی۔ (ایضاً)

عَقِيْمٌ: بانجھ۔ اَلْعُقْم: دراصل اس خشکی کو کہتے ہیں جو تراوٹ کا اثر قبول کرنے سے بالکل مانع ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے: عقِمت مفاصِلُهٗ: اُس کے جوڑ بالکل جواب دے گئے ہیں۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: دَاءٌ عِقَامٌ: لا علاج بیماری۔ جو صحت کو قبول نہ کرے۔ اور عورتوں میں سے '' اَلْعَقِيْم '' اُسے کہتے ہیں جو اپنے خاوند کے مادہ منویہ کو قبول نہ کرے۔ ❺

زوجہ خلیل اللہ رضی اللہ عنہا کا تعارف:

اللہ کے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس زوجہ محترمہ کا نام صحیح الاسناد روایات سے ثابت ہے کہ سارہ تھا رضی اللہ عنہا۔

((فَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيْمَ النَّبِيُّ علیہ السلام قَطُّ إِلَّا ثَلَاثَ كَذَبَاتٍ ، ثِنْتَيْنِ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ ، قَوْلُهٗ: إِنِّيْ سَقِيْمٌ ، وَقَوْلُهٗ: بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا ، وَوَاحِدَةً فِيْ شَأْنِ سَارَةَ ، فَإِنَّهٗ قَدِمَ أَرْضَ جَبَّارٍ وَمَعَهٗ سَارَةُ وَكَانَتْ أَحْسَنَ

---

❶ دیکھئے: تفسير البغوي، ج: ۲، ص: ۳۹۳۔ تفسير البحر المحيط، ج: ۲، ص: ۲٤٤۔ وزاد المسير لابن الجوزي، ج: ٥، ص: ۲٤٤.

❷ دیکھئے: تفسير أبي السعود، ج: ٤، ص: ۲۲٥۔ المفردات للراغب، ص: ٥٤.

❸ دیکھئے: تفسیر غريب القرآن، صفحه: ٤۲۱.

❹ دیکھئے: تفسیر طبری، جلد: ۲٦، صفحه: ۲۰۹.

❺ دیکھئے: مختار الصحاح، ص: ٤٤۸۔ والمفردات للراغب، ص: ۳٤۲.

النَّاسِ فَقَالَ لَهَا: إِنَّ هٰذَا الْجَبَّارَ إِنْ يَعْلَمْ أَنَّكِ امْرَأَتِي يَغْلِبْنِي عَلَيْكِ ، فَإِنْ سَأَلَكِ فَأَخْبِرِيهِ أَنَّكِ أُخْتِي ، فَإِنَّكِ أُخْتِي فِي الْإِسْلَامِ ، فَإِنِّي لَا أَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ مُسْلِمًا غَيْرِي وَغَيْرَكِ ، فَلَمَّا دَخَلَ أَرْضَهُ رَآهَا بَعْضُ أَهْلِ الْجَبَّارِ ، أَتَاهُ فَقَالَ لَهُ: لَقَدْ قَدِمَتْ أَرْضَكَ امْرَأَةٌ لَا يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تَكُونَ إِلَّا لَكَ ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَأُتِيَ بِهَا ، فَقَامَ إِبْرَاهِيمُ عليه السلام إِلَى الصَّلٰوةِ ، فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ ...... الخ .)) ❶

''چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری زندگی کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر صرف تین بار (اور وہ بھی توریہ کے طور پر) ان میں سے دو بار اللہ عزوجل کے لیے توریہ تھا۔ ایک تو ان کا یہ کہنا تھا کہ میں بیمار ہوں۔ اور دوسرا یہ کہنا کہ ان بتوں کو بڑے بت نے توڑا ہوگا۔ جبکہ تیسرا توریہ (اپنی زوجۂ محترمہ) سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تھا۔ ❷

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل إبراهيم الخليل عليه السلام، ج: ٤، ص: ١٨٤٠۔ ورواه البخاري موقوفًا على أبي هريرة رضي الله عنه، كتاب الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾، ج: ٦، ص: ٤٤٧، حديث: ٦١٤٥۔ صحيح البخاري: ٣٣٥٨.

❷ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم ستارہ پرست اور بت پرست تھی۔ ایک بار عید کے دن وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنے ساتھ لے جانے لگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھی کے اعتقاد کے بموجب یہ حیلہ کیا کہ ستاروں کو دیکھ کر کہا: میں بیمار ہوں۔ یہ ظاہراً جھوٹ تھا مگر درحقیقت توریہ ہے اور جھوٹ نہیں ہے۔ کیونکہ بیماری سے دل کا رنج مراد ہے یا یہ مطلب ہے کہ بیمار ہونے والا ہوں۔ اسی طرح دوسرا جھوٹ یوں ہے کہ جب وہ لوگ شہر کے باہر چل دیے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب بتوں کو توڑا اور ہتھوڑا بڑے بت کے کاندھے پر رکھ دیا۔ وہ جب آئے او پوچھا کہ بتوں کو کس نے توڑا ہے؟ تو جناب ابراہیم علیہ السلام نے ان کو قائل کرنے اور الزام دینے کے لیے یہ بات بنائی کہ بڑے بت نے توڑا ہے۔ یہ بھی کچھ جھوٹ نہ تھا کیونکہ آپ نے شرط لگائی: ﴿إِنْ كَانُوا يَنطِقُونَ﴾ ''اگر یہ بت بول سکتے ہیں تو ان سے پوچھ دیکھو'' اور بعضوں نے کہا: ﴿بَلْ فَعَلَهُ﴾ پر وقف ہے۔ یعنی کسی کرنے والے نے ایسا کیا ہوگا۔ بڑا بت موجود ہے اس سے پوچھو اگر وہ بات کرے تو۔ یہ دونوں جھوٹ اللہ کے لیے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: انبیاء کرام رسالت کے امور میں کذب سے بالکل معصوم ہیں۔ قلیل ہو یا کثیر اور چھوٹے امور میں بھی کذب سے معصوم ہیں۔ یعنی دنیاوی اُمور میں اور بعضوں کے نزدیک ان اُمور میں معصوم نہیں ہیں۔ قاضی عیاض نے کہا: صحیح یہ ہے کہ رسالت کے امور میں کذب سے بالکل معصوم ہیں، خواہ اور صغائر سے معصوم ہوں یا نہ ہوں۔ اس لیے کہ کذب خلاف ہے، منصب نبوت کے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تینوں باتیں جھوٹ نہ تھیں اور دو باتیں تو اللہ ہی کے لیے تھیں جب کہ تیسری بات بھی صحیح تھی۔ اس لیے کہ مسلمان بی بی دینی بہن بھی ہے۔ سو ظالم سے بچنے کے لیے جان کے ڈر سے ایسا جھوٹ درست ہے۔ فقہاء نے اتفاق کیا ہے کہ اگر کوئی ظالم کسی چھپے ہوئے آدمی کو قتل کرنا چاہے یا دوسرے کی امانت کو جبراً غصب کرنا چاہے تو اس کے بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے، اور یہ کذب محمود ہے نہ کہ مذموم۔ اور سارہ کے لیے جو جھوٹ کہا: وہ بھی اللہ ہی کے واسطے کہا گیا، اس لیے کہ ایک ظالم کی بدکاری سے باعصمت عورت کو بچانا اللہ ہی کا کام ہے، گو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی فائدہ تھا اور اسی واسطے حدیث میں پہلے دو جھوٹوں کو اللہ کے واسطے قرار دیا۔

ان کا واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام (ایک بار فلسطین سے سفر کرتے ہوئے) ایک ظالم بادشاہ کے ملک (مصر) میں جا پہنچے۔ ان کے ہمراہ ان کی بیوی سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، بی بی سارہ نہایت خوبصورت تھیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن سے فرمایا: اگر ظالم بادشاہ کو یہ معلوم ہوگیا کہ تو میری بیوی ہے تو وہ تجھے مجھ سے چھین لے گا۔ اس لیے اگر وہ تجھ سے پوچھے تو کہہ دینا کہ میں اس شخص کی بہن ہوں۔ اور یہ کہ تو اسلام کے رشتہ سے میری بہن ہے۔ (اس میں کچھ جھوٹ کی بات بھی نہیں ہے۔) اس لیے کہ یہاں کی سرزمین (مصر) میں میرے اور تیرے سوا کوئی مسلمان ہے بھی نہیں۔''

چنانچہ اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اس ظالم کے ملک (مصر) میں پہنچے تو اس کے کارندے ظالم بادشاہ کے پاس گئے اور بیان کیا کہ تیرے ملک میں ایک ایسی عورت آئی ہے جو تیرے سوا کسی کے لائق نہیں۔ پھر اس نے سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو بلا بھیجا۔ وہ ظالم بادشاہ کی طرف چلی گئیں۔ ادھر اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ (اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ سے دُعا کرنے لگے) جب سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا اس ظالم کے پاس پہنچیں تو اُس نے بے اختیار اپنا ہاتھ ان کی طرف دراز کیا۔ لیکن اس کا یہ ہاتھ فوری طور پر شل ہو کر رہ گیا۔ یہ دیکھ کر وہ ظالم کہنے لگا: بی بی! تو اللہ سے دُعا کر کہ میرا ہاتھ کھل جائے (صحیح کام کرنے لگے۔) تو میں تجھے نہیں ستاؤں گا۔ سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا نے دُعا کر دی۔ مگر اس ظالم نے پھر دست درازی کی۔ مگر اس بار اس کا ہاتھ پہلے سے بھی زیادہ سن ہو کر سوکھ گیا۔ (اور وہ لنجی بن گیا) ظالم نے پھر دُعا کے لیے کہا۔ انھوں نے دُعا کر دی۔ ظالم نے تیسری بار پھر دست درازی کی، مگر اس بار تو اس کا ہاتھ اور زیادہ شل ہو کر سوکھ گیا۔ تب وہ کہنے لگا: تو اللہ سے دُعا کر کہ میرا ہاتھ کھل جائے، اللہ کی قسم! اب میں تجھے ہرگز نہیں ستاؤں گا۔ سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا نے پھر دُعا کر دی (مومن تو ہوتا ہی نرم دل ہے۔) اور اللہ عزوجل کی طرف سے اُس کا ہاتھ کھل گیا۔ تب اُس نے اس شخص کو بلوایا جو سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو لے کر آیا تھا۔ اور اُس سے کہنے لگا: تو میرے پاس کسی شیطانی (جنی) کو لے آیا ہے۔ یہ انسانوں میں سے نہیں ہے۔ اسے میرے ملک سے باہر نکال دے اور ھاجرہ کو اس کے ہمراہ کر دے۔ چنانچہ سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا ھاجرہ کو ساتھ لیے واپس لوٹ آئیں۔

جب (واپس پہنچیں اور) ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تو سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: (الحمدللہ) سب خیریت رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بدکار کا ہاتھ مجھ سے روک دیا تھا۔ اُس نے ایک خادمہ بھی خدمت کے لیے ساتھ میں دی ہے۔ جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''سیّدہ سارہ و ابراہیم علیہ السلام کی یہی کنیز واے آسمانی پانی کی پیداوار خادمہ بیٹو! (صحرا کے رہنے والو) یہی ھاجرہ تمہاری ماں ہے۔ (یعنی عربوں میں سے بنو اسماعیل کی ماں۔)

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کا نسب یوں تھا: سارہ بنت ھارون (یا ھاران) بن ناحور بن ساروج بن راعو بن فالغ۔ اور یہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا کی بیٹی تھیں۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کا نسب یوں تھا: ابراہیم بن تارخ (آزر) بن ناحور بن ساروج بن راعو بن فالغ۔ ❶

---

❶ دیکھئے: تفسیر الطبري، ج: ١٢، ص: ٧١۔ تفسیر البغوي، ج: ٢، ص: ٣٩٢۔ وتفسیر القرطبي، ج: ٩، ص: ٧٠۔

﴿نوٹ﴾ یہاں مصنف حفظہ اللہ نے ایک تو زیر مطالعہ موضوع و واقعہ کے بارے میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے، جبکہ احادیث صحیحہ اور صحیح الاسناد تاریخی روایات میں سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کے حالات مزید تفصیل سے درج ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے خلیل سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری بیوی سیّدہ ھاجرہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ آغاز واقعہ میں اشارۃً کرنے کے بعد آگے کہیں نہیں کیا۔ حالانکہ ان کی یہ دوسری زوجۂ محترمہ بھی ایمان وتقویٰ اور صبر و استقلال کے حوالے سے بہت زیادہ درجہ و مقام رکھتی ہیں۔ اگرچہ قرآنِ حکیم میں ان کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے، مگر اس اعتبار سے کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل خانہ، زوجات محترمہ کا تذکرہ ہورہا ہے اس لیے اُن کے حالات بھی بیان کرنے چاہئیں تھے۔ لہٰذا ہم یہاں پر اولاً سیّدہ سارہ کے صحیح احادیث و روایات سے ثابت حالات و واقعات درج کررہے ہیں اور ثانیاً: سیّدہ ھاجرہ رضی اللہ عنہا کے حالات و واقعات بھی بیان کرتے ہیں تاکہ قارئین مکمل استفادہ کرسکیں۔

صحیح مسلم میں درج اوپر بیان کردہ حدیث و روایت کے تناظر میں سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کے ایک سفر کا جو واقعہ بیان ہوا ہے، اسے صحیح البخاری (کتاب البیوع، باب شراء المملوک من الحربي ......، حدیث: ٢٢١٧) میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے: سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام نے سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ (نمرود کے ملک سے) ہجرت کی تو ایک ایسے شہر میں پہنچے جہاں ایک بادشاہ رہتا تھا یا (یہ فرمایا کہ) ایک ظالم بادشاہ رہتا تھا۔ اس سے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کسی نے کہہ دیا کہ وہ ایک نہایت ہی خوبصورت عورت لے کر یہاں آئے ہیں۔ بادشاہ نے آپ سے پچھوا بھیجا کہ ابراہیم! یہ عورت جو تمہارے ساتھ ہے تمہاری کیا ہوتی ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام سارہ رضی اللہ عنہا کے یہاں آئے تو ان سے کہا کہ میری بات نہ جھٹلانا، میں تمھیں اپنی بہن کہہ آیا ہوں۔ اللہ کی قسم! آج روئے زمین پر میرے اور تمھارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے سارہ رضی اللہ عنہا کو بادشاہ کے یہاں بھیجا، یا بادشاہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔ اس وقت حضرت سارہ رضی اللہ عنہا وضو کرکے نماز پڑھنے کھڑی ہوگئی تھیں۔ انھوں نے اللہ کے حضور میں یہ دُعا کی: ''اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول (ابراہیم علیہ السلام) پر ایمان رکھتی ہوں، اگر میں نے اپنے شوہر کے سوا اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے، تو تو مجھ پر ایک کافر کو مسلط نہ کر۔'' اتنے میں وہ بادشاہ تھرایا اور اس کا پاؤں زمین میں دھنس گیا۔'' اعرج نے کہا کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا، ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کے حضور میں دُعا کی: ''اے اللہ! اگر یہ مرگیا تو لوگ کہیں گے کہ اسی نے مارا ہے۔'' چنانچہ وہ پھر چھوٹ گیا اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا وضو کرکے پھر نماز پڑھنے لگی تھیں اور یہ دُعا کرتی جاتی تھیں: ''اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان رکھتی ہوں اور اپنے شوہر (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے سوا اور ہر موقع پر میں نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے تو تو مجھ پر اس کافر کو مسلط نہ کر۔'' چنانچہ وہ پھر تھرایا، کانپا اور اس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ عبدالرحمٰن نے بیان کرتے ہیں کہ ابوسلمہ نے بیان کیا کہ: سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا نے پھر وہی دُعا کی: اے اللہ! اگر یہ مرگیا تو لوگ کہیں گے کہ اسی نے مارا ہے۔'' اب دوسری مرتبہ یا تیسری مرتبہ بھی وہ بادشاہ چھوڑ دیا گیا۔ آخر وہ کہنے لگا کہ تم لوگوں نے میرے یہاں ایک شیطان بھیج دیا۔ اسے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس لے جاؤ اور انھیں آجر (حضرت ھاجرہ) کو بھی دے دو۔ پھر حضرت سارہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ دیکھتے نہیں اللہ ⇦⇦⇦

قرآنِ حکیم میں سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قوم، اپنے باپ اور اہل وطن کو توحید کی دعوت دینے اوران کے

⇦⇦⇦ نے کافر کو کس طرح ذلیل کیا اور ساتھ میں ایک لڑکی بھی دلوادی۔''

تشریح :......زمین کنعان سے مصر کا یہ سفر اس لیے ہوا کہ کنعان ان دنوں سخت قحط سالی کی زد میں آ گیا تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام مجبور ہو کر اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور بھتیجے لوط علیہ السلام اور بھیڑ بکریوں سمیت مصر میں پہنچ گئے۔ ان دنوں مصر میں فرعون رقیون نامی حکمرانی کر رہا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ بے حد حسین تھیں اور وہ بادشاہ ایسی حسین عورتوں کی جستجو میں رہا کرتا تھا۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کی بہن ظاہر کریں۔ جب فرعون مصر نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے حسن کا چرچا سنا تب اُس نے انہیں بلوا بھیجا اور فعل بد کا ارادہ کیا، مگر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی بددُعا سے وہ برائی پر قادر نہ ہوسکا۔ بلکہ زمین میں غرق ہونے لگا۔آخر اس کے دل پر ان کی عظمت نقش ہوگئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے معافی مانگی۔حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا اور اپنے خلوص وعقیدت کے اظہار میں اپنی بیٹی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ان کی نذر کر دیا تا کہ وہ سارہ رضی اللہ عنہا جیسی خدارسیدہ خاتون کی خدمت میں رہ کر تعلیم اور تربیت حاصل کرے اور کسی وقت اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے نبی کی بیوی بننے کا شرف حاصل ہو۔ یہودیوں کی کتاب برشیث لیا میں ذکر ہے کہ ہاجرہ شاہ مصر کی بیٹی تھی۔ ایسا ہی طبری، خمیس اور قسطلانی نے ذکر کیا ہے۔مگر یہ امر نہایت ہی قابل افسوس ہے کہ بعض بد باطن یہود کی حاسدانہ تحریرات میں ان کو لونڈی کہا گیا ہے اور کچھ لوگوں نے ان تحریروں سے متاثر ہو کر اس حدیث میں واردہ لفظ ''ولیدۃ'' کا ترجمہ لونڈی کر دیا ہے۔ حالانکہ قرآن وحدیث کی اصطلاح عام میں غلام اور لونڈی کے لیے ملک یمین کا لفظ ہے جیسا کہ آیت قرآنی: ﴿وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ سے ظاہر ہے۔لغت عرب میں جاریہ اور ولیدہ کے الفاظ عام لڑکی کے معنوں میں آتے ہیں۔عربی کی بائبل میں سب جگہ حضرت ہاجرہ کے واسطے جاریہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ انگریزی بائبل میں سب مقامات پر میڈ (Mad) کا لفظ ہے، جس کے معنی وہی ہیں جو ''جاریہ'' اور ''ولیدۃ'' کے ہیں یعنی لڑکی۔

ابی سلومر اسحاق جو ایک یہودی عالم ہیں وہ پیدائش ۱۶۔۱ میں لکھتے ہیں کہ جب فرعون مصری نے نبی کی کرامتوں کو جو سارہ کی وجہ سے ظاہر ہوئیں، دیکھا تو اس نے کہا کہ بہتر ہے میری بیٹی اس کے گھر میں خادمہ ہو کر رہے۔ وہ اس سے بہتر ہوگی کہ کسی دوسرے گھر میں وہ ملکہ بن کر رہے۔ چنانچہ حضرت ہاجرہ نے ابراہیمی گھرانہ میں پوری تربیت حاصل کی اور ابراہیم علیہ السلام کی پچاسی سال کی عمر میں جب کہ آپ اولاد سے مایوس ہو رہے تھے حضرت سارہ نے ان سے خود کہا کہ ہاجرہ سے شادی کرلو، شاید اللہ پاک ان ہی کے ذریعہ تم کو اولاد عطا کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شادی کے بعد حضرت ہاجرہ حاملہ ہوگئیں اور ان کو خواب میں فرشتہ نے بشارت دی کہ تو ایک بیٹا جنے گی اس کا نام اسماعیل رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرا دکھ سن لیا۔ وہ عربی ہوگا اس کا ہاتھ سب کے خلاف ہوگا اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بودوباش کرے گا۔ (تورات، پیدائش:۱۶۔۱۱۔۱۲)

خداوند نے یہ بھی فرمایا کہ دیکھ ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے اسماعیل کے حق میں مَیں نے تیری دُعا سن لی۔ دیکھو میں اس کو برکت دوں گا اور اسے آبرومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔ (تورات پیدائش: ۱۷۔۱۵۔۲۰) حضرت ابراہیم کی چھیاسی سال کی عمر تھی کہ ان کے بیٹے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیل کے حق میں یہ بشارت توراۃ سفر تکوین باب ۱۷، درس ۲۰ میں موجود ہے۔

یہودیوں نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے لونڈی ہونے پر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے دلیل لی ہے جو توراۃ میں مذکور ہے کہ جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہوگئیں تو انھوں نے اس ڈر سے کہ کہیں حضرت ہاجرہ کا فرزند اسماعیل علیہ السلام ان کے فرزند ⇦⇦⇦

⇐⇐⇐ اسحٰق علیہ السلام کے ساتھ ابراہیمی ترکہ کا وارث نہ بن جائے یہ کہا کہ اس لونڈی کو اور اس کے بچے کو یہاں سے نکال دے۔ یہ لفظ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے خفگی کے طور پر استعمال کیا تھا۔ ورنہ ان کو معلوم تھا کہ شریعت ابراہیمی میں لونڈی غلام مالک کے ترکہ میں وارث نہیں ہوا کرتے ہیں۔ اگر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا واقعی لونڈی ہوتی تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ایسی غلط بیانی کیوں کرتی، جبکہ وہ ابراہیمی شریعت کے احکامات سے پورے طور پر واقف تھیں۔

پس خود توراۃ کے اس بیان سے واضح ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا لونڈی نہ تھی بلکہ آزاد تھی۔ اسی لیے حضرت سارہ کو ان کے لڑکے کے وارث ہونے کا خطرہ ہوا اور ان کو دور کرنے کا مطالبہ کیا۔ خلاصہ یہی ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام شاہ مصر کی بیٹی تھی، جسے بطورِ خادمہ تعلیم و تربیت حاصل کر کے حرم نبوت میں بیوی بنانے کے لیے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ کیا گیا تھا۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے منعقدہ باب میں جس کے تحت یہ حدیث آئی ہے کئی باتیں ملحوظ کی گئی ہیں جس کی تشریح علامہ قسطلانی یوں فرماتے ہیں: ((اجر بهمزة ممدودة بدل الهاء وجيم مفتوحة فراء وكان ابو آجر من ملوك القبط .)) ......یعنی آجر ہمزہ ممدودہ کے ساتھ ہا کے بدلہ میں ہے اور جیم مفتوحہ کے بعد را ہے۔ اور آجر کا باپ فرعون مصر قبطی بادشاہوں میں سے تھا۔'' یہاں علامہ قسطلانی نے صاف لفظوں میں بتلایا ہے کہ حضرت ہاجرہ فرعون مصر کی بیٹی تھی۔ ولیدہ کی تحقیق میں آپ فرماتے ہیں: ((والوليدة الجارية للخدمة سواء كانت كبيرة او صغيرة وفي الأصل الوليد لطفل والانثى وليدة والجمع ولائد والمراد بها آجر المذكورة .)) ......یعنی لفظ ولیدہ لڑکی پر بولا جاتا ہے جو بطورِ خادمہ ہو۔ عمر میں وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اور دراصل ولید لڑکے کو اور ولیدہ لڑکی کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع ولائد آتی ہے۔ اور یہاں اس لڑکی سے مراد آجر مذکورہ ہیں جو ہاجرہ علیہا السلام سے مشہور ہیں۔''

آگے علامہ فرماتے ہیں: ((و موضع الترجمة اعطوها آجر وقبول سارة منه وامضاء ابراهيم ذالك ففيه صحة هبة الكافر وقبول هدية السلطان وابتلاء الصالحين لرفع درجاتهم وفيه اباحة المعاريض وانها مندوحة عن الكذب وهذا الحديث اخرجه ايضًا في الهبة والاكراه واحاديث الأنبياء .)) [قسطلانی] ......''یعنی یہاں ترجمتہ الباب الفاظ اعطوها آجر سے نکلتا ہے کہ اس کافر بادشاہ نے اپنی شہزادی ہاجرہ علیہا السلام کو بطورِ عطیہ پیش کرنے کا حکم دیا اور سارہ علیہا السلام نے اسے قبول کر لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس معاملہ کو منظور فرمایا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کافر کسی چیز کو بطورِ ہبہ کسی مسلمان کو دے تو اس کا یہ ہبہ کرنا صحیح مانا جائے گا اور ظالم بادشاہ کا ہدیہ قبول کرنا بھی ثابت ہوا۔ اور نیک لوگوں کا ظالم بادشاہوں کی طرف سے ابتلا میں ڈالا جانا بھی ثابت ہوا۔ اس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ایسے آزمائشی مواقع پر بعض غیر مباح کنایات و تعریضات کا استعمال مباح ہو جاتا ہے۔ اور ان کو جھوٹ میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ سید المحدثین حضرت امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی جامع الصحیح میں اور بھی کئی مقامات پر نقل فرمایا ہے اور اس سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے۔''

خلاصۃ المرام یہ کہ حدیث ہذا میں وارد لفظ ولیدہ لونڈی کے معنی میں نہیں، بلکہ لڑکی کے معنی میں ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام شاہِ مصر کی بیٹی تھی۔ جسے اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو برکت کے لیے دے دیا تھا۔ لہٰذا یہود کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لونڈی کا بچہ کہنا محض جھوٹ اور الزام ہے۔ یہاں سرسیّد نے خطبات احمدیہ میں کلکتہ کے ایک مناظرہ کا ذکر کیا ہے جو اسی موضوع پر ہوا، جس میں علماءِ یہود نے بالاتفاق تسلیم کیا تھا کہ حضرت ہاجرہ لونڈی نہ تھیں، بلکہ شاہِ مصر کی بیٹی تھیں۔ حضرت مولانا وحید الزماں مرحوم نے یہاں لفظ ولیدہ کا ترجمہ لونڈی کیا ہے جو لڑکی ہی کے معنوں میں ہے، ہندوستان کے بعض مقامات پر لڑکی کو لونڈیاں اور لڑکے کو لونڈا بولتے ہیں۔ ⇐⇐⇐

اور انھیں اللہ عزوجل کی طرف سے اس آگ میں سے صحیح سالم باہر نکال لینے کے بعد، اُن کو ملک عراق (بابل)

⇦⇦⇦ بابل سے ہجرت کر کے یہ لوگ اوپر شمال مغرب میں واقع حرآن میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ حران، بابل سے کم وبیش تین سو میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے حران میں ۲۵ سال گزار دیے مگر وہاں کے رہنے والوں کی حالت سدھر نہ سکی، چنانچہ اللہ ذوالجلال کے حکم سے آپ نے انھیں ان کی حالت پر چھوڑا اور ملک شام کی راہ لی۔ آپ کے بھائی ناحور نے یہاں حران میں کاروبار کافی وسیع کر لیا تھا اور ملکاہ سے اس کی اولاد بھی ہو رہی تھی، لہٰذا اس شہر کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور یہیں پر رہ گیا۔ ملک شام ایک وسیع وعریض خطے پر مشتمل ہے کہ جس میں ارضِ فلسطین بھی شامل ہے۔ اس دور میں یہاں کنعانی آباد تھے۔ آپ اپنی بیوی سارہ، بھتیجے لوط اور دوسرے کچھ مسلمانوں کو ساتھ لیے ارضِ فلسطین میں جا پہنچے۔ جہاں آج کل بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) آباد ہے، وہاں اس دور میں کچھ بھی نہ تھا۔ آپ نے اس گھر کی مشرقی جانب (جسے بعد میں تعمیر کیا گیا تھا) ایک جگہ کو اپنا مسکن بنالیا۔ جب آپ یہاں پہنچے تو عمر ۶۵ سال کی ہو چکی تھی۔ (تفسیر روح المعانی، جلد: ۱۹، صفحہ: ۱۵۲۔ تاریخ ابن خلدون، جلد دوم، صفحہ: ۴۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی گزران کے لیے بھیڑ بکریاں رکھ لیں۔ اللہ نے ان میں اتنی برکت دی کہ وہ بہت سے گلے بن گئے۔ بارش کے رُک جانے کی وجہ سے وہ سرسبز میدان جہاں ان کے گلے رہتے اور کھاتے پیتے تھے، جب کف دست کی مانند بیابان بن گئے تو اللہ کے حکم سے آپ نے ڈھور ڈنگر سمیت اپنے اہل خانہ کو ساتھ لیا اور مصر کی طرف کوچ کر گئے۔ (البدایہ والنہایہ، جلد: اوّل، صفحہ: ۱۴۲۔ رحمۃ اللعالمین، جلد اوّل، صفحہ: ۲۵)

مصر سے واپسی پر سیّدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ارضِ فلسطین میں ''السبع'' کے مقام پر آ ٹھہرے، جو صحرائے شام کے جنوب میں واقع تھا۔ اس وقت سیّدہ سارہ وھاجرہ رضی اللہ عنہما آپ کے ہمراہ تھیں۔ ادھر لوط علیہ السلام کہ جنھیں آپ فلسطین میں دعوت وتبلیغ کی غرض سے پیچھے چھوڑ گئے تھے...... کو جب آپ کی واپسی کی اطلاع ملی تو وہ بھی مقام السبع میں آپ کے ساتھ آ ملے۔ کچھ ہی عرصہ وہاں اکٹھے گزارا تھا کہ ان کے مال مویشی میں اللہ نے برکت ڈالی اور ان پر وہاں کی زمین تنگ پڑ گئی۔ تب آپ نے لوط علیہ السلام کو اللہ کے حکم سے فلسطین کے علاقہ " موتفکه " کے شہر ''سدوم'' اور اس کے اردگرد کی بستیوں کی طرف (کہ جو عدور صقر کے نام سے مشہور تھیں) دعوت وتبلیغ کے لیے بھیج دیا۔ (تاریخ ابن خلدون، جلد دوم، صفحہ: ۴۱) یہ شہر ''السبع'' سے ایک رات اور ایک دن کی مسافت پر تھا۔ وہاں پہنچنے پر اللہ کریم نے انھیں نبوت عطا فرمائی۔ (تاریخ طبری، جلد اوّل، صفحہ: ۱۲۷۔ البدایہ والنہایہ، جلد اوّل، صفحہ: ۱۴۴)

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے ''السبع'' میں ایک کنواں کھدوایا اور ایک مسجد بھی بنوائی۔ اللہ کے دین کی دعوت کا کام یہاں بھی جاری رہا۔ مگر بہت کم لوگ آپ پر ایمان لائے۔ کنویں کا پانی میٹھا، ٹھنڈا، مگر بہت کم تھا کہ جس سے آپ کے مال مویشی بڑی مشکل سے گزارا کرتے تھے۔ اہل ''السبع'' نے اس کنویں کے اندر گندگی پھینکنا شروع کر دی، تب آپ نے اپنے مال مویشی اور اہل خانہ کو ساتھ لیا اور وہاں سے کوچ کر گئے۔ چلتے چلتے آپ ارضِ فلسطین میں ''ایلیا اور رملہ'' کے درمیان آ پہنچے۔ یہاں آپ نے مقام ''حبرون'' (ابن خلدون نے ''جیرون'' اور طبری نے ''قط'' لکھا ہے۔) پر قیام فرمایا۔ بعد میں اس کا نام ''الخلیل'' پڑ گیا۔

یہی ''الخلیل'' آپ کی آخری قیام گاہ تھی کہ جہاں آپ نے اپنی باقی زندگی گزاری۔ جب آپ یہاں پہنچے تو عمر مبارک (تقریباً) ۸۷ سال ہو چکی تھی۔ یہ مقام آج کل ''الخلیل'' نام کے ایک شہر سے معروف ہے کہ جو خلیل اللہ (ابراہیم علیہ السلام) کی نسبت کی وجہ سے مشہور ہوا۔ یہ شہر فلسطین کے جنوب میں واقع ہے۔ ''حبری''، ''حبرون'' اور ''مسجد ابراہیم'' کے ناموں سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ نیا شہر سات بڑی آبادیوں پر مشتمل ہے کہ جن کے نام اس طرح سے ہیں۔ (۱) حارۃ الشیخ، (۲) حارۃ باب الزاویہ، (۳) حارۃ القرازین، (۴) حارۃ العقابی، (۵) حارۃ الحرم، ⇦⇦⇦

کو چھوڑ کر یہاں سے ہجرت کر جانے کا ذکر جو قرآنِ حکیم اور احادیث صحیحہ میں آیا ہے تو صحیح روایات سے پتہ چلتا

⇦⇦(۶) حارۃ المشارکہ اور (۷) حارۃ القیطون۔ ''مدینہ الخلیل'' وادی الخلیل میں واقع ہے جو خاکستری رنگ کے چھوٹے ٹیلوں پر واقع پرانے شہر اور جنوب مغرب میں نہر ابو رمان اور شمال مشرق میں جبل جعابرہ کے درمیان واقع ہے۔ ''الخلیل'' کی تمام عمارتوں میں سے ''الحرم'' زیادہ معروف ہے۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مطبوعہ دار الفکر بالبیروت، جلد نمبر: ۸، صفحہ نمبر: ۴۳۳۔۴۳۴)

اور پھر اللہ ذوالجلال نے اپنے خلیل کو حکم دیا کہ اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر چاروں اطراف میں اپنی نظر دوڑائیں۔ جہاں تک ان کی نظر پہنچے گی وہ زمین ان کی ملکیت ہو جائے گی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ''میں تمہاری اولاد میں اتنی برکت دوں گا کہ وہ زمین کی کنکریوں کے برابر ہو جائے گی۔'' (البدایہ والنہایہ، جلد اوّل، صفحہ: ۱۴۴۔ تاریخ ابن خلدون، جلد دوم، صفحہ: ۴۲۔ Holy Bible_Genesis, Chapter: 13, P: 9) یہ بشارت آج تک اُمت محمدیہ میں جاری و ساری ہے۔ اور اس بشارت کی تائید اللہ کے آخری رسول سیّدنا محمد بن عبداللہ القرشی الہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان میں بھی ہوتی ہے کہ جس میں آپ نے فرمایا تھا:

((اِنَّ اللّٰهَ زوی لی الارض فرایتُ مشارقها ومغاربها وسیبلغ مِلكُ اُمتی مازوی لی منها .))

''اللہ نے میرے لیے زمین کو سکیڑ دیا اور میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا، تو اس میں سے جتنا حصہ میرے لیے سکیڑ دیا گیا وہاں تک میری اُمت کی حکومت پہنچ جائے گی۔'' (البدایہ والنہایہ، جلد اوّل، صفحہ: ۱۴۴)

پھر ان کے مال میں اللہ نے اتنی برکت دی کہ ارض کنعان ان پر تنگ پڑ گئی۔ انھیں پورے علاقے کی بادشاہی بھی عطا فرما دی۔ لوگ کثرت سے دین ابراہیمی اختیار کرنے لگے۔

ذبیح اللہ کی ولادت:..... وقت گزرتا رہا اور دونوں بابرکت چچا بھتیجا، دعوت و اصلاح کے حوالے سے اپنے اپنے علاقے میں کام کرتے رہے، حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۵ سال ہو گئی اور یہاں فلسطین میں رہتے ہوئے ۸ سال کا عرصہ بیت گیا، (البدایہ والنہایہ، جلد اوّل، صفحہ: ۱۴۴) مگر ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ یہ بات سارہ کے دل میں بھی گھر کر گئی کہ شاید اس کی قسمت میں اولاد نہ ہو۔ کیونکہ بڑھاپا سر پر آ گیا تھا، عمر ۷۷ سال ہو چکی اور خلیل اللہ کے بالوں میں سفیدی جھانکنے لگی تھی۔ کہنے لگیں: ''اللہ کے خلیل! میں اپنی خادمہ ھاجرہ آپ کو ودیعت کرتی ہوں، اس سے نکاح کر لیں، شاید اللہ ہمیں اولاد عطا فرما دے۔'' ابراہیم علیہ السلام کے دل میں بھی اولاد کی خواہش موجزن ہو گئی، اللہ کے حضور کھڑے ہو گئے اور نماز کے بعد مانگی:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾

''اے ربِ کریم! ایک نیک بیٹا عطا فرما دے۔'' (الصافات: ۱۰۰)

ھاجرہ ایک نیک طبیعت، فرمانبردار اور خوش شکل بی بی تھیں، مصر کی شہزادی اور ناز و نعم میں پلی تھیں۔ اچھے برے کی تمیز تھی، سلیقہ مند اور صابرہ تھیں۔ نیکی اور دینداری خلیل اللہ کے گھرانے سے سیکھ لی تھی۔ جب خبر ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام ان سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو فوراً راضی ہو کر درجہ خادمیت سے مقامِ زوجیت میں داخل ہو گئیں۔

اللہ ذوالجلال قادرِ مطلق ہے، وہ جب، جیسا اور جو بھی کام کرنا چاہتا ہے، کر دیتا ہے۔ اسے کسی سبب، وسیلے اور مددگار و مشیر کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اس کی مشیت کو وہی بہتر جانتا ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت و دانائی اور بہتری ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے فرمایا: ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾..... ''تو ہم نے اسے (ابراہیم علیہ السلام کو) ایک بردبار بیٹے کی بشارت ⇦⇦

ہے کہ اس سفر میں آپ کے ہمراہ جانے والوں میں آپ کا باپ (تارخ یعنی آزر بن ناحور) بھائی ناحور، اس کی

⇦⇦⇦ دے دی۔'' (الصافات: ۱۰۱) کچھ ہی دنوں بعد ھاجرہ اُمید سے ہوگئیں اور ان کے بتانے پر پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے ھاجرہ کے جی میں برتری والا عنصر گھر کرنے لگا اور پھر وہی ھاجرہ جو پہلے اونچی نہ بولتی تھیں اب بات بات پر سارہ سے بحث وتکرار کرنے لگیں۔ اس کا تذکرہ سارہ نے خلیل اللہ سے کیا تو انھوں نے اجازت دے دی کہ ہاجرہ کے ساتھ مناسب سا سلوک کرلو۔ تب سارہ اس کا محاسبہ کرنے لگی اور جب بات ناگوار موڑ تک جا پہنچی تو اس نے ہاجرہ کو حلفاً دھمکی دے دی کہ اگر تو باز نہ آئی تو تیرے دو تین اعضاء کاٹ دوں گی۔ ھاجرہ ڈر گئیں کہ سارہ کہیں انھیں کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔ کمر کے گرد پٹکا باندھا اور وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ اس پٹکے کی ایک طرف پیچھے کی جانب کھلی چھوڑ دی کہ جو زمین پر گھسٹتی آئے تاکہ اس کے قدموں کے نشانات مٹتے جائیں اور سارہ اسے پا نہ سکے۔ (فتح الباری، جلد: ۶، صفحہ: ۴۰۰۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء) دنیا میں یہ پہلی عورت تھیں کہ جنھوں نے اپنی کمر کے گرد پٹکا باندھنے کی ابتداء کی۔ چلتے چلتے شور کی راہ میں واقع ایک چشمے پر آ گئیں۔ آرام کے لیے بیٹھیں تو ایک فرشتہ غیب سے مخاطب ہوا: ''نیک بی بی! کہاں کا ارادہ ہے؟'' بی بی تو پہلے سے ہی بھری بیٹھی تھیں۔ زار و قطار رونے لگیں، جب جی ہلکا ہوگیا تو بولیں: ''بس مجھے اب واپس نہیں جانا، ان لوگوں کو تو کسی کی قدر ہی نہیں، جب دیکھو لڑتی جھگڑتی رہتی ہیں اور اب میری جان کے درپے ہوگئی ہیں۔ میری خدمت کا یہ نتیجہ نکلا؟'' فرشتے نے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''بی بی! گھبرانا نہیں چاہیے، چلو اُٹھو اور گھر جاؤ، تمھیں اللہ کریم ایک عظیم فرزند عطا کرنے والا ہے، جو نبی بھی ہوگا اور کئی قبیلوں کا جدامجد بھی، اس کا نام اسماعیل رکھنا!'' (گزشتہ تمام واقعات کے لیے دیکھیے: (۱) البدایہ والنہایہ، جلد اوّل۔ (۲) تاریخ طبری، جلد اوّل۔ (۳) Holy Bible, Chapter 16) نیک بی بی یہ ساری باتیں سن کر خوش ہوگئیں اور پھر گھر لوٹ آئیں۔ سارہ بی بی نے پوچھا تک نہیں کہ کہاں گئی تھیں اور کہاں سے آئی ہو؟

دن اسی طرح گزرتے رہے حتیٰ کہ ولادت کے دن قریب آ گئے اور تب ہاجرہ نے ایک خوبصورت بچے کو جنم دیا کہ جس کا نام ''اسماعیل'' رکھا گیا۔ اس وقت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ سال ہوچکی تھی اور یہ بچہ شام کے علاقہ فلسطین میں حمرون کے مقام پر پیدا ہوا۔ (الکشاف۔ سورۂ ابراہیم، آیت نمبر: ۳۹۔ روح المعانی، سورۂ ابراہیم، آیت نمبر: ۳۹۔ قرطبی، سورۂ ابراہیم، آیت نمبر: ۳۹۔ البدایہ والنہایہ، جلد اوّل، صفحہ: ۱۴۴، طبع دار الریان للتراث فی مصر) بچے کی ولادت سے گھر میں خوشیاں دوبالا ہوگئیں اور سب کے جی مسرور ہوئے۔ مگر جیسے جیسے دن گزرتے گئے دونوں بیبیوں کے دل آپس میں دور ہوتے چلے گئے اور شیطان نے اس موقع سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ ہاجرہ کے جی میں ڈالا کہ اللہ نے انھیں اولاد سے نوازا ہے، لہٰذا ان کی قدر زیادہ ہونی چاہیے۔ ادھر سارہ کے جی میں یہ بات ڈالتا کہ ہاجرہ تو ایک خادمہ تھی اگر تم نکاح کی اجازت نہ دیتیں تو اسے یہ نعمت کیسے مل سکتی تھی؟ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے کوشش تو بہت کی کہ معاملہ رفع دفع ہوجائے مگر اللہ کی طرف سے بھی حکم آ گیا کہ اس موضوع پر سارہ کی بات مانی جائے۔ (تاریخ ابن خلدون، جلد دوم، صفحہ: ۴۲) چنانچہ آپ نے جب اس سے مشورہ کیا تو اس نے اپنی قسم پوری کرنے والا ارادہ بھی دھرایا اور یہ بھی مطالبہ کیا کہ ہاجرہ کو بچے سمیت کہیں دور چھوڑ آئیں۔ خلیل اللہ نے ہاجرہ واسماعیل کی ہجرت والی بات تو من وعن تسلیم کرلی مگر اعضاء کاٹنے والی قسم میں سفارش کی کہ اس معاملے میں سارہ نرمی کرے۔ چنانچہ وہ مان گئی اور اس نے ہاجرہ کے دونوں کان چھید ڈالے (اور یہ دنیا کی پہلی عورت تھی کہ جس کے کان چھیدے گئے۔) پھر ربِ ذوالجلال کی طرف سے بھیجی گئی سواری ''براق'' پر ہاجرہ واسماعیل کو سوار کرکے آپ بحر احمر کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے ارض العرب میں فارانی پہاڑیوں کی وادی بطحاء میں آ داخل ہوئے۔

(فتح الباری، جلد ششم، صفحہ: ۴۰۱۔ بروایہ ابن اسحاق صاحب سیرۃ ابن ہشام) ⇨⇨⇨

بیوی ملکاہ، بھتیجا لوط (علیہ السلام) اور بیوی سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھے۔ اور یہ کہ بابل سے ہجرت کر جانے سے پہلے

⇦⇦⇦ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا، عورتوں میں کمر پٹہ باندھنے کا رواج اسماعیل علیہ السلام کی والدہ (ھاجرہ) سے چلا ہے۔ سب سے پہلے انھوں نے کمر پٹہ اس لیے باندھا تھا تاکہ سارہ ان کا سراغ نہ پائیں (وہ جلد بھاگ جائیں) پھر انھیں اور ان کے بیٹے اسماعیل کو ابراہیم (علیہما السلام) ساتھ لے کر مکہ میں آئے، اس وقت ابھی وہ اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی تھیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے دونوں کو ایک بڑے درخت کے پاس بٹھا دیا جو اس جگہ تھا جہاں آبِ زمزم ہے، مسجد کی بلند جانب میں۔ ان دنوں مکہ میں کوئی انسان نہیں تھا۔ اس لیے وہاں پانی بھی نہیں تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو وہیں چھوڑ دیا اور ان کے لیے ایک چمڑے کے تھیلے میں کھجور اور ایک مشک میں پانی رکھ دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام (اپنے گھر کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کے پیچھے پیچھے آئیں اور کہا کہ اے ابراہیم! اس خشک جنگل میں جہاں کوئی بھی آدمی اور کوئی چیز موجود نہیں، آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ انھوں نے کئی دفعہ اس بات کو دہرایا، لیکن ابراہیم علیہ السلام ان کی طرف دیکھتے نہیں تھے۔ آخر ھاجرہ علیہا السلام نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں، اس پر ھاجرہ علیہا السلام بول اُٹھیں کہ پھر اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت کرے گا، وہ ہم کو ہلاک نہیں کرے گا۔ چنانچہ وہ واپس آ گئیں اور ابراہیم علیہ السلام روانہ ہو گئے۔ جب وہ ثنیہ پہاڑی پر پہنچے جہاں سے وہ دکھائی نہیں دیتے تھے تو ادھر رُخ کیا، جہاں اب کعبہ ہے (جہاں پر ھاجرہ اور اسماعیل علیہما السلام کو چھوڑ کر آئے تھے) پھر آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر یہ دُعا کی: اے میرے رب! میں نے اپنی اولاد کو اس بے آب و دانہ میدان میں ٹھہرایا ہے۔ (سورۂ ابراہیم) یَشْکُرُوْنَ تک۔ ادھر اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کو دودھ پلانے لگیں اور خود پانی پینے لگیں۔ آخر جب مشک کا سارا پانی ختم ہو گیا تو وہ پیاسی رہنے لگیں اور ان کے لختِ جگر بھی پیاسے رہنے لگے۔ وہ اب دیکھ رہی تھیں کہ سامنے ان کا بیٹا (پیاس کی شدت سے) پیچ و تاب کھا رہا ہے یا زمین پر لوٹ رہا ہے۔ وہ وہاں سے ہٹ گئیں کیونکہ اس حالت میں بچے کو دیکھنے سے ان کا دل بے چین ہوتا تھا۔ صفا پہاڑی وہاں سے نزدیک تر تھی۔ وہ (پانی کی تلاش میں) اس پر چڑھ گئیں اور وادی کی طرف رُخ کر کے دیکھنے لگیں کہ کہیں کوئی انسان نظر آئے لیکن کوئی انسان نظر نہیں آیا، وہ صفا سے اُتر گئیں اور جب وادی میں پہنچیں تو اپنا دامن اُٹھا لیا (تاکہ دوڑتے وقت نہ اُلجھیں) اور کسی پریشان حال کی طرح دوڑنے لگیں پھر وادی سے نکل کر مروہ پہاڑی پر آئیں اور اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں کہ کہیں کوئی انسان نظر آئے لیکن کوئی نظر نہیں آیا۔ اس طرح انھوں نے سات چکر لگائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: (صفا اور مروہ کے درمیان) لوگوں کے لیے دوڑنا اسی وجہ سے مشروع ہوا۔ ساتویں مرتبہ جب وہ مروہ پر چڑھیں تو انھیں ایک آواز سنائی دی۔ انھوں نے کہا: خاموش! یہ خود اپنے ہی سے وہ کہہ رہی تھیں اور پھر آواز کی طرف انھوں نے کان لگا دیئے۔ آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ پھر انھوں نے کہا کہ تمھاری آواز میں نے سنی۔ اگر تم میری کوئی مدد کر سکتے ہو تو کرو۔ کیا دیکھتی ہیں کہ جہاں آبِ زمزم (کا کنواں) ہے، وہیں ایک فرشتہ موجود ہے۔ فرشتے نے اپنی ایڑھی زمین میں گڑھا کر دیا۔ جس سے وہاں پانی اُبل آیا۔ حضرت ھاجرہ نے اسے حوض کی شکل میں بنا دیا اور اپنے ہاتھ سے اس طرح کر دیا (تاکہ پانی بہنے نہ پائے) اور چلو سے پانی اپنے مشکیزہ میں ڈالنے لگیں۔ جب وہ بھر چکیں تو وہاں سے چشمہ پھر ابل پڑا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ! اُمّ اسماعیل پر رحم کرے، اگر زمزم کو انھوں نے یوں ہی چھوڑ دیا ہوتا یا آپ نے فرمایا کہ چلو سے مشکیزہ نہ بھرا ہوتا تو زمزم ایک بہتے ہوئے چشمے کی صورت میں ہوتا۔ بیان کیا کہ پھر ھاجرہ نے خود بھی وہ پانی پیا اور اپنے بیٹے کو بھی پلایا۔ اس کے بعد ان سے فرشتے نے کہا کہ اپنے برباد ہونے کا خوف ہرگز نہ کرنا، کیونکہ یہیں خدا کا گھر ہوگا، جسے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کریں گے اور اللہ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا۔ اب جہاں بیت اللہ ہے، اس وقت وہاں ٹیلے کی طرح زمین اُٹھی ہوئی تھی۔ سیلاب کا دھارا آتا اور اس کے دائیں بائیں سے زمین کاٹ کر لے جاتا۔ اس طرح وہاں ⇦⇦⇦

سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا جب سے اُن کے نکاح میں آئی تھیں مکمل ایمان و اسلام کی حالت میں آپ علیہ السلام کے ہر دکھ درد

⇦⇦ کے دن اور رات گزرتے رہے بالآخر ایک دن قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے یا (آپ نے یہ فرمایا کہ) قبیلہ جرہم کے چند گھرانے مقام کداء (مکہ کا بالائی حصہ) کے راستے سے گزر کر مکہ کے نشیبی علاقے میں انھوں نے پڑاؤ کیا (قریب ہی) انھوں نے منڈلاتے ہوئے کچھ پرندے دیکھے۔ ان لوگوں نے کہا: یہ پرندہ پانی پر منڈلا رہا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے جب بھی ہم اس میدان سے گزرے ہیں، یہاں پانی کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ آخر انھوں نے اپنا ایک آدمی یا دو آدمی بھیجے۔ وہاں انھوں نے واقعی پانی پایا، چنانچہ انھوں نے واپس آکر پانی کی اطلاع دی۔ اب یہ سب لوگ یہاں آئے۔ راوی نے بیان کیا کہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اس وقت پانی پر ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ کیا آپ ہمیں اپنے پڑوس میں پڑاؤ ڈالنے کی اجازت دیں گی۔ ھاجرہ علیہا السلام نے فرمایا کہ ہاں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ انھوں نے اسے تسلیم کرلیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب اُمّ اسماعیل کو پڑوسی مل گئے۔ انسانوں کی موجودگی ان کے لیے دلجمعی کا باعث ہوئی۔ ان لوگوں نے خود بھی یہاں قیام کیا اور اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو بھی بلوالیا اور وہ سب لوگ بھی یہیں آکر ٹھہر گئے۔ اس طرح یہاں ان کے کئی گھرانے آکر آباد ہوگئے اور بچہ (اسماعیل علیہ السلام جرہم کے بچوں میں) جوان ہوا اور ان سے عربی سیکھ لی۔ جوانی میں اسماعیل علیہ السلام ایسے خوبصورت تھے کہ آپ پر سب کی نظریں اُٹھتی تھیں اور سب سے زیادہ آپ بھلے لگتے تھے۔ چنانچہ جرہم والوں نے آپ کی شادی اپنے قبیلے کی ایک لڑکی سے کردی۔ پھر اسماعیل علیہ السلام کی والدہ (ھاجرہ) کا انتقال ہوگیا۔ اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد ابراہیم علیہ السلام یہاں اپنے چھوڑے ہوئے خاندان کو دیکھنے آئے۔ اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہیں تھے۔ اس لیے آپ نے ان کی بیوی سے اسماعیل کے متعلق پوچھا۔ انھوں نے بتایا کی روزی کی تلاش میں کہیں گئے ہیں۔ پھر آپ نے ان سے ان کی معاش وغیرہ کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا کہ حالت اچھی نہیں ہے، بڑی تنگی سے گزر اوقات ہوتی ہے۔ اس طرح انھوں نے شکایت کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارا شوہر آئے تو ان سے میرا اسلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔ پھر جب اسماعیل علیہ السلام واپس تشریف لائے تو جیسے انھوں نے کچھ انسیت سی محسوس کی اور دریافت فرمایا: کیا کوئی صاحب یہاں آئے تھے؟ ان کی بیوی نے بتایا کہ ہاں ایک بزرگ اس اس شکل کے یہاں آئے تھے اور آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے؟ میں نے انھیں بتایا (کہ آپ باہر گئے ہوئے ہیں) پھر انھوں نے پوچھا کہ تمہاری گزر اوقات کا کیا حال ہے؟ تو میں نے ان سے کہا کہ ہماری گزر اوقات بڑی تنگی سے ہوتی ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ انھوں نے تمھیں کچھ نصیحت بھی کی تھی؟ ان کی بیوی نے بتایا کہ ہاں مجھ سے انھوں نے کہا تھا کہ آپ کو سلام کہہ دوں اور وہ یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں۔ اسماعیل نے فرمایا کہ وہ بزرگ میرے والد تھے اور مجھے یہ حکم دے گئے ہیں کہ میں تمھیں جدا کردوں۔ اب تم اپنے گھر جاسکتی ہو۔ چنانچہ اسماعیل علیہ السلام نے انھیں طلاق دے دی اور بنی جرہم ہی میں ایک دوسری عورت سے شادی کرلی۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور رہا، ابراہیم علیہ السلام ان کے یہاں نہیں آئے۔ پھر جب کچھ دنوں کے بعد وہ تشریف لائے تو اس مرتبہ بھی اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر پر موجود نہیں تھے۔ آپ ان کی بیوی کے یہاں گئے اور ان سے اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ ہمارے لیے روزی تلاش کرنے گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ تم لوگوں کا حال کیسا ہے؟ آپ نے ان کی گزر بسر اور دوسرے حالات کے متعلق پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ ہمارا حال بہت اچھا ہے، بڑی فراخی ہے، انھوں نے اس کے لیے اللہ کی تعریف وثنا کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کھاتے کیا ہو؟ انھوں نے بتایا کہ گوشت! آپ نے دریافت فرمایا کہ پیتے کیا ہو؟ بتایا کہ پانی! ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے دُعا کی: اے اللہ! ان کے گوشت اور پانی میں برکت نازل فرما۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دنوں انھیں اناج میسر نہیں تھا۔ اگر اناج بھی ان کے کھانے میں شامل ہوتا تو ضرور آپ اس ⇦⇦

میں آپ کی شریک تھیں۔ (تفصیل کے لیے: تاریخ ابن خلدون، جلد دوم، صفحہ: ۴۱ اور البدایہ والنہایہ، جلد اوّل، صفحہ: ۱۴۱)

⇦⇦ مین بھی برکت کی دُعا کرتے۔ صرف گوشت اور پانی کی خوراک میں ہمیشہ گزارہ کرنا مکہ کے سوا اور کسی زمین پر بھی موافق نہیں پڑتا۔ ابراہیم علیہ السلام نے (جاتے ہوئے) اس سے فرمایا کہ جب تمہارے شوہر واپس آجائیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور ان سے کہہ دینا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ باقی رکھیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو پوچھا کہ کیا یہاں کوئی آیا تھا؟ انھوں نے بتایا کہ جی ہاں ایک بزرگ، بڑی اچھی شکل وصورت کے آئے تھے۔ بیوی نے آنے والے بزرگ کی تعریف کی۔ پھر انھوں نے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا (کہ کہاں ہیں؟) اور میں نے بتادیا، پھر انھوں نے پوچھا کہ تمہاری گزر بسر کا کیا حال ہے۔ تو میں نے بتایا کہ ہم اچھی حالت میں ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کیا انھوں نے تمھیں کوئی وصیت بھی کی تھی؟ انھوں نے کہا جی ہاں، انھوں نے آپ کو سلام کہا تھا اور حکم دیا تھا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو باقی رکھیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بزرگ میرے والد تھے، چوکھٹ تم ہو اور آپ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمھیں اپنے ساتھ رکھوں۔ پھر جتنے دنوں اللہ تعالیٰ کو منظور رہا، کے بعد ابراہیم ان کے یہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ اسماعیل زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے سائے میں (جہاں ابراہیم انھیں چھوڑ گئے تھے) اپنے تیر بنا رہے ہیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو ان کی طرف کھڑے ہوگئے اور جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اور بیٹا اپنے باپ کے ساتھ محبت کرتا ہے وہی طرزِ عمل ان دونوں نے بھی ایک دوسرے کے ساتھ اختیار کیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اسماعیل! اللہ نے مجھے ایک حکم دیا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا: آپ کے رب نے جو حکم آپ کو دیا ہے آپ اسے ضرور پورا کریں۔ انھوں نے فرمایا: اور تم بھی میری مدد کرسکو گے؟ عرض کیا کہ میں آپ کی مدد کروں گا۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسی مقام پر اللہ کا ایک گھر بناؤں اور آپ نے ایک اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا کہ اس کے چاروں طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت ان دونوں نے بیت اللہ کی بنیاد پر عمارت کی تعمیر شروع کی۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے اور ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے تھے۔ جب دیواریں بلند ہوگئیں تو اسماعیل یہ پتھر لائے اور ابراہیم علیہ السلام کے لیے اسے رکھ دیا۔ اب ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہوکر تعمیر کرنے لگے، اسماعیل علیہ السلام پتھر دیتے جاتے تھے اور دونوں یہ دُعا پڑھتے جاتے تھے۔ ہمارے رب! ہماری یہ خدمت تو قبول کر، بے شک تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ فرمایا کہ یہ دونوں تعمیر کرتے رہے اور بیت اللہ کے چاروں طرف گھوم گھوم کر یہ دُعا پڑھتے رہے: ''اے ہمارے رب! ہماری طرف سے یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک تو بڑا سننے والا، بہت جاننے والا ہے۔''

صحیح البخاری میں ہی مذکور اس سے اگلی حدیث میں سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی بیان فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی (حضرت سارہ علیہا السلام) کے درمیان میں جو کچھ جھگڑا ہونا تھا جب وہ ہوا تو آپ اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ (حضرت ھاجرہ علیہا السلام) کو لے کر نکلے، ان کے ساتھ ایک مشکیزہ تھا کہ جس میں پانی تھا۔ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اسی مشکیزہ کا پانی پیتی رہیں اور اپنا دودھ اپنے بچے کو پلاتی رہیں۔ جب ابراہیم مکہ پہنچے تو انھیں ایک بڑے درخت کے پاس ٹھہرا کر اپنے گھر واپس جانے لگے۔ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کے پیچھے پیچھے آئیں۔ جب مقام کداء پر پہنچے تو انھوں نے پیچھے سے آواز دی کہ اے ابراہیم! ہمیں کس پر چھوڑ کر جارہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ اللہ پر۔ ھاجرہ علیہا السلام نے کہا کہ پھر میں اللہ پر خوش ہوں۔ بیان کیا کہ پھر حضرت ھاجرہ اپنی جگہ پر واپس چلی آئیں اور اسی مشکیزے سے پانی پیتی رہیں اور اپنا دودھ اپنے بچے کو پلاتی رہیں، جب پانی ختم ہوگیا تو انھوں نے سوچا کہ اِدھر اُدھر دیکھنا چاہیے، ممکن ہے کہ کوئی آدمی نظر آجائے۔ راوی نے بیان کیا کہ یہی سوچ کر وہ صفا (پہاڑی) پر چڑھ گئیں اور چاروں طرف دیکھا کہ شاید کوئی نظر آجائے لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ پھر جب وادی میں اُتریں تو دوڑ کر مروہ تک آئیں۔ اسی طرح کئی چکر لگائے، پھر سوچا کہ چلوں ذرا بچے کو تو دیکھوں کس حالت میں ہے۔ چنانچہ آئیں اور دیکھا تو بچہ اسی حالت میں تھا ⇦⇦

واقعہ کی تفصیل:

قرآنِ حکیم میں سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کے واقعات و حالات میں سے صرف ایک دن کا قصہ ہمارے سامنے بیان

⇦⇦⇦ (جیسے تکلیف کے مارے) موت کے لیے تڑپ رہا ہو۔ یہ حال دیکھ کر ان سے صبر نہ ہوسکا، سوچا چلوں دوبارہ دیکھوں ممکن ہے کہ کوئی آدمی نظر آ جائے، آئیں اور صفا پہاڑ پر چڑھ گئیں اور چاروں طرف نظر پھیر پھر کر دیکھتی رہیں، لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ اس طرح حضرت ھاجرہ علیہا السلام نے سات چکر لگائے، پھر سوچا، چلوں دیکھوں بچہ کس حالت میں ہے؟ اسی وقت انھیں ایک آواز سنائی دی۔ انھوں نے (آواز سے مخاطب ہوکر) کہا کہ اگر تمہارے پاس کوئی بھلائی ہے تو میری مدد کرو۔ وہاں جبرائیل علیہ السلام موجود تھے۔ انھوں نے اپنی ایڑی سے یوں کیا (اشارہ کرکے بتایا) اور زمین ایڑی سے کھودی۔ راوی نے بیان کیا کہ اس عمل کے نتیجے میں وہاں سے پانی پھوٹ پڑا۔ اُمّ اسماعیل ڈریں۔ (کہیں یہ پانی غائب نہ ہوجائے) پھر وہ زمین کھودنے لگیں۔ راوی نے بیان کیا کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ پانی کو یوں ہی رہنے دیتیں تو پانی زمین پر بہتا رہتا۔ غرض ھاجرہ علیہا السلام زمزم کا پانی پیتی رہیں اور اپنا دودھ اپنے بچے کو پلاتی رہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس کے بعد قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ وادی کے نشیب سے گزرے۔ انھیں وہاں پرند نظر آئے۔ انھیں یہ کچھ خلافِ عادت معلوم ہوا۔ انھوں نے آپس میں کہا کہ پرندہ تو صرف پانی ہی پر (اس طرح) منڈلا سکتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنا آدمی وہاں بھیجا۔ اس نے جا کر دیکھا تو واقعی وہاں پانی موجود تھا۔ اس نے آ کر اپنے قبیلے والوں کو خبر دی تو یہ سب لوگ یہاں آ گئے اور کہا کہ اے اُمّ اسماعیل! کیا آپ ہمیں اپنے ساتھ قیام کرنے کی اجازت دیں گی؟ پھر ان کے بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) بالغ ہوئے اور قبیلہ جرہم ہی کی ایک لڑکی سے ان کا نکاح ہوگیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ پھر ابراہیم علیہ السلام کو خیال آیا اور انھوں نے اپنی اہلیہ (حضرت سارہ علیہا السلام) سے فرمایا کہ میں جن لوگوں کو (مکہ میں) چھوڑ آیا تھا ان کی خبر لینے جاؤں گا۔ ابن عباس نے بیان کیا کہ پھر ابراہیم علیہ السلام مکہ تشریف لائے اور سلام کرکے دریافت فرمایا کہ اسماعیل کہاں ہیں؟ ان کی بیوی نے بتایا کہ شکار کے لیے گئے۔ انھوں نے فرمایا کہ جب وہ آئیں تو ان سے کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام آئے تو ان کی بیوی نے واقعہ کی اطلاع دی۔ اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ تمھیں ہو (جسے بدلنے کے لیے ابراہیم علیہ السلام کہہ گئے ہیں) اب تم اپنے گھر جاسکتی ہو۔ بیان کیا کہ پھر ایک مدت کے بعد دوبارہ ابراہیم علیہ السلام کو خیال ہوا اور انھوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ میں جن لوگوں کو چھوڑ آیا ہوں، انھیں دیکھنے جاؤں گا۔ راوی نے بیان کیا کہ ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ اسماعیل کہاں ہیں؟ ان کی بیوی نے بتایا کہ شکار کے لیے گئے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ ٹھہریئے اور کھانا تناول فرمالیجیے۔ ابراہیم علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کھاتے پیتے کیا ہو؟ انھوں نے بتایا کہ گوشت کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں۔ آپ نے دُعا کی کہ اے اللہ! ان کے کھانے اور ان کے پانی میں برکت نازل فرما۔ بیان کیا کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام کی اس دُعا کی برکت اب تک چلی آرہی ہے۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر (تیسری بار) ابراہیم علیہ السلام کو ایک مدت کے بعد خیال ہوا اور اپنی اہلیہ سے انھوں نے کہا کہ جن کو میں چھوڑ آیا ہوں، ان کی خبر لینے مکہ جاؤں گا۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور اس مرتبہ اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جو زمزم کے پیچھے اپنے تیر ٹھیک کررہے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے اسماعیل! تمہارے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں اس کا ایک گھر بناؤں۔ بیٹے نے عرض کیا کہ پھر آپ اپنے رب کا حکم بجا لائیے۔ انھوں نے فرمایا اور مجھے یہ بھی حکم دیا ہے کہ تم اس کام میں میری مدد کرو۔ عرض کیا کہ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ یا اسی قسم کے اور الفاظ ادا کیے۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر دونوں باپ بیٹے اُٹھے۔ ابراہیم علیہ السلام دیواریں اُٹھاتے تھے اور اسماعیل علیہ السلام انھیں پتھر لا لا کر دیتے تھے اور دونوں یہ دُعا کرتے جاتے تھے۔ اے ہمارے رب! ہماری طرف سے یہ خدمت قبول کر۔ بے شک تو بڑا سننے والا، بہت جاننے والا ہے۔ راوی نے بیان کیا کہ آخر جب دیوار بلند ہوگئی ⇦⇦⇦

کیا گیا ہے۔ اور یہ وہ دن تھا کہ جس دن سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اللہ کے فرشتے انسانی ڈیل ڈول اور شکل

⇦⇦ اور بزرگ (ابراہیم علیہ السلام) کو پتھر (دیوار پر) رکھنے میں دشواری ہوئی تو وہ مقام (ابراہیم) کے پتھر پر کھڑے ہوئے اور اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر اُٹھا اُٹھا کر دیتے جاتے اور ان حضرات کی زبان پر یہ دُعا جاری تھی: ''اے ہمارے رب! ہماری طرف سے اسے قبول فرمالے۔ بے شک تو بڑا سننے والا بہت جاننے والا ہے۔'' (دیکھئے: صحیح البخاری / کتاب احادیث الانبیاء / باب قول اللہ تعالیٰ: واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا، ح: ۳۳۶۴، ۳۳۶۵) قرآنِ حکیم میں اللہ رب العالمین نے اپنے خلیل نبی ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ اگرچہ یہاں اسماعیل کا بھی اللہ تعالیٰ نے نام نہیں لیا اور نہ ہی ان کی والدہ ھاجرہ علیہا السلام کا مگر احادیث میں دونوں کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ۝ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۝ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ۝ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۝ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ۝ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ۝ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِنَفْسِهِ مُبِينٌ ۝ ﴾ (الصافات: ۸۳ تا ۱۱۳)

''اور بے شک اس کے گروہ میں سے یقیناً ابراہیم (بھی) ہے۔ جب وہ اپنے رب کے پاس بے روگ دل لے کر آیا۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ کیا اللہ کو چھوڑ کر گھڑے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟ تو جہانوں کے رب کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے؟ پس اس نے ستاروں میں ایک نگاہ ڈالی۔ پھر کہا میں تو بیمار ہوں۔ تو وہ اس سے پیٹھ پھیر کر واپس چلے گئے۔ تو وہ چپکے سے ان کے معبودوں کی طرف گیا اور اس نے کہا کیا تم کھاتے نہیں؟ تمھیں کیا ہے کہ تم بولتے نہیں؟ پھر وہ دائیں ہاتھ سے مارتے ہوئے ان پر پل پڑا۔ تو وہ دوڑتے ہوئے اس کی طرف آئے۔ اس نے کہا کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جسے خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی نے تمھیں پیدا کیا اور اسے بھی جو تم کرتے ہو۔ انھوں نے کہا اس کے لیے ایک عمارت بناؤ، پھر اسے بھڑکتی آگ میں پھینک دو۔ غرض انھوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلنے کا ارادہ کیا تو ہم نے انھی کو سب سے نیچا کر دیا۔ اور اس نے کہا بے شک میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، وہ مجھے ضرور راستہ دکھائے گا۔ اے میرے رب! مجھے (لڑکا) عطا کر جو نیکوں سے ہو۔ تو ہم نے اسے ایک بہت بردبار لڑکے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچ گیا تو اس نے کہا اے میرے چھوٹے بیٹے! بلاشبہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بے شک میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تو دیکھ تو کیا خیال کرتا ہے؟ اس نے کہا اے میرے باپ! تجھے جو حکم دیا جا رہا ہے کر گزر، اگر اللہ نے چاہا تو تو ضرور مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔ تو جب دونوں نے حکم مان لیا اور اس نے اسے پیشانی کی ایک جانب پر گرا دیا۔ اور ہم نے اسے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے خواب سچا کر دکھایا، بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح ⇦⇦

وصورت میں آئے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان کی تکریم فرمائی اور ان کے سامنے کھانا پیش کرنے میں جلدی سے

⇐⇐⇐ جزا دیتے ہیں۔ بے شک یہی تو یقیناً کھلی آزمائش ہے۔ اور ہم نے اس کے فدیے میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دیا۔ اور پیچھے آنے والوں میں اس کے لیے یہ بات چھوڑ دی۔ کہ ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں سے تھا۔ اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی، جو نبی ہوگا، صالح لوگوں سے (ہوگا)۔ اور ہم نے اس پر اور اسحاق پر برکت نازل کی اور ان دونوں کی اولاد میں سے کوئی نیکی کرنے والا ہے اور کوئی اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والا ہے۔''

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ بتوں کے علاوہ ستاروں کی بھی پرستش کیا کرتے تھے اور ستاروں کی گردش کو حوادثِ زمانہ میں مؤثر مانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں مغالطے میں ڈالنے کے لیے ستاروں پر ایک نظر ڈالی، تاکہ وہ سمجھیں کہ ستاروں سے اپنا آئندہ حال معلوم کر رہے ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ محاورہ ہے جو غور وفکر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا جیسا کہ ہر شخص جب کوئی غور طلب معاملہ آتا ہے تو آسمان کی سمت یا اوپر کی طرف دیکھتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (ابن کثیر) یا ''میں بیمار ہونے والا ہوں'' یا ''میں بیمار ہوں'' کیونکہ دنیا میں ہر شخص کو کوئی نہ کوئی عارضہ ہوتا ہی ہے اور ابراہیم علیہ السلام قوم کی حالت دیکھ کر جو کڑھتے تھے وہ بھی اپنی جگہ ایک تکلیف تھی۔ بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توریہ کیا جو اگرچہ جائز ہے مگر اپنی ظاہری صورت میں چونکہ جھوٹ ہوتا ہے، اس لیے حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول ﴿إِنِّي سَقِيمٌ﴾ کو تین جھوٹوں میں سے ایک شمار کیا ہے جو انھوں نے اپنی زندگی میں اللہ کی خاطر ایک عظیم تر مقصد کے لیے بولے۔ مفصل بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

اُوپر قرآنی آیات میں جس بُردبار لڑکے کی خوش خبری کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد حضرت اسماعیل ہیں اور یہ پہلے لڑکے ہیں۔ ان کے حضرت اسحٰق سے بڑے ہونے پر تمام مسلمانوں اور اہل کتاب کا اتفاق ہے۔ قرآن کے اندازِ بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلے غلام حلیم کی بشارت اور اُن کے ذبح سے بچ جانے کا واقعہ نقل کیا ہے اور پھر اس کے بعد ﴿وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ﴾ ذکر کیا ہے اور ان کو ﴿نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ کہا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جوانی کو پہنچ کر نبی بنیں گے۔ نیز حضرت اسحٰق کی خوشخبری کے ساتھ ان کے بعد حضرت یعقوب کی خوشخبری ہے، اس لیے یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ذبح کا حکم دیا جائے۔ (ابن کثیر) اوپر آیت نمبر ۱۰۳ کی تفسیر میں اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ ﴿فَظَهَرَ صَبْرَهُمَا﴾ تو اُن دونوں کا صبر ظاہر ہوگیا، یہ عبارت محذوف ہے جو ''لما'' کا جواب ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو اوندھا اس لیے لٹایا کہ ذبح کرتے وقت اس کا چہرہ دیکھ کر کہیں دل میں رقت اور ہاتھ میں لرزش پیدا نہ ہو جائے...... عموماً مفسرین نے ((للجبین)) کا یہی مفہوم بیان کیا ہے اور اس سلسلہ میں بعض آثار بھی نقل کیے ہیں کہ حضرت اسماعیل نے اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کو اس طریق سے ذبح کرنے کی وصیت کی۔ ممکن ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے باپ سے یہ باتیں بطورِ احتیاط کہہ دی ہوں، مگر آیت سے یہ مفہوم اخذ کرنا بعید ہے۔ کیونکہ لفظ ''جبین'' کے معنی جبہۃ (ماتھا) کی ایک جانب کے آتے ہیں۔ پس اس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کو لٹالیا، جیسا کہ ذبح کے وقت جانور کو لٹایا جاتا ہے۔ قتادہ سے منقول ہے: ای کبّہ وحوّل وجہہ الی القبلۃ۔ یعنی ''ان کو پچھاڑ کر ان کا چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا۔'' اس سے اس مفہوم کی وضاحت ہو جاتی ہے...... پھر یہ واقعہ وادیٔ ''منیٰ'' میں صخرہ کے قریب پیش آیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ ''منحر'' کا واقعہ ہے، جس جگہ آج کل قربانی ذبح کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (قرطبی۔ روح)

اکثر مفسرینؒ کے نزدیک ''بڑی قربانی'' سے مراد ایک عظیم الشان مینڈھا ہے جو فرشتہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا تاکہ وہ بیٹے کی بجائے اس کی قربانی کریں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ ⇐⇐⇐

⇦⇦⇦ کر زور سے چھری چلائی، اللہ کے حکم سے گلا نہ کٹا۔ جبریل نے بیٹے کو سرکا دیا (اور) ایک دنبہ رکھ دیا آنکھیں کھولیں تو دنبہ ذبح پڑا تھا۔ (موضح القرآن)

دوسرے مقام پر اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝﴾ (الانبياء: ٥١ تا ٧٢)

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اس کی سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی اور ہم اسے جاننے والے تھے۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کیا ہیں یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو؟ انھوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو انھی کی عبادت کرنے والے پایا ہے۔ کہا بلاشبہ یقیناً تم اور تمھارے باپ دادا کھلی گمراہی میں تھے۔ انھوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس حق لایا ہے، یا تو کھیلنے والوں سے ہے؟ کہا بلکہ تمھارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے، جس نے انھیں پیدا کیا ہے اور میں اس پر گواہی دینے والوں سے ہوں۔ اور اللہ کی قسم! میں ضرور ہی تمھارے بتوں کی خفیہ تدبیر کروں گا، اس کے بعد کہ تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔ پس اس نے انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، سوائے ان کے ایک بڑے کے، تاکہ وہ اسی کی طرف رجوع کریں۔ انھوں نے کہا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ بلاشبہ وہ یقیناً ظالموں سے ہے۔ لوگوں نے کہا ہم نے ایک جوان کو سنا ہے، وہ ان کا ذکر کرتا ہے، اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا پھر اسے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے لاؤ، تاکہ وہ گواہ ہو جائیں۔ انھوں نے کہا کیا تو نے ہی ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا ہے اے ابراہیم!؟ اس نے کہا بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ کیا ہے، سو ان سے پوچھ لو، اگر وہ بولتے ہیں۔ تو وہ اپنے دلوں کی طرف لوٹے اور کہنے لگے یقیناً تم خود ہی ظالم ہو۔ پھر وہ اپنے سروں پر الٹے کر دیے گئے، بلاشبہ یقیناً تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں۔ کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا اس چیز کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھیں کچھ نفع دیتی ہے اور نہ تمھیں نقصان پہنچاتی ہے؟ اف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، تو کیا تم سمجھتے نہیں۔ انھوں نے کہا اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو، اگر تم کرنے والے ہو۔ ہم نے کہا اے آگ! تو ابراہیم پر سراسر ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔ اور انھوں نے اس کے ساتھ ایک چال کا ارادہ کیا تو ہم نے انھی کو انتہائی خسارے والے کر دیا۔ اور ہم نے اسے ⇦⇦⇦

ان کے اس رویہ سے ڈر گئے۔ (کہ یہ کہیں دشمن نہ ہوں۔ کیونکہ ان کے علاقے میں دستور تھا؛ اگر کوئی اجنبی آتا اور وہ مہمانی میں پیش کیا ہوا کھانا قبول نہ کرتا تو اس کے متعلق سمجھا جاتا کہ وہ کسی برے ارادے سے آیا ہے، یا یہ بھی ہوسکتا ہے...... اور شاید یہی قرین قیاس ہو کہ...... جناب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے کھانا تناول نہ کرنے کی وجہ سے ان کے فرشتے ہونا بھانپ لیا ہو اور آپ اس بنا پر ڈر گئے ہوں کہ یہ ان کی بستی پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجے گئے ہوں۔) مگر فرشتوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مطمئن کر دیا۔ اور انھوں نے آپ کو خبر دی کہ انھیں تو قومِ لوط کی طرف بھیجا گیا ہے، تاکہ وہ ان کی بستی کو ان پر اُلٹا کر اوندھا مار دیں۔ اس قوم کو وہ اچانک عذاب سے دوچار کریں گے، اس لیے کہ وہ اپنی گمراہی میں بالکل ہی غرق ہو چکے ہیں۔ (اور ایک پیغمبر کی وعظ و نصیحت بھی ان پر اثر انداز نہیں ہو رہی۔ وہ مکمل سرکشی اور ان کی بدتمیزی و گستاخی پر اُتر آئے ہیں۔)

سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا ان مہمانوں کے آنے پر کھڑی ہو کر ان کی خدمت کے لیے تیار ہو گئیں۔ اور پھر جب اُس نے ان کی خبر کے بارے میں سنا کہ وہ ایک طرف تو قومِ لوط کی سرکشی پر اُن کو سزا دینے کے لیے آئے ہیں اور

⇦⇦ اور لوط کو اس سرزمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے جہانوں کے لیے برکت رکھی۔ اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اُن کی دُعا پر اسحاق دیا بیٹا اور مزید برآں یعقوب عطا کیا پوتا۔ اور سب کو ہم نے صالح نیک بخت بنا دیا۔''

یعنی جب سب کی رائے یہی ٹھہری کہ آگ کا آلاؤ تیار کر کے ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینک دیا جائے اور پھر واقعی انھوں نے اپنے اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ابراہیم کو آگ میں پھینک دیا تو ہم نے آگ کو حکم دیا...... الخ آگ کو صرف ٹھنڈی ہو جانے ہی کا حکم نہیں دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکلیف نہ ہو، بلکہ ٹھنڈی ہو جانے کے ساتھ راحت رساں ہو جانے کا بھی حکم دیا۔ کذا قال ابن عباس رضی اللہ عنہما و ابو العالیہ۔ (ابن کثیر) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور پر ان کو بچالیا۔ اس مقام پر مفسرینؒ نے بہت سی حکایات نقل کی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ انھوں نے آگ کا بہت بڑا الاؤ تیار کیا؛ جس کا طول ۸۰ ذراع اور عرض ۴۰ ذراع تھا اور منجنیق کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے لگے تو حضرت جبریل علیہ السلام اور دوسرے فرشتوں نے اپنی خدماتِ پیش کیں، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب کے جواب میں یہی کہا: ﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت چالیس برس کے قریب تھی اور انھوں نے فرمایا کہ ''جو نعمتیں مجھ کو آگ کے اندر حاصل تھیں وہ بعد میں حاصل نہ ہوئیں۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو ہر جانور نے آگ بجھانے کی کوشش کی، سوائے ''وزغ'' کے کہ وہ آگ کو دھونک رہا تھا، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے وغیرہ۔ مگر ان جزئیات کی صحت محل نظر ہے اور عموماً یہ روایت اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔ واللہ اعلم۔ وزغ (گرگٹ) کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری میں جو حدیث مروی ہے، اس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''وزغ'' کو موذی جانور فرمایا مگر اس کے قتل کا حکم دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں سنا۔ یعنی شام و فلسطین کی سرزمین جو روحانی اور مادی دونوں قسم کی برکتوں سے مالا مال ہے۔ (سورۂ اسراء: ۱) معلوم ہوا کہ قوم سے مقابلہ اور پھر آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ ارضِ بابل میں پیش آیا تھا۔ (تفسیر کبیر) یعقوب علیہ السلام یعنی جو انھوں نے مانگا نہیں تھا لیکن ہم نے اپنی طرف سے مزید انعام کے طور پر دیا۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں: دُعا تھی بیٹے ہی کی انعام میں دیا پوتا۔ (موضح القرآن) مگر اقرب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''نافلة'' کا تعلق دونوں سے ہو۔ (تفسیر کبیر)

دوسری جانب اُنھیں بیٹے کی خوشخبری دینے کے لیے، تو وہ ہنس دیں۔ اللہ ربّ العالمین نے سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ اللہ کے لیے تکالیف برداشت کرنے کے صلہ میں اُس کے عمل کا اچھا صلہ و انعام یہ دیا کہ اُنھیں فرشتوں نے اللہ کی طرف سے پہلے اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے بیٹے کی بشارت دی اور پھر پوتے یعقوب بن اسحٰق علیہم الصلوٰۃ والسلام کی۔ ❶

سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کی طرف بیٹے کی خوشخبری اللہ کریم نے ان کے زوجِ محترم ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دے دینے کے بعد دی تھی۔ جیسے کہ فرمایا ہے:

﴿ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِنَفْسِهِ مُبِينٌ ۝﴾ (الصافات: ۱۰۹۔۱۱۳)

''کہ ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں سے تھا۔ اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی، جو نبی ہوگا، صالح لوگوں سے (ہوگا)۔ اور ہم نے اس پر اور اسحاق پر برکت نازل کی اور ان دونوں کی اولاد میں سے کوئی نیکی کرنے والا ہے اور کوئی اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والا ہے۔'' ❷

اس لیے پاکیزہ اولاد کی یہ بشارت تو دونوں (والدین) کے لیے تھی۔ ❸ اسی طرح اس خوشخبری میں یہ اعلان بھی کیا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو جس بیٹے کی بشارت دی گئی ہے وہ سارہ رضی اللہ عنہا سے ہوگا۔ (قرآن میں اس کی وضاحت موجود ہے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا۔) اور پھر سارہ کو پوتے یعقوب (علیہ السلام) کی بشارت دینے میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ وہ اس وقت زندہ رہیں گی، جب تک پوتا یعقوب پیدا نہ ہوجائے اور وہ اسے دیکھ نہ لیں۔ ❹

❶ تفصیل کے لیے حافظ ابن کثیر کی "قصص الانبیاء"، صفحہ نمبر: ۱۶۷۔ تفسیر طبری، جلد: ۱۲، صفحہ نمبر: ۷۴۔ تفسیر ابن کثیر، جلد: ٤، صفحہ: ۲٦٥، جلد: ۷، صفحہ: ۳۹۸ اور تفسیر ابی السعود، جلد: ٤، صفحہ: ۲۲٥ دیکھ لیں۔

❷ اس میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اس چیز کی دلیل ہے کہ ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام۔ کیونکہ ان کے نوجوانی کو پہنچ کر نبی بننے کی بشارت دی گئی تھی، پھر اُن کو ذبح کرنے کا حکم کیونکر دیا جاتا۔ برکت میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ انھیں کثیر الاولاد بنایا اور ان کی اولاد میں سلسلۂ نبوت رکھا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''دونوں سے بہت اولاد پھیلی۔ اسحٰق کی اولاد میں نبی گزرے، بنی اسرائیل کے اور اسماعیل کی اولاد میں عرب، جن میں ہمارے پیغمبر علیہ السلام ہوئے۔ (موضح القرآن)

❸ دیکھیے: اضواء البیان، جلد: ۳، صفحہ: ۲۹.

❹ تفسير أبي السعود، ج: ٤، ص: ۲۲٥۔ روح المعاني للألوسي، ج: ۱۲، ص: ۹۹۔ تفسير البغوي، ج: ۲، ص: ۳۹۳۔ وتفسير القرطبي، ج: ۹، ص: ٦۹۔ معاني القرآن للزجاج، ج: ۳، ص: ٦۲.

اور جب فرشتوں نے سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو بیٹے کی خوشخبری دی تو ایسے مواقع پر کہ جب ان کے سامنے کوئی حیران کن معاملہ آ جائے، عورتیں اپنی عادت کے مطابق حیرانگی کے عالم میں: ﴿يَا وَيْلَتَىٰ﴾...... ''اے وائے۔'' کا کلمہ بولا کرتی ہیں...... انھوں نے بھی ایسا ہی کہا۔ بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کے یوں کہنے: ﴿أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ﴾ (ھود:۷۲) ''کیا میں اس عمر میں بیٹا جنوں گی؟ جبکہ میں بوڑھی اور میرا یہ خاوند بوڑھا ہو چکا؟ یہ تو نہایت ہی حیران کن بات ہوگی۔'' دوسری جگہ پر ہے: ﴿قَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ﴾ (الذاریات:۱۹) ''کہنے لگیں: میں بوڑھی ہوں بانجھ۔'' (بائبل ...... باب پیدائش میں ہے کہ اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال اور سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کی عمر نوے سال تھی۔)

یعنی وہ حیران تھیں کہ ان کے اپنے بانجھ پن اور خاوند کے نہایت بوڑھا ہونے والے موانع حمل کی بنا پر وہ بیٹا کیسے جن سکے گی۔ ان موانع ولادت کو تو اللہ عزوجل نے خود طبعی طور پر انسانوں میں پیدا فرما رکھا ہے۔ انھیں یہاں اللہ عزوجل کی قدرت (عادتِ خاصہ، معجزہ) کے بارے میں تعجب نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصد اللہ کریم کا اُن پر اُس کے انعام کے بہت بڑا ہونے کو بیان کرنا تھا۔ مگر فرشتوں نے اس بنا پر کہ وہ نبوت و رسالت کے گھر میں رہ رہی ہیں اور ایک عرصہ سے اللہ عزوجل کی نشانیاں اور معجزات دیکھتی چلی آ رہی ہیں، ان کی حیرانگی کا ردّ کر دیا۔ اور انھیں اس بات کا لائق جانا کہ اس ماحول میں ان سے تعجب و حیرانگی کا اظہار نہیں ہونا چاہیے۔ اور اُنھوں نے سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو یہ جواب دیا کہ وہ بیٹا ضرور جنے گی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ایک بانجھ بوڑھی عورت کو بچہ جننے والی بنا دے۔ [1]

اس کے بعد فرشتوں نے ان کی یوں کہہ کر تعریف بھی کی:

﴿قَالُوٓا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ ٱللَّهِ رَحْمَتُ ٱللَّهِ وَبَرَكَٰتُهُۥ عَلَيْكُمْ أَهْلَ ٱلْبَيْتِ إِنَّهُۥ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۝﴾ (ھود: ۷۳)

''انھوں نے کہا: کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو! بے شک وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے۔''

اللہ عزوجل نے ابراہیم کے اہل و عیال کو اپنی نعمتوں اور بہت سارے برکت والے کاموں کے ذریعے اتنی

---

[1] دیکھئے: تفسیر القرطبي، ج: ۹، ص: ٦۹۔ تفسیر أبي السعود، ج: ٤، ص: ۲۲٦۔ تفسیر الخازن، ج: ۳، ص: ۲٤۳۔ وتیسیر الکریم الرحمٰن للسعدي، ج: ٥، ص: ۹٦۔ الکشاف، ج: ۲، ص: ۲۸۲۔ تفسیر أبي السعود، ج: ٤، ص: ۲۲٦۔ زاد المسیر لابن الجوزي، ج: ۸، ص: ۳۷.

فضیلت عطا فرمائی کہ ان برکتوں کے نتیجے میں ربّ کریم نے اسی سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے اسحٰق اور پھر پوتے یعقوب علیہما السلام کی نسل میں سے انبیاء کرام کی ایک کثیر جماعت کو پیدا فرمایا۔ ❶

اسرائیلی روایات:

سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کے واقعات کے ضمن میں تفسیر و احادیث اور تاریخ کی کتب میں بے شمار روایات درج ہوئی ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ بالا جمال یہاں کیا جاتا ہے:

ا..... سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں بطورِ مہمان فرشتوں کے بصورتِ انسان آنے کے وقت بی بی سارہ رضی اللہ عنہا دروازے کے پیچھے کھڑی تھیں۔ ❷

ب..... امام سیوطی نے جناب ضحاک رحمہ اللہ کے واسطہ سے روایت درج کی ہے کہ سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہو کر ان مہمانوں کی خدمت کرنے لگیں۔ ❸

ج..... جبکہ محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ کے واسطہ سے بیان کیا گیا ہے کہ سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا اس وقت کھڑی نماز پڑھ رہی تھیں۔ ❹

د..... ایک روایت یوں بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے اور اپنے خاوند کے بڑھاپے کی وجہ سے ان کے بیٹا جننے والی بشارت پر تعجب کی بنا پر وہ ہنس پڑی تھیں۔ ❺

ھ: سیوطی نے ہی جناب قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ سارہ رضی اللہ عنہا ستر سال کی عمر میں حائضہ ہوئی تھیں۔ جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انھوں نے نقل کیا ہے کہ یہ معاملہ (حائضہ ہونے والا) اُس وقت ہوا تھا جب ان کی عمر ۹۸ سال کو پہنچ گئی تھی۔ ❻

و..... ضمرہ بن حبیب رحمہ اللہ کے واسطہ سے یہ بھی روایت بیان کی گئی ہے کہ سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا جناب اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حمل ٹھہرنے سے پہلے حائضہ ہوگئی تھیں۔ چنانچہ جب فرشتوں نے ان کو بیٹے کی خوشخبری سنائی تو ان کا

---

❶ دیکھئے: تفسیر الطبري، ج: ۱۲، ص: ۷۷۔ البحر المحیط، ج: ۵، ص: ۲۴۵۔ تفسیر الرازي، ج: ۱۸، ص: ۲۹۔ زاد المسیر لابن الجوزي، ج: ٤، ص: ۱۳۳.

❷ تفسیر طبری. جلد: ۱۲، صفحه: ۷۱

❸ الدرّ المنثور، جلد: ٤، صفحه: ٤٤٩.

❹ دیکھئے: زاد المسیر لابن الجوزی، جلد نمبر: ٤، صفحه: ۱۲۹.

❺ الدرّ المنثور، جلد: ٤، صفحه: ٤٤٩.

❻ ایضاً، جلد نمبر: ٤، صفحه: ٤٥١، ٤٥٣.

فرشتوں سے کہنا یہ تھا کہ: میں بھی جوان تھی اور ابراہیم (علیہ السلام) بھی جوان تھے، اس وقت میں حمل نہ ہوسکی اور اب جبکہ میں اور وہ دونوں بوڑھے ہوگئے ہیں تو کیا اب میں بیٹا جنوں گی؟ وہ کہنے لگے: ''سارہ! کیا تم اس بات سے تعجب کرتی ہو؟ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے ساتھ وہ معاملہ کیا ہے کہ جو اس سے بھی بڑا ہے۔ (اور وہ ہے تمہارے خاوند کو مشرک گھرانے سے منتخب کرکے اپنی رسالت و نبوت کے لیے چن لینا اور) بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اے اہل بیت! (ابراہیم کے مقدس گھرانے والو!) تمہارے اوپر اپنی رحمت اور برکتوں کی بارش کررکھی ہے۔ بلاشبہ وہ اللہ ربّ العالمین تعریف وحمد وثناء کے لائق ہے اور نہایت بزرگ و برتر۔'' ❶

ز..... امام ضحاک رحمہ اللہ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا سے جنابِ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: اے سارہ! وہ کہنے لگیں: میرا نام یسارہ ہے، سارہ نہیں۔ تم نے میرا نام سارہ کیسے رکھ دیا؟ تو جناب جبریل علیہ السلام نے اُن سے کہا: تم یسارَہ ہی تھیں کہ جس کو حمل نہیں ٹھہر رہا تھا۔ اب تم سارہ ہوگئی ہو کہ جو حمل سے بھی ہونگی اور بیٹے کو بھی جنم دوگی۔ اسے دودھ بھی پلاؤ گی۔ یسارہ کا معنی: کمی اور قلت ہوتا ہے۔ یعنی اولاد سے محروم و نااُمید۔ جبکہ سارَہ کا مطلب ہے: مبارک بادشدہ، جس کو خوشخبری دی گئی ہو۔ ❷

اسرائیلی روایات پر نقد وتبصرہ:

ان روایات میں سے بعض تو سنداً ثابت ہیں، بعض قابل ردّ ہیں اور بعض کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ چنانچہ: یہ جو بیان ہوا ہے کہ سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا اس وقت کہ جب فرشتے آئے تھے، دروازے کے پیچھے کھڑی تھیں یا وہ کھڑی نماز پڑھ رہی تھیں تو قرآنی نص سے ہمیں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔ بلکہ اس ضمن میں جو دلیل ملتی ہے وہ یہ ہے کہ بی بی سارہ رضی اللہ عنہا اس وقت کھڑی تھیں، مہمانوں کی خدمت کے لیے۔ یہی بات پیچھے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بیان کردہ گزر چکی ہے۔ اور یہی معنی سب سے زیادہ مناسب لگتا ہے۔ اگر سیّدہ سارہ کا کھڑے ہونے سے مراد نماز ادا کرنا ہوتا تو قرآنِ حکیم اس کے بارے میں ضرور ذکر کرتا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات پر دوسرے بعض افراد صلاح وخیر کے بارے میں وضاحتاً بیان کردیا ہے۔ فرمایا:
﴿فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ﴾ ......''اور جناب زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرشتوں نے آواز دی اور وہ اس وقت اپنے حجرۂ مبارکہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔'' (آل عمران:۳۹) ایک اور مقام پر قیام کرنے والوں کا ذکر یوں فرمایا ہے:

---

❶ الدرّ المنثور، ج: ٤، ص: ٤٥٣.

❷ ایضاً، جلد: ٤، صفحہ: ٤٥٢

﴿ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرٰهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِينَ وَالْقَآئِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴾ (الحج : ٢٦)

''اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ متعین کر دی کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع، سجود کرنے والوں کے لیے پاک کر۔''

دوسرے مقام پر اسی قیام کو اس طرح سے بیان فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴾ (الفرقان : ٦٤)

''اور وہ جو اپنے رب کے لیے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے رات گزارتے ہیں۔''

تو ان آیات میں قیام بمعنی نماز صراحت سے آ گیا ہے۔ اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سیّدہ سارہ دروازے کے پیچھے کھڑی تھیں تاکہ وہ اپنے خاوند ابراہیم اور فرشتوں کے مابین ہونے والی گفتگو کو سن لیں تو اس پر بھی کوئی نص دلالت نہیں کرتی۔ پھر سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا جیسی مومنہ سے کہ جو اخلاق حمیدہ سے متصف ہو ایسے کسی عمل قبیح کا ہونا جچتا ہی نہیں ہے کہ وہ ایسا کرے گی، اس لیے کہ یوں چھپ کر دوسروں کی باتیں سنن اخلاقِ حمیدہ کے ویسے ہی خلاف ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کاموں سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا .)) ...... ''مسلمانو! بدگمانی سے بچو۔ اس لیے کہ بدگمانی کی اکثر باتیں جھوٹی ہوتی ہیں۔ لوگوں کے عیب تلاش کرنے کے پیچھے نہ پڑو۔ آپس میں حسد نہ کرو، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو۔ باہمی بغض نہ رکھو۔ بلکہ سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔'' [1]

اور سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کا فرشتوں کے ساتھ گفتگو کرنے کے حوالے سے جو بیان ہوا ہے تو اس بارے میں البتہ قرآن نے بھی کچھ بیان کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰى ءَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَّهٰذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ قَالُوٓا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ﴾ (هود : ٧٢-٧٣)

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما نهي عن التحاسد والتدابر، حديث : ٦٠٦٤- صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظن والتجسس، حديث : ٦٥٣٦.

''اس نے کہا ہائے میری بربادی! کیا میں جنوں گی، جب کہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا خاوند ہے بوڑھا، یقیناً یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔ انھوں نے کہا کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو! بے شک وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے۔''

دوسرے مقام پر اس گفت وشنید کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝ قَالُوْا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝﴾ (الذاريات: ٢٩ـ ٣٠)

''تو اس کی بیوی حیران ہو کر آگے بڑھی، پس اس نے اپنا چہرہ پیٹ لیا اور اس نے کہا بوڑھی بانجھ! انھوں نے کہا تیرے رب نے ایسے ہی فرمایا ہے، یقیناً وہی کمال حکمت والا، بے حد علم والا ہے۔''

باقی روایات کی صحت ونفی کے بارے میں ہمیں کچھ اطلاع نہیں اور اگر سنداً صحیح ہوں تو بیان کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

واقعہ مذکور بالا سے مستفاد احکام:

۱...... سیّدہ سارہ و ابراہیم علیہما السلام کے واقعہ مذکور بالا سے ہمیں مہمانوں کی مہمان نوازی کے مشروع ہونے کا حکم ملتا ہے۔ اور یہ عمل سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ یہ حکم ہمیں اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی: ﴿فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ﴾ سے بھی معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمان سے بھی۔ فرمایا: ((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ.)) ...... ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اُسے چاہیے کہ خیر کی بات کہے یا پھر وہ خاموش رہے۔ اور جو آدمی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن (قیامت) پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہمسائے کا احترام کرے اور جو شخص اللہ ربّ العالمین اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی تکریم (خوب مہمان نوازی) کرے۔'' [1]

۲...... ﴿وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ﴾ سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ مہمانوں کی خدمت کے لیے کھڑے ہونا مستحب ہے۔ [2]

۳...... اگر فتنہ سے محفوظ ہو، جاہلیت والی بے پردگی نہ ہو اور علیحدگی وتنہائی بھی نہ ہو تو اس طرح کی شرعی قیود و

[1] صحيح البخاري، حديث: ٦٠١٨ـ وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الحثّ على إكرام الجار والضيف، حديث: ١٧٣ واللفظ له.

[2] دیکھئے: الإكليل، ص: ١٥١.

حدود کے ساتھ ضرورت کے وقت گھر میں آئے ہوئے معزز اور صالح مہمانوں کی خدمت کرنے کے لیے عورت کا خدمت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ حکم ہمیں سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا کا اپنے معزز مہمانوں کی خدمت کے لیے آگے بڑھنے سے ملتا ہے، جبکہ متشدد قسم کے لوگوں کی عادات میں اسے نہایت ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ شرعاً یہ ناپسندیدہ عمل نہیں ہے۔ صحیح حدیث میں سیّدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی واقعہ میں مذکور ہے کہ ((لَـمَّا عَرَّسَ أَبُوْ أُسَيْدٍ السَّاعِدِيُّ دَعَا النَّبِيَّ ﷺ وَأَصْحَابَهُ فَمَا صَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا وَلَا قَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ إِلَّا امْرَأَتُهُ أُمُّ أُسَيْدٍ بَلَّتْ تَمَرَاتٍ فِي تَوْرٍ مِنْ حِجَارَةٍ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا فَرَغَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الطَّعَامِ أَمَاثَتْهُ لَهُ فَسَقَتْهُ تُحْفَةً بِذٰلِكَ .))

......''جب حضرت ابواسید الساعدی رضی اللہ عنہ نے شادی کی تو اُنھوں نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھانے کی دعوت دی۔ اس موقع پر کھانا ان کی دلہن اُمّ اُسید رضی اللہ عنہا نے ہی تیار کیا تھا۔ اور پھر انھوں نے ہی مردوں کے سامنے رکھا۔ انھوں نے پتھر کے بنے ہوئے ایک بڑے پیالے میں رات کے وقت کھجوریں بھگو دی تھیں اور جب نبی کریم ﷺ کھانے سے فارغ ہوئے تو انھوں نے ہی اس کا شربت آپ ﷺ کے لیے بنایا اور پھر آپ ﷺ کے سامنے (تحفہ کے طور پر) پینے کے لیے پیش کیا۔'' ❶

اسی طرح حدیث میں ابوالہیثم ابن التیہان الانصاری کی بیوی کا واقعہ بھی مذکور ہے رضی اللہ عنہا۔ کہ ((لَـمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ رضی اللہ عنہما إِلَى بَيْتِهَا وَسَأَلُوْا عَنْ زَوْجِهَا فَقَالَتْ: هُوَ قَرِيْبٌ ذَهَبَ يَسْتَعْذِبُ الْمَاءَ ، اُدْخُلُوْا فَإِنَّهُ يَأْتِي السَّاعَةَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ . فَبَسَطَتْ بِسَاطًا تَحْتَ شَجَرَةٍ .))

......''جب نبی کریم ﷺ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اُس کے گھر (دوپہر کے وقت) تشریف لائے (اور ان حضرات گرامی قدر کو ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کے گھر بھوک لے آئی تھی) اور اُنھوں نے بی بی سے اس کے شوہر کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگی: وہ نزدیک ہی ہیں۔ پینے کے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ آپ حضرات اندر تشریف لائیں۔ وہ ان شاء اللہ ابھی اسی گھڑی آجائیں گے۔ اور پھر اُس نے ایک درخت کے نیچے بیٹھنے کے لیے ایک چٹائی بچھا دی۔'' ❷

اسی طرح سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا ان مہمانوں سے گفتگو کرنے سے ضرورت کے وقت عورت کا غیرمحرم مردوں

---

❶ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب النكاح، باب قيام المرأة على الرجال في العرس وخدمتهم بالنفس، ج: ۹، ص: ۱۵۹، حديث: ۵۱۸۲

❷ دیکھیے: تفسیر ابن کثیر کی آخری جلد، تفسیر سورۃ التکاثر۔ واقعہ کی تفصیل کے لیے: صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب جواز استتباعه غيره إلى دار ....الخ، ح: ۵۳۱۳۔ وابن ماجة، كتاب الذبائح، باب النهي عن ذبح ذوات الدر، حديث: ۳۱۸۱۔ وابو داؤد، حديث: ۵۱۲۸.

سے گفتگو کرنے کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ ❶

۴...... بعض اوقات ایسے الفاظ کے استعمال کی اجازت بھی اس واقعہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جن کے ظاہری معنی سے کچھ بھی مقصود نہیں ہوتا، جیسے کہنا: ﴿يَا وَيْلَتٰى﴾ اس طرح کے کلمات میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا اور قرآن نے بیان کر دیا۔ اسی طرح یہ کلمات بھی ہیں: تَرِبَتْ يَدَاكَ ، ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ ...... کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار استعمال فرمایا ہے۔ ❷

۵...... عادت عامہ سے ہٹ کر بعض چیزوں پر حیرانگی اور تعجب کرنے کے جواز پر بھی اس واقعہ سے اجازت ملتی ہے۔ اس اعتبار سے کہ وہ عام عادت سے (قانون فطرت وقدرت سے) ہٹ کر ہوتی ہیں نہ کہ اللہ کی قدرت کی نسبت سے۔ جیسے سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اور اپنے خاوند کے بڑھاپے کی حالت میں بچہ جنم دینے کی خبر پر حیرانگی کا اظہار کیا تھا۔

۶...... قرآنِ حکیم کے کلمات: ﴿قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝﴾ سے معلوم ہوا کہ سلام وتحیۃ ورحمتہ اللہ وبرکاتہ والے الفاظ سے ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے صالح بندوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ اُنھوں نے یوں تحیہ مکمل کیا تھا۔ ❸

۷...... سورۂ ھود کی مذکور بالا آیت کریمہ (نمبر:۷۳) میں مستعمل کلمہ أَهْلَ الْبَيْتِ سے یہ حکم معلوم ہوا کہ خاوند کی بیوی کا شمار اہل بیت میں سے ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے مطابق فرشتوں نے ان الفاظ سے سیّدہ سارہ کو مخاطب کیا تھا جو کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ تھیں۔ یہ حکم شیعہ کے اس نظریہ وقول کے خلاف ہے جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو اہل بیت میں شمار نہیں کرتے۔ ❹

واقعہ مذکور بالا سے مستفاد دُروس واسباق:

۱...... اس واقعہ میں اس بات کی ترغیب پائی جاتی ہے کہ آدمی کے اہل خانہ اور اس کی زیر کفالت افراد (بھائی، بہنیں، بیٹے، بیٹیاں، خادم اور دیگر افراد) اس کے گھر کے معاملات میں کہ جو بھی اُن سے کسی خدمت کا مطالبہ ہو وہ پوری مستعدی سے خدمت بجالائیں۔ اور گھر کے معاملات میں باہمی تعاون کریں۔ غور کیجیے کہ خلیل اللہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام مہمانوں کے پاس سے اُٹھ کر گھر میں جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جو بچھڑا گھر میں ذبح

---

❶ دیکھئے: الاکلیل، صفحہ: ۱۵۱

❷ تفصیل کے لیے: النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير، ج: ۱، ص: ۱۸۴۔ ۲۱۷ دیکھ لیں۔

❸ تفسیر طبری، جلد: ۹، صفحہ: ۷۱.

❹ دیکھئے: تفسير البغوي، جلد: ۲، ص: ۳۹۳۔ تفسير القرطبي، جلد: ۹، ص: ۷۱۔ وتفسير البحر المحيط، جلد: ۵، ص: ۲۴۵.

کر کے دبے آئے تھے اس سے مہمانوں کے لیے کھانا تیار اور حاضر ہوا پڑا ہے۔ [1]

۲......اللہ عزوجل کی خاطر ناراض ہونا بھی مستحسن عمل ہے، اس پر بندے کو اجر و انعام ملتا ہے۔ جس طرح کہ قوم لوط پر عذاب کا سن کر سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا خوش ہوگئی تھیں۔

۳......صالح اولاد کا آدمی کو مل جانا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جیسے اللہ ربّ العالمین نے سیّدہ سارہ اور ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام کو اس نعمت سے نوازا تھا۔

۴......اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جن کو عزت و شرف عطا کرنے کی خاطر ربّ العالمین نے ان کے نام خود رکھے تھے یا ان کے بارے میں ان کے والدین کو مطلع فرمایا تھا۔ جیسے کہ سیّدہ سارہ و ابراہیم علیہما السلام کے بیٹے اسحٰق اور پوتے یعقوب کا نام اللہ نے رکھا۔ اسی طرح اللہ کریم نے یحییٰ، عیسیٰ اور احمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام خود رکھے تھے۔

۵......سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بانجھ پن اور بڑھاپے کا ذکر سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سے پہلے جو کیا تھا تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عورتیں اولاد کو جننے سے مردوں کی نسبت زیادہ پہلے یہ صلاحیت کھو دیتی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے کہا تھا: ﴿ءَ أَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا﴾۔

۶......پیدائشی صلاحیت کے سامنے حائل ہونے والی رکاوٹیں اللہ عزوجل کی قدرت کے سامنے ٹھہر نہیں سکتیں۔ اس لیے کہ ان موانع کو پیدا کرنے والا بھی تو وہی ہے اور وہی ان کو زائل، ختم کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ جیسا کہ سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بانجھ پن اور اپنے خاوند کے بڑھاپے کے باوجود بیٹے کو جنم دے دیا۔

۷......اس واقعہ اور دیگر قرآن میں مذکور چند ایک واقعات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کے فرشتوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کئی مردوں اور عورتوں سے ہم کلامی کی ہے۔

۸......یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے ضرورت کے وقت انسانوں کی شکل و صورت میں بھی آجایا کرتے ہیں۔ جیسے کہ وہ سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا، ان کے خاوند محترم ابراہیم اور جناب لوط علیہما السلام کے پاس آئے تھے۔ اسی طرح سیّدنا جبریل علیہ السلام نے انسانی شکل و صورت میں نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اسلام، ایمان اور احسان وغیرہ کے بارے میں سوالات کیے تھے اور اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُنھیں انسانی صورت میں دیکھ رہے تھے۔ [2]

---

[1] دیکھئے: تیسیر اللطیف المنّان للسعدي، ص: ۱۲٤۔ والتفسیر لابن القیم رحمهم الله، ص: ٤٤٧.

[2] دیکھئے: تفسیر ابی السعود، ج: ٤، ص: ۲۲٦۔ وروح المعاني للآلوسي، ج: ۱۲، ص: ۱۰۰.

(۵)......سیّدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

آزمائش اللہ تعالیٰ کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ اور اللہ عزوجل کبھی تنگی (تنگ دستی) حوادث، بیماریوں اور بیوی بچوں کی بداخلاقی و بے راہ روی کے ذریعے آزماتے ہیں اور کبھی فراخی (وافر رزق) اور اہل و عیال کی محبت کے ذریعے۔ ربّ کریم کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾

(الانبیاء: ۳۵)

''ہر جان موت کو چکھنے والی ہے اور ہم تمھیں برائی اور بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں، آزمانے کے لیے اور تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

قرآنِ عظیم نے ہمیں اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم السلام کو مختلف شکلوں میں آزمانے کو کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔ انہی میں سے سیّدنا ایوب علیہ السلام کا اپنی زوجۂ محترمہ کے ہمراہ آزمایا جانا بھی ہے۔ قرآن نے اس بی بی کا اپنے محترم و مکرم خاوند کے ساتھ اس وقت کے احسان کو بیان کیا ہے، جب انھیں نہایت سخت بیماری اور آزمائش نے آ گھیرا تھا۔ یہ ایک وفادار اور صبر و استقلال والی عورت تھی۔ اس نے مومن و مسلمان عورتوں کے لیے حسن سلوک کی ایک مثال قائم کر دی ہے کہ کس طرح اللہ کی بندیوں کو اپنے خاوندوں کے ساتھ اعلیٰ اخلاق و خدمت سے پیش آنا چاہیے۔ قرآن عزیز میں اس بی بی کا ذکر صرف ایک مقام پر آیا ہے۔ (جبکہ سیّدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر چار مقامات پر ہے۔) چنانچہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۝ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ ﴾ (صٓ: ۴۱۔۴۴)

''اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کر، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک شیطان نے مجھے بڑا دکھ اور تکلیف پہنچائی ہے۔ اپنا پاؤں مار، یہ نہانے کا اور پینے کا ٹھنڈا پانی ہے۔ اور ہم نے اسے اس کے گھر والے عطا کر دیے اور ان کے ساتھ اتنے اور بھی، ہماری طرف سے رحمت کے لیے اور عقلوں والوں کی نصیحت کے لیے۔ اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک گٹھا (جھاڑو) لے اور اسے مار دے اور قسم نہ توڑ، بے شک ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا، اچھا بندہ تھا۔ یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔'' [1]

مشکل الفاظ کے معانی:

ضِغْثًا: بانس وغیرہ کی ایک سوتیلیوں، سینکوں کا مٹھا، جھاڑو۔ [2]

وَلَا تَحْنَثْ: اور مت جھوٹی کر اپنی قسم، وَالحنثُ فِي الْيَمِيْنِ عَدمُ الْوَفاءِ بِهِ ...... قسم کی عدم وفا کو الحنث کہا جاتا ہے۔ [3]

زوجۂ ایوب رضی اللہ عنہا کا تعارف:

اس بی بی کا نام نہ ہی تو قرآن میں ذکر ہوا ہے اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں۔ البتہ مؤرخین نے اس کا نام ''لیا'' بنت یعقوب (علیہ السلام) ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام ونسب یوں تھا؛ رحمت بنت افرائیم بن

---

[1] اس آیت کی تاویل میں مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری کی حالت میں کسی وجہ سے اپنی بیوی پر ناراض ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی تو میں اسے سو کوڑے لگاؤں گا۔ اب جو اللہ تعالیٰ نے انھیں صحت یاب کیا اور بیماری کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو انھیں پریشانی لاحق ہوئی کہ قسم کیسے پوری ہو؟ چنانچہ اس مشکل سے اللہ تعالیٰ نے انھیں اس طرح نکالا کہ ''سو تنکوں کی ایک جھاڑو لو اور اس سے اپنی بیوی پر ایک ہی ضرب لگا دو۔'' اس طرح قسم بھی پوری ہو جائے گی اور بیوی بھی ناروا تکلیف سے بچ جائے گی۔ اس رعایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض آئمہ (جیسے امام مالک) حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے خاص قرار دیا ہے اور بعض ائمہ (جیسے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ) کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ فلاں شخص کو سو کوڑے یا چھڑیاں ماروں گا اور یہ نہ کہے کہ سخت ماروں گا یا دل سے اس کا ارادہ نہ کرے تو اس کے لیے اس رعایت سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے۔ (شوکانی) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بوڑھے اور کمزور مجرموں پر حد جاری کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسی طریقہ پر عمل فرمایا ہے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے حیلہ شرعی کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ اگر یہ استدلال درست بھی ہو تب بھی اس سے وہ حیلہ جائز قرار نہیں پاتا جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنے یا کسی شرعی فریضہ سے بچنے کے لیے کیا جائے۔ اگر کسی حیلہ کا جواز نکلتا ہے تو صرف اس کا جسے کسی گناہ یا ظلم سے بچنے کے لیے اختیار کیا جائے۔ (روح المعانی)

[2] تفسير جلالين، صفحه: ٦٠٣۔ نسفي، ج: ٣، صفحه: ١٩٦.

[3] المفردات للراغب، صفحه: ١٣٣.

یوسف بن یعقوب۔ علاوہ ازیں اور بھی کچھ نام ذکر ہوئے ہیں۔ ❶

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو آدمی سورۂ ص کی آیت نمبر:۴۳ میں مذکور کلمہ رحمۃً سے یہ سمجھے کہ ایوب کی بیوی کا نام رحمت تھا تو وہ جانئے کہ گھاس، چارے کی تلاش میں بہت دور (صحراء میں) نکل گیا۔ اور اونچے پانی والے کنویں کے پانی میں غرق ہو گیا۔ ❷

واقعہ کی تفصیل:

اس محترم بی بی کا واقعہ قرآن نے ہمارے لیے اس کے خاوند کے ہمراہ بیان کیا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم میں کسی بہت بڑی آزمائش والی بیماری کے ساتھ مبتلا کر دیا تھا۔ اور جناب ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حالت میں ان کی اس بیوی کے سوا کسی نے شفقت و مہربانی نہیں کی تھی کہ جو ان کے ساتھ احسان کرنے والی نہایت صابرہ وشاکرہ تھیں۔ اور آپ کی خدمت میں ہر وقت مستعد رہتی تھیں۔ ❸

یہاں مصنف نے نہایت اختصار سے کام لیا ہے جبکہ صحیح روایات واحادیث اور ان کی روشنی میں امام ابوجعفر طبری، حافظ ابن کثیر اور ابن ابی حاتم جیسے مفسرین کرام نے کچھ تفصیل بیان کی ہے جو فائدہ سے خالی نہیں۔ ہم المصباح المنیر فی تہذیب تفسیر ابن کثیر کی مکمل عبارت کا یہاں ترجمہ لکھ رہے ہیں تاکہ واقعہ کی تفصیل سامنے آ جائے اور اس نیک سیرت بی بی کا اعلیٰ کردار اُجاگر ہو سکے۔ یاد رکھئے کہ المصباح المنیر میں تفسیر ابن کثیر کی ضعیف روایات کو نکال دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ کتاب ہذا (قصص النساء فی القرآن) میں یہاں پر درج چند سطروں کا ترجمہ ومفہوم بھی اس تفصیل میں سمو گیا ہے۔ (ابو یحییٰ)

سورۂ ص کی جن آیات کا ترجمہ ومفہوم پیچھے بیان کیا گیا ہے ان کی تفسیر وشرح میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہاں پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے صالح بندے اور پیغمبر سیّدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرما رہے ہیں کہ اللہ ذوالجلال نے ان کو کس طرح ان کے مال واولاد کو واپس لے کر ان کے جسم میں بیماریوں کو داخل کر کے آزمایا تھا۔ حتیٰ کہ اُن کے جسم میں دل کے سوا کوئی بھی ایسی جگہ صحیح سالم نہیں بچی تھی کہ جو سوئی چبھونے کے برابر بھی درست ہو۔ اور نہ ہی دنیا کے مال ومتاع میں سے کچھ اُن کے پاس بچا تھا کہ جس کے ذریعے وہ اپنی بیماری سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اور اپنی تنگدستی کے علاج کے لیے کچھ مدد لے سکتے۔ سوائے اس کے کہ اُن کی زوجہ

❶ دیکھئے: امام سہیلی کی کتاب: التعریف والإعلام، ص: ۱۵۰۔ المنتظم في اخبار الملوك والأمم لابن الجوزي، ج: ۱، ص: ۳۲۱۔ اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی "قصص الانبیاء" صفحہ: ۲۶۸۔

❷ دیکھئے: حافظ ابن کثیر کی "قصص الانبیاء"، صفحہ: ۳۷۸۔ معجم الوسیط، صفحہ: ۶۵۰۔

❸ دیکھئے: حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی "قصص الانبیاء"، صفحہ: ۲۶۹۔ تفسیر قرطبی، جلد: ۱۱، صفحہ: ۳۲۳۔

محترمہ نے اللہ ربّ العالمین اور اس کے رسول پر ایمان کی خاطر ان کی پوری پوری حفاظت کی تھی۔ چنانچہ یہ اللہ کی صالحہ و مومن بندی اُجرت پر لوگوں کے گھروں میں کام کاج کر کے اپنے محترم و مکرم خاوند (علیہ السلام) کو کھانا کھلاتی اور ان کی خدمت کرتی۔ اس اللہ کی بندی نے کم و بیش اٹھارہ سال تک اس طرح سے اُن کی خدمت کی۔ اس آزمائش سے پہلے سیّدنا ایوب علیہ السلام بہت زیادہ مالدار اور کثیر اولاد والے تھے۔ دنیا میں کھلی آسائشیں جو مل سکتی ہیں وہ انھیں میسر تھیں۔ مگر اللہ عزوجل کی آزمائش آئی اور یہ سب کچھ چھن گیا۔ حتیٰ کہ ایک وقت یہ حالت ہوئی کہ انھیں شہر کے کوڑا کباڑ والی جگہ پر ڈال دیا گیا۔ (جسم میں بیماری کی وجہ سے لوگ اور گھر والے اُن سے اتنی گھن کھانے لگے تھے۔) اور وہ اٹھارہ سال تک یہاں اسی حالت میں رہے۔ ہر دُور و نزدیک کے رشتہ دار اور تعلق والے نے انھیں ردّ کر دیا۔ (چھوڑ دیا، قریب بھی نہیں پھٹکتے تھے) مگر ان کی زوجۂ محترمہ نے ان کا پورا ساتھ دیا۔ (رضی اللہ عنہا وارضتہ)

آپ کی یہ زوجۂ محترمہ صبح و شام آپ کی خدمت میں لگی رہتی تھیں۔ اپنے اور اپنے محترم خاوند کی روٹی اور ضروری حاجت کے لیے لوگوں کی خدمت کے وقت کچھ غائب رہتی تھیں۔ جیسے ہی کام کاج ختم ہوا فوراً آپ علیہ السلام کے پاس پہنچ گئیں۔ جب اس آزمائش کا وقت کچھ لمبا ہو گیا، حالت نہایت سخت ہو گئی اور آزمائش کا مقررہ وقت پورا ہو گیا تو جناب ایوب علیہ السلام نے اللہ ربّ العالمین کی طرف متوجہ ہو کر نہایت عاجزی سے دُعا کی۔ اُن کی اس تضرع کے ساتھ دُعا کو اللہ کریم نے ایک مقام پر اس طرح سے بیان فرمایا ہے:

﴿ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝﴾ (الانبیاء: ۸۳)

''اور ایوب، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک میں، مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم والا ہے۔''

اور یہاں سورۂ ص کی آیت کریمہ نمبر: ۴۱ میں ہے:

﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝﴾ (صۤ: ۴۱)

''اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کر، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک شیطان نے مجھے بڑا دکھ اور تکلیف پہنچائی ہے۔'' [1]

---

[1] قرآن نے عموماً ایسے اُمور کی نسبت شیطان کی طرف کی ہے، جن میں شر یا ایذا کا کوئی پہلو پایا جاتا ہو۔ کیونکہ کسی نہ کسی قریب یا بعید وجہ میں ایسے اُمور کا تعلق شیطان ہی سے ہوتا ہے۔ اس معنی میں جناب ایوب علیہ السلام نے اپنی جسمانی بیماری یا مالی تکلیف کی نسبت شیطان کی طرف کر دی ورنہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام و قلوب پر شیطان کا تسلط نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اس مقام پر تفسیروں میں اسرائیلی قصہ درج کیا گیا ہے اور واعظ و خطیب حضرات مبالغہ آمیزی کے ساتھ عوام کی دلچسپی کے لیے داستان گوئی کرتے رہتے ہیں۔ (تبصرہ امام ابن حزم)

چنانچہ اللہ عزوجل ارحم الراحمین نے اُن کی دُعا کو سن لیا اور انھیں حکم فرمایا کہ وہ اپنے مقام سے اُٹھیں اور اپنا پاؤں زمین پر ماریں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور پھر اللہ عزوجل نے وہاں ایک چشمہ جاری فرما دیا۔ (جس کا پانی پینے اور اس میں غسل کرنے کے ساتھ جناب ایوب علیہ السلام کی بیماری کا علاج تھا) اللہ عزوجل نے حکم فرمایا کہ وہ اس چشمہ میں نہائیں۔ جب انھوں نے نہا لیا تو اس سے ان کے وجود میں تمام امراض ختم ہو گئے۔ کوئی تکلیف باقی نہ رہی۔ اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم فرمایا اور انھوں نے ایک دوسری جگہ پر پاؤں مارا، جس سے ایک اور چشمہ پھوٹ پڑا۔ اللہ کریم نے حکم دیا کہ اس چشمہ سے پانی پیو۔ اس سے یہ ہوا کہ ان کے وجود کے اندر جتنی تکالیف تھیں وہ بھی ساری جاتی رہیں۔ یوں سیّدنا ایوب علیہ الصلوۃ والسلام کی ظاہری و باطنی تمام تکالیف دُور ہو گئیں۔ اسی لیے اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۝﴾ (صٓ: ٤٢)

''اپنا پاؤں مار، یہ نہانے کا اور پینے کا ٹھنڈا پانی ہے۔''

امام ابوجعفر محمد ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم سمیت باقی کچھ مفسرین رحمہم اللہ نے بھی سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے نبی جناب ایوب علیہ الصلوۃ والسلام کو اس آزمائش نے اٹھارہ سال تک اپنی لپیٹ میں لیے رکھا۔ جس سے ان کے ہر قریب اور دُور کے رشتہ دار نے اُنھیں اپنے سے دُور کر دیا۔ سوائے دو آدمیوں کے جو آپ کے خاص بھائی بنے ہوئے تھے۔ یہ دونوں صبح و شام آپ کے پاس آتے جاتے رہے۔ ایک دن اُن میں سے ایک آدمی دوسرے سے کہنے لگا: تو جانتا ہے کہ اللہ کی قسم! ایوب علیہ الصلوۃ والسلام نے کوئی ایک ایسا گناہ ضرور کیا ہے کہ جیسا گناہ دنیا میں کسی نے نہ کیا ہو؟ اس کے ساتھی نے پوچھا: وہ کون سا گناہ ہے؟ اُس نے کہا: اٹھارہ سال سے اللہ تعالیٰ نے اُس پر رحم نہیں فرمایا کہ اس کی بیماری کو دُور فرما دیتا۔ اور پھر دونوں جب صبح کے وقت اس کے پاس گئے تو اس آدمی سے جس نے دوسرے کی بات سنی تھی صبر نہ ہو سکا حتیٰ کہ اُس نے جناب ایوب علیہ الصلوۃ والسلام سے اس بات کا تذکرہ کر ہی دیا۔ یہ سن کر سیدنا ایوب علیہ الصلوۃ والسلام کہنے لگے: میں نہیں جانتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ البتہ یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ عزوجل کو علم ہے کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گزر رہا تھا اور وہ دونوں جھگڑتے ہوئے اللہ کا ذکر کر رہے تھے۔ میں اپنے گھر پلٹا تو میں نے اس بات کی ناپسندیدگی کے تحت اللہ عزوجل کا ذکر سوائے حق کے نہیں کیا جا سکتا، ان دونوں پر پردہ ڈالا۔

فرمایا: جناب ایوب علیہ الصلوۃ والسلام اپنی قضائے حاجت کے لیے گھر سے نکلا کرتے تھے۔ جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو جاتے تو آپ علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے ہاتھوں سے سہارا دے کر گھر پہنچا دیتی۔ ایک

دن کی بات ہے کہ آپ اپنی بیوی کے پاس کچھ دیر سے آئے۔ چنانچہ اس دوران اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل فرمائی کہ ﴿ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۝﴾ ...... ''اپنا پاؤں مار، یہ نہانے کا اور پینے کا ٹھنڈا پانی ہے۔'' آپ کی زوجۂ محترمہ نے آپ کو نہایت سست اور کمزور پایا۔ وہ آپ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ (یعنی اُنھوں نے جناب ایوب علیہ السلام کو واپس آنے میں دیر کرنے والا پایا۔) چنانچہ آپ اپنی زوجۂ محترمہ کے پاس تشریف لائے تو اس وقت آپ کی بیماری کو اللہ عزوجل ختم کر چکے تھے اور آپ پہلے کی نسبت نہایت اچھی حالت میں تھے۔ چنانچہ بی بی محترمہ نے جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو پہچان نہ سکیں اور کہنے لگیں: ارے صاحب! اللہ آپ کو برکت دے، کیا تم نے اُس طرف بیماریوں میں گھرے اللہ کے نبی ایوب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو دیکھا ہے؟ اللہ کی قسم! میں نے ان سے مشابہ تم سے زیادہ کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ یہ آدمی تو بالکل صحیح تندرست تھا۔ انھوں نے کہا: میں ہی ایوب ہوں (علیہ الصلوٰۃ والسلام)۔

فرمایا: ''جناب ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو کھلیان تھے۔ ایک گندم کا کھیت اور ایک جو کا۔ اللہ عزوجل نے دو بادل بھیجے۔ ان میں سے ایک بادل جب گندم کے کھیت پر پہنچا تو اُس نے اس کھیت میں سونا انڈیل دیا حتیٰ کہ سونا بہہ پڑا۔ اسی طرح دوسرے بادل نے جو کے کھیت میں سونا انڈیلا حتیٰ کہ وہ بھی بہہ پڑا۔'' [1]

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ''ایک بار جناب ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام (اوٹ میں) ننگے غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں آپ پر گرنے لگیں۔ جناب ایوب علیہ السلام انھیں اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے۔ اسی دوران اللہ ربّ العالمین نے انھیں آواز دے کر پوچھا: يَا أَيُّوبُ أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى ''اے ایوب! کیا میں نے تمھیں اس چیز سے بے نیاز نہیں کر دیا؟ جسے تم دیکھ رہے ہو؟'' جناب ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا: ہاں اے اللہ تیری بزرگی کی قسم! لیکن تیری برکت سے میرے لیے بے نیازی کیونکر ممکن ہے؟'' [2]

اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝﴾

''اور ہم نے اسے اس کے گھر والے عطا کر دیے اور ان کے ساتھ اتنے اور بھی، ہماری طرف سے رحمت کے لیے اور عقلوں والوں کی نصیحت کے لیے۔''

---

[1] دیکھیے: تفسیر طبری، جلد: ۲۱، صفحہ: ۲۱۱۔ وھذا لفظ ابن جریر رحمہ اللہ

[2] دیکھیے: صحیح البخاري، کتاب الغسل، باب من اغتسل عُریانًا وحدہ فی الخلوۃ ......الخ، حدیث: ۲۷۹۔ ومسند أحمد: ۲/ ۳۱۴.

اور یہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝﴾

''اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) لے اور اسے مار دے اور قسم نہ توڑ، بے شک ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا، اچھا بندہ تھا۔ یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔''

تو یہ واقعہ یوں ہے کہ...... الخ، اس کے لیے پیچھے سورۂ ص کی آیت نمبر: ۴۱ تا ۴۴ کے ترجمہ کے تحت حاشیہ دیکھ لیں۔ (آیئے! اب ہم اصل کتاب کے ترجمہ کے ساتھ منسلک ہوجاتے ہیں۔)

ابوحیان رحمہ اللہ نے سورۂ ص کی آیت نمبر: ۴۴ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں اللہ عزوجل کے مبارک کلام میں ایک عبادت مقدر ومحذوف ہے اور اس کا ترجمہ یوں ہوگا: جناب ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات پر قسم کھائی تھی (جب اُن کی زوجۂ محترمہ نے اس حالت میں کہ جب مال ودولت میں سے کچھ نہیں بچا تھا اور انھوں نے اپنے سر کے بالوں کی مینڈھی کاٹ کر بیچی اور اس سے ایک روٹی خرید کر جناب ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھلائی تھی۔ ابن کثیر، جلد: ۷، صفحہ: ٦٦) کہ وہ اپنی بیوی کو اس سبب سے کہ جو اُن سے یہ کام ہوا تھا سو ضربیں لگائیں گے، جبکہ بی بی محترمہ تو آپ علیہ السلام کے ساتھ بہت احسان کرنے والی عورت تھیں۔ تو اللہ عزوجل فرماتے ہیں: ہم نے ایوب علیہ السلام کو اپنے اس فرمان کے ذریعے ان کی قسم سے نجات دلا دی: ﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ﴾۔ [1]

اللہ عزوجل سیّدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی بیوی کے حسن صبر پر اس کا اچھے طریقے سے شکریہ ادا کیا۔ (کہ جب فراخی کے دن آئے تو بھی ان کو اپنے ساتھ رکھا۔ اُنھیں اللہ کی نعمتوں سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کا موقع فراہم کیا۔) اللہ عزوجل نے بھی اپنی اس بندی کی قدر افزائی فرمائی اور اپنے ایوب علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ وہ ان کے ساتھ نرمی والا سلوک کریں اور ان کے حق میں ایک شرعی حکم کو آسان فرما دیا۔ چنانچہ ایوب نے سو تنکوں کا ایک مٹھا بنا کر محترمہ کو ایک بار ہلکا سا مار دیا اور یوں اللہ عزوجل نے انھیں اپنی قسم پوری کرنے میں آسانی فرما دی۔ [2]

---

[1] دیکھئے: تفسیر البحر المحیط، ج: ۷، ص: ۴۰۱۔ تفسیر القاسمي، ج: ۱۴، ص: ۵۱۰۸.

[2] دیکھئے: زاد المسیر لابن الجوزي بتصرف، ج: ۷، ص: ۱۴۴۔ الکشاف، ج: ۳، ص: ۳۷۷۔ معانی القرآن للزجاج، ج: ۳، ص: ۳۳۵.

اسرائیلی روایات:

قصہ مذکور بالا کے متعلق کچھ اسرائیلی روایات بھی تفسیر وشروحات کی کتب میں درآئی ہیں۔ ان کا بالا ختصار تذکرہ کیے دیتے ہیں۔

۱...... حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے (فتح الباری میں) جناب وھب بن منبہ اور محمد بن اسحٰق رحمہما اللہ کی سندوں سے درج کیا ہے کہ سیّدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجۂ محترمہ اجرت اور مزدوری لے کر لوگوں کی خدمت کرتی تھیں اور اس حق خدمت کے بدلے کھانا لے کر اپنے محترم ومکرم خاوند کو کھلایا کرتی تھیں۔ ان کے مرض کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ لوگوں نے اس بی بی محترمہ کو بھی اپنے پاس آنے سے روک دیا کہ ان کے ذریعے ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیماری کہیں ان کو نہ لگ جائے۔ تب نوبت فاقوں تک پہنچ گئی کہ اس اللہ کی بندی نے اپنے بالوں کی ایک لٹ کھاتے پیتے گھرانے کی کسی لڑکی کے پاس کاٹ کر بیچ دی۔ بی بی محترمہ کے بال لمبے اور ان کی مینڈھیاں نہایت خوبصورت تھیں۔ چنانچہ انھوں نے ان بالوں کے بدلے اچھا پاکیزہ کھانا خریدا اور جب لا کر سیّدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے لا کر پیش کیا تو اُنھوں نے بیماری کی وجہ سے غصہ میں آ کر قسم کھالی جب تک وہ بتلائیں گی نہیں کہ یہ کھانا کہاں سے آیا ہے وہ اسے ہرگز نہیں کھائیں گے۔ تب بی بی محترمہ نے اپنے سر سے چادر کھسکا کر اپنا سر دکھلایا اور ساری بات بتلائی۔ اس سے سیّدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت غمگین ہوئے۔ (شاید اسی موقعہ پر پھر دُعا کی ہوگی جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سن لیا۔ کہ اے اللہ! اب نوبت تو یہاں تک پہنچ چکی ہے، تو رحم فرمادے۔) ❶

۲...... بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار شیطان ایک حکیم، طبیب کی صورت میں بی بی محترمہ زوجۂ ایوب علیہ السلام کے راستے میں بیٹھ گیا اور جب آپ وہاں سے گزرنے لگیں تو وہ آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: میں ایک بڑا حاذق طبیب ہوں۔ میں ایوب کا علاج کرسکتا ہوں مگر اس شرط پر کہ وہ کہیں کہ مجھے ابلیس نے شفا دی ہے۔ بی بی محترمہ نے اس کی اس بات کو مان لیا اور جا کر سیّدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا۔ آپؑ یہ بات سن کر سخت ناراض ہوگئے۔ (ایضاً، صفحہ: ۴۸۶)

۳...... اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے عن الحسن البصری ابن ابی حاتم کی روایت درج کی ہے کہ ابلیس بی بی محترمہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اگر ایوب (علیہ السلام) بغیر بسم اللہ پڑھے کھائے پیئے تو اُسے شفا مل سکتی ہے۔ یہ بات بی بی صاحبہ نے جناب ایوب علیہ السلام کے سامنے پیش کی، جسے سن کر آپ علیہ السلام نے قسم کھالی کہ ''آپ

---

❶ دیکھئے: فتح الباري، ج: ٦، ص: ٤٨٥، ٤٨٦.

بی بی محترمہ کو سو ڈنڈے ماریں گے۔'' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بی بی محترمہ نے جناب ایوب علیہ السلام سے کہا: کیا آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا نہیں مانگ سکتے کہ وہ آپ کو بیماری سے نجات دے دے؟ تو آپ علیہ السلام نے کہا: میں نے صحت وتندرستی میں سات سال گزارے ہیں تو کیا میں سات سال تک صبر نہیں کر سکتا؟ (ایضاً)

۴...... امام طبری نے سیّدنا حسن بصری رحمہ اللہ کی سندو روایت سے لکھا ہے کہ شیطان زوجۂ ایوب (علیہ السلام) کے پاس انسانی شکل وصورت اختیار کر کے آیا اور اُن سے اُن کے خاوند محترم کے بارے میں پوچھنے لگا۔ انھوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشارہ کیا اور اپنے خاوند محترم کی بری حالت کا تذکرہ کیا۔ گویا اللہ کا شکوہ کیا۔ شیطان نے اس بات کا طمع کیا کہ بی بی محترمہ کی یہ بات جزع فزع سے ہو۔ چنانچہ اُس نے اُن کے دل میں وسوسہ ڈال کر ان دونوں کے متعلق انھیں یاد دلوایا کہ جب وہ اور ان کے خاوند محترم اللہ کی نعمتوں سے بھرپور فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ اور پھر وہ ان بھلے دنوں کو یاد کر کے چیخ پڑیں۔ اس نے جان لیا کہ بی بی نے جزع وفزع کر لیا ہے تو وہ ان کے پاس بھیڑ یا بکری کا ایک چھوٹا سا بچہ لا کر کہنے لگا: ایوب سے کہو کہ بھیڑ، بکری کا یہ بچہ میرے نام پر ذبح کر دے وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ بی بی محترمہ جناب ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئیں اور غمگین ہو کر اُن کی اور اپنی موجودہ حالت کی شکایت کرنے لگیں۔ پھر انھوں نے جناب ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے شیطان کا پیغام رکھا کہ آپ اُس کے نام پر جانور ذبح کریں۔ اس پر ایوب علیہ السلام نے اُن کو خوب ڈانٹا اور انھیں یاد دلایا کہ کتنی لمبی عمر تک وہ عیش وعشرت اور فراغت کی زندگی گزارتے رہے اور اس پوری عمر میں بدن مکمل صحت مند رہا۔ اور یہ کہ ان دونوں پر جو آزمائش کے دن آئے ہیں تو یہ اُس عمر کی نسبت بہت تھوڑا سا زمانہ ہے۔ ❶

۵...... ابن المنذر نے جناب سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ جناب ایوب علیہ السلام کی قسم کا سبب یہ تھا کہ ایک دن بی بی محترمہ آپ علیہ السلام کے پاس اُس روٹی سے زیادہ کھانے کے لیے کچھ لے آئیں کہ جو عام طور پر آپ لایا کرتی تھیں اور یہ روٹی وہ کہیں پر کام کر کے لایا کرتی تھیں۔ اس سے جناب ایوب علیہ السلام کو خدشہ لاحق ہوا کہ بی بی محترمہ خیانت والے گناہ کا ارتکاب نہ کر لیا ہو۔ ❷

۶...... اسی طرح سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ جناب ایوب علیہ السلام اپنی قضائے حاجت کے لیے نکلے۔ ان کی بی بی محترمہ نے ان کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ چنانچہ جب آپ فارغ ہو گئے تو وہ آپ کے پاس کچھ دیر

---

❶ دیکھئے: تفسیر الطبري، ج: ۱۷، ص: ۷۰۔ والدرّ المنثور، ج: ۵، ص: ۶۵۷.

❷ دیکھئے: الدرّ المنثور، ج: ۷، ص: ۱۹۵.

سے آئیں۔ اس دوران میں اللہ عزوجل نے جناب ایوب علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اپنا پیر مارو۔ اور پھر جب آپ صحت مند ہو گئے (یعنی چشمے میں نہا کر اور اس کا پانی پی کر) تو بی بی محترمہ آپ کے پاس آئیں مگر وہ آپ کو پہچان نہ سکیں چنانچہ اُنھوں نے جناب ایوب علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تو آپ علیہ السلام فرمانے لگے: میں ہی تو ایوب ہوں۔ ❶

اور فتح الباری میں ہی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: دراصل ایوب علیہ السلام کو اللہ عزوجل نے جنت کی پوشاکوں میں سے ایک پوشاک پہنا دی تھی، اس لیے بی بی محترمہ آپ کو پہچان نہ سکیں۔ (ایضاً)

ان اسرائیلی روایات پر تبصرہ:

ان میں سے کچھ روایات تو صحیح اسناد سے ثابت ہیں۔ بعض قابل تردید ورد ہیں اور بعض وہ ہیں کہ جن کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ مثلاً ان میں سے جو ثابت ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیوی کو مارنے کی قسم اُٹھائی تھی ...... تو اس کی تائید قرآن میں موجود ہے۔ جیسا کہ آپ نے پیچھے پڑھ لیا۔ فرمایا:

﴿ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝﴾ (صٓ: ٤١۔٤٤)

''اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) لے اور اسے مار دے اور قسم نہ توڑ، بے شک ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا، اچھا بندہ تھا۔ یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔''

اور یہ روایات کہ جو ایسے شرکیہ اُمور کو بیان کر رہی ہیں جنھیں بی بی محترمہ نے اپنے خاوند سیّدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش کیا تھا اور ان کے ذریعے شفا کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے کہ جب آپ ان اُمور کے ذریعے علاج کرنے کروانے پر تیار ہو جاتے یا یہ کہ آپ شیطان کے لیے قربانی کرتے۔ اسی طرح سے سیّدنا ایوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا شیطان کی طرف سے اس بات کو قبول کر لینا کہ آپ کے خاوند محترم کھانا کھاتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھیں گے تو ...... اس طرح کی تمام روایتیں واھیات ہیں اور صحت وصواب سے بہت دُور ہیں۔ اس لیے کہ اس طرح کی تمام روایتیں، حکایتیں اس بات کا حق نہیں رکھتیں کہ انھیں ایک ایمان والی صابرہ بی بی کی طرف نسبت دی جائے، ایسی عورت کہ جس نے ایک نبوت والے گھرانے میں زندگی گزاری ہو اور اس

❶ دیکھئے: فتح الباری، ج: ٦، ص: ٤٨٥۔ اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جناب ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق جتنی روایات آئی ہیں، یہ ان سب میں سے زیادہ صحیح ہے۔

سے کبھی کسی برے فعل کا ارتکاب بھی نہ ہوا ہو۔

البتہ یہ جو روایت کیا گیا ہے کہ جب بی بی محترمہ ایک دن روٹی سے بڑھ کر کچھ زائد کھانا لے آئیں اور سیّدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے اس معاملے میں شک کیا کہ بی بی صاحبہ نے کہیں خیانت کا ارتکاب نہ کیا ہو تو بالکل ظاہری بات ہے کہ یہاں خیانت سے مراد (اگر یہ روایت صحیح ہے تو) مال میں خیانت ہے۔ نہ کہ جسمانی و ایمانی خیانت۔ یہ بات پچھلے صفحات میں واضح کی جا چکی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عورتوں سے ان کے بستر پر کوئی خیانت ہوتی ہو، یہ بات قطعاً محال ہے۔ بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو ایسے اُمور سے بچا کر رکھا تھا۔

دیگر روایات کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے، ان کو بیان کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

واقعہ مذکور بالا سے مستفاد احکام:

(۱)..... ادب سکھانے کے لیے آدمی کا اپنی بیوی کو مار لینے کی اجازت اس واقعہ سے مستنبط ہوتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ سیّدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجۂ محترمہ نے غلطی کی اور اس پر آپ علیہ السلام نے قسم اُٹھالی کہ آپ انھیں ماریں گے اور پھر اس قسم کو پورا بھی کیا۔ اللہ عزوجل نے اسی اجازت کے حوالے سے ایک اور مقام پر قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴾ (النساء: ٣٤)

''مرد عورتوں پر نگران ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے مالوں سے خرچ کیا۔ پس نیک عورتیں فرماں بردار ہیں، غیر حاضری میں حفاظت کرنے والی ہیں، اس لیے کہ اللہ نے (انھیں) محفوظ رکھا اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی سے تم ڈرتے ہو، سو انھیں نصیحت کرو اور بستروں میں ان سے الگ ہو جاؤ اور انھیں مارو، پھر اگر وہ تمھاری فرماں برداری کریں تو ان پر (زیادتی کا) کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ ہمیشہ سے بہت بلند، بہت بڑا ہے۔'' [1]

[1] شریعت نے خانگی شیرازہ بندی کے لیے مرد کو گھر کا قوام (نگران، ذمہ دار) قرار دیا ہے اور عورت کو اس کے ماتحت رکھا ہے۔ قرآن نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرد کو طبعی طور پر یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ منتظم بنے اور دوسرے یہ کہ گھر کے سارے اخراجات ⇦⇦⇦

(۲)......اپنی عورت کو ادب سکھانے کی خاطر مارنے میں خاوند کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ حد سے تجاوز کرے۔ اسی لیے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طریقے سے اُنھیں اپنی بیوی کو مارنے کا حکم دیا تھا کہ جس کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔ اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ((فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ.)) ......''پھر اگر وہ ایسا کریں (کہ تمہارے گھر میں کسی ایسے شخص کو آنے دیں کہ جسے تم ناپسند کرتے ہو) تو ان کو اس طرح سے مارو کہ ان کو سخت چوٹ نہ لگے۔ اور ان کا حق تمہارے اوپر یہ ہے کہ ان کی روٹی، کھانا اور ان کے کپڑے دستور کے مطابق تمہارے ذمے ہیں۔'' ❶

(۳)..... اس واقعہ سے بیوی کے ساتھ نیکی، احسان کرنے کا حکم بھی معلوم ہوا۔ یہ حکم ہمیں اللہ تعالیٰ کے جناب ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دینے سے معلوم ہوا کہ انھیں اللہ کریم نے فرمایا تھا وہ اپنی بیوی کو سوسینکوں (تیلوں) کا مٹھا بنا کر اپنی بیوی کو صرف ایک بار مار لیں۔ اور یہ سو ڈنڈے مارنے کے بدلے تخفیف تھی۔ ❷ اس حکم پر اللہ عزوجل کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا۟ ٱلنِّسَآءَ كَرْهًاۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا۟ بِبَعْضِ مَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝﴾ (النساء: ١٩)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے لیے حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ

⇦⇦⇦ بیوی کے نفقہ سمیت مرد کے ذمہ ہیں۔ اس بنا پر گھر کا نگران بننے کا حق مرد کو ہے، عورت کو نہیں۔ یہی حال حکومتی امور کا ہے کہ مسلمانوں کا امیر یا خلیفہ عورت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مذمت فرمائی ہے۔ (تفسیر کبیر۔ شوکانی) اس آیت کی تشریح وہ حدیث کرتی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''بہترین بیوی وہ ہے جسے اگر تم دیکھو تو تمھیں خوش کرے۔ اگر تم اسے کسی بات کا حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے اور جب تم گھر میں نہ ہو تو تمہارے پیچھے وہ تمہارے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔'' (ابن کثیر۔ ابن جریر بروایت ابوہریرہ) یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کو عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم دے کر ان کے حقوق محفوظ کر دیے ہیں۔ اس کے بدلے میں وہ خاوندوں کی غیر حاضری میں ان کے مال اور عزت وآبرو کی حفاظت رکھتی ہیں۔ (کذافی ثنائی) یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ان کے مال وعزت اور حقوق کی حفاظت کرتی ہیں اور خیانت سے کام نہیں لیتیں۔ (کذافی شوکانی) دیکھئے: تفسیر القرطبي، ج: ٥، ص: ٢١٣۔ واحکام القرآن للحصاص، ج: ٣، ص: ٢٨٣.

❶ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجته النبي صلی الله علیه وسلم، حدیث: ٢٩٥٠.

❷ دیکھئے: عفیف طبارہ کی'' مع الانبیاء فی القرآن ''، صفحہ: ٢١٣.

انھیں اس لیے روک رکھو کہ تم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو، مگر اس صورت میں کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کا ارتکاب کریں اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو، پھر اگر تم انھیں ناپسند کرو تو ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔'' ❶

---

❶ زنا وغیرہ کے سلسلہ میں ضمناً توبہ کے احکام بیان فرمانے کے بعد اب یہاں سے پھر عورتوں کے حقوق کا بیان ہو رہا ہے اور اس سے مقصد عورتوں کو اس ظلم و زیادتی سے نجات دینا ہے جو جاہلیت میں اُن پر روا رکھی جاتی تھی۔ (تفسیر کبیر۔ قرطبی) لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ کے مخاطب یا تو شوہر کے اولیاء ہیں جیسا کہ امام بخاریؒ اور بعض دوسرے محدثین نے اس آیت کی شانِ نزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں میت کے اولیاء دوسری چیزوں کی طرح اس کی بیوی کے بھی مالک ہوتے۔ ان میں سے اگر کوئی چاہتا تو اس سے خود شادی کر لیتا یا کسی دوسرے سے اس کی شادی کر دیتے اور مہر خود لے لیتے اور اگر چاہتے تو عورت کو کلیتاً شادی سے ہی روک دیتے، حتیٰ کہ وہ مر جاتی اور اس کے مال کے وارث بن جاتے، عورت کے اولیاء کو اس سلسلہ میں کچھ اختیار نہ ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور عورت پر ان کے تسلط کو ختم کر دیا۔ (ابن کثیر۔ قرطبی) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے مخاطب شوہر ہوں، چنانچہ بعض علماء نے اس کی شانِ نزول میں لکھا ہے کہ وہ عورتوں کو طلاق نہ دیتے اور تنگ کرتے رہتے، تاکہ اگر مر جائیں تو ان کے وارث بن جائیں اور اگر طلاق لینا چاہے تو مہر میں سے کچھ مال بطورِ واپس کرے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پہلی صورت میں اس کا حاصل یہ ہے کہ خاوند کے مرنے کے بعد اسے نکاح سے روکنا جائز نہیں ہے، بلکہ وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے اور اولیاء اس طرح زبردستی سے اس کے وارث نہیں بن سکتے۔ دوسری صورت میں یعنی جب کہ شوہر مخاطب ہوں تو خلاصہ یہ ہوگا کہ شوہر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ عورت سے مہر واپس لینے کی غرض سے اسے تنگ کرتا رہے اور طلاق نہ دے۔ یہ دوسری صورت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ ابن عطیہ وغیرہ نے اسی کو پسند کیا ہے، اس لیے کہ آیت کے بقیہ حصے کا تعلق قطعاً شوہروں کے ساتھ ہے۔ کیونکہ فاحشہ کے ارتکاب کی صورت میں خاوند ہی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسے روک رکھے تاکہ اس سے مہر وغیرہ جو کچھ دیا ہے واپس لے کر طلاق دے۔ شوہر کے اولیاء کو یہ اختیار نہیں ہے۔ (فتح القدیر۔ قرطبی) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خطاب عام مسلمانوں سے ہو، جس میں شوہر، اولیاء میت اور دوسرے مسلمان سبھی آجاتے ہیں۔ (فتح القدیر۔ کبیر)

بعض صحابہ اور تابعین نے کہا کہ یہاں فاحشہ مبینہ سے مراد زنا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اسے عام رکھا جائے اور یہ فحش کلامی، بدخلقی، ایذا رسانی، زنا اور اس قسم کے جملہ رذائل کو شامل ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو تم ان کو خلع لینے پر مجبور کر سکتے ہو تاکہ وہ لیا ہوا مال واپس کر دیں۔ اس پر یہ استثناء اخذ اموال سے ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عضل مذکور سے استثناء ہو۔ یعنی تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ان کو روک رکھو۔ الا یہ کہ وہ ''فاحشہ'' کا ارتکاب کریں تو اس صورت میں ان کو روک سکتے ہو۔ (تفسیر کبیر۔ قرطبی)

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ میں عورتوں سے متعلق تیسرا حکم ہے کہ بہتر طریقے سے اُن کے ساتھ بسر کرو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهِ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ)) ..... ''یعنی تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔'' (ابن کثیر) یہ بھی حسن معاشرہ کا تتمہ ہے۔ یعنی اگر کسی اخلاقی کمزوری یا بدصورت ہونے کی وجہ سے تمھیں ان سے نفرت ہو جائے اور ان کو طلاق دینا چاہو تو بھی فوراً طلاق نہ دو، بلکہ بہتر طریق سے ان کو اپنے پاس رکھو۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی صحبت سے خیر کثیر یعنی اولاد حاصل ہو جائے اور تمہاری نفرت محبت میں تبدیل ہو جائے۔ ایک حدیث میں ہے کوئی مومن مرد کسی مومن عورت کو بنظر کراہت نہ دیکھے۔ اگر اُسے اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو دوسری عادت اچھی بھی ہوگی۔ (ابن کثیر) اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اگر نفرت کے سبب تم اُن سے مفارقت اختیار کرنا چاہو تو ہوسکتا ہے کہ اس مفارقت میں اُن کے لیے خیر کثیر مضمر ہو مثلاً اُن کو بہتر خاوند مل جائے۔ (دیکھیے تفسیر کبیر)

اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی اس طرح سے ہے۔فرمایا:

((اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ ، فَإِنْ أَنْتَ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ ، فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ .)) ❶

''عورتوں کے بارے میں میری وصیت کا ہمیشہ خیال کرنا، کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ پسلی میں بھی سب سے ٹیڑھا اوپر والا حصہ ہوتا ہے۔اگر کوئی شخص اسے بالکل سیدھی کرنے کی کوشش کرے گا تو انجام کار اسے توڑ کر رکھ دے گا اور اگر اسے وہ یونہی چھوڑ دے گا تو پھر وہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔پس عورتوں کے بارے میں میری نصیحت مانو اور عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔''

(۴)...... جناب ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اللہ عزوجل کے فتویٰ سے شرعی عمل کی مشروعیت کا حکم معلوم ہوا اور وہ یہ تھا کہ اگرچہ بیوی کو مارنے کا کوئی سبب موجود تھا مگر اس میں اللہ کے فتویٰ سے تخفیف ہوگئی۔ یہاں سے یہ حکم حضرت عبداللہ بن عباس، سعید بن جبیر، امام مجاہد، عطاء، ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہم و رحمہم اللہ جمیعاً وغیرہم نے اخذ کیا ہے۔اور اسی طرح حدود میں بھی تخفیف کا یہی حکم ہے کہ جب ملزم (جس پر حد جاری کی جارہی ہو) کی حالت قابل عذر ہو۔اس کا یہ عذر اس کے ساتھ لازم، چمٹا ہوا ہو کہ جسے اُس سے جدا نہ کیا جا سکے، جیسے کہ بوڑھا کمزور آدمی۔ ❷

((فَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ بَيْنَ أَبْيَاتِنَا إِنْسَانٌ مُخْدَجٌ ضَعِيْفٌ لَمْ يُرَعْ أَهْلُ الدَّارِ إِلَّا وَهُوَ عَلَى أَمَةٍ مِنْ إِمَاءِ الدَّارِ يَخْبُثُ بِهَا ، وَكَانَ مُسْلِمًا ، فَرَفَعَ شَأْنَهُ سَعْدٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اِضْرِبُوْهُ حَدَّهُ ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ أَضْعَفُ مِنْ ذٰلِكَ ، إِنْ ضَرَبْنَاهُ مِائَةً قَتَلْنَاهُ ، قَالَ: فَخُذُوْا لَهُ عِثْكَالًا فِيْهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ فَاضْرِبُوْهُ بِهِ ضَرْبَةً وَاحِدَةً ، وَخَلُّوْا سَبِيْلَهُ .)) ❸

---

❶ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، ج: ٦، ص: ٤١٨، حديث: ٣٣٣١.

❷ دیکھئے: تفسير القرطبي، ج: ١٥، ص: ٢١٣ـ أحكام القرآن للجصاص، ج: ٣، ص: ٣٨٢ـ أحكام القرآن للكيا الهراسي، ج: ٤، ص: ٣٦٠ـ فتح القدير، ج: ٤، ص: ٤٣٧ـ بدائع التفسير، ج: ٤، ص: ٤١، ٤٠ـ

❸ مسند الإمام أحمد، ج: ٥، ص: ٢٢٢ـ سنن أبي داؤد، كتاب الحدود، باب إقامة الحد على المريض، ج: ٤، ص: ١٦٠ـ وسنن ابن ماجة، كتاب الحدود، باب الكبير أو المريض يجب عليه حد، ج: ٢، ص: ٨٥٩ـ صححه الألباني في صحيح سنن ابن ماجة، ح: ٢٠٨٧.

''چنانچہ سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں ایک لُنجا (ناقص الخلقت) شخص رہتا تھا۔ گھر والوں کو اس کے متعلق کبھی خوف ڈر نہ رہا سوائے اس کے کہ ایک بار وہ گھر کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی پر چڑھا ہوا اُس کے ساتھ برا کام کر رہا تھا۔ وہ تھا مسلمان۔ اس کا یہ حال (میرے ابوجی) جناب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا، جسے سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو سو کوڑے مارو۔'' لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ بہت کمزور اور ناتواں ہے۔ اگر ہم نے اسے سو کوڑے مار دیے تو وہ مر جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھجور کے ایک خالی گچھے کی سو سینکیں، (تیلیاں) شاخیں لے کر ایک بار اس کو مار دو، اور اسے جانے دو۔''

واقعہ مذکور بالا سے حاصل شدہ دُروس وعبر:

۱ ...... بعض صابرہ اور صالح عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جو اپنے خاوند کے ساتھ مکمل وفا کرتی ہیں، حالات چاہے کچھ بھی ہوں۔ یہ بات ہمیں واقعہ مذکورہ بالا میں پوشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتی ہے۔

۲ ...... صبر واستقلال اور صبر کے قابل تعریف انجام کی فضیلت بھی اس واقعہ سے عیاں ہے۔ سیّدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی نے اپنے خاوند محترم کے ساتھ صبر سے کام لیا اور پھر اس کو جو انعام ملا وہ آپ نے پیچھے پڑھ لیا ہے۔ اللہ عزوجل قرآنِ حکیم میں اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝﴾ (الانشراح: ٥-٦)

''پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہے۔ بے شک اسی مشکل کے ساتھ ایک اور آسانی ہے۔''

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک سواری پر سوار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارے لڑکے! کیا میں تمھیں ایسے کلمات (نفع بخش باتیں) نہ سکھاؤں کہ جن پر عمل کے ساتھ اللہ ربّ العالمین تمھیں فائدہ پہنچائیں؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! ضرور سکھایئے۔ فرمایا:

((إِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ ، إِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ ، تَعَرَّفْ إِلَيْهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ، قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ ، فَلَوْ أَنَّ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ جَمِيعًا أَرَادُوْا أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ وَإِنْ أَرَادُوْا أَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ ، وَاعْلَمْ أَنَّ فِي الصَّبْرِ عَلَى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا

كَثِيرًا ، وَأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا .)) ❶

''اللہ کے حکموں کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت کرے گا، اللہ کی شریعت کی حفاظت (بذریعہ عمل و دعوت) کرو اُسے تم (اپنی مدد کے ساتھ) اپنے سامنے پاؤ گے، فراخی کے دنوں میں اس کی پہچان میں رہو (اُسے بھولو نہیں اور عبادت کے ساتھ اُس کو یاد رکھو) وہ سختی کے دنوں میں تجھے پہچان کر رکھے گا۔ جب بھی مانگو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرو۔ اور جب بھی مدد طلب کرو تو صرف اللہ کریم سے ہی مدد طلب کرو۔ جو کچھ تا قیامت ہونے والا ہے اس کے متعلق تقدیر کا قلم (سب کچھ لکھ کر) خشک ہو چکا ہے۔ اگر سب کی سب مخلوق کے لوگ اس بات کا ارادہ کریں کہ وہ کسی ایسی چیز کے بارے میں تجھے نفع پہنچانا چاہیں جسے اللہ تعالیٰ نے تمہاری تقدیر میں نہیں لکھا تو وہ تمھیں فائدہ پہچانے پر قدرت نہیں رکھ سکیں گے۔ اور اگر وہ اس بات کا ارادہ کریں کہ کسی ایسی چیز کے متعلق تمھیں کچھ نقصان پہنچا سکیں کہ جو نقصان اللہ ربّ العالمین نے تمہاری تقدیر میں نہیں لکھا تو وہ اس پر بھی قدرت نہیں رکھ سکیں گے۔ اور اس بات کو خوب جان لو کہ اُس کام یا چیز کے صبر میں کہ جسے تم بسا اوقات ناپسند کرو بہت زیادہ بھلائی، خیر ہو اور بلاشبہ اللہ کی مدد صبر کے ساتھ آیا کرتی ہے اور کشادگی دکھ تکلیف کے ساتھ پہنچا کرتی ہے اور بلاشبہ تنگی کے ساتھ آسانی آیا کرتی ہے۔''

۳...... واقعہ مذکورہ بالا سے ہمیں اللہ عزوجل کی طرف سے قسم کے کفارہ میں تخفیف اور آسانی کی مشروعیت کا سبق بھی ملتا ہے۔ اور اگر یہ سیّدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں مشروع ہوتی تو اللہ کریم اُنھیں ضرور اس کی طرف راہنمائی فرماتے کہ وہ یوں اپنی قسم کو توڑ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اس طرح اس قسم کو پورا کرنے سے بہتر ہوتا۔ ❷

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی قدر ہے:

((وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا .)) ❸

''اللہ کی قسم! اللہ نے چاہا تو میں کبھی بھی اگر کوئی قسم کھالوں گا اور اس کے سوا دوسری چیز میں بھلائی دیکھوں گا تو وہی کروں گا جس میں بھلائی ہوگی اور قسم توڑ دوں گا۔''

---

❶ دیکھئے: مسند الإمام أحمد: ۱/ ۳۰۷۔ وجامع الترمذي، کتاب صفة القيامة والرقائق، باب: ۵۹، حديث: ۲۵۱٦، بدون واعلم أن في الصبر ......الخ، واللفظ لأحمد. ❷ دیکھئے: ابن قیم رحمہ اللہ کی '' بدائع التفسیر ''، جلد نمبر: ٤، صفحہ: ٦۱.

❸ صحيح البخاري مع الفتح، کتاب الأيمان والنذور، باب اليمين فيما لا يملك وفي المعصية وفي الغضب، ج: ۱۱، ص: ۵۷۳، حديث: ٦٦۸۰۔ وصحيح مسلم، کتاب الأيمان، باب من حلف يمينًا، فرأى غيرها خيراً منها أن يأتي الذي هو خير ويكفر يمينه، ج: ۳، ص: ۱۲٦۹.

(۶)......سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

ہر لڑکی اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے درمیان ایک ہی گھر میں نشو ونما پاتی ہے اور اُس کے گھر والے اُس سے مکمل مانوس ہوتے ہیں۔ مہینوں، سالوں میں وہ جوان ہوجاتی ہے۔ گھر والے اس کے اچھے اخلاق، سلیقہ مندی اور نیکی کی طرف رغبت کو مکمل طور پر دیکھ رہے ہوتے ہیں اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے وہ دن آجاتے ہیں کہ اس کے ساتھ منگنی اور پھر نکاح کرنے والے کا پیغام آپہنچتا ہے۔ ماں باپ اور بہن بھائی اُس شخص کے ساتھ اُسے روانہ کرنے کے لیے تیار کردیتے ہیں کہ جس کے ساتھ اُس نے باقی ساری زندگی گزارنا ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے تمام خاندان کے محبوب افراد کے درمیان سے اپنے گھر سے روانہ ہوجاتی ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ماں باپ کی یہ لاڈلی بیٹی اپنے خاوند کی اطاعت و سربراہی میں اپنے وطن سے بہت دُور اُس کے ملک کی طرف سفر کرجاتی ہے۔ ابتدائے زیست سے بیٹیوں کا یہی معاملہ رہا ہے اور قیامت تک رہے گا۔

قرآنِ حکیم نے ہمارے لیے ایسی ہی ایک صالحہ لڑکی کا واقعہ بیان کیا ہے کہ جو نہایت ہی نیک طبیعت، سلیقہ منداور اپنے گھر والوں کے ساتھ ہمیشہ بہت ہی اچھا سلوک کرنے والی تھی۔ اس کی بھی شادی ہوئی اور وہ اپنے گھر والوں سے الوداع ہوکر اپنے محترم و مکرم خاوند کے ہمراہ ایک بہت دُور دراز کے ملک کی طرف روانہ ہوگئی۔ وہ صالحہ و نیک طبیعت لڑکی بیوی بن کر اپنے وطن سے کوچ کرگئی تھی۔

قرآنِ عظیم میں اس نیک خاتون کا واقعہ تین مقامات پر بیان ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی قدر ہے:

﴿ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝﴾ (طٰہٰ: ۹۔۱۳)

’’اور کیا تیرے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے۔ جب اس نے ایک آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا تم ٹھہرو، بے شک میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں تمھارے پاس اس سے کوئی انگارا لے آؤں، یا اس آگ پر کوئی رہنمائی حاصل کرلوں۔ تو جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے آواز دی گئی اے موسیٰ!۔ بے شک میں ہی تیرا رب ہوں، سو اپنی دونوں جوتیاں اتار دے، بے شک تو پاک وادی طویٰ میں ہے۔ اور میں نے تجھے چن لیا ہے، پس غور سے سن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے۔‘‘

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝﴾ (النمل: ۷۔۱۰)

’’جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا بلاشبہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے، میں عنقریب تمھارے پاس اس سے کوئی خبر لاؤں گا، یا تمھارے پاس اس سے سلگایا ہوا انگارا لے کر آؤں گا، تاکہ تم تاپ لو۔ تو جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے آواز دی گئی کہ برکت دی گئی ہے اسے جو آگ میں ہے اور جو اس کے اردگرد ہے اور اللہ پاک ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے موسیٰ! بے شک حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں، جو سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ اور اپنی لاٹھی پھینک۔ تو جب اس نے اسے دیکھا کہ حرکت کر رہی ہے، جیسے وہ ایک سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر لوٹا اور واپس نہیں مڑا۔ اے موسیٰ! مت ڈر، بے شک میں، میرے پاس رسول نہیں ڈرتے۔‘‘

ایک تیسرے مقام پر اس واقعہ کا بیان یوں ہے:

﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤی اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ ؗ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ

اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (القصص : ١٤ ـ ٢١)

”اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا اور پورا طاقتور ہو گیا تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم عطا کیا اور اسی طرح نیکی کرنے والوں کو ہم بدلہ دیتے ہیں۔ اور وہ شہر میں اس کے رہنے والوں کی کسی قدر غفلت کے وقت داخل ہوا تو اس میں دو آدمیوں کو پایا کہ لڑ رہے ہیں، یہ اس کی قوم سے ہے اور یہ اس کے دشمنوں میں سے ہے۔ تو جو اس کی قوم سے تھا اس نے اس سے اس کے خلاف مدد مانگی جو اس کے دشمنوں سے تھا، تو موسیٰ نے اسے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا۔ کہا یہ شیطان کے کام سے ہے، یقیناً وہ کھلم کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔ کہا اے میرے رب! یقیناً میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، سو مجھے بخش دے۔ تو اس نے اسے بخش دیا، بے شک وہی تو بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ کہا اے میرے رب! اس وجہ سے کہ تو نے مجھ پر انعام کیا، تو میں کبھی بھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ غرض اس نے شہر میں ڈرتے ہوئے صبح کی، انتظار کرتا تھا، تو اچانک وہی شخص جس نے کل اس سے مدد مانگی تھی، اس سے فریاد کر رہا تھا۔ موسیٰ نے اس سے کہا یقیناً تو ضرور کھلا گمراہ ہے۔ پھر جونہی اس نے ارادہ کیا کہ اس کو پکڑے جو ان دونوں کا دشمن تھا، اس نے کہا اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے قتل کر دے، جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے، تو نہیں چاہتا مگر یہ کہ زمین میں زبردست بن جائے اور تو نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔ اور ایک آدمی شہر کے سب سے دور کنارے سے دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا اے موسیٰ! بے شک سردار تیرے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیں، پس نکل جا، یقیناً میں تیرے لیے خیر خواہوں سے ہوں۔ تو وہ ڈرتا ہوا اس سے نکل پڑا، انتظار کرتا تھا، کہا اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے بچا لے۔“

اور پھر فرمایا:

﴿ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ٥ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ٥ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ٥ فَجَاۗءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَاۗءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ڵ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ٥ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ٥ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓي اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ٥ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ٥ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ٥ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِيٴِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓي اِنِّىْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓي اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ٥ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ٥﴾ (القصص : ۲۲۔۳۲)

’’اور جب اس نے مدین کی طرف رخ کیا تو کہا میرا رب قریب ہے کہ مجھے سیدھے راستے پر لے جائے۔ اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچا تو اس پر لوگوں کے ایک گروہ کو پایا جو پانی پلا رہے تھے اور ان کے ایک طرف دو عورتوں کو پایا کہ (اپنے جانور) ہٹا رہی تھیں۔ کہا تمھارا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا ہم پانی نہیں پلاتیں یہاں تک کہ چرواہے پلا کر واپس لے جائیں اور ہمارا والد بڑا بوڑھا ہے۔ تو اس نے ان کے لیے پانی پلا دیا، پھر پلٹ کر سائے کی طرف آ گیا اور اس نے کہا اے میرے رب! بے شک میں، جو بھلائی بھی تو میری طرف نازل فرمائے، اس کا محتاج ہوں۔ تو

ان دونوں میں سے ایک بہت حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی، اس نے کہا بے شک میرا والد تجھے بلا رہا ہے، تاکہ تجھے اس کا بدلہ دے جو تو نے ہمارے لیے پانی پلایا ہے۔ تو جب وہ اس کے پاس آیا اور اس کے سامنے حال بیان کیا تو اس نے کہا خوف نہ کر، تو ان ظالم لوگوں سے بچ نکلا ہے۔ دونوں میں سے ایک نے کہا اے میرے باپ! اسے اجرت پر رکھ لے، کیونکہ سب سے بہتر شخص جسے تو اجرت پر رکھے طاقتور، امانت دار ہی ہے۔ اس نے کہا بے شک میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں، اس (شرط) پر کہ تو آٹھ سال میری مزدوری کرے گا، پھر اگر تو دس پورے کر دے تو وہ تیری طرف سے ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر مشقت ڈالوں، اگر اللہ نے چاہا تو یقیناً تو مجھے نیک لوگوں سے پائے گا۔ کہا یہ بات میرے درمیان اور تیرے درمیان (طے) ہے، ان دونوں میں سے جو مدت میں پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے۔ پھر جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر دی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلا تو اس نے پہاڑ کی طرف سے ایک آگ دیکھی، اپنے گھر والوں سے کہا تم ٹھہرو، بے شک میں نے ایک آگ دیکھی ہے، ہوسکتا ہے کہ میں تمھارے لیے اس سے کوئی خبر لے آؤں، یا آگ کا کوئی انگارا، تاکہ تم تاپ لو۔ تو جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے اس بابرکت قطعہ میں وادی کے دائیں کنارے سے ایک درخت سے آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں، جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اور یہ کہ اپنی لاٹھی پھینک۔ تو جب اس نے اسے دیکھا کہ حرکت کر رہی ہے، جیسے وہ ایک سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر چل دیا اور پیچھے نہیں مڑا۔ اے موسیٰ! آگے آ اور خوف نہ کر، یقیناً تو امن والوں سے ہے۔ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر، وہ کسی عیب کے بغیر سفید (چمکدار) نکلے گا اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنا بازو اپنی جانب ملا لے، سو یہ دونوں تیرے رب کی جانب سے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف دو دلیلیں ہیں۔ بلاشبہ وہ ہمیشہ سے نافرمان لوگ ہیں۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

لِأَهْلِهِ: اہل سے مراد جناب موسیٰ علیہ السلام کی بیوی ہے۔ [1]

امْكُثُوا: اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو اور انتظار کرو۔ یہاں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی کو جمع کے صیغہ سے مخاطب

[1] تفسیر قرطبی، جلد: ۱۱، صفحہ: ۱۷۲ - واضواء البیان، جلد: ٤، صفحہ: ٤١٢.

کیا اس کی قدر و منزلت کو سامنے رکھ کر۔

ءَ انَسۡتُ: بمعنی أَبۡصَرۡتُ ...... میں نے دیکھی ہے۔

قَبَسٍ: انگارا۔ اور یہ جلتی ہوئی لکڑی کے جل جانے والے سرے سے حاصل ہوتا ہے۔ یا کسی پتھر وغیرہ سے۔ ❶

بِشِهَاب: شعلہ ...... جلتا ہوا شعلہ، جلنے والی آگ سے۔ ❷

تَصۡطَلُوۡنَ: تَسۡتَدۡفِئُوۡنَ بِهَا مِنَ الۡبَرۡدِ ...... سردی سے بچنے کے لیے تمہارے تاپنے کو یہ شعلہ وانگارہ لاتا ہوں۔ ❸

جَذۡوَةٍ: موٹی بھاری سی ایک چنگاری (جو انگارا کی شکل میں ہو) کہ جس میں آگ جل رہی ہو۔ ❹

اَلطُّوۡر: وہ پہاڑی کہ جس کی وادی طویٰ میں جناب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کریم سے کلام کیا تھا۔ ❺

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ کا تعارف:

اس محترمہ بی بی کا نام نہ ہی تو قرآن میں کہیں مذکور ہے اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں اس کا نام آیا ہے۔ البتہ مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ اس نیک خاتون کا نام ''صفوریا'' تھا اور یہ علاقۂ مدین کے ایک صالح آدمی کی بیٹی تھی۔ جیسا کہ پیچھے قرآنی آیات کے ترجمہ میں گزر چکا ہے۔ ❻

---

❶ تفسير القرطبي، ج: ١١، ص: ١٧٤۔ المفردات للراغب، ص: ١٧١۔ المصباح المنير، ص: ٥٧٧۔ أضواء البيان، ج: ١٠، ص: ٢٢٩۔ ٢٣٠۔ تفسير البغوي، ج: ٣، ص: ٢١٣۔ المفردات للراغب، ص: ٢٨۔ المفردات للراغب، ص: ٢٩٠۔ معاني القرآن للزجاج، ج: ٣، ص: ٣٥١، وج: ٤، ص: ١٠٨.

❷ المفردات للراغب، صفحه: ٢٦٧.

❸ طبری، جلد: ١٩، صفحه: ١٣٣۔ بغوی، جلد: ٣، صفحه: ٤٤٤۔ تفسیر قرطبی، جلد: ١٣، صفحه: ١٥٧.

❹ تفسیر طبری، جلد: ٢٠، صفحه: ٦٩۔ قرطبی، جلد: ١١، صفحه: ١٧٢، جلد: ١٣، صفحه: ٢٨١، مفردات للراغب، صفحه: ٩٠، بغوی، جلد: ٣، صفحه: ٤٤.

* کوہِ طور بحر احمر کے شمالی کنارے اور صحرائے سیناء کے درمیان واقع ہے۔ دیکھئے: القاموس المحیط، جلد: ۲، صفحہ: ۸۲۔ تفسیر طبری، جلد: ۱، صفحہ: ۳۲۵، جلد: ۲۷، صفحہ: ۱۵۔

❻ مدین خلیج عقبہ کے مغربی ساحل پر مقنا سے چند میل بجانب شمال واقع تھا۔ آج کل ''البدع'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے قریب تھوڑے فاصلے پر وہ جگہ ہے، جسے اب مغائرِ شعیب یا مغاراتِ شعیب کہا جا[illegible]س جگہ ثمودی طرز کی بعض عمارتیں بھی پائی جاتی ہیں اور اس سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر کچھ قدیم کھنڈر واقع ہیں، جہاں دو اندھے کنوئیں ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک کنواں وہ تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ بعض اصحاب کا یہ بیان ہے اور بعض قدیم بہت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ سورۃ القصص کی آیت نمبر ۲۳ کے آخر میں ہے: ﴿وَأَبُوۡنَا شَيۡخٌ كَبِيۡرٌ﴾ ...... یعنی اس میں اتنی طاقت نہیں کہ خود بکریوں کے ساتھ آئے۔ اور ڈول نکال کر انھیں پانی پلا سکے۔ گھر میں کوئی دوسرا مرد بھی نہیں ہے اس لیے مجبوراً ہمیں یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ قرآن یا حدیث میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ ⇦⇦⇦

واقعہ کی تفصیل:

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ کی سیرت و واقعات میں سے قرآنِ حکیم نے ہمیں ایک حصہ ہی بیان کیا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ یہ بی بی محترمہ حیاء اور عفت وعصمت والی عظیم الشان صفت وخوبی سے متصف تھی۔ پھر یہ کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ نہایت اعلیٰ سلوک اور نیکی کرنے والی تھیں۔ (اسی خوبی والی اس کی دوسری بہن بھی تھی۔)

جب علاقۂ مدین کے ایک صالح بوڑھے آدمی جناب شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس بات کو پیش کیا کہ آپ اُن کی دونوں بیٹیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ نکاح کرلیں تو جناب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صفورا کے ساتھ نکاح کرلیا۔ ہمارے نزدیک ظاہری بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ جس کے ساتھ سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح کیا، یہ وہ لڑکی تھی جس کے بارے میں قرآن بتلاتا ہے:

﴿ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ○ ﴾

(القصص: ۲۵-۲۶)

''تو ان دونوں میں سے ایک بہت حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی، اس نے کہا بے شک میرا والد تجھے بلا رہا ہے، تاکہ تجھے اس کا بدلہ دے جو تو نے ہمارے لیے پانی پلایا ہے۔ تو جب وہ اس کے پاس آیا اور اس کے سامنے حال بیان کیا تو اس نے کہا خوف نہ کر، تو ان ظالم لوگوں سے بچ نکلا ہے۔ دونوں میں سے ایک نے کہا اے میرے باپ! اسے اجرت پر رکھ لے، کیونکہ سب سے بہتر شخص جسے تو اجرت پر رکھے طاقتور، امانت دار ہی ہے۔''

احتمال یہ ہے کہ ان تمام اُمور میں دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہی اس بیان کا تعلق ہو۔ یعنی بغیر کسی تعین کے۔ اور یہ اُس اعلیٰ درجہ کے حیاء کے پیش نظر ہو کہ جس کے ساتھ وہ لڑکی متصف تھی۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے اُس مدت کے بعد سفر کا ارادہ کیا کہ جو ان کے ان کے سسر جناب شعیب علیہ السلام کے مابین طے ہوئے تھی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی زوجۂ محترمہ (صفورا بی بی) کو لے کر وہاں سے روانہ ہوگئے۔ بی بی محترمہ نے بھی سخت سردی کا موسم ہونے کے باوجود خوشی خوشی ساتھ چلنے کے لیے تیاری کرلی۔ اور یوں وہ لوگ مدین سے

⇦⇦⇦ ان کے والد کون تھے اور ان کا نام کیا تھا۔ اکثر مفسرینؒ کا خیال ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں اور بعض نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بھتیجیاں بھی کہا ہے، لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے اور سیاق قرآن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (شوکانی)

مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔

پھر راستے میں ایک رات وہ راستہ بھول گئے اور جنابِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طور والی جانب آگ نظر آئی۔ آپ سردی کا علاج کرنے کے لیے اس آگ میں کوئی دہکتا ہوا کوئلہ یا چنگاری لانے کے لیے جلدی سے اس طرف لپکے اور اپنی زوجۂ محترمہ سے فرمایا کہ اپنی جگہ پر ہی رُکے رہو۔ تاکہ اس اُمید پر آپ جلدی سے اس آگ والی جگہ پر پہنچیں کہ شاید آپ وہاں کسی کو موجود پائیں جو ان کو راستے کی طرف راہنمائی کر سکے۔ اور اگر وہاں کوئی شخص راہ بتانے والا نہ ہوا تو آپ کم از کم وہاں سے کوئی انگارا، شعلہ وغیرہ ہی لے آئیں گے، تاکہ آپ کی اہلیہ آگ سینک کر سردی دُور کر سکے۔ چنانچہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام جب وہاں آگ کے پاس گئے تو وہاں آپ نے اُس چیز سے بہت زیادہ خیر و برکت پائی کہ جس کا آپ ارادہ لے کر گئے تھے اور یہ نبوت و رسالت والی خیر و برکت اور عظمت و منزلت تھی۔ اللہ عزوجل نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہِ راست گفتگو فرمائی اور آپ کو اپنی رسالت و نبوت کے لیے منتخب فرمالیا۔ یوں آپ اپنے اہل خانہ کے پاس ایک بہت بڑا خزانہ لے کر پلٹے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''سیّدنا موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل خانہ کے پاس ایک خبر لے کر پلٹے اور یہ خبر کون سی تھی؟ (بنو اسرائیل کی قیادتِ اعلیٰ والی خبر) آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس روشنی اور آگ کے پاس ہدایت و راہنمائی پائی، کونسی ہدایت و راہنمائی (رسالت و نبوت والی ہدایت و راہنمائی) آپ علیہ السلام وہاں سے روشنی لے کر پلٹے، کونسی روشنی؟ (ایمان و صراطِ مستقیم والی روشنی) ❶

اسرائیلی روایات:

ا...... تفسیر الخازن کے مصنف نے ذکر کیا ہے کہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زوجۂ محترمہ سے کہا کہ وہ اپنے والد محترم سے کچھ بھیڑ بکریاں مانگ لے جو اُس نے اپنے والد سے مانگ لیں۔ اور جناب شعیب علیہ السلام نے یہ بکریاں اپنی بیٹی کو دے دیں۔ اور یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس بی بی (صفوریا) کے والد نے جنابِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکریم کے لیے ان دونوں کو بھیڑ بکریاں دی تھیں اور یہ موسیٰ علیہ السلام کے حسن اخلاق و اعلیٰ کردار اور شعیب علیہ السلام کی بیٹی کے ساتھ آپ کے رشتہ کی وجہ سے اُنھوں نے ایسا کیا تھا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس بی بی محترمہ کے والد گرامی جناب شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کی لاٹھی جنابِ موسیٰ علیہ السلام کو دے دے، تاکہ وہ راستے میں اپنی بکریوں کا بھیڑیوں جیسے درندوں سے دفاع کر سکیں۔ ❷

---

❶ تفسير الطبري، ج: ۲۰، ص: ۱۳۲، ۱۳۳۔ تفسير ابن كثير، ج: ۵، ص: ۱۷۰۔ تفسير البحر المحيط، ج: ۷، ص: ۵٤۔ قصص الأنبياء لابن كثير، ص: ۳۱۲۔ بصائر أولي التمييز، ص: ۳۱۳۔ قصص الأنبياء لابن كثير، ص: ۳۱۲.

❷ دیکھئے: تفسیر الخازن، جلد: ۵، صفحہ: ۱۷۱، ۱۷۲۔

۲..... چنانچہ سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجۂ محترمہ آپ کے ہمراہ مدینؔ [1] سے مصر کی طرف روانہ ہوگئیں۔ اور یہ روانگی جناب موسیٰ علیہ السلام کی اُس مدت کے پورا ہونے کے بعد عمل میں آئی تھی کہ جو ان کے اور جناب شعیب علیہ السلام کے مابین طے پائی تھی۔ دونوں کا سفر سردی کے موسم میں شروع ہوا تھا۔ اور آپ علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ (بی بی صفوریا) حاملہ اور بچہ جننے کے بالکل قریب تھیں۔ یہ لوگ دن کے وقت چلتے تھے۔ اور جب رات ہوجاتی تو رُک جاتے اور قیام کرلیتے تھے۔ جنابِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آگ جلا لیتے اور یوں وہ لوگ اس آگ کی روشنی اور اس کی گرمائش میں رات گزارتے۔ ایک رات وہ راستے سے بھٹک گئے۔ بی بی محترمہ کو دردِ زہ شروع ہوگیا اس لیے انھوں نے ایک جگہ قیام کرلیا۔ جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے کوشش کی کہ آپ چقماق سے آگ جلائیں مگر ناکام رہے اور آگ نہ جلی۔ اسی دوران آپ نے کوہِ طور والی جانب آگ دیکھی اور پھر آپ علیہ السلام نے اپنی زوجۂ محترمہ سے فرمایا:

﴿ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝﴾ (القصص : ۲۹)

''اپنے گھر والوں سے کہا تم ٹھہرو، بے شک میں نے ایک آگ دیکھی ہے، ہوسکتا ہے کہ میں تمھارے لیے اس سے کوئی خبر لے آؤں، یا آگ کا کوئی انگارا، تا کہ تم تاپ لو۔'' [2]

ان اسرائیلی روایات پر تبصرہ:

ان روایات میں سے بعض سنداً ثابت ہیں، بعض ان میں سے باطل ہیں اور بعض کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ چنانچہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی اہلیہ کا اپنے محترم ومکرم خاوند کے ہمراہ رات کے وقت چلنے کی تصریح قرآن میں بھی آگئی ہے اور یہ بات درست ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ﴾ اسی طرح ان کا موسمِ سرما میں سفر کے آغاز کا ذکر بھی قرآنِ حکیم کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ سے کہا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ تا کہ تم آگ سینک سکو۔ بعینہٖ ان کے راستے کو گم کر بیٹھنے اور اس رات کی بہت زیادہ کالی سیاہ ہونے والی بات بھی قرآن عظیم کے ان الفاظ سے ثابت ہے۔

[1] علاقہ مدین کے بارے میں پیچھے اجمالاً بیان ہوچکا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: (۱) الروض المعطار فی خبر الاقطار، صفحہ: ۵۲۵۔ (۲) المعجم ما استعجم، جلد: ۴، صفحہ: ۱۲۰۱۔ (۳) اطلس التاریخ الاسلامی للدکتور حسین مؤنس، صفحہ: ۳۸۸، ۳۸۹۔

[2] تفصیل کے لیے: تفسیر الطبري، جلد: ۱۶، ص: ۱۴۲۔ تفسیر البغوي، جلد: ۳، ص: ۴۴۴۔ تفسیر الخازن، ج: ٤، ص: ٢٦٤۔ قصص الأنبیاء لابن کثیر، ص: ۳۱۲

جنابِ موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ سے کہنے لگے: ﴿امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾ ...... ''یہیں ٹھہر جاؤ، مجھے آگ دکھائی دیتی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں تمہارے لیے ایک انگارا وہاں سے لے آؤں یا (اگر انگارا، چنگاری نہ ملے تو) اس آگ پر کوئی راستہ بتانے والا پالوں۔ (طٰہٰ:۱۰)

البتہ یہ جو بیان ہوا ہے کہ: اس سفر میں ان کے ساتھ بھیڑ بکریاں بھی تھیں تو اس کے لیے بھی قرآنِ حکیم کے اس ارشاد سے دلیل لی جا سکتی ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ۝﴾ (طٰہٰ: ۱۷۔۱۸)

''اور یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ!؟ کہا یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لیے اس میں کئی اور ضرورتیں ہیں۔''

مگر یہ جو روایت کیا گیا ہے کہ سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زوجۂ محترمہ سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے والدِ محترم (جناب شعیب علیہ السلام) سے کچھ بھیڑ بکریوں کا سوال کر لیں تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اللہ عزوجل کے نبیوں میں سے کسی بھی نبی سے اس طرح کی بات کا اظہار محال ہے۔ سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کے لیے جائز ہی نہ تھا کہ اس طرح کا سوال کر کے آپ اپنے چہرے کی رونق کو کم کریں اور ایسی کوئی حقیر بات کریں۔ آپ نے پیچھے پڑھ لیا ہے کہ جب آپ یہاں علاقۂ مدین میں پہنچے تھے تو اس وقت کی کیفیت کو اللہ عزوجل نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۝﴾ (القصص: ٢٤)

''تو اس نے ان کے لیے پانی پلا دیا، پھر پلٹ کر سائے کی طرف آ گیا اور اس نے کہا اے میرے رب! بے شک میں، جو بھلائی بھی تو میری طرف نازل فرمائے، اس کا محتاج ہوں۔''

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''سیّدنا موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے بھاگے تو ان کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ سبزیاں اور درختوں کے پتے کھا کر راستہ طے کرتے رہے جب مدین پہنچے اور بکریوں کو پانی پلا کر سایہ میں بیٹھے تو بھوک کے مارے ان کا پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا۔ اس حال میں اُنھوں یہ دُعا کی۔'' یعنی اس حال میں بھی اپنے رب سے ہی مانگا کسی انسان سے کچھ طلب نہ کیا۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ نے مدین سے چلتے وقت اپنی زوجۂ محترمہ سے گزارش کی ہو کہ وہ اپنے باپ سے ان کے لیے بکریاں مانگ لیں؟ احتمال اسی بات کا ہے کہ آپ کے سسرِ محترم جناب شعیب علیہ السلام نے یہ بکریاں ھدیۃً دی ہوں۔ بعض اسرائیلی روایات

میں ہی اس بات کی وضاحت بھی آئی ہے۔

اور یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ جنابِ موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ مدین سے روانہ ہوتے وقت حاملہ تھیں اور آپ اس وقت بچہ جننے کے بالکل قریب تھیں تو یہ بات بھی صحت و درستگی سے کوسوں دُور ہے۔ سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا نہایت رحم دل نبی کہ جو لڑکیوں کی حالت دیکھ کر ان کے لیے کنویں سے پانی نکالے اور بکریوں کو پلائے اور وہ بھی بلا معاوضہ...... تو وہ اس حالت میں اپنی بیوی کو سفر میں کیسے چلا سکتا ہے؟ کیا اُسے اس بات کی خبر نہ تھی کہ اس کی بیوی حمل کے کن دنوں میں ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے جبکہ وہ ہے بھی اُن کی بیوی؟ ان کے علاوہ جتنی روایات ہیں ان کے صحت و ضعف پر ہم مطلع نہیں ہو سکے۔ ظاہر بات یہی لگتی ہے کہ ان کو بیان کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

واقعہ مذکور بالا سے مستفاد احکام و دُروس:

۱...... سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنی زوجۂ محترمہ کے ہمراہ سفر کرنے سے ہر آدمی کے لیے اپنے اہل خانہ کو ساتھ لے کر سفر کرنے کے جواز کا مسئلہ مستنبط ہوتا ہے۔ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ أَزْوَاجِهِ فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَعَهُ .)) ❶

''رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ ڈالتے۔ جس اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا نام نکل آتا انھیں اپنے ساتھ لے جاتے۔''

۲...... ہر بیٹی نے ایک نہ ایک دن اپنے والدین اور بہن بھائیوں کو چھوڑ کر جدائی کا راستہ تو اختیار کرنا ہی ہوتا ہے۔ اس لیے ہر لڑکی پر لازم ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایک اچھی یاد اور پاک سیرت چھوڑ کر جائے۔ جس طرح مدین کے اس بوڑھے نیک آدمی کی بیٹی نے اپنے پیچھے نیک سیرت اور اسوۂ حسنہ چھوڑا تھا اور قرآنِ حکیم نے ہمارے لیے اس کا تذکرہ نہایت صالح، نیکوکار عورتوں کے ضمن میں کیا ہے۔

۳...... سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجۂ محترمہ کا اپنے معزز خاوند علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابع داری سے یہ سبق بھی ہمیں ملتا ہے کہ عورت ہوتی ہی اپنے خاوند کی تابع ہے۔ شدید سردی کے باوجود سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجۂ محترمہ بی بی صفوریا کا اپنے محترم و مکرم خاوند کے ہمراہ سفر پر چل کھڑے ہونے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ بیوی کو

---

❶ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب التفسير، باب (لو لا إذ سمعتموه ......) حديث: ٤٧٥٠ـ ج: ٨، ص: ٣٠٦ـ وصحيح مسلم، كتاب التوبة، باب في حديث الإفك، حديث: ٧٠٢٠، ج: ٤، ص: ٢١٣٠.

ہمیشہ اپنے خاوند کی اطاعت میں رہنا چاہیے اور اسے اپنے خاوند کے حکم، احکام کی تعمیل کرتے رہنا چاہیے۔

۴...... سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا راستے سے ہٹ جانے اور اسے گم کر بیٹھنے سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نہایت صالح بندے اور انبیاء کرام علیہم السلام بھی بسا اوقات زمینی راستوں سے بھٹک جایا کرتے تھے۔ ❶

۵...... اللہ عزوجل کے ارشادِ گرامی: ﴿لَعَلِّيْ آتِيْكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾ سے معلوم ہوا کہ دنیاوی اسباب و وسائل کا حاصل کرنا جائز اور دین کا حصہ ہے۔

۶...... جنابِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مذکور بالا الفاظ میں ﴿لَعَلِّيْ﴾ کے کلمہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آدمی اُس چیز کے بارے میں کسی سے وعدہ نہ کرے کہ جس کا وہ مالک نہ ہو، تاکہ اُس سے وعدہ خلافی نہ ہو سکے۔ ❷

۷...... سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یوں کہنے: ﴿سَآتِيْكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ (النمل: ۷)...... ''میں جا کر وہاں سے راستے کی کچھ خبر لاتا ہوں یا پھر میں ایک انگارا سلگا کر تمہارے پاس تمہارے تاپنے کے لیے لاتا ہوں۔'' سے خاوند کا اپنے اہل خانہ کے ساتھ رحمت و شفقت کرنے اور اُن کے لیے وسائل کے اہتمام کا اظہار معلوم ہوا کہ جنابِ موسیٰ علیہ السلام کا آگ والی جگہ جا کر کچھ خیر خبر لانے اور تاپنے کے لیے آگ کے اہتمام سے یہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔

۸...... جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زوجۂ محترمہ سے کہا: ﴿اِمْكُثُوْا﴾ تو بی بی محترمہ کا اپنی جگہ پر رُک جانے سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایک مومنہ و صالحہ عورت، کہ جو اپنے ربّ کریم پر مکمل ایمان رکھتی ہو نہایت شجاع اور بہادر ہوا کرتی ہے۔ اس لیے کہ علاقہ اُجاڑ اور رات سخت اندھیری تھی، مگر بی بی صفورؔیا قطعاً نہیں گھبرائیں۔ اسی طرح جب خلیل اللہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی بیوی سیّدہ ھاجرہ رضی اللہ عنہا کو مکہ کی بے آب و گیاہ وادی بطحاء میں چھوڑ آئے تھے تو اُنھوں نے بھی نہایت صبر و استقلال سے کام لیا تھا۔

۹...... مصیبت و ابتلاء اور آزمائش کے وقت صبر و استقامت سے کام لینے کا بھی اس واقعہ سے سبق ملتا ہے۔ جیسے کہ سیّدنا موسیٰ اور ان کی زوجۂ محترمہ علیہما السلام نے اس وقت استقلال سے کام لیا کہ جب وہ راستہ سے بھٹک گئے تھے۔ ❸

---

❶ دیکھئے: ایسر التفاسیر للجزائري، ج: ۳، ص: ۳٤٤.

❷ دیکھئے: تفسیر الفخر الرازي، ج: ۲۲، ص: ۱۵۔ الکشاف، ج: ۲، ص: ۵۳۱.

❸ دیکھئے: ایسر التفاسیر للجزائری، جلد: ۳، صفحہ: ۳۹٦.

(۷)......سیّدنا زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

اولاد بھی اللہ ربّ العالمین کی ایک نعمت ہے۔ یہ نعمت وہ لوگوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس سے محروم رکھتا ہے۔ جیسا کہ اُس کا فرمانِ گرامی ہے:

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ○ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ○﴾ (الشوریٰ: ۴۹۔۵۰)

''آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے، وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے۔ یا انھیں ملا کر بیٹے اور بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

قرآنِ کریم نے ایک ایسی عورت کا واقعہ بیان کیا ہے جو بانجھ ہوچکی تھی مگر اللہ عزوجل کی مشیئت شامل حال ہوئی اور ربّ کریم نے چاہا کہ وہ بیٹا جنے۔ چنانچہ اس نے بڑھاپے میں ایک بیٹے کو جنم دے دیا۔ دراصل قاعدہ واُصول یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں: کُنْ! اور وہ کام ہوجاتا ہے۔

اس پاکباز، صالحہ بی بی کا ذکر قرآنِ عزیز میں کئی مقامات پر آیا ہے۔

۱..... ایک مقام پر اللہ کریم فرماتے ہیں:

﴿ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ○

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝﴾ (آل عمران : ۳۸۔۴۱)

''وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے ایک پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کو بہت سننے والا ہے۔تو فرشتوں نے اسے آواز دی، جب کہ وہ عبادت خانے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ بے شک اللہ تجھے یحیٰی کی بشارت دیتا ہے، جو اللہ کے ایک کلمے (عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والا اور سردار اور اپنے آپ پر بہت ضبط رکھنے والا اور نبی ہوگا نیک لوگوں میں سے۔کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، جب کہ مجھے تو بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟ فرمایا اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔کہا اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی بنادے؟ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن لوگوں سے بات نہیں کرے گا مگر کچھ اشارے سے اور اپنے رب کو بہت زیادہ یاد کر اور شام اور صبح تسبیح کر۔'' ❶

ب..... دوسرے مقام پر واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَاۗءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَاۗىِٕكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّىْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَاۗءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ڰ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِۨ اسْمُهٗ يَحْــيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْــــًٔا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِـيًّا ۝﴾ (مریم : ۱۔۱۱)

❶ حضرت زکریا علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے اور ابھی تک بے اولاد تھے۔ بظاہر انھیں اولاد کی کوئی اُمید نہ تھی لیکن یہ دیکھ کر کہ کس طرح حضرت مریم کو خرقِ عادت کے طور پر بے موسم کا رزق پہنچ رہا ہے، ان کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ بے موسم کا رزق پہنچانے والا مایوسی کے عالم میں اولاد بھی عطا فرما سکتا ہے۔ چنانچہ اسی جگہ اور اسی وقت اللہ تعالیٰ کے حضور نیک اولاد کی دُعا کی۔بعض علماء نے حضرت مریم علیہا السلام کو خرقِ عادت میوے پہنچنے کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ محاورہ ہے کہ خدا رسیدہ لوگ ہر نعمت کو (من عند اللہ) اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔مگر حضرت زکریا علیہ السلام کا اس حالت کو دیکھ کر اظہارِ تعجب اور دُعا کرنا بتارہا ہے کہ یہ رزق خرقِ عادت پہنچ رہا تھا۔

''کٓھٰیٰعٓصٓ۔ تیرے رب کی اپنے بندے زکریا پر رحمت کا ذکر ہے۔ جب اس نے اپنے رب کو چھپی آواز سے پکارا۔ کہا اے میرے رب! یقیناً میں ہوں کہ میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور سر بڑھاپے سے شعلے مارنے لگا اور اے میرے رب! میں تجھے پکارنے میں کبھی بے نصیب نہیں ہوا۔ اور بے شک میں اپنے پیچھے قرابتداروں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی شروع سے بانجھ ہے، سو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا کر۔ جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب! اسے پسند کیا ہوا بنا۔ اے زکریا! بے شک ہم تجھے ایک لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں، جس کا نام یحیٰی ہے، اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔ کہا اے میرے رب! میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا جب کہ میری بیوی شروع سے بانجھ ہے اور میں تو بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ گیا ہوں۔ کہا ایسے ہی ہے، تیرے رب نے فرمایا ہے یہ میرے لیے آسان ہے اور یقیناً میں نے تجھے اس سے پہلے پیدا کیا جب کہ تو کچھ بھی نہ تھا۔ کہا اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تندرست ہوتے ہوئے لوگوں سے تین راتیں بات نہیں کرے گا۔ تو وہ عبادت خانے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا، پس انھیں اشارے سے کہا کہ پہلے اور پچھلے پہر تسبیح کرو۔'' [1]

ج..... تیسری جگہ اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

﴿ وَزَكَرِيَّآ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَأَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۚ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝﴾ (الانبیاء: ۸۹۔۹۰)

''اور زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحیٰی عطا کیا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے

[1] ابن جریر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اُن کی بیوی کا نام اشاع بنت فاقوذ تھا اور وہ حضرتِ مریم علیہا السلام کی والدہ حنہ کی بہن تھیں۔ قتیبی نے ان کا نام اشاع بنت عمران لکھا ہے اور وہ حضرت مریم علیہا السلام کی بہن تھیں۔ پہلے قول کے مطابق حضرت یحیٰی علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے اور دوسرے قول کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اور حدیث معراج میں بھی ان دونوں کو ''ابنی خالۃ'' فرمایا ہے۔ (شوکانی) یعنی پیغمبری کا وارث ہو جیسا کہ جمہور مفسرین نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ پیغمبروں کے مال و دولت کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو (مال) چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ (ابن کثیر) اس میں حضرت یحیٰی علیہ السلام کی فضیلت دو پہلوؤں سے بیان کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ ان کا نام اللہ تعالیٰ نے خود رکھا اور دوسرے یہ کہ ان کا نام ایسا رکھا جو ان سے پہلے کسی نبی کا نہیں تھا۔

درست کر دیا، بے شک وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے ہی لیے عاجزی کرنے والے تھے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

عَاقِرٌ: عورتوں میں سے وہ عورت جو بچہ جننے کے قابل نہ رہی ہو اسے عاقر ...... یعنی بانجھ کہتے ہیں۔ راغب اصفہانی کہتے ہیں: لفظ عقرہ کا اطلاق دراصل سر اور اساس کی جانب ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: عَقَرْتُ النَّخْلَ: یعنی قَطَعْتُهُ مِنْ اَصْلِهِ ...... میں نے کھجور کے درخت کو اوپر سرے سے کاٹ ڈالا۔ اور جب کہیں گے: عَقَرْتُ الْبَعِيْرَ: تو اس کا مطلب ہوگا: میں نے اونٹ کو بوقت ذبح اسے قابو کرنے کے لیے اسے نحر کیا تاکہ وہ گر جائے۔ اسی کلمہ کے اصل سے استعارۃً بولا جاتا ہے: سَرْجٌ مُعَقِّرٌ: سرین کو زخمی کرنے والی زین۔ اور رَجُلٌ عَاقِرٌ: اُپھل، بے اولاد مرد۔ اور اِمْرَأَةٌ عَاقِرٌ: بانجھ عورت اسے کہتے ہیں جو اپنے خاوند کے مادۂ منویہ کے لیے بنجر زمین کی طرح ہو۔ ❶

وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ: اس جملہ کی تفسیر میں علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: بلاشبہ اللہ عزوجل نے جناب زکریا علیہ السلام کے لیے ان کی بیوی کو چنگا بھلا (بچہ جننے کے قابل) کر دیا۔ اچھے اخلاق والی اور خوبصورت کر دیا۔ اس بی بی کے بارے میں بمعنی اصلاح یہ سارے مفاہیم بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک معنی و مفہوم کو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں مخصوص نہیں فرمایا اور نہ ان میں سے کسی خاص معنی کو اپنے پیغمبر (علیہ السلام) کی زبانِ مبارک سے ادا فرمایا ہے۔ نہ ہی اس خصوصیت پر کسی دلالت کو وضع فرمایا ہے۔ اصلاح کا معنی و مفہوم اپنے عموم پر ہی ہوگا، جب تک کہ وہ تخصیص نہ آ جائے جو اس کو قبول کرنے میں وجوب کو ثابت کرے کہ یہاں یہی معنی مراد ہے، دوسرا کوئی نہیں۔ ❷

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ: ''بلاشبہ یہ سب لوگ (کہ جن کا سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر: ۴۸ سے آیت نمبر: ۹۰ تک ذکر ہوا ہے) نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے تھے۔'' یعنی اعمالِ صالحہ میں استقرار و ثبات کے ساتھ ساتھ ہر نیک عمل کے لیے جلدی کرتے۔ ❸

---

❶ دیکھئے: تفسير الطبري، ج: ٣، ص: ٢٥٧۔ ج: ١٦، ص: ٤٧۔ تفسير البغوي، ج: ١، ص: ٢٩٩۔ المفردات للراغب الاصبهاني، ص: ٣٤١.

❷ دیکھئے: تفسیر طبری، جلد: ١٧، صفحہ: ٨٣.

❸ فتح القدير، جلد: ٣، صفحہ: ٤٢٥.

وَيَدْعُونَنَا: یہاں دُعا اور پکار سے مراد، عبادت ہے۔

رَغَبًا: یعنی اللہ کے یہ صالح بندے اپنے رب کی عبادت اس سے رحمت وفضل کی پوری پوری اجر وانعام کی اُمید رکھ کر کیا کرتے تھے۔ رَهَبًا: اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سزا سے ڈرتے ہوئے بھی اس کی عبادت کرتے۔ اسی لیے وہ اس کی عبادت چھوڑنے اور اس کی نافرمانی کا ارتکاب کرنے سے بچتے تھے۔

وَكَانُوا لَنَا خٰشِعِيْنَ: اور وہ ہمارے سامنے گڑگڑاتے، تواضع اور عاجزی اختیار کرتے تھے، ہماری عبادت کرنے میں تکبر سے کام نہیں لیتے تھے۔

اس بی بی محترمہ کا تعارف:

قرآنِ حکیم میں بھی اس نیک بی بی کا نام ذکر نہیں ہوا اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں۔ البتہ مؤرخین نے اس صالحہ خاتون کا نام ''الیشاعؔ'' ذکر کیا ہے۔ یعنی الیشاعؔ بنت عمران۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بی بی کا نام ونسب یوں تھا: اشیاعؔ بنت فاقوذ بن قبیل۔ اور یہ سیّدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی خالہ تھیں یا اُن کی والدہ سیّدہ مریم علیہا السلام کی خالہ۔ ویسے بھی ان کا نام معلوم کرنے میں کچھ خاص فائدہ بھی نہیں ہے۔ [1]

واقعہ کی تفصیل:

مذکور بالا آیاتِ کریمہ میں سیّدنا زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی ان کی بیوی کے واقعہ کو اللہ عزوجل نے بیان فرمایا ہے کہ یہ نیک خاتون بوڑھی ہو کر بانجھ ہو چکی تھی اور بچہ جننے کے قابل نہ رہی تھی۔ اس کے باوجود اس کے محترم و مکرم خاوند جناب زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے ساتھ صبر واستقلال سے زندگی گزاری۔ اور پھر اس نیک خواہش پر کہ اللہ عزوجل انھیں بیٹا عطا فرمائے اپنی اور اپنی بیوی کی حالت کو اللہ عزوجل کے سامنے بیان کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی دُعا کو سن لیا اور ان کے لیے ان کی زوجۂ محترمہ کی حالت (اخلاق وخوبصورتی) کو درست کر دیا۔ (اور وہ بچہ جننے والی صلاحیت کی مالک بن گئیں۔) اللہ تعالیٰ نے انھیں بانجھ پن والی بیماری سے شفا دے دی اور وہ اپنے معزز ومکرم خاوند سے حاملہ ہوگئیں۔ پھر انھوں نے مدتِ حمل پوری ہونے کے بعد یحییٰ کو جنم دیا۔

جس طرح اللہ ربّ العالمین نے اس صالحہ بی بی ایشاعؔ رضی اللہ عنہا کے اخلاق (میٹھا بول اور خاوند سے پیار محبت کی باتیں کرنے) کو اچھا کر دیا تھا اسی طرح اُس ربّ کریم نے اُس کے باوجود اور جسم میں خوبصورتی اور جوانی والی اُمنگ واپس لوٹا دی۔ جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے معزز ومحترم خاوند سیّدنا زکریا علیہ السلام کے لیے

---

[1] تفسير الطبرى، ج: ١٧، ص: ٨٤۔ تفسير ابن كثير، ج: ٥، ص: ٣٦٤، ٣٦٥۔ تاريخ الطبري، ج: ١، ص: ٣٤۔ مروج الذهب للمسعودي، ج! ١، ص: ٦٢۔ التعريف والإعلام للسهيلي، ص: ١١٠۔ ١١٥۔ المنتظم لابن الجوزي، ج: ٢، ص: ٥.

بہت ہی اعلیٰ جیون ساتھی اور ایک اچھی بیوی ثابت ہوئیں۔ یہ ساری کی ساری خیر و برکت اس نیک خاتون، اس کے مکرم و محترم خاوند اور نیک صالح بیٹے کے لیے متحقق ہوگئی۔ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ عزوجل کی اطاعت میں جلدی کیا کرتے تھے اور ہر وہ عمل اختیار کرتے جو انھیں اللہ ربّ العرش الکریم کے قریب کر دیتا۔ ❶ جیسا کہ اللہ ربّ العالمین نے ان کے بارے میں اور ان سے قبل گزرے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ○﴾ (الانبیاء: ۹۰)

''تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحییٰ عطا کیا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے درست کر دیا، بے شک وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے ہی لیے عاجزی کرنے والے تھے۔''

واقعہ مذکور بالا سے حاصل شدہ دُروس و نصائح:

۱۔ ......صالح، نیک دوست اور ساتھی (بالخصوص شریک حیات) اپنے ساتھی کے لیے مبارک ہوا کرتا ہے۔ جناب زکریا علیہ السلام اپنی بیوی (الیشاع) کے لیے یوں بابرکت ثابت ہوئے کہ اللہ ربّ العالمین نے انھیں اس سے بیٹا عطا فرمادیا۔ ❷ اسی معنی و مفہوم کی تائید میں ایک صحیح حدیث کا مطالعہ بھی کیجیے جسے سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

❶ دیکھیے: تفسیر الطبري، ج: ۱۷، ص: ۸۳۔ زاد المسیر لابن الجوزي، ج: ۵، ص: ۳۸۵۔ تفسیر فخر الدین رازی، ج: ۲۲، ص: ۲۱۸۔ فتح القدیر للشوکاني، ج: ۳، ص: ٤۲۵.

❷ ایسا بیٹا کہ جس کی مدح و توصیف کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: ﴿ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ○ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً وَكَانَ تَقِيًّا ○ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ○ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ○﴾ ......''اے یحییٰ! کتاب کو قوت سے پکڑ اور ہم نے اسے بچپن ہی میں فیصلہ کرنا عطا فرمایا۔ اور اپنی طرف سے شفقت اور پاکیزگی (عطا کی) اور وہ بہت بچنے والا تھا۔ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا تھا اور وہ سرکش، نافرمان نہ تھا۔ اور سلام اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن فوت ہوگا اور جس دن زندہ ہو کر اٹھایا جائے گا۔'' ......''سمجھ'' یعنی کتاب کو سمجھنے اور اس کے لیے احکام کے مطابق تمام معاملات میں صحیح رائے قائم کرنے کی صلاحیت۔ بعض مفسرین نے حکم سے مراد نبوت بھی لی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے عام عادت کے خلاف حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی سے نبوت عطا فرمائی۔ (ابن کثیر) شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''باپ ضعیف تھے اور یہ جوان، پس یہ باپ کی جگہ لوگوں کو علم کتاب سکھانے لگے۔'' (موضح القرآن) یعنی اخلاق و کردار کی پاکیزگی جو گناہوں سے بچے رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ہر گناہ سے بچایا تھا۔ حدیث میں ہے کہ انھوں نے نہ کبھی گناہ کیا اور نہ گناہ کا ارادہ کیا۔ (فتح القدیر) جَبَّارًا عَصِيًّا یعنی خودسر اور مغرور، حالانکہ بڑی امنگوں کے بعد پیدا ہونے والی اولاد عموماً ایسی ہوتی ہے لیکن یحییٰ علیہ السلام ایسے نہ تھے۔ (موضح القرآن) وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ یعنی پیدائش سے ⇦⇦⇦

((مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ ، كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيْرِ ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحًا طَيِّبَةً ، وَنَافِخُ الْكِيْرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيْحًا خَبِيْثَةً .)) وحديث أبي هريرة رضی اللہ عنہ وفيه: ((يَقُوْلُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ: فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ ، إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ . قَالَ! هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى جَلِيْسُهُمْ .)) ❶

''نیک صالح اور برے دوست کی مثال مشک وعنبر رکھنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے۔ چنانچہ جس کے پاس مشک، کستوری ہے اور وہ تمہارا دوست ہے تو وہ اس خوشبو میں سے یا تو تمھیں کچھ تحفہ کے طور پر دے گا یا تم اس سے خرید سکو گے۔ نہیں تو کم از کم اس کی عمدہ خوشبو سے تم محظوظ، لطف اندوز ہوسکو گے۔ جبکہ بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے بھٹی کی آگ سے جلا دے گا یا تمھیں اس کے پاس سے ایک ناگوار اور بدبودار دھواں ضرور پہنچے گا۔'' سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کا ذکر کرنے والوں کی مجلس کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا: ''(وہ فرشتے جو ایسی مجالس کو گھیرے رہتے ہیں) ان میں سے ایک فرشتہ اللہ عزوجل سے عرض کرتا ہے؛ اے ربّ کریم! ان مجلس والوں میں سے ایک فلاں آدمی ایسا بھی تھا جو ان میں سے نہیں تھا، بلکہ وہ تو اپنی کسی ضرورت سے آیا تھا۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: یہ میرا ذکر کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کی مجلس میں بیٹھنے والا بھی نامراد نہیں رہتا۔''

⇦⇦⇦ وفات تک اللہ تعالیٰ کی امان میں رہیں گے اور دوسرے بنی آدم کی طرح ان پر شیطان کا تسلط نہیں ہو سکے گا اور آئندہ بھی قیامت تک اللہ تعالیٰ انھیں اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ اس سے ان کی عزت افزائی کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یوم یموت کے معنی یہ ہیں کہ عذابِ قبر سے مامون رہیں گے۔ یہ تین اوقات انسان پر انتہائی وحشت کے ہوں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان اوقات میں یحییٰ علیہ السلام کے اکرام کو ظاہر کردیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ ...... '' تو فرشتوں نے اسے آواز دی، جب کہ وہ عبادت خانے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ بے شک اللہ تجھے یحییٰ کی بشارت دیتا ہے، جو اللہ کے ایک کلمے (عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والا اور سردار اور اپنے آپ پر بہت ضبط رکھنے والا اور نبی ہوگا نیک لوگوں میں سے۔''

❶ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب الذبائح والصيد، باب المسك، حديث: ٥٥٣٤، ج: ٩، ص: ٥٧٧۔ وصحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب استحباب مجالسة الصالحين ومجانبة قرناء السوء، حديث: ٦٦٩٢، ج: ٤، ص: ٢٠٢٦۔ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب الدعوات، باب فضل ذكر الله، حديث: ٦٤٠٨، ج: ١١، ص: ٢١٢.

۳ ......واقعہ مذکور بالا سے اس بات کی وضاحت و تحقیق ہوگئی کہ نیک صالحہ عورت بھی دُنیا کی اچھائیوں اور خیر و برکت کی چیزوں میں سے ایک اعلیٰ اچھائی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بات کو دورانِ واقعہ جناب زکریا علیہ السلام پر بطورِ احسان بیان فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل نے اُنھیں یہ نعمت دنیا میں عطا کر رکھی تھی۔ ❶

سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ .)) ......''دنیا کچھ مدت تک فائدہ اُٹھانے کی جگہ ہے اور دُنیا میں سب سے بہتر فائدہ کی چیز نیک عورت ہے۔'' ❷

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْیَا النِّسَاءُ وَالطِّیْبُ وَجُعِلَ قُرَّۃُ عَیْنِيْ فِی الصَّلَاۃِ .)) ......''دنیا میں میرے لیے عورت اور خوشبو کو پسندیدہ بنا دیا گیا ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔'' ❸

۴ ......اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرتِ تخلیق اور حکم و فیصلہ کے سامنے ہر چیز عاجز ہے۔ دیکھ لیجیے سیّدنا زکریا علیہ السلام کی بیوی بانجھ تھی (اسی طرح سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اور بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا) مگر اللہ عزوجل نے انھیں بیٹا عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا اور انھیں یہ بیٹا (یحییٰ) ہوگیا۔

۵ ......اس واقعہ سے ہمیں نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھ کر جلدی کرنے کا بھی سبق حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ عزوجل کے خوف، ڈر اور اس سے مکمل اُمید کے مابین دُعا کی تعلیم بھی ملی۔ عبادات میں خشوع وخضوع کا سبق بھی حاصل ہوا کہ یہ ایسا وصف ہے جس کے ذریعے آدمی کی تعریف کی جاسکتی ہے۔ اس لیے کہ خشوع وخضوع اللہ عزوجل کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے ایک بڑی حرص و طمع پر دلالت کرتا ہے۔ ❹

ایک اور مقام پر اسی حوالے سے اللہ عزوجل کا فرمانِ گرامی یوں بھی ہے۔ فرمایا:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ o اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ o فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ o ثُلَّةٌ مِّنَ

---

❶ دیکھئے: ایسر التفاسیر للجزائری، ج: ۳، ص: ۱۲۸.

❷ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، حدیث: ۳۶۴۹.

❸ سنن النسائي، کتاب عشرة النساء، باب حب النساء، ج: ۷، ص: ۶۱۔ صححه الألباني في صحیح سنن النسائي، ح: ۳۳۹۱۔ مشکاة المصابیح، ح: ۵۲۶۱۔ وصحیح الجامع الصغیر، ح: ۳۱۲۴۔ ومسند الإمام أحمد، ج: ۳، ص: ۱۲۸.

❹ دیکھئے: تیسیر الکریم الرحمٰن للسعدي بتصرف، ج: ۳، ص: ۲۹۷۔ وایسر التفاسیر للجزائري، ج: ۳، ص: ۱۲۸۔ تفسیر الفخر الرازي، ج: ۲۲، ص: ۲۱۸.

الْاَوَّلِيْنَ o وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ o﴾ (الواقعة : ١٠ ـ ١٤)

''اور جو (نیکیوں میں) پہل کرنے والے ہیں، وہی آگے بڑھنے والے ہیں۔ یہی لوگ قریب کیے ہوئے ہیں۔ نعمت کے باغوں میں۔ بہت بڑی جماعت پہلوں سے۔ اور تھوڑے سے پچھلوں سے ہوں گے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا o﴾ (الاحزاب : ٣٥)

''بے شک مسلم مرد اور مسلم عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان کے لیے اللہ نے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

ایک اور مقام پر یوں ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَo﴾ (النور : ٥٢)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس سے بچے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔''

غرضیکہ اس موضوع پر بیسیوں آیات اور سینکڑوں احادیث مبارکہ موجود ہیں۔ ہم ایک ہی حدیث مبارکہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس حدیث مبارکہ میں نبی مکرم ﷺ اپنے ربّ کریم سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ ربّ العالمین فرماتے ہیں:

((وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ

الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا ، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا ، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ ، يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَ تَهُ .)) ❶

''اور میرا بندہ فرائض ادا کرنے کے بعد نفل عبادت کر کے مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں۔ اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں اور جو کام میں کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردّد نہیں ہوتا کہ جتنا مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔ وہ تو موت کی بوجہ تکلیف جسمانی کے پسند نہیں کرتا اور مجھے بھی اس کو تکلیف دینا برا لگتا ہے۔ (مگر یہ اللہ عزوجل کا اٹل فیصلہ ہے کہ ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔)'' ❷

۵...... اس واقعہ میں مذکور آیاتِ کریمہ کے اندر لفظ: ﴿وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَّكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ۝﴾ ......''اور وہ ہمیں (امید و بخشش کی) رغبت اور (ہماری پکڑ، جہنم کے) ڈر سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے سامنے عاجزی اختیار کیے رہتے تھے۔'' (الانبیاء:۹۰) سے اللہ عزوجل نے اپنے اولیاء کی جو صفت بیان کی ہے...... تو اس سے صوفیوں کا یہ نظریہ باطل ہو جاتا ہے کہ ہم تو اللہ کی عبادت جنت کی طمع اور اللہ کے عذاب سے خوف کے بغیر کرتے ہیں۔ یعنی نہ ہمیں لالچ ہے اور نہ ہی آخرت کا ڈر۔ (العیاذ باللہ) ❸

❀❀❀❀❀❀

---

❶ صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع، حديث: ٦٥٠٢.

❷ اس حدیث مبارک کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندہ عین رب ہو جاتا ہے جیسے کہ ''اتحادیہ اور حلولیہ'' (نظریہ وحدت الوجود اور حلول کے قائلین) کہتے ہیں بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ فرماتے ہیں: جب بندہ میری عبادت میں مستغرق ہو کر مرتبۂ محبوبیت تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے ظاہری و باطنی تمام حواس و نظریات عین شریعت کے تابع ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے ہاتھوں، کانوں، آنکھوں اور قدموں سے صرف اور صرف وہی کام لیتا ہے جس کام میں میری مرضی اور رضا ہو۔ خلافِ شریعت اس سے کوئی کام سرزد نہیں ہوتا۔

❸ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ عبدالرحمن عبدالخالق کی ''الفکر الصوفی فی ضوء الکتاب والسنہ''، صفحہ: ۵۵، ۵۹.

(۸)......اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

اُمّ المؤمنین والمومنات سیّدہ عائشہ صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہا کی پرورش، تربیت اور نشوونما اپنے والد محترم سیّدنا ابوبکر صدیق بن ابوقحافہ رضی اللہ عنہما کے اس گھر میں ہوئی تھی جو اللہ عزوجل کے اولوالعزم پیغمبروں اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے گھروں کے بعد دوسرے درجہ پر باقی تمام مخلوق کے گھروں سے افضل ترین گھر تھا۔ پھر نکاح اور رُخصتی کے بعد آپ اس گھر میں منتقل ہوگئیں جو تمام مخلوقات کے سب جہانوں کے تمام افراد اور سب کے سب نبیوں، ولیوں، شہیدوں اور صدیقوں کے گھروں سے افضل و اعلیٰ اور شرف و کرم میں سے سب ارفع و اعلیٰ گھر تھا اور یہ تھا تمام مخلوقات میں سے افضل ترین اور سب سے مکرم شخصیت ہمارے محبوب نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر جو آپ کے زوجِ محترم تھے۔ (علیه افضل التحیة والسلام)

اس پاکیزہ گھر میں آپ رضی اللہ عنہا نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ رسالت وعلم اور عرفان سے مزید علم اور تقویٰ سیکھا۔ چنانچہ دنیا کے اس عظیم تر گھر میں داخل ہو کر آپ اُن اُمہات المؤمنین میں شامل ہوگئیں کہ جن کا چناؤ اللہ ربّ العرش الکریم نے خود فرمایا تھا تا کہ یہ پاکباز بی بیاں آنے والی اور اس دور میں موجود دنیا جہان کی تمام عورتوں کے لیے بہترین نمونہ بن سکیں کہ جس اُسوہ وقدوہ پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت دونوں جہانوں کی کامیابی و کامرانی حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ کہ قیامت تک کے لیے باقی سب اُمت کے لیے بھی بالعموم اُمہات المؤمنین قدوہ اور اُسوۂ حسنہ بن سکیں۔

اس عظیم المرتبت اُمّ المؤمنین کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہی ایک بار بہت بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ یہ شیطان مردود کا تیار کردہ ایک ایسا مکروہ پھندا اور جال تھا کہ جس میں منافقین پوری طرح سے پھنس کر شیطان لعین کے قابو میں آگئے اور پھر اُنھوں نے آپ صدیقہ و طاہرہ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عزت و ناموس پر تہمت کا داغ لگا دیا۔ اس آزمائش میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک اس کے بیان میں (کہ جو قرآن میں ہوا ہے) اس کی بڑی منزلت کا ذکر ہے۔ جیسا کہ سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی

کریم ﷺ سے پوچھا: اللہ عزوجل کی طرف سے کن لوگوں کو سخت آزمائش میں ڈالا جاتا ہے؟ فرمایا:

((أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ يُبْتَلَى الْعَبْدُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ ، فَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ ، وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ ، فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيئَةٍ .)) ❶

''اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو سب سے زیادہ سخت آزمائش میں مبتلا کیا جاتا تھا۔ پھر ان کے بعد جو لوگ مرتبہ و مقام میں درجہ بدرجہ افضل ہوں۔ اور بندے پر آزمائش اس کے دین کے مطابق آتی ہے۔ اگر اُس کے دین میں مضبوطی ہوتی ہے تو اُس پر آزمائش بھی سخت آتی ہے۔ اور اگر اُس کے دین میں نرمی اور کمی ہو تو اس پر اسی انداز سے آزمائش (کم) رہتی ہے اللہ کے بندے پر دکھ، بیماری، افلاس و رنج اس حد تک رہتا ہے کہ وہ زمین پر چلتا پھرتا ہے مگر اس پر (اس آزمائش کی وجہ سے) کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ مصیبت، غلطیوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔''

قرآنِ حکیم میں اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر ایک سخت آزمائش کے حوالے سے ایک واقعہ بیان ہوا ہے۔ آیئے قرآن میں اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ❷ اللہ فرماتے ہیں:

---

❶ سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء، ج: ٢، ص: ١٣٣٤ - صححه الألباني في صحيح سنن ابن ماجه، ح: ٣٢٤٩ - والسلسلة الصحيحة، ح: ١٤٣ - ومشكاة المصابيح، ح: ١٥٦٢.

❷ مصنف حفظہ اللہ نے اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا کے متعلق قرآنِ حکیم کی بعض آیات کے شانِ نزول پر صرف مذکور بالا آیات اور ان کے پس منظر میں مذکور احادیث و آثار کے ذکر پر ہی اکتفا کیا ہے۔ یا پھر آگے اُمّ المؤمنین سیّدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے ہمراہ پیش آمدہ ایک اور واقعہ کے پس منظر میں نازل شدہ بعض آیات کا تذکرہ ایک الگ عنوان قائم کرکے کیا ہے، جبکہ قرآنِ عظیم میں چند اور بھی مقامات ہیں کہ جن کے شانِ نزول میں اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور تھا۔ آیئے! صحیح احادیث و روایات کی روشنی میں ہم پہلے ایک واقعہ کو پڑھتے ہیں۔

امیر المؤمنین فی الحدیث، فقیہ مطلق، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے اس واقعہ اور حدیث وآثر کو اپنی صحیح میں بارہ مقامات پر درج فرمایا ہے کہ جن میں سے پانچ مقامات نہایت اہم ہیں۔ ہم صحیح بخاری میں بالترتیب ان مقامات پر قائم کردہ ابواب کا ذکر کرکے حدیث واثر کا مطالعہ کرتے ہیں۔

(الف): امام رحمہ اللہ نے ''كتاب التيمم'' کا عنوان قائم کرکے نیچے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر: ٦ کو اس کتاب (Chapter) کے لیے بطورِ دلیل لاتے ہوئے نیچے بغیر عنوان کے باب قائم کیا اور اس حدیث کو درج کیا ہے۔

(ب): دوسرا مقام ''كتاب فضائل اصحاب النبي ﷺ'' میں ''باب فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ'' کے تحت ہے کہ جہاں ⇦⇦⇦

﴿ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ ﴾

⇦⇦⇦ نمبر: ۳۶۷۲ پر اس حدیث کو درج کیا گیا ہے۔

(ج): اسی طرح امام رحمہ اللہ نے اس حدیث و واقعہ کو اسی کتاب کے باب ''فضل عائشہ رضی اللہ عنہا'' کے تحت نمبر: ۳۷۷۳ پر درج فرمایا ہے۔

(د): چوتھا مقام ''کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: ﴿وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ﴾ کے تحت، حدیث نمبر: ۴۵۸۳ ہے۔

(ھ): جبکہ پانچواں مقام اسی ''کتاب التفسیر میں باب قولہ تعالیٰ: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ کے تحت حدیث نمبر: ۴۶۰۷ اور حدیث نمبر: ۴۶۰۸ ہے۔ بعینہٖ اس حدیث و اثر اور واقعہ کو صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب التیمم کے تحت حدیث نمبر: ۸۱۶، ۸۱۷ میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے اس حدیث و اثر کے ترجمہ کے لیے صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ المائدہ، باب قولہ تعالیٰ: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ کی حدیث نمبر: ۴۶۰۷ اور ۴۶۰۸ کا انتخاب کیا ہے۔

اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا خود بیان فرماتی ہیں (اور اُن سے یہ واقعہ اُن کے بھتیجے جناب قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق نے اور قاسم بن محمد سے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن نے آگے بیان کیا جو امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے استاذ ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ عبداللہ بن یوسف، قتیبہ بن سعید اور اسماعیل بن ابواویس رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے یہ حدیث روایت کرکے انھیں پڑھائی، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ نے یہ حدیث اپنے استاذ جناب عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رحمہ اللہ سے پڑھی تھی۔) کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ہم مقامِ بیداء یا مقام ذات الجیش پر پہنچے (جو مدینہ منورہ سے مکہ کی راہ پہ مدینہ کی طرف واقع ہے۔) تو میرا ہار گم ہوگیا۔ (اور ہار کی گمشدگی کا یہ دوسرا واقعہ تھا۔) اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے تلاش کروانے کے لیے وہیں قیام فرمایا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی آپ کے ہمراہ قیام کیا۔ اس مقام پر کہیں بھی پانی نہیں تھا۔ لوگ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ملاحظہ نہیں فرماتے: عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کر رکھا ہے؟ نبی مکرم ﷺ کو یہیں ٹھہرالیا اور ہمیں بھی۔ حالانکہ یہاں کہیں پر بھی پانی نہیں ہے اور نہ ہی کسی آدمی کے پاس۔ آپ بیان فرماتی ہیں کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک میری ران پر رکھ کر سوگئے تھے۔ میرے والد محترم کہنے لگے: عائشہ! تم نے نبی کریم ﷺ کو بھی یہاں روک رکھا ہے اور ہم سب کو بھی۔ حالانکہ پانی کا کہیں نام و نشان نہیں اور نہ ہی کسی آدمی کے پاس پانی ہے۔ آپ بیان کرتی ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ پر بہت خفا ہوئے۔ جو اللہ کو منظور تھا مجھے کہا، سنا اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کچوکے لگائے۔ میں نے صرف اس خیال سے کوئی حرکت نہیں کہ نبی مکرم ﷺ میری ران پر اپنا سر مبارک رکھے ہوئے تھے۔ پھر کچھ دیر بعد نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے مگر صبح تک پانی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ چنانچہ اسی دوران میں اللہ رب العالمین نے تیمم والی آیت اُتار دی۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح ⇦⇦⇦

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ

⇦⇦ کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو) اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو اور اگر تم بیمار ہو، یا کسی سفر پر، یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو، پس اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے اور لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور تا کہ وہ اپنی نعمت تم پر پوری کرے، تا کہ تم شکر کرو۔'' (المائدۃ:٦)

اسی مضمون کو سورۃ النساء میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ۝﴾ (النساء: ٤٣)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نماز کے قریب نہ جاؤ، اس حال میں کہ تم نشے میں ہو، یہاں تک کہ تم جانو جو کچھ کہتے ہو اور نہ اس حال میں کہ جنبی ہو، مگر راستہ عبور کرنے والے، یہاں تک کہ غسل کر لو۔ اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر پر، یا تم میں کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو، پس اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر ملو۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا، بے حد بخشنے والا ہے۔''

سفر سے مراد مطلق سفر ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک مسافت قصر شرط نہیں۔ اور ''جائے ضرورت سے لوٹے'' کے تحت ہر وہ چیز آ جاتی ہے، جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ عورتوں کو چھونے سے مراد (راجح مسلک کی بنا پر) جماع ہے۔ ورنہ مطلق چھونا ناقض وضو نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں گھر میں لیٹی ہوتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نفلی نماز پڑھتے تو سجدہ کے وقت اپنے ہاتھوں سے میرے پاؤں سامنے سے ہٹا دیتے۔ (صحیحین) ﴿صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ سے مراد پاک مٹی ہے، مطلق جنس ارض نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے: ((وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا .)) ''کہ زمین کی مٹی خاص طور پر ہمارے لیے طہور بنائی گئی۔'' (ابن کثیر) تیمّم کے سلسلہ میں بعض احادیث میں ہے کہ مٹی پر دو مرتبہ ہاتھ مارے، پہلی مرتبہ اس سے چہرے کا مسح کرے اور دوسری مرتبہ کہنیوں تک ہاتھوں کا، مگر ان دو ضرب والی روایات میں ضعف پایا جاتا ہے۔ صحیح ترین روایت حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ .)) ...... ''کہ تیمّم کے لیے صرف ایک مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارا جائے اور پھر چہرے اور کلائی تک ہاتھوں پر مسح کر لیا جائے۔'' امام مالک، امام احمد اور محدثین رحمہم اللہ اسی مسلک کے قائل ہیں۔ (نیل الاوطار)

اللہ عزوجل کی طرف سے اُترنے والی رُخصت کو سن کر جناب اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے آل ابی بکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔ (بلکہ اس سے پہلے بھی اے اُمّ المؤمنین تمہارے اس اُمت پر بہت احسانات ہو چکے ہیں۔) اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پھر ہم نے وہ اُونٹ اُٹھایا کہ جس پر میں سوار تھی تو ہار اسی کے نیچے سے مل گیا۔''

اس واقعہ کی وضاحت اگلی حدیث (نمبر: ٤٦٠٨) میں یوں ہے: ''اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرا ہار مقام بیداء میں گم ہو گیا۔ ہم (ایک جہادی سفر سے) مدینہ منورہ واپس آ رہے تھے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں پر اپنی سواری روک دی اور نیچے تشریف لے آئے۔ پھر اسی دوران کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک میری گود میں رکھ کر سو رہے تھے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر تشریف لے آئے اور ⇦⇦

عَظِيمٌ o لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوا
هٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ o لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ج فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ
فَأُولٰئِكَ عِندَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ o وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ o إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ
وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَّهُوَ عِندَ اللّٰهِ
عَظِيمٌ o وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا
بُهْتَانٌ عَظِيمٌ o يَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ o وَيُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمُ الْآيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ o إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي
الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ o

---

⇐⇐ میرے سینے پر زور سے ہاتھ مار کر فرمایا: ایک ہار کے لیے تم نے رسول اللہ ﷺ کو روک رکھا ہے، مگر میں نبی کریم ﷺ کے آرام کے خیال سے بے حس وحرکت بیٹھی رہی، حالانکہ مجھے درد اور تکلیف ہوئی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے۔ صبح کا وقت ہوا اور پانی کی تلاش شروع ہوگئی مگر پانی کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ تب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ ....الخ﴾۔ سیّدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے (اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے) کہا: اے آلِ ابی بکر! تمھیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے باعث برکت بنایا ہے۔ یقیناً تم لوگ اُمت محمدیہ کے لیے باعث برکت ہو۔ تمہارا ہار گم ہوگیا اور اللہ عزوجل نے اس کی وجہ سے تیمّم کی آیت نازل فرمادی جو قیامت تک مسلمانوں کے لیے آسانی اور برکت ہے۔'' (اس سے اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کی فضیلت وعظمت کس قدر زیادہ ثابت ہوتی ہے۔)

صحیح مسلم کی روایت میں وضاحت ہے کہ یہ ہار اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اپنی بڑی بہن سیّدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مانگ کر لیا تھا کہ وہ یہاں بیداء کے مقام پر گم ہوگیا۔ اور یہ کہ جناب اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے شکریہ کے طور پر اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ((جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا۔ فَوَاللّٰهِ! مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ قَطُّ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ لَكِ مِنْهُ مَخْرَجًا وَجَعَلَ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ بَرَكَةً .))...... ''اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اللہ کریم کی قسم! جب بھی کوئی آفت، آزمائش آپ پر آئی اللہ تعالیٰ نے اُسے ٹال دیا اور اس کے نتیجہ میں اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے لیے فائدہ اور برکت رکھ دی۔'' مفسر دوراں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی سورۃ النساء کی آیت نمبر: ۴۳ اور سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر: ۶ کی تفسیر میں مذکور بالا اثر کو بطور شانِ نزول بیان کیا ہے۔

﴿نوٹ﴾: سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر: ۲۸ تا آیت نمبر: ۳۴ (رکوع نمبر: ۴) میں تمام اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے بارے میں ایک واقعہ کے پیشِ نظر کچھ آداب اللہ عزوجل کی طرف سے نازل ہوئے تھے۔ اس باب میں چونکہ انبیائے کرام کی بیویوں کے واقعات ذکر ہورہے ہیں اور قرآن کا یہ مقام بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے اور احادیث وآثار میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اس لیے ہم اسے آگے عنوان نمبر: ۱۰ کے نیچے بیان کررہے ہیں۔ ان شاء اللہ۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ○ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○﴾

(النور: ۱۱۔۲۶)

’’بے شک وہ لوگ جو بہتان لے کر آئے ہیں وہ تمھی سے ایک گروہ ہیں، اسے اپنے لیے برا مت سمجھو، بلکہ یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر آدمی کے لیے گناہ میں سے وہ ہے جو اس نے گناہ کمایا اور ان میں سے جو اس کے بڑے حصے کا ذمہ دار بنا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ کیوں نہ جب تم نے اسے سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے نفسوں میں اچھا گمان کیا اور کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔ وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، تو جب وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً اس بات کی وجہ سے جس میں تم مشغول ہوئے، تم پر بہت بڑا عذاب پہنچتا۔ جب تم اسے ایک دوسرے سے اپنی زبانوں کے ساتھ لے رہے تھے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمھیں کچھ علم نہیں اور تم اسے معمولی سمجھتے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی۔ اور کیوں نہ جب تم نے اسے سنا تو کہا ہمارا حق نہیں ہے کہ ہم اس کے ساتھ کلام کریں، تو پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ یہ تمھیں نصیحت کرتا ہے اس سے کہ دوبارہ کبھی ایسا کام کرو، اگر تم مومن ہو۔ اور اللہ تمھارے لیے آیات کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔

بے شک جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں بے حیائی پھیلے جو ایمان لائے ہیں، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ یقیناً اللہ بے حد مہربان، نہایت رحم والا ہے (تو تہمت لگانے والوں پر فوراً عذاب آ جاتا)۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شیطان کے قدموں کے پیچھے مت چلو اور جو شیطان کے قدموں کے پیچھے چلے تو وہ تو بے حیائی اور برائی کا حکم دیتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک نہ ہوتا اور لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور تم میں سے فضیلت اور وسعت والے اس بات سے قسم نہ کھالیں کہ قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دیں اور لازم ہے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھیں بخشے اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔ بے شک وہ لوگ جو پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں لعنت کیے گئے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف اس کی شہادت دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔ اس دن اللہ انھیں ان کا صحیح بدلہ پورا پورا دے گا اور وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے، جو ظاہر کرنے والا ہے۔ گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔ یہ لوگ اس سے بری کیے ہوئے ہیں جو وہ کہتے ہیں، ان کے لیے بڑی بخشش اور باعزت روزی ہے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

بِالْإِفْكِ: جو بات جھوٹ اور بہتان بازی میں سب سے بڑھی ہوئی ہو اُسے عربی میں " اِفْكٌ " کہتے ہیں۔ اس کا ایک معنی: بہتان بھی کیا گیا ہے۔ یہ افک و بہتان والا ایسا معاملہ ہوتا ہے کہ آپ اس کا ادراک بھی نہ کر پائیں گے اور یہ اچانک آپ کو پیش آ جائے گا۔ اس افک و بہتان کی اصل جگہ دل ہوتی ہے، جہاں یہ زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہوتی ہے کہ جو آدمی کو صحیح رُخ سے پھیر کر مغموم کر دیتی ہے۔ ❶

عُصْبَةٌ: یعنی بے جا حمیت والی جتھہ بند وہ چھوٹی سی جماعت کہ جو کسی معاملے میں ایک دوسرے کو تقویت پہنچانے کے لیے جمع ہوگئی ہو۔ ❷

---

❶ دیکھئے: المفردات للراغب، ص: ١٩۔ تفسیر فخر الدین الرازي، ج: ٢٣، ص: ١٧٣ دیکھ لیں۔

❷ المفردات للراغب، صفحہ: ٣٣٦.

کِبْرَہٗ: یعنی بڑی بات، اس طوفان کا (جس نے بیڑا اُٹھایا ہے۔) ❶

أَفَضْتُمْ: یعنی اس بیہودہ بات کی کھوج لگانے اور چرچا کرنے میں کہا جاتا ہے: أَفَاضُوْا فِی الْحَدِیْثِ إِذَا خَاضُوْا فِیْهِ ..... یعنی جب لوگ کسی بات میں خوب غور وفکر کر کے اس کی کھوج لگانے لگیں تو کہتے ہیں: اُنھوں نے بات کا چرچا کیا، یا اُس کی کھوج لگائی۔ ❷

إِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِأَلْسِنَتِكُمْ: جب تم اس بیہودہ بات، بہتانِ عظیم کو اپنی زبانوں پر زبان درزبان لانے لگے۔ اور مفہوم اس کا یہ ہے کہ اس کام میں تم نے جھوٹ پھیلانے میں جلدی سے کام لیا۔ ❸

اُمّ المؤمنین والمؤمنات سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعارف:

مصنف حفظہ اللہ نے اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کے تعارف میں بالکل اختصار سے کام لیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی عظیم المرتبت اُمّ المؤمنین والمومنات کا تعارف مزید وضاحت سے کر دیا جائے۔ اس لیے ہم نے زیر مطالعہ موضوع کے اس حصے کو مزید کھولا ہے، تا کہ تشنگی نہ رہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ مصنف حفظہ اللہ نے اپنی کتاب میں "التعریف بالمرأة" کے عنوان سے جو تعارف لکھا ہے وہ ہماری اس تحریر میں مکمل طور پر آ گیا ہے۔

نسب: ..... اُمّ عبداللہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے ان کی محبت کی بناء پر اُمِ عبداللہ کنیت رکھی تھی۔) بنت ابوبکر (عبداللہ) بن ابی قحافہ (عثمان) بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوي القرشیہ التیمیہ رضی اللہ عنہا۔ مرہ بن کعب پر جا کر ساتویں پشت میں نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ (مُرّہ بن کعب کے تین بیٹے تھے: کلاب ..... کہ جس کے بیٹے قصی کی نسل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ تیم ..... جس کے بیٹے سعد کی نسل سے حضرت ابوبکر صدیق اور طلحہ بن عبیداللہ ہوئے۔ یقظہ ..... کہ جس سے بنو مخزوم ہوئے اور اُن سے خالد بن ولید اور ابو جہل بن ہشام ہوئے۔)

ماں کا نسب یوں ہے: اُمّ رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سُبیع بن دھمان بن الحارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چار بیویوں سے چھ بیٹے بیٹیاں تھے۔ عبداللہ اور اسماء (ذات النطاقین) قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے۔ عبدالرحمٰن اور عائشہ ام رومان بنت عامر سے۔ محمد بن ابوبکر، اسماء بنت عمیس بن معد بن تیم سے اور ام کلثوم، حبیبہ بنت خارجہ بن زید سے۔

---

❶ تذكرة الأريب لابن الجوزي، ج: ۲، ص: ۲۲.

❷ المفردات للراغب، صفحه: ۳۸۷.

❸ دیکھیے: معاني القرآن للزجاج، جلد: ٦، صفحه: ۳۸.

سیرت: ...... سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چار یا پانچ سال بعد پیدا ہوئیں۔ (طبقات) عمرہ بنت عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بیان کرتے ہوئے سنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں ہجرت سے تین سال پہلے (مکہ مکرمہ کے اندر) مجھ سے نکاح کیا اور میں اس وقت چھ سال کی تھی۔ پھر آپؐ نے ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ بروز سوموار ۸؍ربیع الاول کو (ہجرت کے پہلے اور نبوت کے چودھویں سال) تشریف لائے۔ اور شوال ۱ ہجری یعنی ہجرت سے سات مہینے بعد میری رخصتی ہوئی۔ اس وقت میں نو سال کی تھی۔'' امہات المؤمنین میں سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی وہ خاتون ہیں کہ جن کی اسلامی خون سے ولادت اور اسلامی شیر سے پرورش ہوئی۔ وہ طیبہ یہی ہیں جن کا پہلا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث میں ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! میں تین راتوں تک خواب میں (نکاح سے پہلے) تجھے اس طرح دیکھتا رہا کہ ایک فرشتہ سفید ریشمی پارچے میں تیری تصویر کو میرے سامنے لاتا تھا اور کہتا تھا: یہ آپ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ اور میں تصویر کا پردہ اٹھا کر چہرہ دیکھتا تو وہ تمہی ہوتی تھیں۔ میں یہ دیکھ کر کہہ دیتا تھا کہ اگر یہ اطلاع اللہ کی جانب سے ہے تو وہ خود اسے پورا بھی کر دے گا۔ (صحیح مسلم رکتاب فضائل الصحابہ، حدیث: ۶۲۸۳ صحیح البخاری رکتاب التعبیر، حدیث: ۷۰۱۲، واللفظ لمسلم)

قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا اہتمام خطیرۃ القدس میں کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شادی کو منجانب اللہ قرار دیا تھا۔ ❶

سیّدہ بیان فرماتی ہیں کہ (شادی کے بعد، بچی ہونے کی بنا پر) میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (گھر میں) گڑیوں سے کھیلتی رہتی۔ آپؐ ہمیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت خولہ بنت حکیم بن الاوقص (عثمان بن مظعون کی بیوی) کی زبانی حضرت عائشہ اور سیّدہ سودہ بنت زمعہ بن قیس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی بارے اس کی جدوجہد تفصیلاً ذکر ہوئی ہے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنگ ذات السلاسل میں امیر مقرر کیا۔ ❷ میں (جب جنگ سے واپس) آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! تمام لوگوں میں سے زیادہ محبوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کون ہے؟ فرمایا: ''عائشہ'' میں نے عرض کیا: اور مردوں سے؟ فرمایا: ''اُن کے ابا جان۔''

---

❶ دیکھئے: رحمته للعالمین، جلد دوم، ص: ۱٤۸، طبع الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاھور۔

❷ اس جنگ کی تفصیل کے لیے ہماری تصنیف ''غلبہ اسلام کا تابناک دورِ ''خیر القرون'' تاریخ کے آئینے میں جلد اول ص: ۴۳۵ اور ۴۳۶ طبع اوّل کا مطالعہ کیجئے!

السیّدۃ الطاہرۃ الصدیقۃ بنت الصدیق وحبیبۃ حبیب اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رضی اللہ عنہا وارضاہ فطرتاً نہایت بھولی تھیں، البتہ حافظہ اللہ نے خوب دیا تھا۔ عروہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ تفقہ فی الدین، علم طب اور شعر وادب میں کسی کو پختہ علم والا نہیں پایا۔ (الاصابہ) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جس کی چار نسلوں کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ یہ مرتبہ ومقام کسی اور خاندان کو نہ مل سکا۔ خلیفہ الرسول ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ صحابی رسول، تمام امتوں میں ان کے انبیاء ورسل کے بعد بمع امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام خود سب سے معزز ترین اور سب امتیوں سے زیادہ مشرف ومکرم، بیٹا عبدالرحمٰن (جن کی بہادری عربوں میں مانی ہوئی تھی) صحابی اور پوتا (عبدالرحمٰن کا بیٹا) عبداللہ بھی صحابی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اُمّنا واُمّ المؤمنین فداہا أبی واُمّي السیدہ عائشہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہا ۶۶ سال کی عمر میں ۱۷ رمضان المبارک ۵۷ ہجری کو مدینہ منورہ میں فوت ہوئیں اور جنت البقیع میں انہیں دفن کیا گیا۔ (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ) آپ کی حیاتِ طیبہ سے متعلق معلومات اور علم حاصل کرنے کے لیے اسے تین حصوں میں تقسیم کرنا نہایت ضروری ہے۔

۱۔ پیدائش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات تک کا ۱۹ سالہ حصہ۔

۲۔ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی وفات (بروز جمعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری) تک ۲۵ سال۔

۳۔ ۱۹ ذی الحجہ ۳۵ ہجری سے اپنی وفات ۱۷ رمضان المبارک ۵۷ ہجری تک ۲۲ سال۔

چنانچہ ہم اپنی اور تمام اہل ایمان کی محسنہ ومشفقہ اور محترمہ ومکرمہ امی جان عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی سیرت طیبہ کے اوّل حصے کا بالاجمال پہلے ذکر کرتے ہیں کہ جس میں زیادہ تر آپ رضی اللہ عنہا کا تفقہ فی الدین میں انہماک، تقدس، شرف ومنزلت اور کچھ حالات وواقعات بیان ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

حبیبۂ سیّد الانبیاء والبشر رضی اللہ عنہا کی حیاتِ مطہرہ کا پہلا دور:

۱..... حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بتلایا: (ایک بار) میں نے جبریل علیہ السلام کو اپنے اس حجرہ (کے صحن) میں کھڑے ہوئے دیکھا کہ وہ گھوڑے پر بیٹھے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے سرگوشی فرما رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! یہ شخص کون تھا، جس کے ساتھ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرگوشیاں کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً پوچھا: کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا؛ تم نے اسے کس کے مشابہ پایا؟

میں نے کہا: دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے بہت بڑی خیر دیکھی ہے۔ وہ جبریل (علیہ السلام) تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے کہ فرمایا: ''عائشہ! جبریل علیہ السلام تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا: وعلیہ السلام۔ ہمارے گھر تشریف لانے والے راز دار کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ ❶

عروہ بن زبیر بن العوام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان فرمایا: ''رسول اللہ کی ازواج مطہرات (ایک دوسری سے محبت کی بنا پر) دو حصوں میں تقسیم تھیں۔ ایک جماعت میں سیدات عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ تھیں اور دوسری میں ام سلمہ، زینب بنت جحش الاسدیہ، ام حبیبہ الامویہ، جویریہ بنت الحارث الخزاعیہ اور میمونہ بنت الحارث الہلالیہ رضی اللہ عنہن جمیعاً تھیں۔ (ام المساکین زینب بنت خزیمہ اس واقعہ سے پہلے فوت ہو چکی تھیں۔ فتح الباری) مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محبت کا علم تھا، اس لیے جب کسی کے پاس کوئی تحفہ ہوتا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تو وہ انتظار کرتا اور اسے لیٹ کر لیتا حتیٰ کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر باری ہوتی تو تحفہ بھیجنے والے صاحب اپنا تحفہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیتے۔ اس پر اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا والی جماعت کی ازواجِ مطہرات نے آپس میں مشورہ کیا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں تاکہ آپ لوگوں سے فرما دیں کہ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کوئی تحفہ بھیجنا ہو وہ جہاں بھی آپؐ اپنی بیویوں سے کسی کے پاس ہوں وہیں بھیجا کرے۔ چنانچہ ان ازواجِ مطہرات کے مشورہ کے مطابق انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ مگر آپؐ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ بیبیوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا۔ انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: دوبارہ بات کرو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ام سلمہ نے جب ان کی باری آئی تو دوبارہ بات کی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بار بھی کچھ نہ فرمایا۔ بیبیوں نے اُن سے پھر پوچھا تو بتلایا کہ اس دفعہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انہوں نے اس مرتبہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی کہ آپ بات کرتی رہیں حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تو آپ سے بات کریں۔ جب ان کی باری آئی تو انہوں نے پھر عرض کی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: ((لَا تُـؤْذِيْـنِـي فِي عَائِشَةَ ، فَإِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَـأْتِنِيْ وَأَنَا فِي ثَـوبِ امْـرَأَةٍ إِلَّا عَائِشَةَ .)) ام سلمہ! عائشہ کے بارے میں مجھے تکلیف نہ دو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا اپنی

❶ الطبقات الکبریٰ، المجلد الثامن، ص: ٥٤ مطبوع دار الکتب العلمیة بالبیروت.

بیویوں میں سے کسی عورت کے کپڑے میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔(حدیث : ۳۷۷۵ کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ کے الفاظ یوں ہیں:((یَا أُمَّ سَلَمَةَ ! لَا تُؤْذِيْنِي فِي عَائِشَةَ فَإِنَّه، وَاللّٰهِ مَا نَزَلَ عَلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا فِي لِحَافِ امْرَأَةٍ مِنْكُنَّ غَيْرِهَا...... عائشہ کے بارے میں ام سلمہ! مجھے نہ ستاؤ۔ اللہ کی قسم! تم میں سے کسی بیوی کے لحاف میں (جو میں ساتھ لیٹتے وقت اوڑھتا ہوں) مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی سوائے عائشہ کے۔'' (رضی اللہ عنهن جمیعاً) یہ سُن کے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے عرض کیا:'' (یا امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے) آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے کی وجہ سے میں اللہ کے حضور توبہ کرتی ہوں۔ پھر ان ازواج مطہرات نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی **سیّدة نساء اھل الجنه فاطمة الزهراء** رضی الله عنها وارضته کو بلایا اور ان کے ذریعے نبی ﷺ کی خدمت میں کہلوایا کہ آپ کی ازواج ابوبکر کی بیٹی کے بارے میں اللہ کے لیے آپؐ سے انصاف چاہتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی آپؐ سے بات کی۔ تو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:''يَا بُنَيَّةُ أَلَا تُحِبِّيْنَ مَا أُحِبُّ ؟ .... میری پیاری بیٹی! کیا تم وہ پسند نہ کرو گی جو میں پسند کروں؟ عرض کی:'' کیوں نہیں! ابو جان!'' پس وہ واپس ازواج مطہرات کے پاس پلٹیں اور انہیں (نبی ﷺ کے جواب بارے) مطلع کیا۔ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دوبارہ نبیؐ کے پاس جانے کے لیے کہا۔ مگر انہوں نے دوبارہ جانے سے انکار کر دیا۔ (صحیح مسلم میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: اللہ کی قسم! میں امی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ ﷺ سے کبھی کوئی بات نہ کروں گی۔) تب انہوں نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بھیجا۔ (صحیح مسلم کی رویت میں ہے اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ فرماتی ہیں: اور میرے برابر کے مرتبہ میں آپؐ کے سامنے وہی تھیں۔ میں نے اُن سے زیادہ دیندار، اللہ سے ڈرنے والی، سچی بات کہنے والی، ناطہ جوڑنے والی، خیرات کرنے والی اور ان سے بڑھ کر اللہ کے کام میں سختی سے اپنے نفس پر زور ڈالنے والی، کہ جس کے ذریعے نیکی اور اللہ کا قرب حاصل کیا جا سکے، کسی دوسری عورت کو نہیں دیکھا۔ بس ایک اُن کی طبیعت میں تیزی تھی البتہ اس سے بھی وہ جلد نادم ہو جاتی تھیں۔ رضی اللہ عنہا) وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئیں اور سخت گفتگو کی اور کہا کہ آپ کی ازواج ابوقحافہ کی پوتی (عائشہؓ) کے بارے میں اللہ کے لیے انصاف مانگتی ہیں۔ اور اپنی آواز کو بلند کر لیا حتیٰ کہ آواز بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچ گئی۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ (صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ عائشہ رضی اللہ عنہا کی چادر میں تھے۔) زینبؓ نے انہیں بھی برا بھلا کہا (سخت الفاظ استعمال کیے) رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھنے لگے

کہ وہ کچھ بولتی ہیں یا نہیں؟ (صحیح مسلم میں ہے، عائشہؓ فرماتی ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی نگاہ کو دیکھ رہی تھی کہ آپ مجھے جواب دینے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔ زینب رضی اللہ عنہا مسلسل غصے میں رہیں۔ حتیٰ کہ مجھے معلوم ہوگیا آپ جواب دینے سے برا نہیں مانیں گے۔) عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ پھر تو عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بول پڑیں اور زینب رضی اللہ عنہا کی باتوں کا جواب دینے لگیں اور بالآخر انہیں خاموش کروا دیا۔

بی بی عائشہ بتلاتی ہیں کہ پھر نبی ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا: ''آخر یہ بھی تو ابوبکر کی بیٹی ہیں؟ (کسی ایسے کی نہیں جو تم سے دب جائے۔ اعلیٰ اخلاق اور رکردار والے گھرانوں میں اس طرح کی حدّت والی چاشنی ہمیشہ باہمی محبت کو فروغ دیا کرتی ہے۔ صحیح مسلم میں اسی روایت کے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والے اپنی لاڈلی سوتن کی تعریف میں بولے گئے اخلاص اور محبت بھرے الفاظ سنے آپ نے؟ یا سبحان اللہ! ❶

رسول اللہ ﷺ کی اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے محبت:

پیچھے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما والی (متفق علیہ) روایت سے آپ نے اندازہ لگا لیا کہ نبی مکرم ﷺ کو اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کتنی محبت تھی؟ اب اس ضمن میں کچھ مزید روایات بھی سنیے:

1 ..... عروہ بن العاص رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ابوقیس بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے اُم المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا کہ میں آپ رضی اللہ عنہا سے پوچھوں: ''جب رسول اللہ ﷺ روزے سے ہوتے تو کیا وہ اپنی ازواج مطہرات کا بوسہ لے لیا کرتے تھے؟ (عبداللہ نے ابوقیس رضی اللہ عنہ کو تاکید کی) اگر وہ فرمائیں: ''نہیں'' تو اُن سے کہنا: ''اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا تو (اُن کے پاس تعلیم کے لیے آنے والے) لوگوں کو (مسائل سمجھاتے وقت) یہ بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب روزے سے ہوتے تو آپ ﷺ بوسہ لے لیا کرتے تھے۔'' ابوقیس کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے جا کر پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا کرتے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: ''نہیں۔'' میں نے کہا: سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو بتلاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں (اُن کا) بوسہ لے لیا کرتے تھے۔'' اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: ''اس لیے کہ نبی ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبت میں اپنے آپ پر قابو نہ پا سکتے تھے اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو آپ ﷺ ایسا نہیں فرماتے تھے۔'' ❷

---

❶ صحيح البخاري، كتاب الهبة، حديث: ٢٥٨١ـ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، حديث: ٦٢٩٠.

❷ مسند أحمد، حديث: ٢٥٩٩٣، ٦/٢٩٧ـ وقال الشيخ: شعيب الأرناؤوط: وسنده جيد۔ دیکھئے: سیر اعلام النبلاء، الجزء الثاني، ص: ١٧٢.

۲۔ ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں کہ میں بحالتِ حیض پانی پیتی تو وہی برتن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا دیتی۔ آپ اسی جگہ اپنا منہ رکھ کر پانی نوش فرماتے جہاں میں نے منہ لگایا ہوتا۔ اور (کبھی ایسا بھی ہوتا کہ) میں (سالن میں پکی) ہڈی سے اپنے منہ کے ساتھ بوٹی اُتارتی اور پھر وہی ہڈی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتی۔ آپؐ اسی جگہ اپنے منہ مبارک سے گوشت اُتار کر چبانے لگتے جہاں میں نے اس پر منہ لگایا ہوتا۔ ❶

۳۔ ......آپ رضی اللہ عنہا خود ہی بیان فرماتی ہیں کہ (اپنے آخری مرض کے دنوں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے: (اُمہات المؤمنین میں سے) آج میں کس کے ہاں ہوں گا؟ اور کل کے پاس؟ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے باری والے دن کی جستجو میں دریافت فرماتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ (پھر تمام ازواج مطہرات نے اپنے دنوں کو میرے لیے ہبہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے حجرہ میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی تو) پھر میری باری کے دن (کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرض الموت والے دنوں میں آخری دن تھا) اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لیا اس حالت میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ مبارک میرے سینے اور گردن کے درمیان تھا۔'' ❷

ہم انہی واقعات پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ کتبِ احادیث وسیر تو ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔

سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت:

۱......صحیح مسلم / کتاب الطلاق (باب فی الایلاء واعتزال النساء وتخییرهن...... الخ) کی حدیث نمبر: ۳۶۹۱ تا ۳۶۹۶ اور مسند احمد: ۱/ ۳۳ کی حدیث نمبر: ۲۲۲ اور ۲۲۳ سے معلوم ہوا کہ (جمادی الثانیہ ۹ ہجری سے کچھ پہلے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات (آلِ قریش سے (۱) عائشہ، (۲) حفصہ، (۳) ام حبیبہ (۴) سودہ، (۵) ام سلمہ اور ان کے علاوہ (۶) صفیہ بنت حُیَی بن اخطب النضیریہ الخیبریہ، (۷) میمونہ بنت الحارث الهلالیہ، (۸) زینب بنت جحش الاسدیہ، اور (۹) جویریہ بنت الحارث المصطلقیہ رضی اللہ عنهن جمیعًا) نے گزران سے بڑھ کر جب نفقہ طلب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک ان سب سے ''ایلاء'' فرما لیا۔ بالآخر اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝﴾ (الاحزاب: ۲۸۔۲۹)

❶ صحیح مسلم، کتاب الحیض، حدیث: ۶۹۲۔

❷ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابه، حدیث: ۶۲۹۲۔

''اے میرے نبی! اپنی ازواج سے کہہ دیجئے! اگر تم دنیا کی زندگی (آسودگی سے گزارنے) اور اس کی زینت و آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال سے فائدہ دے دوں اور اچھی طرح سے رُخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر (جنتوں) کی خواستگار ہو تو (پھر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ) بلا شبہ اللہ نے تم میں سے نیکیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والیوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

تو نبی ﷺ نے سب سے پہلے سیدہ صدیقہ ہی کو یہ حکم سُنایا۔ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا خود بیان فرماتی ہیں کہ ''جب رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنی ازواج کو اختیار دیں تو آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''میں تم سے (عائشہ!) ایک معاملہ کے متعلق کہنے آیا ہوں۔ ضروری نہیں کہ تم جلدی کرو۔ اپنے والدین سے بھی مشورہ لے سکتی ہو۔'' آپ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو علم تھا؛ میرے والدین آپ ﷺ سے جدائی کا مشورہ مجھے کبھی نہیں دیں گے۔'' کہتی ہیں: ''(میرے والدین سے میرا مشورہ کرنے والی بات کے بعد) پھر آپ ﷺ نے اللہ عزوجل کا یہ (مندرجہ بالا) فرمان سُنایا۔ تو میں نے عرض کی: ''(اے اللہ کے رسول!) اس میں سے کس معاملے پر میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ (مجھے کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔) میں تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں۔ (چاہے مجھے اس کے لیے فاقے ہی کیوں نہ کرنا پڑیں۔ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں: اور میں آپ ﷺ سے التجا کرتی ہوں کہ جو میں نے کہا ہے اس کے متعلق اپنی بیبیوں میں سے کسی عورت کو بھی نہ بتائیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! بلکہ ان میں سے اگر کسی نے مجھ سے پوچھا (کہ عائشہ نے کیا جواب دیا ہے؟) تو میں اسے (تمہارے جواب بارے) ضرور بتاؤں گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سخت گیر اور تکلیف پہنچانے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ آسانی کے ساتھ تعلیم دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔) آپ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: پھر دوسری ازواج مطہرات نے بھی وہی کہا جو میں کہہ چکی تھی۔ [1]

ب ...... اُمّ المؤمنین عائشہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر پر نکلتے تو اپنی عورتوں (اُمہات المؤمنین) کے درمیان (ساتھ لے جانے کے لیے) قرعہ ڈالتے۔ چنانچہ ایک بار قرعہ میرے اور حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں کے نام نکلا۔ اور دونوں ہی آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ آپ ﷺ جب رات کو سفر کرتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے ساتھ ساتھ چلتے۔ سیدہ حفصہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگیں: ''کیا آج کی رات آپ میرے اُونٹ پر سوار نہیں ہو جاتیں اور میں آپ کے اُونٹ

[1] صحیح البخاری / کتاب التفسیر حدیث : ٤٧٨٥

پر؟ اس سے تم بھی دیکھنا اور میں بھی۔ (کہ اللہ کے نبی ﷺ میرے ساتھ کیسی باتیں کرتے ہیں اور تم دیکھنا کہ آپ ﷺ سے ہٹ کر سفر کیسا رہتا ہے؟) آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: ٹھیک ہے۔

چنانچہ اُم المؤمنین عائشہ، سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے اُونٹ پر سوار ہو گئیں اور وہ اُن کے اُونٹ پر۔ نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والے اُونٹ کے قریب تشریف لائے۔ تو دیکھا کہ اس پر حفصہ ہیں۔ آپ ﷺ نے سلام کہا اور اُن کے ساتھ ساتھ چلے۔ یہاں تک کہ منزل پر جا اُترے۔ اس پوری رات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو (اپنے قریب) نہ پایا۔ اس مفارقت کو آپ رضی اللہ عنہا برداشت نہ کر سکیں۔ پس جب وہ سواری سے اُتریں تو اپنا پاؤں جنگلی گھاس میں ڈال کر کہنے لگیں:

((يَـا رَبِّ! سَلِّطْ عَلَىَّ عَقْرَبًا أَوْ حَيَّةً تَلْدَغُنِيْ ، رَسُوْلُكَ ، وَلَا أَسْتَطِيْعُ أَنْ أَقُوْلَ لَهٗ شَيْئًا......)) ❶

"رب تعالیٰ! کسی سانپ یا بچھو کو (اس گھاس میں سے نکال کر) میرے اُوپر مسلط کر دے جو مجھے کاٹ کھائے۔ (مجھ سے اللہ کے رسول کی اتنی بھی جدائی برداشت نہیں ہوتی۔) وہ تو تیرے رسول ہیں۔ (ﷺ) میں اُنہیں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

ایسے واقعات سے احادیث اور سیر کی کتب بھری پڑی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے آپ رضی اللہ عنہا کی محبت بھری جائز ناراضگی:

ا...... الصدیقہ الطاہرہ السیدہ عائشہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہا کی واقعہ افک میں جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے (سورۃ النور کی آیات نمبر ۱۱ سے ۲۶ تک) برأت نازل فرما دی تو آپ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ پر جب وحی اُتر چکی اور آپ ﷺ کی وہ سردی میں بھی پسینہ آنے والی کیفیت ختم ہو گئی تو آپ ﷺ تبسم فرمانے لگے اور سب سے پہلے کلمہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلا وہ یہ تھا۔ فرمایا: عائشہ! اللہ رب العالمین نے تمہاری برأت نازل فرما دی ہے۔" (اور پھر آپ ﷺ نے وہ آیات پڑھ کر سُنائیں۔) میری والدہ (اُم رومان رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: "عائشہ! اللہ کے نبی (ﷺ) کے سامنے شکریہ کے لیے کھڑی ہو جاؤ۔"

تو میں نے کہا: "نہیں۔ اللہ کی قسم! میں آپ ﷺ کے سامنے کھڑی نہیں ہوں گی۔ میں تو صرف اللہ عزوجل کی ہی حمد کروں گی۔" (جو میری حالت کو جانتا تھا اور اس نے میری برأت نازل فرمائی۔ ❷

---

❶ كتاب الفضائل / باب فضل عائشه رضی اللہ عنہا حدیث: ٦٢٩٨

❷ اس کے لیے دیکھئے: صحیح البخاری / کتاب المغازی حدیث: ٤١٤١، و صحیح مسلم حدیث: ٧٠٢٠.

ب.....اُمّ المؤمنین والمؤمنات السیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''عائشہ! جب تو مجھ سے خوش ہوتی ہے اس وقت بھی میں جان لیتا ہوں اور جب تو ناراض ہوتی ہے اس وقت بھی۔'' آپ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر جان لیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو؛ نہیں! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب کی قسم!'' اور جب تم ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: ''نہیں ابراہیم (علیہ السلام) کے رب کی قسم!'' آپ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''ہاں! اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول! (جب میں ناراض ہوتی ہوں تو) میں اس وقت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔'' [1]

آپ کی سیرتِ مطہرہ کے پہلے حصے کا اجمالی جائزہ:

۱..... پیدائش..... ماہِ رمضان المبارک یا شوال ۴ سالِ نبوت میں مکہ کے اندر ہوئی۔

۲.....نکاح.....بعمر ۶ سال، ماہِ شوال ۱۰ سالِ نبوت میں مکہ کے اندر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

۳.....رُخصتی..... مدینہ منورہ میں ہجرت کے پہلے اور نبوت کے چودھویں سال ماہِ شوال میں بعمر ۹ سال آپ رضی اللہ عنہا کی رُخصتی ہوئی۔

۴.....رفاقت.....سید ولد آدم خیر الجنۃ والبشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت ۹ سال ۵ مہینے اور ۱۲ دن تقریباً۔

صحیح البخاری (کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور دیگر کتب احادیث (مسانید و جوامع اور سنن) میں محمد بن ابی الحنیفہ ،عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ کرام و تابعین عظام سے مروی احادیث سے ((خیرٌ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ)) ابوبکر بن ابو قحافہ الصدیق الصاحب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عن صاحبہ جیسے عظیم باپ اور اُمّ رومان رضی اللہ عنہا جیسی عقلمند، دانا، اللہ اور اسکے رسول سے بدل و جان محبت کرنے والے سگھڑ ماں کی ولدیت و تربیت اور اس بابرکت گھر میں جہاں تقریباً بلا ناغہ سید الانبیاء والرسل خیر الجنۃ والبشر حبیب و خلیل اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا اور اس مقدس گھرانے کو اپنے موتیوں جیسے کلمات طیبہ سے مستفید کرتے رہنا ہو اور جس عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی ایسے پاکیزہ اور مقدس ماحول میں آنکھ کھلی اور تربیت ہوئی ہو وہ اَزکی النساء اور اعلم الناس فی زمانہا کیوں نہ ہوگی؟ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری تک آپ رضی اللہ عنہا کی حیاتِ مطہرہ کے ۱۹ میں سے ۱۰ سال کا عرصہ پھر اس ہستی کی مصاحبت میں گزرا کہ اللہ رب العالمین کی تمام مخلوقات میں سے فضل و کرم اور عزت و

[1] صحیح مسلم / کتاب فضائل الصحابة حدیث : ٦٢٨٥

شرف میں اُن سے بڑھ کر کوئی نہ تھا اور نہ ہی قیامت تک ہو گا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اللہ ذوالجلال کے بعد کائنات ارض وسماء کی اس مقدس ترین ہستی کو آپ رضی اللہ عنہا سے محبت کتنی تھی؟ وہ بھی آپ نے پیچھے مشاہدہ کر لیا۔ مزید براں اللہ ذوالجلال والاکرام نے آپ رضی اللہ عنہا کو حافظہ، عقلمندی و دانشمندی اور تفقہ فی الدین کس قدر عطا کر رکھے تھے؟ اس کا اندازہ اگلی سطور سے لگا لیجیے گا۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اُمّ المؤمنین والمؤمنات الصدیقہ الطاہرہ السیّدہ عائشہ بنت الصدیق ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اللہ رب العالمین کے عطا کردہ مقدس ومعلمانہ ماحول اور ذکاوتِ عالیہ سے بھرپور استفادہ کر کے علم وتعلم، تفقہ فی الدین، زہد وورع اور شرف وکرم میں وہ مقام حاصل کر لیا کہ دیگر امہات المؤمنین میں سے کوئی بھی آگے نہ بڑھ سکی۔ (رضی اللہ عنہن جمیعاً) البتہ مکی دور کے زمانۂ ابتلاء میں اُم المؤمنین والمؤمنات السیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصائب ومشکلات کو برداشت کر کے جو مقام حاصل کر چکی تھیں، اس پر آپ فائز نہ ہو سکیں۔

آپؓ کی حیاتِ طیبہ کا دورِ ثانی ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری تا ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری (۲۵ سال):

سید وُلد آدم خیر الجنۃ والبشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام وصحابیات طاہرات پر اللہ کے دین کو بذریعۂ تعلیم وتدریس اور بذریعہ دعوت وجہاد ساری دنیا تک پہنچانے اور اللہ کی شریعت کے نفاذ کا جو ذمہ آن پڑا تھا اسے عورتوں میں سے جس حسنِ اسلوب، حکمت ودانائی اور جرأت کے ساتھ اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبھایا کوئی دوسری بی بی اس مقام کو حاصل نہ کر سکی۔ امام محمد بن مسلم ابن ہشاب الزہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((لَوْ جُمِعَ عِلْمُ عَائِشَةَ إِلٰى عِلْمِ جَمِيْعِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَعِلْمِ جَمِيْعِ النَّاسِ ، لَكَانَ عِلْمُ عَائِشَةَ أَفْضَلَ......)) ❶

''اگر (اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کا بہت بڑا حصہ روایت کرنے والے صحابہ کرام کو چھوڑ کر باقی) تمام لوگوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات کا علم جمع کر لیا جائے تو پھر بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم اُن سے افضل رہے۔'' ❷

---

❶ الاستیعاب : ۱۸۸۳/۴.

❷ سِیَر اعلام النبلاء الجزء الثانی ص: ۱۸۵ بحوالہ "المجمع" ۲۴۳/۹ للھیثمی ..... ((لَو جُمِعَ عِلْمُ عَائِشَةَ اِلٰی عِلْمِ جَمِیْعِ النِّسَاءِ لَکَانَ عِلْمِ عَائِشَةَ أفضل......)) کے الفاظ ہیں۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا ...... أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ...... حَدِيْث قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا))[1]

''ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو کبھی کوئی ایسی حدیث مشکل نظر نہیں آئی کہ جس کے بارے میں (ہمیں اس کے مفہوم کا پتہ نہ چل رہا ہوتا اور) ہم نے اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو؟ مگر یہ کہ ہم نے اس حدیثِ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان کے پاس علم پالیا۔ (یعنی آپ رضی اللہ عنہا اس حدیث کا علم وفہم ہمیں سمجھا دیتیں)۔''

سنن الدارمی (۲/۳٤۲، ۳٤۲)، طبقات ابن سعد (٦٦/۸) اور الحاکم (٤/١١) کے حوالے سے امام محمد بن احمد بن عثمان الذہبی سیر اعلام النبلاء (اُم المؤمنین عائشہ بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا والے باب) میں (ایک تبع تابعی عالم کبیر) امام ابوالضحیٰ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اُستاذ (جو تابعی تھے) حضرتِ مسروق رحمہ اللہ سے پوچھا:

((هَلْ كَانَتْ عَائِشَةُ تُحْسِنُ الْفَرَائِضَ؟ قَالَ: وَاللّٰهِ، لَقَدْ رَأَيْتُ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ الْأَكَابِرَ يَسْأَلُوْنَهَا عَنِ الْفَرَائِضِ))

''کیا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا علم الفرائض (میراث کے مسائل) کو خوب جانتی تھیں؟ تو حضرتِ مسروق رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کے کبار صحابہ کو دیکھا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہا سے فرائض (میراث کے مسائل) کے بارے میں آ آ کر پوچھا کرتے تھے۔ (جبکہ فرائض کا علم سب سے مشکل علم ہے۔)

اُمّ المؤمنین السیدہ الطاهرة عائشہ بنت ابی بکر الصدیق کے بھانجے اسماء بنت ابی بکر کے بیٹے، مدینہ منورہ کے عالم جلیل عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین بیان کرتے ہیں کہ میں (اپنی خالہ، امّ المؤمنین) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہا ہوں۔ (اپنے بچپن سے لے کر اُن کی زندگی کے آخری لمحات تک) تو میں نے کسی بھی شخص کو قرآن کی کسی بھی آیت کے بارے میں اُن سے بڑھ کر علم والا نہیں پایا۔ نہ ہی علم فرائض میں اُن سے بڑھ کر نہ ہی علم حدیث میں نہ ہی شعروادب کے علم میں۔ (بیہودہ اور واہیات شاعری نہیں بلکہ اعلیٰ ترین معیار کی فصاحت و بلاغت کے عروج کو چھونے والی سنجیدہ، اخلاق اقدار کو بیان کرنے والی شاعری) نہ ہی افکار سے پُر عقل کو سیراب

---

[1] جامع الترمذی، کتاب المناقب، حدیث: ۳۸۸۳۔ وقال ابو عیسیٰ الترمذیؒ، هذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ غریبٌ.

کرنے والے علم الادب میں اُن سے بڑھ کر کسی کو پایا۔ نہ ہی عربوں کی تاریخ میں اُن سے بڑھ کر کسی کو مہارت والا پایا۔ (اس لیے کہ اس علم وفن میں آپ رضی اللہ عنہا کے باپ سیّدنا ابوبکر الصدیق بن ابوقحافہ رضی اللہ عنہما تمام لوگوں سے بڑھ کر علم رکھتے تھے۔ نہ ہی علم الانساب میں۔ نہ ہی فلاں اور فلاں علم میں۔ نہ ہی علم القضاء میں آپ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی عالم تھا۔ حالانکہ یہ خاص مردوں کا علم ہے۔) اور نہ ہی علم طب میں آپ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر میں نے کسی کو پایا۔ سیدنا عروہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اُن سے عرض کی: خالہ جان! آپ نے علم الطب کہاں سے حاصل کیا؟ فرمانے لگیں: ''(مسند احمد (٦٧/٦) والی روایت کے مطابق: آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت عروہ کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے محبت میں عروہ کی بجائے عُـریّـہ کے لفظ سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: عُـریّـہ! رسول اللہ ﷺ اپنی عمر کے آخری حصے میں جب بیمار ہو گئے تو آپ ﷺ کی عیادت کو ملک بھر سے عرب کے وفود حاضر ہوا کرتے تھے کہ جن میں بڑے بڑے سیانے اور دانا حکیم وطبیب بھی ہوتے اور وہ آپ ﷺ کو علاج معالجہ کے لیے جڑی بوٹیاں وغیرہ اور دوائیاں بتلاتے۔ (جنہیں میں یاد کرلیتی اور پھر) ان کے ساتھ میں آپ ﷺ کا علاج کرتی۔ بس یوں میں نے علم الطب سیکھا۔ (اللہ کے نبی ﷺ بھی اس بارے میں آپ رضی اللہ عنہا کی اصلاح فرماتے ہوں گے کیونکہ آپ ﷺ اعلم الناس اورافقہ الناس تھے۔) میں جب خود بیمار ہوتی تو مجھے بھی علاج معالجہ (دیسی، یونانی دوائیوں اور جڑی بوٹیوں کے ذریعے) بتلایا جاتا اور میں اپنا علاج کرتی۔ جب (خاندان کے قریبی افراد میں سے) کوئی اور بیمار ہو جاتا تو بھی میں علاج کرتی اور علاج بتاتی۔ میں لوگوں کو بھی سنتی کہ جو ایک دوسرے کو علاج کے لیے دوائیاں تجویز کرتے اور میں ان تمام منابع العلم سے حاصل ہونے والے علم الطب کو خوب یادرکھتی۔ یوں مجھے علم الطب آ گیا۔ [1]

آپ رضی اللہ عنہا کے تلامذہ میں سے ائمۃ الحدیث وافقہ الفقہاء نادر روزگار شخصیات:

آپ رضی اللہ عنہا کی حیاتِ مطہرہ کے اس دوسرے دور میں جن ازکیاء اصحاب العلم اور حدیث وفقہ کے اماموں نے اکتسابِ علم کیا اُن میں صحابہ کرام میں سے: سیدنا ابوہریرہ، سعید بن العاص، طلحہ بن عبداللہ التیمی، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عکرمہ، نعمان بن بشیر، ابوموسیٰ الاشعری، عائشہ بنت طلحہ، عمرہ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم اجمعین اور مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ: سعید بن المسیب (وفات: ۹۴ھ)، عروہ بن زبیر بن العوام (وفات: ۹۴ھ) قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ (وفات: ۱۰۸ھ)، عبیداللہ بن عبداللہ بن

---

[1] رجالہ ثقات، اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ ٢/ ٤٩ بنحوہ من طریق جعفر الفریانی۔شعیب الارنووط فی سیر اعلام النبلاء الجزاء الثانی ص: ١٨٣.

عتبہ بن مسعود (وفات: ۹۸ھ) سلیمان بن یسار (وفات: ۱۰۹ھ) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف اور سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رحمہم اللہ کے علاوہ دیگر کبار علماء وفقہاء اُمت اور محدثین نے علم حاصل کیا۔ پھر آگے اُنہوں نے اُمت کے عظیم لوگوں کو یہ علم پہنچایا۔ ان میں سے حضرت زید بن اسلم، سائب بن یزید، شریح بن ہانی، شہر بن حوشب، امام طاؤس، امام شعبی، ابوالولید عبداللہ بن حارث البصری، عبداللہ بن شہاب الخولانی، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، عطاء بن ابی رباح، عطاء بن یسار، علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، فروہ بن نوفل، (امام مالک بن انس رحمہما اللہ کے دادا) مالک بن ابی عامر، مجاہد، محمد بن سیرین، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کے بیٹے ابوبکر اور محمد، محمد بن المنکدر، حضرت مسروق، نافع بن جبیر، نافع بن عطاء، ہمام بن حارث، ابوامامہ بن سہل بن حنیف، ابوعبداللہ الجدلی، ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود، امام حسن بصری کی والدہ خیرۃ، زینب بنت ابی سلمہ، عائشہ بنت طلحہ اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن رحمہم اللہ جمیعاً جیسے نادر روزگار محسنینِ اُمت کے علاوہ بیسیوں جلیل القدر علماء نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے حدیث اور تفقہ فی الدین کا علم حاصل کیا۔

یہ جو کچھ بیان ہوا ہے ہم نے اپنی کتاب ''قولِ ثابت اُردو شرح مؤطا امام مالک رحمہ اللہ'' کی جلد اوّل سے اقتباساً لیا ہے۔ جو صاحب صدیقہ کائنات اُمّ المؤمنین والمومنات سیدہ عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کی سیرتِ مطہرہ اور علمی خدمات کے حوالے سے مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ہماری مذکور بالا تصنیف کی جلد اوّل کے صفحہ: ۵۳ سے لے کر صفحہ: ۶۷ تک کا مطالعہ کر لے۔

سورۃ النور کی آیات نمبر: ۱۱ تا ۲۶ میں مذکور واقعہ کی تفصیل:

ان آیات میں قرآنِ حکیم نے ہمیں اُس بہتانِ عظیم کی خبر دی ہے کہ جو اُمّ المؤمنین صدیقہ کائنات سیّدہ عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا پر منافقین کی طرف سے لگایا گیا تھا جبکہ صدیقہ زمان و مکان اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا اس افتراء و بہتان سے یکسر بری اور اللہ ربّ العالمین کے ہاں نہایت عزت و وقار والی تھیں۔ چنانچہ اللہ ربّ العالمین نے ساتوں آسمانوں کے اوپر اُن کی برأت وعظمت کے لیے اپنا قرآن نازل فرمادیا اور قیامت تک کے لیے ایک اُصول بیان فرمادیا کہ:

﴿ اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾

(النور: ۲۶)

''گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے ہیں اور پاک

عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔ یہ لوگ اس سے بری کیے ہوئے ہیں جو وہ کہتے ہیں، ان کے لیے بڑی بخشش اور باعزت روزی ہے۔'' ❶

اس واقعہ میں بعض اہل ایمان بھی غیر شعوری طور پر ملوث ہو گئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نفسوں میں گھس آنے والی اس پراگندگی اور غیر مصدقہ خبر پر اُنھیں آیاتِ مذکور بالا میں سرزنش بھی خوب کی ہے۔ ان لوگوں کے لیے لائق تو یہ تھا کہ وہ اپنے ایمان والے بھائیوں کے متعلق نہایت اچھا گمان رکھتے اور اس جیسے گھٹیا معاملہ کا انکار کر دیتے۔ بالخصوص اُس وقت کہ جب اس معاملے میں نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس پر داغ لگایا جا رہا ہو۔ پھر یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں جھوٹ کو بہتان و افتراء سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس لیے کہ درج ذیل چند وجوہات کی بنا پر اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا معلوم حال اس افتراء و بہتان کے بالکل برعکس نہایت تقویٰ و پاکیزگی والا تھا۔

ا..... اس طرح کی غلیظ سوچ سے صدیقہ کائنات سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا معصوم عن الخطاء سیّد الجنۃ والبشر محمد رسول اللہ الاکرم ﷺ کی زوجۂ محترمہ ہونے والا رشتہ زبردست مانع تھا۔ اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کفار ومشرکین کی طرف مبعوث کیے جاتے تھے تاکہ انھیں اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ شریعت اسلام کی طرف دعوت دیں اور ان کے لیے شفقت ومہربانی کے طالب ہوں۔ چنانچہ یہ بات انبیاء کے لیے واجب تھی کہ ان کے ساتھ کوئی ایسا فرد نہ ہو جو ان کفار کو ان انبیاء کرام علیہم السلام سے متنفر کر دے۔ اس معاملے میں لوگوں کو کسی داعی الی اللہ و داعی الی الخیر سے متنفر کرنے والی سب سے بڑی چیزوں میں سے یہ ہے کہ اُس کی بیوی بے حیا اور زانیہ ہو۔

ب..... اس واقعہ سے پہلے صدیقہ زمان اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے معروف ومعلوم حال سے متعلق ہر ایک کے علم میں تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا فسق و فجور کی شروعات ومسبّبات تک سے بچنے اور ان سے دُوری اختیار

❶ اس آیت میں یہ نفسیاتی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ خبیثوں (گندوں) کا نبھاؤ گندی عورتوں سے اور پاکیزہ لوگوں کا نبھاؤ پاکیزہ خصال عورتوں سے ہی ہوسکتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک مرد خود تو بڑا پاکیزہ ہے مگر وہ ایک خبیث عورت سے برسوں نبھاؤ کرتا چلا جائے۔ مقصود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نزاہت ہے کہ اگر ان میں خباثت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ نبی ﷺ جو ازل سے ابد تک پاک لوگوں کے سردار تھے ان سے نہایت محبت واطمینان سے برسوں نبھاؤ کرتے چلے جاتے؟ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دوسرے مفسرینؒ نے خبیثات سے گندے اقوال وافعال اور طیبات سے پاکیزہ اقوال وافعال بھی مراد لیے ہیں یعنی جیسا کوئی آدمی خود ہوتا ہے ویسے ہی وہ اعمال کرتا ہے اور ویسے ہی اقوال زبان پر لاتا ہے۔ اب چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پاک تھیں ان کی سیرت بھی پاک تھی اور یہ منافق خود بھی گندے تھے اس لیے ان سے ایسے ہی گندے اقوال وافعال کی توقع تھی۔ (ابن کثیر)

کرنے والی ایک صالحہ خاتون تھیں۔ اس لیے جس بھی مومن، مسلمان آدمی نے ایسی افتراء و بہتان والی خبر سنی تھی اس کے لیے سب سے پہلے یہی لازم تھا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نہایت اعلیٰ اور اچھا گمان رکھتا۔ اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تہمت شدہ صدیقہ ارض وسماء اور اس بہتان کے بارے میں اس طرح کے اہل ایمان کو سرزنش کرتے فرمایا کہ جو آپ رضی اللہ عنہا کے بارے میں برا گمان کر بیٹھے تھے:

﴿ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ۝﴾ (النور: ١٢)

''کیوں نہ جب تم نے اسے سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے نفسوں میں اچھا گمان کیا اور کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔''

اور پھر واقعہ کے آغاز میں اللہ عزوجل نے یہ جو فرمایا ہے: ﴿لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ ...... ''اس طوفان و بہتان کو اپنے حق میں برا مت خیال کرو بلکہ تمہارے لیے بہتر ہو۔'' تو مفسرین لکھتے ہیں کہ اس جملہ کی صحیح ترین تفسیر یہ ہے کہ یہاں پر خطاب افتراء و بہتان لگانے اور طوفان باندھنے والوں سے نہیں ہو رہا بلکہ اُن ایمان کے ستونوں، دنیا جہان کے اُمتیوں میں سب سے اعلیٰ و افضل اصحاب النبی الکریم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہو رہا ہے جن کو منافقوں نے اس افتراء کے ذریعے بہت زیادہ دلی تکلیف پہنچائی تھی اور انھیں اس طوفان میں لپیٹا تھا۔ بالخصوص اللہ عزوجل نے آل ابی بکر رضی اللہ عنہم کی دلجوئی کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ خیر کہ جس کا اللہ عزوجل نے اس جملہ میں ذکر کر کے ارادہ فرمایا تھا، وہ صدیقہ کائنات اُمّ المؤمنین والمومنات سیّدہ عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کی رفعت وعظمت اور شرف ومنزلت بیان کرنا تھی آپ رضی اللہ عنہا کی براءت ونزاھت قرآن میں اُتار کر اور پھر ایسا ہی ہوا، اللہ ربّ العالمین نے جو کہ کائنات ارض وسماء اور جو کچھ ان میں ہے ذرّے ذرّے کا خالق و مالک اور ربّ العالمین ہے، آپ رضی اللہ عنہا کی عفت وعصمت اور عظمت و رفعت کی گواہی نازل فرمائی اور یوں آپ رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز حاصل ہوگیا۔ قرآنِ عظیم میں اللہ عزوجل کی آپ رضی اللہ عنہا کے لیے گواہی تا قیامت محفوظ ہوگئی کہ جس کی تلاوت کا شمار صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ [1]

آئیے اب احادیث وآثارِ صحیح کی روشنی میں واقعہ کی تفصیل پڑھتے ہیں:

ہم سے ابو ربیع سلیمان بن داؤد نے بیان کیا، امام بخاری نے کہا کہ اس حدیث کے بعض مطالب مجھ کو امام

[1] تفصیل کے لیے: احکام القرآن للجصاص، ج: ٣، ص: ٣٠٦۔ تفسیر فخر الرازی، ج: ٢٣، ص: ١٧٣، ١٧٤۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ٦، ص: ١٧، ٢٦۔

احمد بن یونس نے سمجھائے۔ کہا ہم سے فلیح بن سلیمان نے بیان کیا، ان سے ابن شہاب زہری نے بیان کیا، ان سے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیّب، علقمہ بن وقاص لیثی اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے اور ان سے نبی کریمؐ کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ قصہ بیان کیا، جب تہمت لگانے والوں نے ان پر تہمت لگائی لیکن اللہ تعالیٰ نے خود انھیں اس سے بری قرار دیا۔ امام زہری نے بیان کیا (کہ زہری سے بیان کرنے والے، جن کا سند میں زہری کے بعد ذکر ہے) تمام راویوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا ایک ایک حصہ بیان کیا تھا، بعض راویوں کو بعض دوسرے راویوں سے حدیث زیادہ یاد تھی اور وہ بیان بھی زیادہ بہتر طریقہ پر کر سکتے تھے۔ بہرحال ان سب راویوں سے میں نے یہ حدیث پوری طرح محفوظ کر لی تھی، جسے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے تھے۔ ان راویوں میں ہر ایک کی روایت سے دوسرے راوی کی تصدیق ہوتی تھی۔ ان کا بیان تھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسولؐ اللہ جب سفر میں جانے کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے۔ جس کا نام قرعہ میں نکلتا، سفر میں وہی آپ کے ساتھ جاتی۔ چنانچہ ایک غزوہ کے موقع پر جس میں آپ بھی شرکت کر رہے تھے، آپ ﷺ نے قرعہ ڈلوایا اور میرا نام نکلا۔ اب میں آپ کے ساتھ تھی۔ یہ واقعہ پردے کی آیت کے نازل ہونے کے بعد کا ہے۔

خیر میں ایک ہودج میں سوار رہتی، اسی میں بیٹھے بیٹھے مجھ کو اتارا جاتا تھا۔ اس طرح ہم چلتے رہے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ جہاد سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ایک رات آپ نے کوچ کا اعلان کروایا۔ میں یہ حکم سنتے ہی اُٹھی اور لشکر سے آگے بڑھ گئی۔ جب حاجت سے فارغ ہوئی تو کجاوے کے پاس آ گئی۔ وہاں پہنچ کر جو میں نے اپنا سینہ ٹٹولا تو میرا ظفار کے کالے نگینوں کا ہار موجود نہیں تھا۔ اس لیے میں وہاں دوبارہ پہنچی (جہاں قضاءِ حاجت کے لیے گئی تھی) اور میں نے ہار کو تلاش کیا۔ اس تلاش میں دیر ہوگئی۔ اس عرصے میں وہ اصحاب جو مجھے سوار کراتے تھے، آئے اور میرا ہودج اُٹھا کر میرے اونٹ پر رکھ دیا۔ وہ یہی سمجھے کہ میں اس میں بیٹھی ہوں۔ ان دنوں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، بھاری بھرکم نہیں۔ گوشت ان میں زیادہ نہیں تھا کیونکہ بہت معمولی غذا کھاتی تھیں۔ اس لیے ان لوگوں نے جب ہودج کو اُٹھایا تو انھیں اس کے بوجھ میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوا۔ میں یوں بھی نوعمر لڑکی تھی۔ چنانچہ اصحاب نے اونٹ کو ہانک دیا اور خود بھی اس کے ساتھ چلنے لگے۔ جب لشکر روانہ ہو چکا تو مجھے اپنا ہار ملا اور میں پڑاؤ کی جگہ آئی۔ لیکن وہاں کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ اس لیے میں اس جگہ گئی جہاں پہلے میرا قیام تھا۔ میرا خیال تھا کہ جب وہ لوگ مجھے نہیں پائیں گے تو یہیں لوٹ کے آئیں گے۔ (اپنی جگہ پہنچ کر) میں یوں ہی بیٹھی ہوئی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی اور میں سوگئی۔ صفوان بن معطل سلمی لشکر کے پیچھے تھے (جو لشکریوں کی گری پڑی چیزوں کو اُٹھا کر انھیں ان کے مالک تک پہنچانے کی خدمت کے لیے مقرر

تھے) وہ میری طرف سے گزرے تو ایک سوئے انسان کا سایہ نظر پڑا، اس لیے اور قریب پہنچے۔ پردہ کے حکم سے پہلے وہ مجھے دیکھ چکے تھے۔ ان کے انا للہ پڑھنے سے میں بیدار ہوگئی۔ آخر انھوں نے اپنا اونٹ بٹھایا اور اس کے اگلے پاؤں کو موڑ دیا (تاکہ بلا کسی مدد کے میں خود سوار ہوسکوں) چنانچہ میں سوار ہوگئی، اب وہ اونٹ پر مجھے بٹھائے ہوئے خود اس کے آگے آگے چلنے لگے۔ اسی طرح ہم جب لشکر کے قریب پہنچے تو لوگ بھری دوپہر میں آرام کے لیے پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ (اتنی ہی بات تھی جس کی بنیاد پر) جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا اور تہمت کے معاملے میں پیش پیش عبداللہ بن ابی ابن سلول (منافق) تھا۔

پھر ہم مدینہ میں آگئے اور میں ایک مہینے تک بیمار رہی۔ تہمت لگانے والوں کی باتوں کا خوب چرچا ہورہا تھا۔ اپنی اس بیماری کے دوران مجھے اس سے بھی بڑا شبہ ہوتا تھا کہ ان دِنوں میں رسول اللہ ﷺ کا وہ لطف و کرم بھی نہیں دیکھتی تھی جس کا مشاہدہ اپنی پچھلی بیماریوں میں کرچکی تھی۔ چنانچہ آپ جب گھر میں آتے تو سلام کرتے اور صرف اتنا دریافت فرمالیتے، مزاج کیسا ہے؟ جو باتیں تہمت لگانے والے پھیلا رہے تھے ان میں سے کوئی بات مجھے معلوم نہیں تھی۔ جب میری صحت کچھ ٹھیک ہوئی تو (ایک رات) میں اُمّ مسطح کے ساتھ مناصع کی طرف گئی۔ یہ ہماری قضاءِ حاجت کی جگہ تھی، ہم یہاں صرف رات ہی میں آتے تھے۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ابھی ہمارے گھروں میں بیت الخلاء نہیں بنے تھے۔ میدان میں جانے کے سلسلے میں (قضاءِ حاجت کے لیے) ہمارا طرزِ عمل قدیم عرب کی طرح تھا، میں اور اُمّ مسطح بنت ابی رہم چل رہے تھے کہ وہ اپنی چادر میں اُلجھ کر گر پڑیں اور ان کی زبان سے نکل گیا، مسطح برباد ہو۔ میں نے کہا: آپ نے اپنی زبان سے بری بات نکالی، آپ ایسے شخص کو برا کہہ رہی ہیں جو بدر کی لڑائی میں شریک تھا۔ وہ کہنے لگیں: اے! جو کچھ ان سب نے کہا ہے وہ آپ نے نہیں سنا، پھر انھوں نے تہمت لگانے والوں کی ساری باتیں سنائیں۔ ان باتوں کو سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی۔ میں جب اپنے گھر واپس ہوئی تو رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے اور دریافت فرمایا، مزاج کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے والدین کے یہاں جانے کی اجازت دیجیے۔ اس وقت میرا اِرادہ یہ تھا کہ ان سے اس خبر کی تحقیق کروں گی۔ نبی کریم ﷺ نے مجھے جانے کی اجازت دے دی اور میں جب گھر آئی تو میں نے اپنی والدہ (اُمّ رومان) سے ان باتوں کے متعلق پوچھا، جو لوگوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ انھوں نے فرمایا: بیٹی! اس طرح کی باتوں کی پروانہ کر، خدا کی قسم! شاید ہی ایسا ہو کہ تجھ جیسی حسین وخوبصورت عورت کسی مرد کے گھر میں ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں، پھر اس طرح کی باتیں نہ پھیلائی جایا کریں۔ میں نے کہا سبحان اللہ! (سوکنوں کا کیا ذکر) وہ تو دوسرے لوگ اس طرح کی باتیں کررہے ہیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ وہ رات میں نے وہیں گزاری۔

صبح تک میرے آنسو نہیں تھمتے تھے اور نہ نیند آئی۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیوی کو جدا کرنے کے سلسلے میں مشورہ کرنے کے لیے علی بن ابی طالب اور اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو بلوایا۔ کیونکہ (اس سلسلے میں) اب تک وحی نہیں آئی تھی۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی بیویوں سے آپ کی محبت کا علم تھا۔ اس لیے اسی کے مطابق مشورہ دیا اور کہا، آپ کی بیوی، یارسول اللہ! واللہ، ہم ان کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی ہے، عورتیں ان کے سوا بھی بہت ہیں۔ باندی سے بھی آپ دریافت فرمالیجیے، وہ سچی بات بیان کریں گی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بریرہؓ کو بلایا (جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی خاص خادمہ تھی) اور دریافت فرمایا: بریرہ! کیا تم نے عائشہ میں کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے تمھیں شبہ ہوا ہو؟ بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں نے ان میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی، جس کا عیب میں ان پر لگا سکوں۔ اتنی بات ضرور ہے کہ وہ نوعمر لڑکی ہیں، آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں، پھر بکری آتی ہے اور کھالیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی دن (منبر پر) کھڑے ہو کر عبداللہ بن اُبی ابن سلول کے بارے میں مدد چاہی۔ آپ نے فرمایا: ایک ایسے شخص کے بارے میں میری کون مدد کرے گا جس کی اذیت اور تکلیف دہی کا سلسلہ اب میری بیوی کے معاملے تک پہنچ چکا ہے۔ اللہ کی قسم! اپنی بیوی کے بارے میں خیر کے سوا اور کوئی چیز مجھے معلوم نہیں۔ پھر اس معاملے میں انھوں نے نام بھی ایک ایسے آدمی کا لیا ہے جس کے متعلق بھی میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ خود میرے گھر میں جب بھی وہ آئے ہیں تو میرے ساتھ ہی آئے۔ (یہ سن کر) سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! واللہ میں آپ کی مدد کروں گا۔ اگر وہ شخص (جس کے متعلق تہمت لگانے کا آپ نے اشارہ فرمایا ہے) اوس قبیلہ سے ہوگا تو ہم اس کی گردن ماردیں گے (کیونکہ سعد رضی اللہ عنہ خود قبیلہ اوس کے سردار تھے) اور اگر وہ خزرج کا آدمی ہوا، تو آپ ہمیں حکم دیں، جو بھی آپ کا حکم ہوگا ہم تعمیل کریں گے۔ اس کے بعد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔ حالانکہ اس سے پہلے اب تک بہت صالح تھے، لیکن اس وقت (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بات پر) حمیت سے غصہ ہو گئے تھے اور (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے) کہنے لگے: خدا کے دوام و بقا کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو۔ نہ تم اسے قتل کر سکتے ہو اور نہ تمہارے اندر اس کی طاقت ہے۔ پھر اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی) اور کہا: اللہ کی قسم! ہم اسے قتل کر دیں گے (اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم ہوا) کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ تم بھی منافق ہو۔ کیونکہ منافقوں کی طرف داری کر رہے ہو۔ اس پر اوس وخزرج دونوں قبیلوں کے لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھنے ہی والے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جو ابھی تک منبر پر تشریف رکھتے تھے، منبر سے اُترے اور لوگوں کو نرم

کیا۔ اب سب لوگ خاموش ہو گئے اور آپ بھی خاموش ہو گئے۔ میں اس دن بھی روتی رہی۔ نہ میرے آنسو تھمتے تھے اور نہ نیند آتی تھی۔ پھر میرے پاس میرے ماں باپ آئے۔ میں دو راتوں اور ایک دن سے برابر روتی رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روتے روتے میرے دل کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ انھوں نے بیان کیا کہ ماں باپ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصاری عورت نے اجازت چاہی اور میں نے انھیں اندر آنے کی اجازت دے دی اور وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگیں۔ ہم سب اسی طرح تھے کہ رسول اللہ اندر تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ جس دن سے میرے متعلق وہ باتیں کہی جا رہی تھیں جو کبھی نہیں کہی گئیں تھیں۔ اس دن سے آپ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ ایک مہینے تک انتظار کرتے رہے تھے۔ لیکن میرے معاملے میں کوئی وحی آپ پر نازل نہیں ہوئی تھی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر آپ ﷺ نے تشہد پڑھی اور فرمایا: عائشہ! تمہارے متعلق مجھے یہ یہ باتیں معلوم ہوئیں۔ اگر تم اس معاملے میں بری ہو تو اللہ تعالیٰ بھی تمہاری برأت ظاہر کر دے گا اور اگر تم نے گناہ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہو اور اس کے حضور توبہ کرو کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جونہی آپ ﷺ نے اپنی گفتگو ختم کی، میرے آنسو اس طرح خشک ہو گئے کہ اب ایک قطرہ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے میرے متعلق کہیے۔ لیکن انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ آنحضرت ﷺ سے مجھے کیا کہنا چاہیے۔ میں نے اپنی ماں سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کے متعلق آپ ﷺ سے آپ ہی کچھ کہیے۔ انھوں نے بھی یہی فرما دیا کہ اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے کیا کہنا چاہیے۔

انھوں نے بیان کیا کہ میں نوعمر لڑکی تھی۔ قرآن مجھے زیادہ یاد نہیں تھا۔ میں نے کہا: اللہ گواہ ہے، مجھے معلوم ہوا کہ آپ لوگوں نے بھی لوگوں کی افواہ سنی ہیں اور آپ لوگوں کے دلوں میں وہ بات بیٹھ گئی ہے اور اس کی تصدیق بھی آپ لوگ کر چکے ہیں، اس لیے اگر میں کہوں کہ میں (اس بہتان سے) بری ہوں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں واقعی اس سے بری ہوں تو آپ لوگ میری اس معاملے میں تصدیق نہیں کریں گے۔ لیکن اگر میں (گناہ کو) اپنے ذمہ لے لوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں، تو آپ لوگ میری بات کی تصدیق کر دیں گے۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت اپنی اور آپ لوگوں کی کوئی مثال یوسف علیہ السلام کے والد (یعقوب علیہ السلام) کے سوا نہیں پاتی کہ انھوں نے بھی فرمایا تھا: ''پس صبر جمیل'' صبر ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم کہتے ہو ''اس معاملے میں میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔'' اس کے بعد بستر پر میں نے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا اور مجھے

اُمید تھی کہ خود اللہ تعالیٰ میری برأت کرے گا۔ لیکن میرا یہ خیال کبھی نہ تھا کہ میرے متعلق وحی نازل ہوگی۔ میری اپنی نظر میں حیثیت اس سے بہت معمولی تھی کہ قرآنِ مجید میں میرے متعلق کوئی آیت نازل ہو۔ ہاں مجھے اتنی اُمید ضرور تھی کہ آپ کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالیٰ مجھے بری فرمادے گا۔ اللہ گواہ ہے کہ ابھی آپ اپنی جگہ سے اُٹھے بھی نہ تھے اور نہ اس وقت گھر میں موجود کوئی باہر نکلا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہونے لگی اور (شدتِ وحی سے) آپ جس طرح پسینے پسینے ہوجایا کرتے تھے وہی کیفیت آپ کی اب بھی تھی۔ پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح آپ کے جسم مبارک سے گرنے لگے۔ حالانکہ سردی کا موسم تھا۔ جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو آپ ﷺ ہنس رہے تھے اور سب سے پہلا کلمہ جو آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا، وہ یہ تھا: اے عائشہ! اللہ کی حمد بیان کر کہ اس نے تمھیں بری قرار دے دیا ہے۔ میری والدہ نے کہا: بیٹی جا، رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کر کھڑی ہوجا۔ میں نے کہا: نہیں، قسم اللہ کی! میں آپ کے پاس جا کر کھڑی نہ ہوں گی اور میں تو صرف اللہ کی حمد وثنا کروں گی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی: ''جن لوگوں نے تہمت تراشی کی ہے۔ وہ تم ہی میں سے کچھ لوگ ہیں۔'' جب اللہ تعالیٰ نے میری برأت میں یہ آیت نازل فرمائی، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو مسطح بن اثاثہ کے اخراجات قرابت کی وجہ سے خود ہی اُٹھاتے تھے کہا کہ قسم اللہ کی اب میں مسطح پر کبھی کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا کہ وہ بھی عائشہ پر تہمت لگانے میں شریک تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ''تم میں سے صاحب فضل وصاحب مال لوگ قسم نہ کھائیں...... اللہ تعالیٰ کے ارشاد غفور رحیم تک۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم! بس میری یہی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کردے۔ چنانچہ مسطح رضی اللہ عنہ کو جو آپ پہلے دیا کرتے تھے وہ پھر دینے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا (اُم المؤمنین) سے بھی میرے متعلق پوچھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ زینب! تم (عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق) کیا جانتی ہو؟ اور کیا دیکھا ہے؟ انھوں نے جواب دیا میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں (کہ جو چیز میں نے دیکھی ہو یا نہ سنی ہو آپ سے بیان کرنے لگوں) خدا گواہ ہے کہ میں نے ان میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ یہی میری برابر کی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں تقویٰ کی وجہ سے بچالیا۔

ابوالربیع نے بیان کیا کہ ہم سے فلیح نے بیان کیا، ان سے ہشام بن عروہ نے، ان سے عروہ نے، ان سے عائشہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے اسی حدیث کی طرح۔ ابوالربیع نے (دوسری سند میں) بیان کیا کہ ہم سے فلیح نے بیان کیا، ان سے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن اور یحییٰ بن سعید نے اور ان سے قاسم بن محمد بن ابی بکر نے اسی

حدیث کی طرح۔'' [1]

ایک شبہ کا ردّ:

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اگر کوئی معترض یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ہو گیا تھا کہ آپؐ نے اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں (آغازِ واقعہ کے وقت) توقف فرمایا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لوگوں سے پوچھ گچھ کی اور تحقیق کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام سے مشورہ بھی کیا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کی ذاتِ اقدس کے بارے میں سب کائنات سے زیادہ معرفت والے تھے اور اللہ ربّ العالمین کے ہاں آپ سب سے زیادہ قدر و منزلت والے تھے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق تھا وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل کی طرف سے حاصل تھا۔ تو پھر ایسا معاملہ کیوں ہوا؟ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک اللہ ربّ العالمین کی طرف ہی کیوں نہیں رجوع کیا؟) تو اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جس تکلیف دہ تہمت اور افتراء و بہتان کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیرتِ مطہرہ کو آلودہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی اس سے منافقوں کا مقصود دراصل نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر کو تکلیف پہنچانا تھا۔ اس لیے صدیقہ کائنات کی برأت و طہارت کا علم ہونے کے باوجود آپ کے لائق نہ تھا کہ آپ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گواہی دیں۔ یا کم از کم صدیقہ و سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے تقویٰ و پاکبازی کے بارے میں ایسا یقین آپ کو جو حاصل تھا وہ اس ضمن میں علم تام کے عین قریب ہونے کی وجہ کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی براءت کی گواہی نہیں دی تھی ...... اور حاشا و کلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کوئی گمانِ بد رکھا تھا اور نہ ہی حاشا و کلاّ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے کبھی کوئی ایسا گمان ...... العیاذ باللہ ...... آپؐ کے بارے میں دل کے اندر لایا تھا۔ اسی لیے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان بہتان و افتراء لگانے اور طوفان باندھنے والوں ...... بالخصوص عبداللہ بن ابی ابن سلول قبحہ اللہ ولعنہ ...... کے بارے میں منبر پر تشریف فرما ہو کر صحابہ کرامؓ سے مدد چاہی اور فرمایا: ((مَنْ يَعْذُرُنِي مِنْ رَجُلٍ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِي؟ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا، وَقَدْ ذَكَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا، وَمَا كَانَ يَدْخُلُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا مَعِي .)) ...... ''ایک ایسے شخص کے بارے میں میری مدد کون کرے گا جس کی

---

[1] دیکھئے: صحیح البخاري، کتاب الشهادات، باب تعديل النساء بعضهنّ بعضًا، حديث: ٢٦٦١۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو اپنی صحیح میں ۱۸ مقامات پر لائے ہیں۔ کہیں پر اجمال کے ساتھ اور کہیں مفصل۔ صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب في حديث الإفك وقبول توبة القاذف، حديث: ٧٠٢٠، ٧٠٢١، ٧٢٠٢۔ المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير، ص: ٩٢٩ برواية مسند الإمام أحمد: ١/ ٣٩٤۔ سيرة ابن هشام عن محمد بن اسحق عن الزهري: ٣/ ٣٠٩.

اذیت اور تکلیف دہی کا سلسلہ اب میری بیوی (اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کے معاملے تک پہنچ چکا ہے۔ اللہ کی قسم! اپنی اس بیوی کے بارے میں خیر کے سوا کوئی دوسری چیز مجھے معلوم ہی نہیں۔ پھر اس معاملے میں اُنھوں نے نام بھی ایک ایسے آدمی کا لیا ہے جس کے متعلق بھی میں خیر کے سوا کچھ اور نہیں جانتا۔ وہ خود جب بھی میرے گھر میں آیا ہے تو میرے ساتھ ہی آیا ہے۔''

چنانچہ نبی مکرم و معظم ﷺ کے پاس...... اہل ایمان و اسلام کے پاس جو علم و یقین تھا...... اس سے بڑھ کر ایسے قرائن موجود تھے جو اس کی بات کی روزِ روشن کی طرح ایک نہایت واضح دلیل تھے کہ صدیقہ کائنات اور طاہرہ و مطہرہ اُمّ المؤمنین والمومنات سیّدہ عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا ایسی آلودگی سے یکسر پاک ہیں۔ لیکن امامِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کے صبر کی انتہا و کمال، آپؐ کے استقلال، آپ کی رفقت و رأفت، اللہ ربّ العالمین کے بارے میں آپ ﷺ کا مکمل حسن ظن اور اُس پر مکمل بھروسے نے (کہ اللہ ربّ العرش الکریم صدیقہ و طاہرہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی براءت و عظمت کے بارے میں ضرور وحی نازل فرمائے گا۔) مقامِ صبر و ثبات کو کمال تک پہنچا دیا حتیٰ کہ آپ ﷺ پر اُس وحی کا نزول ہوگیا کہ جس نے آپ ﷺ کی آنکھوں کو ٹھنڈا اور دل کو خوشی سے بھر دیا۔ اس سے نبی مکرم ﷺ کی بھی قدر و منزلت عظیم تر ہوگئی اور صدیقہ کون و زمان طاہرہ سیّدہ اُمّ المؤمنین عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کی رفعت و منزلت بھی بلند تر ہوگئی۔ اسی طرح اس واقعہ کے نتیجہ میں اللہ ربّ العزت کی طرف سے نازل کردہ وحی قرآن کے ساتھ نبی معظم ﷺ کی اُمت کے لیے اللہ ذوالجلال کا اپنے حبیب نبی محمد رسول اللہ ﷺ کے اُمور میں مکمل توجہ فرمانا اور آپ ﷺ کی شانِ عظیم کو اہمیت دینا بھی ظاہر ہوگیا۔ ❶

واقعہ مذکور بالا سے مستفاد احکام:

۱...... آدمی کے پاس ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو اس واقعہ سے شریعت کا یہ قانون معلوم ہوا کہ کہیں سفر کا ارادہ ہو تو ان کے درمیان قرعہ ڈال لیا جائے۔ جس کا نام نکل آئے آدمی اسے اپنے ساتھ لے جائے۔ اس سے نفسوں میں طیب خاطری رہتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بنی مصطلق کی طرف روانگی کے وقت کیا تھا۔ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح ہی مروی ہے کہ ''نبی مکرم ﷺ جب بھی کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو آپ اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن جمیعاً کے درمیان اپنے ہمراہ سفر

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ''زاد المعاد، جلد نمبر: ۳، صفحہ نمبر: ۲۶۱، ۲۶۳۔

کے لیے قرعہ اندازی فرما لیتے۔'' ❶

۲......اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر مدنی لشکر کے ہمراہ نکلنے سے یہ حکم بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کا جہادِ اسلامی میں اپنے خاوندوں کے ہمراہ نکلنا جائز ہے۔ بعینہٖ اُمّ المؤمنین سیّدہ اُمّ سلمہؓ بھی غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر لشکرِ اسلام میں نبی مکرم ﷺ کے ہمراہ نکلی تھیں۔ ❷

۳......اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان: ((فَخَمَرْتُ وَجْهِي)) ......''اور میں نے اپنا چہرہ اپنی اوپر والی چادر سے ڈھانک لیا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: ۷۰۲۰) سے عورت کا اجنبی (غیر محرم) مردوں سے اپنے چہرے کو ڈھانپنے کا وجوب ثابت ہوا۔ اس ضمن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے۔ فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَـٰبِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ ﴾

(الاحزاب: ۵۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے آپ پر لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں تو انھیں تکلیف نہ پہنچائی جائے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

۴......اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ کے درجِ ذیل فرمان کی بنا پر اُس شخص کے بارے میں برے گمان کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے...... جو نیکی اور تقویٰ میں معروف ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَّوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَـٰتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا۟ هَـٰذَآ إِفْكٌ مُّبِينٌ ۝ ﴾ (النور: ۱۲)

''کیوں نہ جب تم نے اسے سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے نفسوں میں اچھا گمان کیا اور کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

---

❶ فتح الباري، ج: ۸، ص: ۳۱۲۔ والمغني لابن قدامة، ج: ۱۰، ص: ۳۵۳۔ ومرويات غزوة بني المصطلق، ص: ۳۱۸۔ وهذا الحبيب يا محب للجزائري، ص: ۳۳۶۔ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب النكاح، باب القرعة بين النساء إذا أراد سفراً، ج: ۹، ص: ۲۲۰۔ وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل عائشة، ج: ٤، ص: ۱۸۹٤.

❷ دیکھئے: مرويات غزوة بني المصطلق، للجزاري ص: ۳۱۲۔ وهذا الحبيب يا محبُّ، ص: ۳۳۶۔ الاصابه في تمييز الصحابة، ج: ٤، ص: ٤٤۰.

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ (الحجرات : ١٢)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت سے گمان سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کرو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے، جبکہ وہ مردہ ہو، سو تم اسے ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

۵......اللہ تبارک وتعالیٰ کے درج ذیل فرمان کی بنیاد پر لوگوں پر بدگمانی کا حکم لگانا قطعاً جائز نہیں ہے۔ فرمایا:

﴿ لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝﴾ (النور : ١٣)

''وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، تو جب وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔'' [1]

٦......اسی طرح اللہ ربّ العالمین کے درجِ ذیل فرمان سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ بغیر علم ومعرفت کے کسی بات پر غور وخوض کرنا حرام ہے۔ فرمایا:

﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝﴾ (النور : ١٤)

''اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً اس بات کی وجہ سے جس میں تم مشغول ہوئے، تم پر بہت بڑا عذاب پہنچتا۔''

اور پھر اللہ نے یوں بھی فرمایا ہے:

﴿ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمٌ ۝﴾ (النور : ١٥)

''جب تم اسے ایک دوسرے سے اپنی زبانوں کے ساتھ لے رہے تھے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمھیں کچھ علم نہیں اور تم اسے معمولی سمجھتے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی۔''

[1] دیکھئے: الإکلیل، ص: ١٩٠.

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسی حکم کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝﴾ (الاسراء: ٣٦)

''اور اس چیز کا پیچھا نہ کر جس کا تجھے کوئی علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک، اس کے متعلق سوال ہوگا۔'' ❶

۷.....تہمت لگانے والا شرعی طور پر جھوٹا آدمی ہوتا ہے (کہ جس پر حد قذف قائم ہوگی) جب تک کہ وہ اپنے دعویٰ پر چار گواہ نہ لے آئے، جیسا کہ اللہ رب العالمین نے فرمایا ہے:

﴿ لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝﴾ (النور: ١٣)

''وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، تو جب وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔'' ❷

۸.....قرآنِ عظیم میں مذکور اس واقعہ کی آیات سے پاکدامن مومن عورتوں اور پاکدامن مومن مردوں پر تہمت لگانے کی حرمت کا حکم ثابت ہوا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مومن مرد یا مومن پاکدامن عورت پر تہمت لگانا کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے۔ اس پر حد بھی قائم ہو جاتی ہے۔ حد قذف اسّی (۸۰) کوڑے ہے۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے معلوم ہوا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝﴾ (النور: ٢٣)

''بے شک وہ لوگ جو پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں لعنت کیے گئے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

دوسرے مقام پر اللہ رب العالمین کا ارشادِ گرامی ہے۔ فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝﴾ (النور: ٤)

---

❶ دیکھئے: السير التفاسير للجزائري، ج: ٣، ص: ٢٢٦.

❷ أحكام القرآن لابن العربي، ج: ٣، ص: ١٣٥٥۔ وأحكام القرآن للجصاص، ج: ٣، ص: ٣٠٧۔ والإكليل، ص: ١٩٠۔ وأحكام القرآن للكيا الهرّاسي، ج: ٣، ص: ٣٠٨.

''اور وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ لائیں تو انھیں اَسّی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہی نافرمان لوگ ہیں۔''

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِجْتَنِبُوْا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ فَذَكَرَ مِنْهَا وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ .)) ❶

''سات ہلاک اور تباہ و برباد کرنے والی چیزوں سے بچو...... اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سات میں سے ایک اس کا بھی ذکر فرمایا...... ''اور پاکدامن، بھولی مومن عورتوں پر بے حیائی (اور زنا) کی تہمت لگانے سے بچو۔''

۹......صدیقہ کائنات بنت الصدیق اُمّ المؤمنین والمومنات سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قرآنِ عزیز میں براءت وعظمت نازل ہو جانے کے بعد بھی جو آدمی آپ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتا ہے تو نص قرآن سے اُس کا کافر ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ ❷

واقعہ مذکور بالا سے حاصل شدہ دُروس ونصائح:

۱......اللہ ربّ العالمین کے ارشادِ گرامی: ﴿لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ سے یہ سبق ملتا ہے کہ: مومن، مسلمان آدمی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہر فیصلے میں خیر ہوتی ہے۔ ❸

دوسرے ایک مقام پر فرمایا ہے:

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴾ (النساء: ۱۹)

''اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو، پھر اگر تم انھیں ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔''

---

❶ كتاب الكبائر للذهبي، ص: ۹۲۔ وهذا الحبيب يا محب للجزائري، ص: ۳۳۷۔ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب الحدود، باب رمي المحصنات، حديث: ٦٨٥٧، ج: ۱۲، ص: ۱۸۸۔ وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان الكبائر وأكبرها، ج: ۱، ص: ۹۲.

❷ دیکھیے: امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "الصلام المسلول على شاتم الرسول"، صفحه: ٥٦٥، ٥٦٧، ٥٧١۔ الإكليل، ص: ۱۹۰۔ تفسير القاسمي، ج: ۱۲، ص: ٤٤٧٣.

❸ دیکھیے: ایسر التفاسیر للجزائری، جلد: ۲، صفحه: ۲۲۱.

۲...... اللہ تعالیٰ کے فرمانِ گرامی: ﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (النور:١١) ''اور جس نے ان میں سے اس طوفان (بہتان وافتراء) کا بیڑا اُٹھایا، اُسے سخت سزا ہوگی۔'' (مراد ہے عبداللہ بن ابی بن سلول قبحہ اللہ ولعنہ) سے ''بہتان وافتراء کے بہت بڑے جرم اور کبیرہ گناہ'' ہونے کا سبق ملتا ہے۔ (ایضاً)

۳...... آدمی کا محاسبہ اُس کے اُسی گناہ پر ہی کیا جائے گا جس کا ارتکاب اُس نے خود کیا ہوگا۔ ❶ یہ سبق ہمیں اللہ عزوجل کے اس فرمان سے حاصل ہوتا ہے، فرمایا: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ ...... ''اللہ تعالیٰ کسی شخص اور جان پر بوجھ نہیں ڈالتا (عمل کے لیے) مگر جتنا وہ اُٹھا سکے۔ جو اُس نے اچھا کیا ہوگا اس کا فائدہ بھی اُسی کو ہوگا اور جو برا کیا ہوگا اس کا وبال بھی اُسی پر پڑے گا۔'' (البقرۃ:٢٨٦) ایک اور مقام پر اللہ ربّ العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝﴾ (النجم: ٣٨-٤٠)

''کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔ اور یہ کہ یقیناً اس کی کوشش جلد ہی اسے دکھائی جائے گی۔''

۴...... آدمی کو سزا بھی اُس کے جرم کے مطابق ملے گی۔ برا جرم ہوگا تو بڑی سزا ملے گی اور اگر چھوٹا جرم ہوگا تو تھوڑی سزا ملے گی۔ ❷ یہ بات ہمیں اسی مذکور بالا واقعہ کے شانِ نزول میں اُترنے والی آیات میں سے سورۃ النور کی آیت نمبر:١١ سے معلوم ہوتی ہے۔

۵...... اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل سے کہ جب لشکر آگے روانہ ہوگیا وہ اپنی جگہ پر ہی قیام پذیر رہیں ...... ایک مومن، مسلمان عورت کی شجاعت و استقلال اور حسن تصرف (بروقت عمدہ فیصلہ) کا سبق ملتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا اس لیے وہاں ٹھہری رہیں کہ جب لشکر والے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو آگے چل کر اپنے ہمراہ نہ پائیں گے تو وہ ضرور آپ رضی اللہ عنہا کی طرف واپس پلٹیں گے۔

۶...... اس واقعہ سے ہمیں مسلمان عورتوں کے ساتھ بالعموم اور اُمہات المؤمنین رضوان اللہ علیہن جمیعاً کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ادب و احترام اور حسن معاملہ کا بھی سبق ملتا ہے اور یہ کہ وہ حضرات شک و شبہ اور تہمت و بہتان والی جگہوں سے کس قدر بچا کرتے تھے اس کا بھی درس ملتا ہے۔ ٹھوس دلائل اور صحیح

---

❶ دیکھئے: احکام القرآن لابن العربی، بتصرف یسیر، جلد: ٣، صفحہ: ١٣٥٤.

❷ دیکھئے: ایسیر التفاسیر للجزائری، جلد نمبر: ٣، صفحہ: ٢٢١.

احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جناب صفوان بن معطل السلمی رضی اللہ عنہ کہ جو بدری صحابی تھے اور لشکر کے پیچھے (ساقہ میں) اس لیے آ رہے تھے کہ صبح قافلہ کے پڑاؤ کی جگہ دیکھ بھال کر آئیں گے...... نے جب اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو کچھ فاصلے پر پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئے اور آپ رضی اللہ عنہا کے جاگنے کا انتظار کرنے لگے حتیٰ کہ صدیقہ و طاہرہ سیّدہ، اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہوئیں، جنابِ صفوان رضی اللہ عنہ نے بآواز بلند ((اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ)) کہا۔ پھر اونٹ کو بٹھایا کہ آپ رضی اللہ عنہا اُس پر سوار ہو جائیں۔ جب اونٹ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کو لے کر کھڑا ہو گیا تو خود نکیل پکڑ کر آگے چلنے لگے، حتیٰ کہ دوپہر تک قافلے کو جا لیا۔

سیّدنا صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کا اس وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا، اس بات کی دلیل تھا کہ آپؓ نے اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا قافلہ سے پیچھے رہ جانے کو نہایت تکلیف دہ سمجھا اور اس بات میں کم عقلی جانی کہ وہ آپ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کو ایک کھلی وادی میں تنہا چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں۔ اس سارے وقت میں جناب صفوان رضی اللہ عنہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا سے قطعاً گفتگو نہ کی۔ آپ رضی اللہ عنہا کو اُنھوں نے اُونٹ پر سوار کرنے کے لیے اشارہ سے کام لیا۔ اور جب آپ رضی اللہ عنہا سوار ہو گئیں تو وہ سواری کے پیچھے نہیں چلا کہ مبادا اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کے وجودِ اطہر پر نظر پڑ جائے، بلکہ اُونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلنے لگا۔ بعینہٖ ہر مومن آدمی کو بھی اسی طرح ہی اپنا معاملہ کرنا چاہیے کہ وہ تہمت و افتراء والی جگہ اور بہتان والی باتوں سے نہایت دُور رہتے ہوئے اُن سے بچنے والا ہو۔ بالخصوص عورتوں کے معاملے میں۔ ❶

۷...... اللہ عزوجل کے فرمانِ گرامی: ﴿لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ ...... ''(مسلمانو! تمھیں کیا ہو گیا تھا) جب تم نے یہ (بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت والی بیہودہ) بات سنی تھی تو ایمان والے مردوں اور اہل ایمان عورتوں کو اپنی ذات والوں (مومن مردوں اور مومن عورتوں) کو نیک گمان کرنا تھا۔'' سے یہ نصیحت آموز سبق ملتا ہے کہ: اسلامی معاشرہ میں عوامی و باہمی روابط کے لیے اساس اور بنیاد کے طور پر بالالتزام یہ امر واجب ہے کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے متعلق اچھا گمان رکھیں۔ ❷

۸...... اس مسلمان آدمی کے بارے میں ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جو ظاہری طور پر عادل اور صاحب تقویٰ ہو کہ اس کے بارے میں خیر، بھلائی اور اچھائی کا ہی گمان رکھا جائے، اس کے متعلق بدگمانی پیدا نہ کی جائے۔ ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ادب سکھایا ہے کہ جب کسی متقی، عادل آدمی، مومن مسلمان پر کوئی

---

❶ دیکھئے: ابو شبہ کی: " السيرة النبوية في ضوء القرآن والسنه : ۲/ ۲٦٦ .

❷ دیکھئے: مولانا مودودیؒ کی " تفهيم القرآن " تفسير سورة النور، آیت نمبر: ۱۲

باطل تہمت لگائی جارہی ہو تو ہم کہیں کہ ہمارے لیے لائق نہیں ہے کہ ہم اس موضوع پر کوئی بری گفتگو بھی کریں۔ بلکہ ایسے صالح شخص کے بارے میں اچھی گواہی دینی چاہیے۔ ❶

۹......اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ جو درمیان میں بیان فرمایا ہے کہ ((فَخَرَجْتُ أَنَا وَأُمُّ مِسْطَحٍ ، قِبَلَ الْمَنَاصِعِ مُتَبَرَّزِنَا ، لَا نَخْرُجُ إِلَّا لَيْلًا إِلَى لَيْلٍ ، وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ نَتَّخِذَ الْكُنُفَ قَرِيْبًا مِنْ بُيُوْتِنَا .)) ......''ایک رات میں اُمّ مسطح کے ہمراہ مناصع کی طرف گئی۔ یہ ہماری قضائے حاجت کی جگہ تھی، ہم یہاں صرف رات ہی میں آتی تھیں۔ یہ اُس زمانہ کی بات ہے جب ابھی ہمارے گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں بنے تھے۔'' الخ۔ (صحیح بخاری، حدیث:۲۶۶۱) تو اس سے مومن عورت کا اپنے پردے اور چھپاؤ کے لیے پورے اہتمام اور مکمل حفاظت کا سبق ملتا ہے۔

۱۰......اس واقعہ میں اس عقیدے کا سبق بھی ملتا ہے کہ حبیب ربّ العالمین محمد مصطفیٰ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا علم نہیں رکھتے تھے۔ اور جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو بتلا نہ دیتے آپ کو کسی واقعہ اور کسی چیز کا علم نہ ہوتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کے بارے میں مکمل علم حاصل نہ ہوسکا کہ جس نے آپ کو کئی روز تک سخت اذیت میں مبتلا کیے رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، ان کے والدین محترمین اور سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی۔ حتیٰ کہ اللہ کریم نے اصل واقعہ کی خبر بھی دے دی اور اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت بھی اتار دی۔ تو بتلایئے دوسرے کسی معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کس طرح ہوسکتا تھا۔ جبکہ جہلاء اور کم علم لوگ نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علم غیب کا بھی دعویٰ کرتے ہیں اور آپ کے بارے مں مکاشفہ کا بھی۔ ایسا عقیدہ وہ اہل اسلام کو گمراہ کرنے کے لیے پھیلاتے ہیں ورنہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ❷

۱۱......واقعہ مذکور بالا سے بطورِ اُصول وضابطہ یہ بات بھی سامنے آئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ناموس کو اس بات سے محفوظ رکھا تھا کہ ان کی بیویوں سے کوئی زوجیت والی خیانت ہوجائے۔ اور یہ اس لیے کہ بیوی کا زنا کرنا اُن جرائم وافعال قبیحہ میں سے ہے جو خاوند کی عزت کو بھی برباد کرکے رکھ دیتے ہیں اور اس کا برا اثر بہت دُور تک جا پڑتا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے تمام انبیاء کرام کی بیویوں کو اس فعل قبیح اور جرمِ عظیم سے بالکل محفوظ رکھا تھا۔ تاکہ لوگ ان سے نفرت کرنے والے

---

❶ دیکھئے: حکام القرآن لجصاص، جلد: ۳، صفحہ: ۳۰۸،۳۰۷.

❷ دیکھئے: الجزائری کی "هذا الحبيب يا محب" صفحہ: ۳۳۶۔ اور مولانا مودودیؒ کی "تفهيم القرآن" تفسير سورة النور.

نہ بن جائیں اور نہ ہی ان کی اقتداء واتباع سے پیچھے ہٹ جانے والے۔ ❶

۱۲..... اللہ عزوجل کی طرف سے آنے والی آزمائش پر صبر واستقامت اختیار کیے رکھنا چاہیے حتیٰ کہ اللہ ربّ العالمین اس سے نجات دے دے۔ (ھذا الحبیب یا محب للجزاری، صفحہ: ۳۳۷) یہ سبق ہمیں اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے صبر واستقلال سے حاصل ہوتا ہے، حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لیے اس غم کو دُور فرما دیا۔ اور پھر اللہ عزوجل کا فرمانِ گرامی بھی ہے:

﴿ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○﴾ (الانشراح: ۵۔۶)

''پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہے۔ بے شک اسی مشکل کے ساتھ ایک اور آسانی ہے۔''

اس ضمن میں پیچھے ایک واقعہ میں صحیح حدیث بھی بیان ہو چکی ہے۔

۱۳..... دکھ اور غم بھول جانے کی بیماری اور حافظہ کی کمزوری کا سبب بن جایا کرتا ہے۔ جیسا کہ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یعقوب علیہ السلام کا نام بھول گئی تھیں۔ یعنی جب آپ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا: ((وَاللّٰهِ مَا أَجِدُ لِي وَلَكُمْ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوسُفَ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ .)) ...... ''اللہ کی قسم! میں اس وقت اپنی اور آپ لوگوں کی کوئی مثال یوسف علیہ السلام کے والد کے سوا نہیں پاتی کہ اُنھوں نے بھی فرمایا تھا: ''پس صبر جمیل!'' صبر ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم کہتے ہو اس معاملے میں اللہ تعالیٰ ہی میرا مددگار ہے۔''

۱۴ بلاشبہ اس واقعہ میں اُن پاکدامن مومن عورتوں کے لیے کہ جن پر بے حیائی اور فحاشی کے جھوٹے بہتان لگائے جائیں صبر وتسلی اور غم پر ضبط کرنے کا سبق ہے۔ دیکھ لیجیے! یہ صدیقہ کائنات بنت الصدیق رضی اللہ عنہما کہ جو سیّد الجنہ والبشر حبیب ربّ العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری زوجۂ محترمہ کہ جنھیں ساتوں آسمانوں کے اوپر اللہ ربّ العرش الکریم کی طرف سے براءت وتقویٰ اور پاکدامنی کی سند ملی، اُن پر ایک ایسے بیہودہ وقبیح فعل کی تہمت منافقین کی طرف سے لگائی گئی کہ جس سے آپ یکسر بری تھیں۔ (آپ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اس فعل شنیع وقبیح کے بارے میں تصور کرنا بھی آدمی کو ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔) تو بتلایئے! اگر کسی اُمتی عورت پر اس طرح کی تہمت لگ جائے اور وہ بھی بالکل اسی طرح پاکدامن ہو تو اسے بھی اپنی روحانی ماں اُمّ المؤمنین والمومنات سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسا ہی صبر کرنا چاہیے۔ ❷

۱۵..... اس واقعہ میں مذکور اہل ایمان سوکنوں کی پارسائی اور ان کا عدل تو دیکھئے کہ جب اُن سے دریافت کیا

---

❶ دیکھئے: ابوشبہ کی کتاب "السیرة النبویة فی ضوء القرآن والسنه"، جلد: ۲، صفحہ: ۲۶۵.

❷ دیکھئے: ابوشبہ کی کتاب "السیرة النبویة"، جلد: ۲، صفحہ: ۲۶۵.

گیا تو اُنھوں نے اپنی سوتن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی تھیں، کس قدر سچی بات کہی تھی؟ اُن کی زبانوں سے خیر کے سوا کچھ نہ نکلا۔ صدیقہ و طاہرہ سیّدہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اُنھیں کسی باطل اور جھوٹ بات نے قطعاً نہ اُبھارا۔

۱۶...... اس واقعہ سے صاف معلوم ہوا کہ منافقین شروع سے ہی مسلمانوں کی صفوں میں ارتعاش و اختلاف پیدا کرنے کی کوششیں کرتے آئے ہیں۔ ان لوگوں نے دین حنیف، اسلام کے بارے میں اور مسلمانوں پر طعن و تشنیع کرنے کا کبھی کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ جیسا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول اور اُس کی جماعت نے اس واقعہ میں بدکرداری کا مظاہرہ کیا تھا۔

۱۷...... اللہ عزوجل جس آدمی کو کسی برائی میں واقعہ ہونے سے محفوظ رکھے اُس کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ تکبر اور بڑائی کا شکار ہو جائے اس لیے کہ عصمت و عفت اللہ ربّ العالمین کی طرف سے ہی ملا کرتی ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں بہت سارے (سینکڑوں) صحابہ کرام خاص اللہ کریم کے فضل سے گناہ میں پڑنے سے بچالیا گیا تھا۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهٗ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّي مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (النور: ۲۱)

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شیطان کے قدموں کے پیچھے مت چلو اور جو شیطان کے قدموں کے پیچھے چلے تو وہ تو بے حیائی اور برائی کا حکم دیتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک نہ ہوتا اور لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ (النساء: ۷۹)

’’جو کوئی بھلائی تجھے پہنچے سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو کوئی برائی تجھے پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے ہے اور ہم نے تجھے لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کافی گواہ ہے۔‘‘ [1]

[1] ایسر التفاسیر للجزائري، ج: ۳، ص: ۲۲۹.

(۹)......اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

آج سے کم وبیش چودہ سو پچاس سال پہلے لوگ عبادات، معاملات، تقالید اور رسوم و رواج کی جن جاہلانہ روشوں کا شکار تھے رسالت محمد یہ ان سب خرافات ورسوم اور جاہلانہ بدعات کو مٹانے کے لیے آئی تھی۔ ان رسوم وخرافات میں سے ''لوگوں کے درمیان انساب کے اعتبار سے درجہ بندی''۔ کا ازالہ بھی تھا۔ چنانچہ اللہ ربّ العالمین نے وضاحت فرمادی:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝﴾

(الحجرات : ۱۳)

''اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

اسی طرح اُس دور میں ایک رسم ''کسی کو منہ بولا بیٹا (متبنّیٰ) بنا لینے'' کی بھی تھی۔ اس کے متعلق بھی قرآن نے وضاحت کر دی:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝﴾ (الاحزاب : ٤)

''اللہ نے کسی آدمی کے لیے اس کے سینے میں دو دل نہیں بنائے اور نہ اس نے تمھاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو، تمھاری مائیں بنایا ہے اور نہ تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارے بیٹے بنایا ہے، یہ تمھارا اپنے مونہوں سے کہنا ہے اور اللہ سچ کہتا ہے اور وہی (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے۔''

چنانچہ یہ دونوں معاملے (انساب وقبائل پر فخر اور متبنّیٰ بنانے والی رسم) سیّدہ زینب بنت جحش اور جناب زید بن حارثہ بن شرحبیل رضی اللہ عنہما کے مابین نکاح کے ساتھ اور پھر بعد میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر لینے سے عملی طور پر متحقق ہو گئے۔

اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ قرآنِ حکیم میں صرف ایک سورت میں بیان ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ ذوالجلال والاکرام کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ وَإِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۗ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۗ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۝ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝﴾ (الاحزاب: ۳۶۔۴۰)

’’اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقیناً وہ گمراہ ہو گیا، واضح گمراہ ہونا۔ اور جب تو اس شخص سے جس پر اللہ نے انعام کیا اور جس پر تو نے انعام کیا کہہ رہا تھا کہ اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا، حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تو اس سے ڈرے، پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے تجھ سے اس کا نکاح کر دیا، تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ ہو، جب وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں اور اللہ کا حکم ہمیشہ سے (پورا) کیا ہوا ہے۔ نبی پر اس کام میں کبھی کوئی تنگی نہیں جو اللہ نے اس کے لیے فرض کر دیا۔ یہی اللہ کا طریقہ ہے ان لوگوں میں

جو پہلے گزرے اور اللہ کا حکم ہمیشہ سے اندازے کے مطابق ہے، جو طے کیا ہوا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔ محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں اور لیکن وہ اللہ کا رسول اور تمام نبیوں کا ختم کرنے والا ہے اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

قَضٰی: اس کا معنی دراصل ہوتا ہے کسی معاملہ کو قول یا فعل سے ختم کر دینا۔ یہاں اس سے مراد ہے: فَرَغَ یعنی پورا کرلیا۔ ❶

وَطَــــرًا: انتہائی اہم کوئی ضرورت۔ اور یہاں اس سے مراد جناب زید کا سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کی ضرورت کو پورا کر لینا ہے۔ ❷

حَرَجٌ: یعنی تنگی۔ ❸

سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا تعارف:

ان کا نام ونسب یوں تھا: زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن غنم الاسدیہ ان کو اُمّ المؤمنین بننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ رضی اللہ عنہا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی محترمہ اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ سیّدہ زینب کا نام برہ تھا، مگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زینب رکھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ہجرت کے پانچویں سال شادی کی تھی۔ اس وقت ان کی عمر پینتیس (۳۵) سال تھی اور ان کا شمار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ فضیلت والی ازواجِ مطہرات میں ہوتا تھا۔ ان کے سبب سے پردے کا حکم نازل ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواجِ مطہرات میں سے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہن جمیعاً وہ پہلی خاتون ہیں جو آپ کی وفات کے بعد سب سے پہلے فوت ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی وفات سنہ ۲۰ ہجری میں ہوئی تھی۔ ❹

---

❶ المفردات للراغب، صفحہ: ٤٠٦۔ واصلاح الوجود والنظائر فی القرآن الکریم، صفحہ: ٣٨٤.

❷ المفردات للراغب، صفحہ: ٥٢٦۔ معانی القرآن للزجاج، جلد: ٤، صفحہ: ٢٢٩۔ تفسیر البغوی، جلد: ٣، صفحہ: ٥٣٢.

❸ المفردات للراغب الاصبهانی، صفحہ: ١١٢.

❹ البداية والنهاية لابن كثير، ج: ٤، ص: ١٤٥۔ الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر، ج: ٤، ص: ٣٠٧۔ وأزواج النبي ﷺ للصالحي، ص: ٨١۔ مروج الذهب للمسعودي، ج: ٢، ص: ٢٩٥۔ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، ج: ٨، ص: ١٩٨۔ المصدر السابق، ج: ٣، ص: ٤٢۔ وج: ٨، ص: ٢٠٨، وص: ٤٥۔ وزاد المعاد لابن القيم، ج: ١، ص: ١١٤۔

واقعہ کی تفصیل:

مصنف حفظہ اللہ نے اس واقعہ کے حوالے سے جو کچھ اپنی کتاب میں بیان کیا ہے اس کا احاطہ کرتے ہوئے ہم صحیح مسلم، صحیح بخاری، فتح الباری، جامع ترمذی، اشرف الحواشی، مسند الامام احمد اور تفسیر ابن کثیر میں وارد آثار و احادیث اور آئمہ کی شرح کے ساتھ کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی حیاتِ طیبہ کے اس موڑ کے بارے میں منافقین اور بدطینت لوگوں نے ایسی ایسی بیہودہ باتیں کی ہیں کہ جنھیں غیرت مند مومن، مسلمان آدمی سن کر برداشت نہیں کرسکتا۔ ہم نے اختصار کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا ہے، تاکہ طوالت کلام سے طبیعت اُکتا نہ جائے۔ (المترجم ......ابویحییٰ)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے یہ واقعہ امام سدی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے بڑے اچھے سیاق وسباق کے ساتھ احسن طریق سے واضح طور پر (مفصل) بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے سورۃ الاحزاب یہ آیت (نمبر: ۳۷) اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ان کی والدہ اُمیمہ بنت عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ زینب کا نکاح اپنے خادم اور منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کریں۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اس شادی کو ناپسند جانا۔ مگر اللہ رب العالمین نے اس بارے میں ایک اصولی قاعدے کو بیان کرتے ہوئے یہ آیت اتار دی۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب: ٣٦)

''اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقیناً وہ گمراہ ہوگیا، واضح گمراہ ہونا۔'' [1]

---

[1] ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی شان نزول میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے سیّدہ زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کو پیغام نکاح دیا مگر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی شان کے خلاف سمجھ کر اس نکاح سے انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''بلى فانكحيه'' (کیوں نہیں، تم ان سے ضرور نکاح کرو) اس پر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: اچھا میں غور کروں گی۔ یہ گفتگو جاری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ فیصلہ منظور ہے۔'' آیت کا شان نزول اگرچہ خاص ہے مگر اس کا حکم عام ہے اور متعدد آیات و احادیث میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف چلنے پر وعید آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے پیغام کے تابع نہ ہوجائے۔ (ابن کثیر) اس سے معلوم ہوا کہ کسی آیت یا حدیث کے مقابلے میں کسی مجتہد کی رائے پر عمل کرنا نہیں چاہیے۔ (فتح البیان)

مگر المصباح المنیر فی تہذیب تفسیر ابن کثیر (ص ۱۰۹۰، ۱۰۹۱) میں مسند الامام احمد کی درج ذیل روایت کو باقی رکھا گیا ہے۔ ⇦⇦⇦

پھر اس کے بعد سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا اس شادی کے لیے راضی ہوگئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا نکاح جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ پھر بعد میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کو بتلا دیا کہ زینب (بنت جحش رضی اللہ عنہا) آپ کی ازواج مطہرات میں شامل ہونے والی ہیں (یعنی آپ کا نکاح اُن سے ضرور ہوگا۔) مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس

⇦⇦⇦ ''جناب ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جلیبیب ایک ایسا آدمی تھا کہ جب عورتوں کے پاس سے گزرتا تو اُن کے پاس آجاتا اور ان سے کھیل کود کرتا۔ (تھا وہ صاحب ایمان تھا اور اُس کا یہ معاملہ پردے کا حکم اُترنے سے پہلے کا تھا۔ دوسرا یہ کہ وہ غالباً عورت کے قابل بھی نہ تھا۔) ابو برزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی سے کہا: دیکھو! تم (گھر کی عورتوں) کے پاس جلیبیب کبھی نہ آئے اگر وہ تمہارے پاس آیا تو میں ضرور کوئی معاملہ کر بیٹھوں گا۔ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی بیوی رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ (ابو برزہ! تم تو خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہو، سنو!) انصار کی کوئی بی بی اگر بیوہ ہو جاتی تو وہ اس کا نکاح آگے تب تک نہ کرتا حتیٰ کہ معلوم کر لیتا، کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بیوہ سے شادی، نکاح کرنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ (معاملہ ایسا ہی تھا کہ ایک بار) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک آدمی سے فرمایا: اپنی بیٹی کا نکاح مجھے دے دو۔ وہ صحابی کہنے لگا: بالکل درست جی! اور یہ تو ہمارے لیے نہایت عزت واحترام کی بات ہے۔ اس سے تو ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی اور یہ رشتہ تو آنکھوں کی نعمت بن جائے گا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی ہم اپنے داماد کے طور پر دیکھیں گے ہمیں بہت زیادہ خوشی ہوا کرے گی۔) مگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہاری بیٹی کا رشتہ اپنے لیے نہیں مانگ رہا'' اس شخص نے پوچھا: تو پھر کس کے لیے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم یہ رشتہ مانگ رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جلیبیب کے لیے۔'' یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا: تب اے اللہ کے حبیب! آپ مجھے موقعہ دیجیے کہ میں لڑکی کی ماں سے مشورہ کرلوں۔

چنانچہ یہ انصاری صحابی اپنی بیوی کے پاس آیا اور کہنے لگا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری بیٹی کا رشتہ مانگ رہے ہیں۔ اس بی بی نے کہا: یہ تو نہایت خوشی اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی بات ہے۔ صحابی کہنے لگا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ رشتہ اپنے لیے نہیں بلکہ جلیبیب رضی اللہ عنہ کے لیے مانگ رہے ہیں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگی: کیا جلیبیب کے لیے؟ جلیبیب کی بربادی ہو! کیا اُس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ مانگ رہے ہیں؟ نہیں، اللہ کی قسم! ہم جلیبیب سے اپنی بیٹی کی شادی نہیں کریں گے۔

جب باپ نے ارادہ کیا کہ وہ اُٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اس بات کی اطلاع دے کہ لڑکی کی ماں اس رشتے سے راضی نہیں ہے...... تو لڑکی نے بول کر کہا: ابوجان! میرا رشتہ کس نے مانگا ہے؟ لڑکی کی ماں نے اُسے ساری بات بتلا دی۔ وہ لڑکی کہنے لگی: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم وارشاد رد کرو گے؟ آپ لوگ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کبھی بھی ضائع نہیں کریں گے۔ چنانچہ لڑکی کا باپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! لڑکی آپ کے سپرد ہوئی، آپ اس کا نکاح جلیبیب سے کر دیجیے۔

ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے کچھ عرصہ بعد اپنی ایک جہادی مہم پر روانہ ہوئے (اس لشکر میں جلیبیب بھی شامل تھا۔) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرما دی اور اسلامی لشکر کو...... تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: دیکھو! کیا تم اپنے میں کسی کو موجود نہیں پا رہے؟ (یعنی معلوم کرو کون کون خوش نصیب شہید ہو گیا ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (میدان جنگ میں پھر کر شہداء کو دیکھتے ہوئے) کہا: ہم فلاں اور فلاں صحابی کو اپنے ہاں نہیں پا رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: دیکھو! کیا تم کسی اور کو بھی غیر حاضر پا رہے ہو؟ (یعنی اپنی جانچ پڑتال اور گنتی پوری کرو۔) انہوں نے عرض کیا: نہیں جی! (ہم کسی اور کو غیر حاضر نہیں پا رہے۔) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مگر میں جلیبیب رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھ رہا (وہ کہاں ہے؟) آپ نے فرمایا: اُسے شہداء میں تلاش کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے شہداء میں تلاش کیا تو اس کو سات کافروں کی لاشوں کے ساتھ وہاں پالیا کہ جنہیں اُس اکیلے شیر نے قتل کیا تھا اور اسی دوران وہ ان کے ہاتھوں زخمی ہو کر گرا اور شہید ہو گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بتلایا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ رہا جی جلیبیب کافروں کی سات لاشوں کے ہمراہ جنہیں اُس اکیلے نے قتل کیا ہے اور انہوں نے اسی دوران اُس کو شہید کر دیا ہے۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس تشریف لائے اور اس کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا: ''قَتَلَ سَبْعَةً وَّقَتَلُوْهُ، هٰذَا مِنِّیْ وَأَنَا مِنْهُ'' جلیبیب نے سات کافروں کو قتل کیا اور انہوں نے اس کو شہید کیا ہے۔ یہ مجھ سے ہے اور میں ⇦⇦⇦

بات سے شرماتے تھے کہ آپ زید بن حارثہ کو حکم دیں کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ زید اور زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کو ابھی ایک سال ہی ہوا تھا کہ جیسے دیگر لوگوں کے درمیان معاملہ ہو جایا کرتا ہے ان دونوں کے درمیان بھی تنازعہ شروع ہوگیا اور ہمیشہ رہنے لگا۔ جب زید رضی اللہ عنہ نے آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اس معاملے کی اطلاع دی اور بتلایا کہ زینب کے ساتھ نباہ مشکل ہو رہا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ.... اپنی بیوی کو اپنے پاس (خوب اچھے طریقے اور اخلاق حسنہ سے) بسائے رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ (اس پر سختی نہ کرو اور طلاق کے بارے میں سوچو بھی نہیں۔ مگر زید رضی اللہ عنہ طلاق دینے کا تہیہ کر چکے تھے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے ڈر رہے تھے کہ (زید نے اگر طلاق دے دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے زینب سے نکاح کرلیا تو) لوگ اس پر چہ میگوئیاں کریں گے، عیب لگائیں گے اور منافق و مشرکین تو غلط بکواس کریں گے۔ (جیسے آج تک کرتے آ رہے ہیں۔) اور کہیں گے: دیکھو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی بہو کے ساتھ شادی کر لی۔ زینب کو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہو اس لیے کہیں گے کہ آپ نے سیّدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا۔''

یہ روایت درج کرنے کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

⇦⇦⇦ اس سے ہوں۔'' یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو، تین بار ارشاد فرمایا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنے بازوؤں پر اٹھالیا۔ اُس کے لیے قبر کھودی گئی۔ قبر تک لانے کے لیے اُسے چارپائی پر نہیں لایا گیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو ہی اُس کے لیے چارپائی تھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے قبر میں اسی طرح دفنا دیا، نہ اُسے غسل دیا اور نہ ہی کفن پہنایا۔

جناب ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے شاگرد جناب کنانہ بن نعیم العدوی کے شاگرد جناب ثابت رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جلیبیب کی بیوہ اس انصاری لڑکی سے زیادہ انصار میں سے کوئی عورت خرچ کرنے والی نہ تھی۔ سیّدنا ثابت رحمہ اللہ کے شاگرد جناب اسحاق بن عبداللہ بن ابوطلحہ رحمہ اللہ نے اُن سے پوچھا: کیا تمہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلیبیب کی بیوہ کے لیے دعا کی تھی؟ انہوں نے بیان کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے لیے دعا کی تھی: ''اَللّٰهُمَّ صُبَّ عَلَيْهَا الْخَيْرَ صَبًّا وَلَا تَجْعَلْ عَيْشَهَا كَدًّا. '' اے اللہ! اس بی بی پر خیر و برکت خوب برسا کر انڈیل دے اور اس کی گزران کو تنگ نہ کر دینا کہ وہ اس بارے میں فکر مند ہی رہے۔'' چنانچہ انصار میں اس بی بی سے بڑھ کر کوئی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا کوئی نہ تھا۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ اس لڑکی نے جب اپنی اوڑھنی کے اندر سے اپنے والدین کو کہا تھا: کیا تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو لوٹا دو گے؟ تو اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا٥﴾ (الاحزاب: ٣٦) ''اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقیناً وہ گمراہ ہوگیا، واضح گمراہ ہونا۔'' (یہ واقعہ اختصار کے ساتھ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث: ۶۳۵۸، ۲۴۷۲)

جس بات کو چھپا رہے تھے، وہ تھا اللہ عزوجل کا آپ کو اس بات کی اطلاع دینا کہ زینب بنت جحش (رضی اللہ عنہا) عنقریب اُن کی بیوی بننے والی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس اطلاع کو چھپانے کا سبب، لوگوں کی اس بات کا ڈر تھا کہ وہ کہیں گے لو جی! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی بہو سے نکاح کرلیا۔ مگر اللہ رب العالمین نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کروا کر اس امر کا ارادہ فرما چکے تھے کہ زمانۂ جاہلیت والے لوگ کسی کو بیٹا بنا لینے والے جن اُمور (جیسے کہ متبنیٰ اپنے منہ بولے باپ کے گھر میں بلا روک ٹوک آسکتا تھا، اُس سے متبنیٰ باپ کی بیٹیاں اور دیگر عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں اور متبنیٰ بیٹا اپنے متبنیٰ باپ کی وفات کے بعد اس کی وراثت کا باقاعدہ اسی طرح وارث بنتا تھا جس طرح متبنیٰ باپ کے دیگر بیٹے اور بیٹیاں وارث بنتی تھیں وغیر ذلك من جميع الامور) پر سختی سے عمل پیرا تھے ان اُمور وعوامل کی جڑ کو ہی کاٹ کر اس مفسدانہ رسم کو ہی ختم کر دیا جائے۔ متبنیٰ والی رسم بد کو باطل قرار دینے والے ایک جرأت مندانہ اقدام کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی عمل زیادہ بلیغ نہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی اس شخص کی مطلقہ سے کر دی جائے کہ جو آپ کا متبنیٰ تھا۔ یہ رسم بد تب ہی ختم ہو سکتی تھی جب یہ عمل ملت اسلامیہ، اہل ایمان واسلام کے امام وقائد اعظم اور اُن کے ہادی وراہنما محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو، تاکہ آپ کا یہ عمل مومنوں، مسلمانوں کے لیے اسے قبول کرنے کا زیادہ محرک بنے۔

اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کوئی چیز چھپا کر بیان نہ کرنا چاہتے تو سورۃ الاحزاب کی یہ آیت ﴿وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ﴾ چھپا لیتے۔'' (مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی بیان کر دیا۔) ❶، ❷

---

❶ ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے مسند الفردوس میں ایک دوسری سند سے اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث، مرفوع صیغہ کے ساتھ یوں ملی ہے: لَوْ كُنْتُ كَاتِمًا شَيْئًا مِنَ الْوَحِيْ لَكَتَمْتُ...... الخ...... فرمایا: اگر میں وحی من اللہ سے کچھ چھپانا چاہتا تو (الاحزاب کی آیت ۳۷) ضرور چھپاتا۔ (دیکھیے: فتح الباری جلد ۱۳، ص ۵۰۶، طبع دارالسلام، الریاض)

❷ دیکھیے، جامع الترمذی، کتاب التفسیر باب: ومن سورة الاحزاب ح: ۳۲۰۸، قال الترمذی: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ و صحيح مسلم، كتاب الإيمان، حديث ۴۴۰۔ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں: سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اور جو آدمی یہ گمان رکھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی کتاب میں سے کچھ چھپا لیا تھا تو اُس نے بھی اللہ تعالیٰ پر بڑا جھوٹ باندھا جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ۝﴾ (المائدہ: ۶۷)

''اے رسول! پہنچا دے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اگر تو نے نہ کیا تو تو نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔ بے شک اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' ⇦⇦⇦

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو (اس واقعہ سے پہلے تک) زید بن محمد ہی کہا کرتے تھے حتیٰ کہ قرآن میں یہ حکم نازل ہوگیا۔

﴿وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ○ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا○﴾ (الاحزاب: ٤ تا ٥)

''اور نہ تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارے بیٹے بنایا ہے، یہ تمھارا اپنے مونہوں سے کہنا ہے اور اللہ سچ کہتا ہے اور وہی (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے۔ انھیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے ہاں زیادہ انصاف کی بات ہے، پھر اگر تم ان کے باپ نہ جانو تو وہ دین میں تمھارے بھائی اور تمھارے دوست ہیں اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس میں تم نے خطا کی اور لیکن جو تمھارے دلوں نے ارادے سے کیا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' [1]

علامہ ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے جو یہ فرمایا تھا: أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ...... تو یہ صرف اس معاملے کو جانچنے کے لیے کہ آیا زید رضی اللہ عنہ کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے رغبت و انسیت بھی ہے کہ نہیں؟ مگر جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ اُن کی

⇐⇐ دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ○﴾ اور وہ جو غیب کی باتیں بذریعہ وحی اسے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) معلوم ہوتی ہیں، اُن کے آگے پہنچانے، بیان کردینے میں وہ بخیل نہیں ہے۔ (یعنی وحی کے بارے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔) (التکویر: ٢٤)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اور جو کوئی یہ کہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے کل میں ہونے والی کسی بات کو جانتے تھے (یعنی آئندہ کا حال) تو اُس نے بھی اللہ تعالیٰ پر ایک بڑا جھوٹ باندھا۔ جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ○﴾ (النمل: ٦٥)

''کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے غیب نہیں جانتا اور وہ شعور نہیں رکھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

اور آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سے کچھ چھپانے والے ہوتے تو آپ اس آیت کو چھپاتے۔

﴿وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ط فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا○﴾ (الاحزاب: ٣٧)

[1] جامع الترمذی، حدیث: ٣٢٠٩، و صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، حدیث: ٦٢٦٢.

بیوی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے جو اُس پر اپنی خاندانی برتری جتلاتے ہوئے اس کے بارے میں سخت زبان اختیار کر رکھی ہے...... تو اس بنا پر وہ اُس سے نفرت کرنے لگے ہیں، تب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اجازت دے دی کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں۔ [1]

مزید وضاحت کے لیے ہم یہاں صحیح بخاری کی دو احادیث بیان کرنا چاہیں گے۔

(ا)...... سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی شکایت کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زید! اللہ سے ڈر اور اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھ۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی بات کو چھپانے والے ہوتے تو اس بات کو ضرور چھپاتے۔ جناب انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تمام ازواجِ مطہرات، اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن پر فخر سے کہا کرتی تھیں: زَوَّجَکُنَّ أَهَالِيكُنَّ وَزَوَّجَنِي اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمَاوَاتٍ...... تم سب کے نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے گھر والوں (تمہارے اولیاء الامور) نے کیے تھے جبکہ میرا نکاح ساتوں آسمانوں کے بھی اوپر سے اللہ عزوجل نے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے) کیا تھا۔ اور جناب ثابت رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ جو آیت ہے: ﴿وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ﴾...... تو یہ زینب بنت جحش اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

(ب)...... سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ پردہ کی آیت اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی اور اس دن (کہ جب اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی شب زفاف سے اگلے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کیا تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹی اور گوشت کے ولیمہ کی دعوت دی۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا تمام اُمہات المومنین پر فخر کیا کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ میرا نکاح اللہ عزوجل نے آسمان پر کیا تھا۔ [2]

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی

---

[1] دیکھئے فتح الباری جلد ۸، ص ۶۶۵، ۶۶۶ طبع دارالسلام، الریاض، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ ساری شرح صحیح البخاری کی کتاب التفسیر کے باب: وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ...... کے تحت حدیث نمبر ۴۷۸۷ کی ہے۔ سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مذکور بالا (الاحزاب: ۳۷) جناب زید بن حارثہ اور سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

[2] صحیح البخاری، کتاب التوحید، حدیث: ۷۴۲۰، ۷۴۲۱۔

بیٹی سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اُنہیں حق مہر میں دس دینار اور ساٹھ درہم، ایک اوپر اوڑھنے والی بڑی چادر، ایک لحاف، ایک زرع، پچاس مُد دوسری خوراک کے اور دس مد کھجور کے دیے تھے۔ یہ ساری باتیں جناب مقاتل بن حیان رحمہ اللہ نے بیان کی ہیں۔ سیّدہ زینب جنابِ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہا کے پاس تقریباً ایک سال اور اس سے کچھ اوپر رہیں۔ پھر اُن کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا اور جنابِ زید رضی اللہ عنہ آ کر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُن کی شکایت کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے کہتے: اللہ کے بندے اپنی بیوی کے ساتھ نباہ کرو، اسے اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو (اسے طلاق نہ دو۔) مگر اللہ تعالیٰ نے وحی اتار دی: ''وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ'' ❶

اسی موضوع سے متعلق آیئے چند ایک مزید صحیح احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں:

(۱)......سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد جب سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جاؤ اور زینب کے سامنے میرا ذکر کرو (اور بتاؤ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔) چنانچہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ چلے اور ان کے پاس پہنچے۔ دیکھا تو زینب اپنے آٹے کا خمیرہ (تَون) کر رہی تھیں۔ سیّدنا زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب میں نے زینب رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو میرے دل میں اُن کی عظمت اس قدر آئی کہ میں ان کی طرف نظر نہ کر سکا۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یاد کیا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنی پشت موڑتے ہوئے ایڑیوں کے بل چہرہ پچھلی جانب کر لیا اور عرض کیا: زینب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے پیغام بھیجا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں یاد کرتے ہیں۔ ❷ (یعنی میرے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔) وہ کہنے لگیں: میں کوئی کام نہیں کرتی جب تک کہ اپنے رب سے مشورہ نہ کر لوں۔ (یعنی استخارہ کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرتی ہوں۔ چنانچہ اسی وقت وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پہ کھڑی ہوگئیں۔ واہ رے مسلمانوں کی ماں! اللہ تم سے راضی ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ذرہ بھر انحراف نہیں کیا۔)

اسی دوران پیچھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا نزول ہوا۔ (اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا

---

❶ المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير ص ۱۰۹۱.

❷ یہ ایمان کے کمال اور نہایت سعادت مندی کی بات تھی کہ جناب زید رضی اللہ عنہ کے دل میں اس خیال سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کو پیغام نکاح دیا ہے، اس قدر عظمت اور ہیبت ان کی چھا گئی کہ نظر نہ کر سکے۔ حالانکہ یہ وہی زینب تھیں جو اُن کی بیوی رہ چکی تھیں۔ رضی اللہ عنہا۔

وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا) اور نبی کریم ﷺ ان کے پاس بغیر اجازت کے تشریف لے آئے۔

جناب انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے سب لوگوں کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سب لوگوں کو روٹی اور گوشت خوب کھلایا یہاں تک کہ دن خوب چڑھ گیا اور لوگ کھا پی کر باہر چلے گئے۔ کئی آدمی رہ گئے جو گھر میں کھانا کھانے کے بعد باتیں کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلا۔ آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے حجروں، (کمروں) کے پاس جاتے اور انہیں سلام کہتے۔ وہ پوچھتیں! یا رسول اللہ! آپ نے اپنی بیوی محترمہ کو کیسا پایا ہے؟

جناب انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا، میں نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی یا آپ ﷺ نے مجھے بتلایا کہ، لوگ چلے گئے ہیں چنانچہ نبی مکرم ﷺ گھر میں تشریف لے جانے لگے اور میں بھی آپ ﷺ کے ہمراہ اندر جانے لگا، مگر آپ ﷺ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا۔ اس وقت پردہ کی آیت اتر چکی تھی۔ (یعنی کچھ ہی وقت پہلے) اور پھر قوم کو اس حکم کے بارے میں وعظ و نصیحت کی گئی۔ ابن رافع رحمہ اللہ نے اپنی روایت میں ان الفاظ کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا﴾ (الاحزاب: ۵۳)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھروں میں مت داخل ہو مگر یہ کہ تمھیں کھانے کی طرف اجازت دی جائے، اس حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو اور لیکن جب تمھیں بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، پھر جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور نہ (بیٹھے رہو) اس حال میں کہ بات میں دل لگانے والے ہو۔ بے شک یہ بات ہمیشہ سے نبی کو تکلیف دیتی ہے، تو وہ تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ حق سے شرم نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمھارا کبھی بھی حق نہیں کہ تم اللہ کے

رسول کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ اس کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو۔ بے شک یہ بات ہمیشہ سے اللہ کے نزدیک بہت بڑی ہے۔''

(ب)......سیّدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کے وقت اس قدر بڑا ولیمہ نہیں کیا تھا، جتنا کہ سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کے وقت کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک بکری ذبح کی اور لوگوں کو روٹی گوشت اس قدر کھلایا کہ لوگوں نے خوب کھایا حتیٰ کہ کھانا باقی چھوڑ دیا۔

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس موضوع پر مزید گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو آپ ان کے پاس تشریف لائے۔ پھر (شبِ زفاف والی صبح) میری امی جان بی بی اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے کچھ ملیدہ (حلوہ) بنایا اور اسے طباق میں رکھ کر کہا: انس! جاؤ یہ برتن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ یہ ہدیہ میری امی نے بھیجا ہے۔ اور کہنا کہ وہ آپ کو سلام کہہ رہی تھیں۔ یہ بھی کہنا کہ میری امی کہتی ہیں: اے اللہ کے رسول! ہماری طرف سے آپ کے لیے یہ ایک چھوٹا سا تحفہ ہے۔ (اسے آپ قبول فرمائیے) جناب انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں وہ تحفہ و ہدیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ اور آپ سے عرض کیا: میری امی جان آپ کو اے اللہ کے رسول! سلام کہہ رہی تھیں اور فرمایا ہے کہ یہ ایک چھوٹا۔ (تھوڑا) سا تحفہ ہماری طرف سے آپ کے لیے ہے۔ (اسے آپ قبول فرمالیں۔) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے (وہاں) رکھ دو۔ اس کے بعد فرمایا: جاؤ اور فلاں فلاں شخص کو میرے پاس بلا لاؤ۔ اور جو تمہیں مل جائے اسے بھی دعوت دے دو۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی آدمیوں کے نام لیے۔ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پھر ہر اُس شخص کو جا کر دعوت دے دی جس جس کا آپ نے نام لیا تھا اور جو بھی مجھے ملا اُسے بھی دعوت دے دی۔

جناب انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابوعثمان الجعد رحمہ اللہ نے اُن سے پوچھا: جنابِ انس! ان لوگوں کی تعداد کتنی ہوگی؟ فرمایا: تقریباً تین سو آدمی۔ اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: انس! وہ طباق لاؤ۔ (جو تم لے کر آئے ہو۔) جنابِ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آدمیوں سے صفہ بھی بھر گیا اور حجرہ مبارک بھی۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس دس آدمی حلقہ باندھتے جائیں۔ (یعنی جب وہ کھا کر فارغ ہوجائیں تو دوسرے دس لوگ کھانے کے لیے بیٹھیں۔) اور چاہیے کہ ہر آدمی اپنے سامنے سے کھائے۔ انس کہتے ہیں کہ سب لوگ کھا کھا کر اُٹھتے رہے حتیٰ کہ سب سیر ہوگئے۔ ایک گروہ کھا کر چلا جاتا تھا اور دوسرا کھانے کے لیے آجاتا تھا یہاں تک کہ سب لوگ کھا چکے۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: انس برتن کو اٹھا لو۔ آپ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ میں نے برتن اُٹھا لیا، مگر معلوم نہ ہوتا تھا کہ جب میں نے رکھا تو اُس وقت زیادہ تھا یا جب میں نے اٹھایا تو اُس وقت برتن میں کھانا زیادہ تھا۔ (سبحان اللہ! یہ تھا معجزہ نبی کریم ﷺ کا کہ تھوڑا سا کھانا تین سو کے قریب آدمیوں کو کفایت کر گیا۔)

(ج)...... جناب انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور اس دوران اللہ کے رسول ﷺ بیٹھے رہے۔ جبکہ آپ ﷺ کی زوجۂ محترمہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کا اس طرح بیٹھنا گراں گزر رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لے گئے اور اپنی دیگر ازواج مطہرات کو سلام کر کے واپس تشریف لے آئے۔ چنانچہ ان لوگوں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ واپس حجرہ مبارکہ میں تشریف لے آئے ہیں تو اُنہوں نے جان لیا کہ وہ لوگ آپ ﷺ پر گراں گزر رہے ہیں تو وہ جلدی سے دروازے کی طرف لپکے اور سب کے سب باہر نکل گئے۔ (نبی کریم ﷺ ان کو الوداع کرنے کے لیے باہر تشریف لے گئے اور میں بھی ساتھ تھا۔) اور پھر آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور دروازے پر پردہ ڈال کر اندر تشریف لے گئے اور میں حجرہ میں بیٹھ گیا۔ پھر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ تب یہ آیت کریمہ (یعنی سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ کہ جو پیچھے بیان ہو چکی ہے اور اس کا ترجمہ بھی گزر چکا ہے۔) نازل ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے باہر (مسجد نبوی میں) نکل کر لوگوں کے سامنے پڑھی (اور انہیں اللہ کے حکم سے آگاہ فرمایا۔)

اس سے اگلی حدیث میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مجھے جو بھی ملا میں اسے بلا لایا۔ لوگ سب داخل ہونے لگے اور کھا کر باہر نکلتے جاتے تھے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک برتن پر رکھا ہوا تھا اور آپ نے اس برتن میں پڑھا بھی جو اللہ نے چاہا اور برکت کی دعا بھی کی۔ اور میں نے بھی جو مجھے ملا کسی کو نہ چھوڑا، ضرور بلا لایا اور سب نے کھایا حتیٰ کہ سب سیر ہو کر باہر نکل گئے...... الخ ❶

صحیح البخاری کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ہاں ولیمہ کی دعوت کھا کر وہاں بیٹھے باتیں کرنے والے تین اصحاب تھے۔ رضی اللہ عنہم۔ اسی طرح ایک دوسرے مقام پر جناب انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی صحیح بخاری میں ایک روایت کچھ اس طرح سے ہے۔ ابو عثمان الجعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہمارے سامنے سے بنی رفاعہ کی مسجد میں (کہ جو بصرہ میں ہے) سے گزرے۔ میں نے اُن سے سنا، بیان کر رہے تھے کہ

---

❶ دیکھئے! صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب زواج زینب بنت جحش و نزول الحجاب واثبات ولیمۃ العرس، حدیث: ۳۵۰۲، ۳۵۰۳، ۳۵۰۴، ۳۵۰۷، ۳۵۰۸.

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا، آپ جب میری امی جان اُمّ سلیم رمیصاء بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف سے گزرتے تو ان کے پاس جاتے، آپ ان کو سلام کرتے (اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا آپ کی رضاعی خالہ تھیں۔)

(د)...... جناب انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک بار ایسے ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے) شادی کی تھی اور اس وقت آپ دولہا تھے۔ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا مجھ سے کہنے لگیں۔ اس وقت ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ تحفہ بھیجیں تو اچھا ہے۔

میں نے کہا مناسب ہے۔ انہوں نے کھجور، گھی اور پنیر ملا کر ایک ہانڈی میں حلوہ بنایا اور میرے ہاتھ میں دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھجوایا، میں لے کر آپ کے پاس چلا، جب پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ رکھ دے اور جا کر فلاں فلاں لوگوں کو بلا لا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام لیا اور جو بھی کوئی تجھ کو راستے میں ملے اس کو بلا لے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آپ کے حکم کے موافق لوگوں کو دعوت دینے گیا۔ لوٹ کر جو آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سارا گھر لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اس حلوے پر رکھے اور جو اللہ کو منظور تھا وہ زبان سے کہا (برکت کی دعا فرمائی) پھر دس دس آدمیوں کو کھانے کے لیے بلانا شروع کیا۔ آپ ان سے فرماتے جاتے تھے اللہ کا نام لو اور ہر ایک آدمی اپنے آگے سے کھائے۔ (رکابی کے بیچ میں ہاتھ نہ ڈالے) یہاں تک کہ سب لوگ کھا کر گھر کے باہر چل دیئے۔ تین آدمی گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور مجھ کو ان کے نہ جانے سے رنج پیدا ہوا (اس خیال سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی) آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے حجروں پر گئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے گیا۔ پھر راستے میں میں نے آپ سے کہا اب وہ تین آدمی بھی چلے گئے ہیں۔ اس وقت آپ لوٹے اور (زینب رضی اللہ عنہا کے حجرے میں) آئے۔ میں بھی حجرے ہی میں تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور اپنے بیچ میں پردہ ڈال لیا۔ آپ سورۂ احزاب کی یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ ''مسلمانو! نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جب کھانے کے لیے تم کو اندر آنے کی اجازت دی جائے اس وقت جاؤ وہ بھی ایسا ٹھیک وقت دیکھ کر کہ کھانے کے پکنے کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ البتہ جب بلائے جاؤ تو اندر آجاؤ اور کھانے سے فارغ ہوتے ہی چل دو۔ باتوں میں لگ کر وہاں بیٹھے نہ رہا کرو، ایسا کرنے سے پیغمبر کو تکلیف ہوتی تھی، اس کو تم سے شرم آتی تھی (کہ تم سے کہے کہ چلے جاؤ) اور اللہ تعالیٰ حق بات میں نہیں شرماتا۔'' ابوعثمان (جعد بن دینار) کہتے تھے: انس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میں نے دس برس تک متواتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے۔

قاضی عیاض نے کہا یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں تو آپ نے لوگوں کو پیٹ بھر کر گوشت روٹی کھلایا تھا جیسا کہ دوسری روایت میں ہے پھر انہوں نے کیا کھایا۔ اس روایت میں یہ بھی مذکور

ہے کہ کھانا بڑھ گیا تھا تو اس روایت میں راوی کا سہو ہے۔ اس نے ایک قصہ کو دوسرے قصہ پر چسپاں کر دیا۔ ادھر ممکن ہے کہ حلوہ اسی وقت آیا ہو جب لوگ روٹی گوشت کھا رہے ہوں تو سب نے یہ حلوہ بھی کھالیا ہو۔ قرطبی نے کہا شاید ایسا ہوا ہوگا کہ روٹی گوشت کھا کر کچھ لوگ چل دیئے ہوں گے، صرف تین آدمی ان میں سے بیٹھے رہ گئے ہوں گے جو باتوں میں لگ گئے تھے۔ اتنے میں سیّدنا انس رضی اللہ عنہ حلوہ لے کر آئے ہوں گے، تو آپ نے ان کے ذریعہ سے دوسرے لوگوں کو بلوایا وہ بھی کھا کر چل دیئے لیکن یہ تین آدمی بیٹھے کے بیٹھے رہے۔ ان ہی سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اب بھی حکم یہی ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے تو ان کی عمر دس برس کی تھی۔ میری ماں اور بہنیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے مجھ کو تاکید کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس برس تک خدمت کی اور جب آپ کی وفات ہوئی تو میں بیس برس کا تھا۔ پردہ کے متعلق حکم کو میں سب سے زیادہ جاننے والوں میں سے ہوں کہ کب نازل ہوا۔ سب سے پہلے یہ حکم اس وقت نازل ہوا تھا جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد انہیں اپنے گھر لائے تھے، آپ ان کے دولہا بنے تھے۔ پھر آپ نے لوگوں کو (دعوت ولیمہ پر) بلایا۔ لوگوں نے کھانا کھایا اور چلے گئے۔ لیکن کچھ لوگ ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں (کھانے کے بعد بھی) دیر تک وہیں بیٹھے (باتیں کرتے رہے) آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لے گئے۔ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر گیا تاکہ یہ لوگ بھی چلے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے اور میں بھی آپ کے ساتھ رہا۔ جب آپ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے پاس دروازے پر آئے تو آپ کو معلوم ہوا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں۔ اس لیے آپ واپس تشریف لائے اور میں بھی آپ کے ساتھ آیا۔ جب آپ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ لوگ ابھی بیٹھے ہوئے ہیں اور ابھی تک نہیں گئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے پھر واپس تشریف لائے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس آ گیا جب آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے دروازے پر پہنچے اور آپ کو معلوم ہوا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں۔ چنانچہ آپ پھر واپس تشریف لائے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس آیا۔ اب وہ لوگ واقعی جا چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد اپنے اور میرے بیچ میں پردہ ڈال دیا اور پردہ کی آیت نازل ہوئی۔ [1]

مذکور بالا ساری گفتگو اور احادیث و آثار کا خلاصہ یہ ہے کہ اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے

---

[1] دیکھئے، صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله تعالی: لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النبی......الخ، حدیث: ٤٧٩١، ٤٧٩٣، ٤٧٩٤، کتاب النكاح، باب الهدية للعروس، حدیث: ٥١٦٣ وباب الوليمة حق، حدیث: ٥١٦٦.

واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سبب سے ایک نیا حکم مشروع فرمایا ہے جو بالکل اس چیز کے برعکس تھا جس کے لوگ عادی ہو چکے تھے۔ پھر یہ کہ اُمّ المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو دل و جان سے قبول کرلیا۔ اُنہوں نے اوّلاً آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک غلام جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرنا قبول کرلیا۔ اگر چہ زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم آزاد کردہ غلام، منہ بولے بیٹے اور ایک سردار (حارثہ بن شرحبیل) کے بیٹے تھے مگر دونوں کے درمیان نبھا نہ ہوسکا اور...... الخ (باقی ساری بات پیچھے گزر چکی ہے۔)

اس نکاح پر اعتراض:

اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح پر بعض بدطینت لوگوں نے درج ذیل روایات کی بنیاد پر انتہائی غلیظ قسم کا اعتراض اور شبہ پیش کیا ہے۔ بعض روایات کا مضمون اس طرح سے کتابوں میں درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اس وقت دیکھا کہ جب آپ جنابِ زید رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور جب ان کے گھر آئے تو دروازے سے پردہ اُٹھا ہوا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بہت پسند کیا اور فرمایا: سُبْحَانَ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ...... دلوں کو پھیرنے والا کس قدر پاک ہے وہ اللہ......''

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ زینب کو زید (رضی اللہ عنہما) طلاق دے دے تا کہ آپ اُس سے نکاح کر لیں۔'' ❶

مستشرقین نے اس قسم کی روایات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع کرنے کا ایک بہانہ ڈھونڈ لیا ہے۔ اب بدبختوں نے اللہ عزوجل کے حبیب و خلیل پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جو اشرف الخلائق اور سیّد الانبیاء والرسل ہیں، پوری مخلوقات انسانی میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر متقی نہ تھا اور نہ ہی کوئی ہوگا...... اس بات کا...... نعوذ باللہ من ذلك...... الزام لگایا ہے کہ آپ ایک شہوت پرست آدمی تھے۔ آپ تو صرف اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرنے کے لیے حیلہ و بہانہ کرتے تھے۔ (قَبَّحَهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا وَّلَعَنَهُمْ) ❷

اس بیہودہ فحش اعتراض کا جواب:

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس طرح کی سب بیہودہ و بے وزن گفتگو دراصل ہے ہی باطل۔ نبی مکرم و معظم سیّد الانبیاء والرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح کے ناشائستہ اور واہیات و ہرزہ سرا قسم کے الزام و بہتان اور افترا کے بارے میں اُمت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کے قدیم و جدید علماء اسلام اور آئمۃ الدین

---

❶ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ۲۲، ص ۱۲، ص ۱۳، و تفسیر الخازن جلد ۵، ص ۲۶۶.

❷ مزید تفصیل کے لیے: (۱)...... محمد حسین ہیکل مصری کی کتاب ''حیاۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' ص ۳۱۶، (۲)...... دکتور محمد ابو شھبہ کی السیرۃ النبویۃ جلد ۲، ص ۲۹۹، (۳)...... دکتور زاھر الالمعي کی مع المفسرين والمستشرقين ص ۲۳۔

نے نہایت اعلیٰ اسلوب کے ساتھ لکھا اور ایسے لوگوں کو خوب عالمانہ انداز میں آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ ان میں سے چند ایک علماء کرام رحمہم اللہ جمیعاً کے اقوال ہم اس موضوع سے متعلق بیان کیے دیتے ہیں۔

(ا)...... علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوجعفر محمد بن جریر الطبری اور ابن ابی حاتم نے یہاں (سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۷ کی تفسیر کرتے ہوئے) جو بعض سلف صالحین کی طرف منقول کچھ آثار نقل کیے ہیں...... تو ہم ان کا جواب دیتے ہوئے یہی کہیں گے کہ ایسی تمام روایات کی عدم صحت کے پیش نظر ہم ان سے یکسر منہ پھیرتے ہوئے نہ ان کی طرف ہم متوجہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ہم ان کا ذکر کرتے ہیں۔ (اس طرح کی پوچ اور بیہودہ بات اس قابل ہی نہیں ہے کہ اسے ذکر کیا جائے۔) ❶

(ب)...... تفسیر الخازن کے مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس طرح کی بات کرنے والے کی یہ بہت بڑی ہرزہ سرا جرأت اور گستاخی ہے۔ اس کی یہ غیر مہذب گفتگو اس بات کی دلیل ہے کہ اسے نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا نبی ہونے کے بارے میں بھی علم نہیں ہے اور نہ ہی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور مرتبہ و مقام سے آگاہ ہے۔ یہ بات کیسے کہی جا سکتی ہے کہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ (اور مکہ و مدینہ منورہ دونوں شہروں میں نہایت قریب رہیں، پلی، بڑھیں اور جوان ہوئیں تھیں) جب سے پیدا ہوئی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اُنہیں دیکھتے آئے تھے۔ ان آیات کے نزول سے پہلے عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیس و پاکیزگی اور تقویٰ کے بارے میں شک بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف تو زید رضی اللہ عنہ کو حکم فرمائیں کہ وہ اپنی بیوی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو اپنے ہاں ضرور بسائے رکھیں اور اس معاملے میں اللہ سے ڈریں اور دوسری طرف اس بات کو پسند فرمائیں کہ زید اس کو طلاق دے دے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نکاح کر سکیں؟ (کس قدر یہ بیہودہ اور فحش الزام اور غلیظ سوچ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن دشمنوں کی۔ اس طرح کی بکواس کرنے والے گویا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اطہر کو دوغلا آدمی کے طور پر متعارف کروا رہے ہیں۔ نعوذ بالله مِنْ هٰذِهِ الهَفَواتِ وَقَبَّحَهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا)

(ج)...... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہ جس میں جنابِ زید رضی اللہ عنہ کا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو منگنی کا پیغام دینے کا بیان ہے۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں: لَمَّا انْقَضَتْ عِدَّةُ زَيْنَبَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِزَيْدٍ: "فَاذْكُرْهَا عَلَيَّ." (صحیح مسلم، حدیث: ۳۵۰۲)

❶ دیکھئے: تفسیر ابن کثیر جلد ٦، ص ٤٢٠۔

جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زید بن حارثہ کے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کے بعد جب سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جاؤ اور زینب کے سامنے میرا ذکر کرو۔'' ...... لکھتے ہیں: یہاں اس موقع پر یہ معاملہ بھی پیش آیا کہ: وہی مردِ حق جو زینب رضی اللہ عنہا کا خاوند تھا اسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے زینب کے پاس زینب کے پاس منگنی کا پیغام لے کر جانے والا مقرر فرمایا تاکہ کوئی (بدطینت) شخص یہ نہ گمان کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے والا معاملہ جنابِ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی رضا مندی کے بغیر جبراً وقہراً ہوا تھا۔ اسی طرح زید رضی اللہ عنہ کو ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پیغامِ نکاح لے کر جانے والے کے انتخاب میں اس بات کا امتحان بھی تھا کہ آیا جناب زید رضی اللہ عنہ کے دل میں سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے لیے کوئی نرم گوشہ ابھی تک ہے یا نہیں؟ ❶ (تاکہ وہ اپنی ایمانی اصلاح کرلیں۔)

(د)...... علامہ شنقیطی رحمہ اللہ نے اس شبہ واعتراض کا رد درج ذیل دو دلائل کی بنیاد پر کیا ہے۔

(۱) اللہ عزوجل نے یہ جو فرمایا ہے: ''وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ ...... اور تم اے ہمارے حبیب وخلیل نبی! اپنے دل میں ایک بات کو چھپاتے تھے کہ جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا...... تو وہ بات کہ جسے اللہ عزوجل نے بعد میں ظاہر فرما دیا وہ تھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان گرامی فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا ...... والی...... اللہ عزوجل نے کسی ایسی چیز کو ظاہر نہیں کیا کہ جس کا ان ظالموں، گستاخوں نے گمان کر رکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے محبت کی تھی۔ اگر اس پوشیدہ بات سے مراد کہ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھپا رہے تھے۔ زینب سے آپ کی محبت ہوتی تو اللہ رب العالمین ضرور اُس کو ظاہر فرما دیتے۔

(۲)...... بلاشبہ اللہ عزوجل نے اس بات کی وضاحت فرما دی ہے کہ اُس رب العالمین نے ہی زینب کا نکاح اپنے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے اور اس شادی کے پیچھے حکمت و دانائی منہ بولے بیٹوں کی بیوہ عورتوں سے نکاح کی حرمت والی رسم کو ختم کرنا تھا۔ اللہ عزوجل کا اس حال میں ہونا کہ اُسی ذاتِ اقدس نے ہی اس حکمت عظیمہ کے لیے اپنے محبوب نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کیا تھا، اس بات کی وضاحت بھی ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زینب سے شادی کر لینے کا سبب، آپ کا اُس سے محبت کرنا نہ تھا کہ جو محبت سیّدنا زید رضی اللہ عنہ کا زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا سبب بنی تھی، جیسا کہ بدطینت قسم کے لوگوں کا گمان ہے اور قرآن کے اس جملہ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا ...... پھر جب زید نے اس عورت (زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا)

---

❶ فتح الباري، جلد۸، ص ۳۸۵، ٦٦٦.

سے اپنی خواہش حاجت پوری کر لی (تو ہم نے اُس کا نکاح تم سے کر دیا۔) سے ان ظالموں نے یہی معنی ومراد لیا ہے۔ حالانکہ اس جملہ کا مفہوم واضح کر رہا ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے اپنی ازدواجیت و معاشرت والی ضرورت پوری کر چکے تھے اور اُن کو زینب سے اب کوئی ضرورت باقی نہ رہی تھی (اس لیے کہ زینب رضی اللہ عنہا اُن سے بدتمیزی کرتی تھی اور اُن کا دل اس سے متنفر ہو چکا تھا، جیسا کہ پیچھے احادیث و آثار میں گزر چکا ہے۔) چنانچہ اُنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کے باوجود اپنے ذاتی اختیار سے اُس کو طلاق دے دی تھی۔ ❶

(ھ)...... علامہ صابونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: پھر ذرا ان بدطینت قسم کے لوگوں کی طرف دیکھو، کہتے ہیں: بلاشبہ وہ چیز کہ جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپایا تھا وہ زینب کی محبت تھی۔ اسی لیے تو آپ کو اللہ کی طرف سے سرزنش کی گئی تھی۔ کیا ایک مومن، مسلمان آدمی اپنے ہادی و راہنما اور محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسا گمان بد کر سکتا ہے اور اُس کی عقل اس طرح کی بات کو تسلیم کرے گی؟ اور کیا ایسے آدمی کو سرزنش کی جا سکتی یا اُسے سزا دی جا سکتی ہے کہ جس نے اپنے ہمسائے کی بیوی سے اپنی محبت کو ظاہر ہی نہ کیا ہو؟ سبحان اللہ! یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔ ❷

(و)...... دکتور محمد ابوشہبہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ان بدطینت و بدفطرت لوگوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی طعن و تشنیع کے لیے ان روایات پر اعتماد کیا ہے کہ جن میں سے بعض روایات کے بارے میں ہم نے آپ کو مطلع کر دیا ہے۔ اس موضوع پر گھڑی گئی مکر و فریب اور سازش سے لبریز مختلف روایات آئمہ نقد و جرح اور تعدیل کے علماء عظام کے نزدیک اغلب یقین یہ ہے کہ اس طرح کی تمام روایتیں ان کے بیان کرنے والوں کے ان یہودی اور مجوسی و فارسی زنادقہ اسلاف کی وضع کردہ ہیں کہ جو ماضی میں اس بات سے عاجز آ گئے تھے کہ وہ اسلام کے غلبہ وقوت اور اس کی سلطنت کو نیچا دکھا سکیں۔ چنانچہ وہ افتراء بازی اور سازش سازی پر اُتر آئے۔ دکتور ابوشہبہ آگے لکھتے ہیں: اگر معاملہ اس طرح سے ہوتا جس طرح سے یہ جان بوجھ کر نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے گمان کیے بیٹھے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ہر اُس حسین وجمیل عورت کی طرف ضرور اُٹھتی کہ جس سے شادی کرنا آپ مستحسن جانتے۔ بالخصوص اس وقت کہ جب یہ ہوتی بھی کنواری اور غیر شادی شدہ۔ نہ یہ کہ آپ خاموش رہتے حتیٰ کہ ایک ایسا آدمی جو آپ کا آزاد کردہ غلام ہو وہ اس عورت کا جوانی و بکارت والا سب سے پہلے پھل توڑ لے اور اُس کلی کو شادی کے ذریعے مسل ڈالے؟ (ارے بدبختو! کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے؟)

---

❶ دیکھئے: اضواء البیان جلد ٦، ص ٥٨٢، ص ٥٨٣، و بدائع التفسیر لابن القیم جلد ٣، ص ٤٢٥، ٤٢٦.

❷ دیکھئے: شبهات و اباطیل حول تعدد زوجات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ٤٩.

(قَبَّحَهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا وَّلَعَنَهُمْ)

نبی معظم، سیّد الانبیاء والرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس بد باطن و بیہودہ اعتراض و شبہہ اور نظریہ و ہرزہ سرائی کے رد میں ہم انہی حوالہ جات و اقتباسات پر کفایت کرتے ہیں، ورنہ اس کے جواب میں کتابوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ❶

واقعہ مذکور بالا سے مستفاد احکام:

(۱)...... اسلام میں نکاح کے لیے ہم پلہ ہونے میں حسب ونسب کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ دین وتقویٰ (اور علم) کا اعتبار کیا جاتا ہے جیسا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ زینب بنت جحش القرشیہ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے کیا تھا۔ زینب بڑے اعلیٰ خاندان کی تھیں جبکہ زید رضی اللہ عنہما ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوْهُ، إِلَّا تَفْعَلُوْا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ.)) ❷

''جب (تمہاری بیٹی، بہن کے لیے) کوئی ایسا شخص منگنی کا پیغام بھیجے کہ جس کے دین اور جس کے اخلاق کو تم پسند کرو تو اس کا نکاح (اپنی بیٹی یا بہن) کے ساتھ کردو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا (نکاح کے لیے کفاءت، ہم پلہ ہونے میں دین واخلاق اور علم قرآن وسنت کو معیار نہ بنایا) تو پھر زمین میں فتنہ اور ایک کھلا فساد مچ جائے گا۔ (آج مسلم معاشروں کی حالت ہمارے سامنے ہے)''

(۲)...... کسی شادی شدہ عورت سے نکاح کرنے، اس بارے میں کوشش کرنے اور اس کے لیے ذرائع تلاش کرنے جیسے سب امور حرام ہیں۔ ہاں! جب ایسی کسی عورت کا خاوند اُس سے اپنی ازدواجی ضرورت پوری کرلے (اور کسی بھی سبب سے وہ اس سے متنفر ہوکر اسے طلاق دے دے) اور وہ عورت اپنی عدت بھی پوری کرلے تو پھر اللہ عزوجل کے اس فرمان: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا...... کے موجب جائز ہے۔

(۳)...... جاہلیت میں منہ بولا بیٹا بنانے کا جو رواج تھا اُس رواج ورسم کے تمام اُمور واحکام باطل ہو چکے

---

❶ (السيرة النبوية في ضوء القرآن والسنة، ج: ۲، ص: ۳۰۰، لقد أخذ بعض علماء المسلمين وكتّابهم يقررون تلك الروايات بل ويدافعون عنها أمثال الزمخشري في: الكشاف، ج: ۲، ص: ۳۶۲۔ وبنت الشاطيء في كتابها: تراجم سيدات بيت النبوة، ص: ۳۴۱۔ ۳۴۵۔ والنقولات التي ذكرتها جلية في دحض تلك الشبهة لمن أنار الله بصيرته.

❷ دیکھئے: ابن العربی رحمہ اللہ کی احكام القرآن ج ۳، ص ۱۵۴۰، تفسير القرطبي ج ٤، ص ۱۸۷، جامع الترمذی، كتاب النكاح، باب ما جاء إذا جاء كم من ترضون دينه فزوّجوه، حديث: ۱۰۸٤، وهو حسنٌ صحيحٌ.

ہیں۔ اس ضمن میں منہ بولے بیٹے و مطلقہ سے نکاح کرنے کی اباحت بھی ثابت ہوگئی جیسا کہ اُوپر آیت کریمہ کے جملہ مذکور سے ظاہر ہے۔ ❶

(۴)...... لفظ ''زَوَّجْنٰكَهَا'' سے دو باتیں معلوم ہوئیں: (۱)...... عقد نکاح میں یوں کہنا: ''میں نے تیرا نکاح فلاں عورت سے کیا۔'' اس کے الفاظ میں شامل ہے۔ (یعنی نکاح خواں دولہا سے یہ الفاظ کہے۔) (۲)...... نکاح میں ولی کی اجازت ورضا مندی لازمی امر ہے۔ ❷

(۵)...... احکام و اوامر اور نواہی میں امت نبی مکرم ﷺ کے برابر ہے۔ البتہ وہ حکم واجازت کہ جسے دلیل ونص صریح کے ساتھ آپ ﷺ کے لیے خاص کر دیا جائے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ...... ہم نے زینب بنت جحش (رضی اللہ عنہا) کا نکاح اے محمد! (ﷺ) آپ سے کر دیا ہے اور اس سے مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنے لے پالک لڑکوں کی (مطلقہ یا بیوہ) بی بیوں سے نکاح کر لینے میں کہ جب وہ اپنی خواہش اُن سے پوری کر چکیں کوئی تنگی نہ رہے۔'' اس سورہ (الاحزاب) میں آگے وضاحت سے فرما دیا۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝﴾ (الاحزاب: ۵۰)

''اے نبی! بے شک ہم نے تیرے لیے تیری بیویاں حلال کر دیں جن کا تو نے مہر دیا ہے اور وہ عورتیں جن کا مالک تیرا دایاں ہاتھ بنا ہے، اس (غنیمت) میں سے جو اللہ تجھ پر لوٹا کر لایا ہے اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور تیری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں، جنھوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے اور کوئی بھی مومن عورت اگر وہ اپنا آپ نبی کو ہبہ کر دے، اگر نبی چاہے کہ اسے نکاح میں لے لے۔ یہ خاص تیرے لیے ہے، مومنوں کے لیے نہیں۔

---

❶ دیکھئے: تفسیر البغوی ج۳، ص ۵۳۲، احکام القرآن للجصاص، ج۳، ص ۳۶۱ اور الهراسی کی ''احکام القرآن'' ج٤، ص ۳٤۷.

❷ ابن العربی کی احکام القرآن ج۳۷، ص ۱۵٤۵، الإکلیل ص ۲۱۱ و تفسیر القرطبی جلد ۱٤، ص ۱۹۵.

بے شک ہم نے جان لیا جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور ان عورتوں کے بارے میں فرض کیا جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں، تاکہ تجھ پر کوئی تنگی نہ ہو اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' ❶

(٦)...... منگنی کے وقت پیغامِ نکاح کو قبول کر لینے سے پہلے عورت کے لیے استخارہ کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ سیّدہ اُمّ المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے کیا تھا۔ ❷

واقعہ مذکورہ بالا سے مستفاد دروس و نصائح:

(ا)...... سیّدہ زینب بنت جحش الأسدیہ القرشیہ رضی اللہ عنہا کا جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے نکاح میں اس بات کی وضاحت ہے کہ حسب و نسب میں کسی کو کسی دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اسلام میں فضیلت کا معیار دین حنیف پر پختگی قرآن و سنت کا علم اور تقویٰ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۚ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ (النساء: ٢٥)

''اور تم میں سے جو مالی لحاظ سے طاقت نہ رکھے کہ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرے تو ان میں سے جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہوں، تمھاری مومن لونڈیوں سے (نکاح کر لے) اور اللہ تمھارے ایمان کو زیادہ جاننے والا ہے، تمھارا بعض بعض سے ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (الحجرات: ١٣)

''اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

(ب)...... اللہ عزوجل کے فرمان: وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ

---

❶ احکام القرآن للجصاص ج٣، ص ٣٦١.

❷ دیکھئے: فتح الباری ج٨، ص ٣٨٥.

عَلَیْكَ زَوْجَكَ ...... سے معلوم ہوا کہ اس آدمی کے لیے جو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا مشورہ طلب کرے، اپنی بیوی کو بہر صورت بسائے رکھنے کا مشورہ دینا زیادہ بہتر اور سب سے مستحسن ہے، جیسے بھی بن پڑے ان دونوں کی ازدواجی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(ج)..... جس سے مشورہ طلب کیا جارہا ہو وہ مشورہ دینے اور مستشیر کے حال کی پردہ داری کا امین ہوتا ہے۔ اُس پر لازم ہے کہ وہ ایسا مشورہ دے جو اس کے لیے ظاہر ہو کہ یہ کام مشورہ طلب کرنے والے کے لیے زیادہ بہتر ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زید رضی اللہ عنہ کے لیے أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ..... والا مشورہ نقل فرمایا ہے۔ ❶

(د)...... انتہائی گہرے اثر والی معاشرتی رسوم ورواج کی تبدیلی کے لیے عملی دعوت نہایت مؤثر ہوتی ہے۔ اور اسی سے تبدیلی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ یعنی متبنّیٰ بنانے اور پالک کے لیے جاہلیت کی تمام حدود وقیود اور سہولتوں کو ختم کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح اُن کے خاوند جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی طلاق کے بعد کیا تھا اور زید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے۔ ❷

(ھ)...... حق کے معاملے میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جرأت سے یہ سبق ملتا ہے کہ دین حنیف، اللہ کی توحید، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حق میں نہایت جرأت سے کام لینا چاہیے۔ مذکور بالا واقعہ میں نبی معظم ومحترم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر لینا کہ جو آپ کے منہ بولے بیٹے جنابِ زید رضی اللہ عنہ کی سابقہ بیوی تھیں، لوگوں میں منہ بولا بیٹا بنانے والی رسم کے راسخ ہو جانے کے باوجود، اس رسم کو باطل قرار دینے کے لیے معاشرت کو اپنی طرف مکمل طور پر متوجہ کر لینے کے مترادف تھا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت جرأت سے کام لیا اور یہ رسم ختم ہوگئی۔ ❸

(و)...... جب آدمی کا دل اپنی بیوی سے اُکتا جائے اور وہ اللہ کے حکم کو بجالانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کی بیوی کے حق میں اُس کے لیے اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ وہ اس کو طلاق دے دے۔ اس لیے کہ اُس کا اچھے طریقے سے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا اسے اپنے پاس رکھے رکھنے اور اسے تکلیف دیتے رہنے سے زیادہ بہتر ہے۔

---

❶ دیکھئے: تیسیر الکریم الرحمن للسعدی ج٤، ص ١٥٦.

❷ فی ظلال القرآن ج٥، ص ٢٨٦٨.

❸ ایضًا ص ٢٨٦٤.

جیسا کہ جنابِ زید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے کر کیا تھا کہ جب اُن کی طبیعت ان سے اُکتا گئی تھی۔

(ز)...... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ: اللہ عزوجل کا فیصلہ بہر حال نافذ ہوکر رہتا ہے۔ اللہ عزوجل کے فرمان گرامی: ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہوکر ہی رہنے والا ہے۔'' کی تفسیر میں علامہ ابن جریر الطبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مراد یہ ہے کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ کہ ان سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کریں گے، ماضی میں ہو چکا تھا کہ مستقبل قریب میں ایسا ہوکر رہے گا۔ ❶

(ح)...... جس کام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے حلال کر دیا ہو اسے اختیار کرنے میں ایک مسلمان آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ دنیا کے لوگوں کی تنگی اور پریشانی سے بچنے کی کوشش کرے۔ جیسا کہ اللہ کریم نے الاحساب کی آیت ۳۷ میں سب اہل ایمان واسلام کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ یا بیوہ عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں۔

(ط)...... زیر مطالعہ واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہل ایمان کے لیے ہر کام میں نمونہ نبی معظم محمد رسول اللہ ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

(ی)...... سیّدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نبی معظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت والی نسبت چھن جانے کے بعد، قرآن عظیم میں ان کے نام کا ذکر کر کے جو قیامت تک محرابوں، مسجدوں، گھروں، بازاروں اور جگہ جگہ پر بطور قراءت پڑھا جائے گا، اس عظمت سے مانوس کرنے کے لیے، کسی شخص کے ہاں کسی محبوب چیز کے چھن جانے سے اس کے غم دور کرنے، اسے تسلی دینے اور اس کی غم خواری کا سبق ملتا ہے۔ ❷

❀❀❀❀❀❀

---

❶ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ۲۲، ص ۱٤.

❷ تفسیر القرطبي جلد ١٤، ص ١٩٤.

(۱۰)......اُمہات المؤمنین سیّدات عائشہ بنت ابوبکر اور حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہم کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

ایک سے زیادہ بیویوں، سوکنوں کے درمیان رشک و غیرت، عورتوں کے نفسوں میں ایک فطری عمل ہے۔ بلاشبہ ان میں سے ہر ایک یہی خواہش رکھتی ہے کہ دوسری سے زیادہ اپنے خاوند کے قریب ہوجائے اور اپنی سوتن سے زیادہ اپنے خاوند کے ہاں معزز ہوجائے۔ چنانچہ اس ضمن میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ پیش آمدہ حالات و واقعات کا تتبع خوب کرتی ہیں اور ان واقعات کو خوب (مرچ مصالحہ لگا کر) بیان کریں گی جو ان کی سوتنوں اور ان کے خاوند کے درمیان تنازع اور دوری کا سبب بنیں۔ عورتوں کے اس معاملے کو ہمارے لیے قرآن نے بھی ایک مقام پر بیان کیا ہے اور یہ واقعہ (حیران کن بات یہ ہے کہ) پیش کہاں آیا؟ نبی کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کے گھر میں اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے مابین۔ (اسی سے اندازہ لگایئے کہ باقی عورتوں کا کیا حال ہوگا؟) چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ ط وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ○ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ○ إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ○ عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا ○﴾ (التحریم: ۱ تا ۵)

''اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے؟ تو اپنی بیویوں کی خوشی چاہتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ بے شک اللہ نے تمھارے لیے تمھاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ تمھارا مالک ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے پوشیدہ طور پر کوئی بات کہی، پھر جب اس (بیوی) نے اس بات کی خبر دے دی اور اللہ نے اس (نبی) کو اس کی اطلاع کر دی تو اس (نبی) نے (اس بیوی کو) اس میں سے کچھ بات جتلائی اور کچھ سے اعراض کیا، پھر جب اس (نبی) نے اسے یہ (راز فاش کرنے کی) بات بتائی تو اس نے کہا تجھے یہ کس نے بتایا؟ کہا مجھے اس نے بتایا جو سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔ اگر تم دونوں اللہ کی طرف توبہ کرو (تو بہتر ہے) کیونکہ یقیناً تمھارے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں اور اگر تم اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو تو یقیناً اللہ خود اس کا مددگار ہے اور جبریل اور صالح مومن اور اس کے بعد تمام فرشتے مددگار ہیں۔ اس کا رب قریب ہے، اگر وہ تمھیں طلاق دے دے کہ تمھارے بدلے اسے تم سے بہتر بیویاں دے دے، جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، اطاعت کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

وَأَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ: یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس خبر سے مطلع کر دیا۔

فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا: تو تم دونوں کے دل حق، سچ سے پھر گئے۔ یعنی راہِ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں۔

تَظَاهَرَا: تم دونوں ایک دوسرے کی مددگار بنو گی یعنی ہمارے پیغمبر کو ایذا پہنچانے میں باہم تعاون کرو گی۔

فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ: تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنی مدد و نصرت میں اپنی نبی کا حمایتی ہے۔

قَانِتَاتٍ: خضوع و خشوع کے ساتھ اطاعت کو لازم پکڑنے والی۔ (نماز گزار)

سَائِحَاتٍ: مراد روزہ رکھنے والیاں (نفلی روزے) بعض نے ترجمہ مہاجرات کا بھی کیا ہے۔ [1]

---

[1] تفسير الجلالين، ص: ٧٤٥، ٧٤٦، تفسير البغوي، ج٤، ص: ٣٦٤، وتفسير القرطبي، ج١٨، ص: ١٨٨، ومعاني القرآن للزجاج، ج٥، ص١٩٣، زاد المسير لابن الجوزي، ج٨، ص٣١٠، المفردات للراغب، ص: ٤١٣، وانظر: تفسير الطبري، ج٢٨، ص: ١٦٤۔

واقعہ مذکور بالا میں اُمہات المؤمنین کا تعارف:

اس واقعہ وقصہ میں دراصل اُمہات المؤمنین سیّدات عائشہ بنت ابوبکر، حفصہ بنت عمر، زینب بنت جحش اور اُم ولد ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہن کا ذکر ہے کہ یہ واقعہ ان سب اور نبی مکرم ﷺ کے مابین پیش آیا تھا۔ سیّدہ عائشہ اور زینب رضی اللہ عنہا کا مفصل تعارف پیچھے گزر چکا ہے۔ البتہ اُمّ المؤمنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا تعارف یوں ہے۔

نام ونسب:

حفصہ بنت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح ابن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب القرشیہ العدویہ رضی اللہ عنہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی ولادت نبی مکرم ﷺ کی بعثت مبارک سے پانچ سال پہلے ہوئی تھی۔ (اس وقت نبی مکرم ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ سال تھی۔) [1]

آپ کی والدہ محترمہ زینب بنت مظعون ہیں جو نہایت قدیم الاسلام تھیں۔ رضی اللہ عنہا۔ وہ ہجرت مکہ سے کچھ پہلے وفات پا چکی تھیں۔ ان کا سلسلۂ نسب بھی نبی مکرم ﷺ سے کعب بن لوئ کے ساتھ مل جاتا ہے۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے ماموں جناب عثمان بن مظعون تھے رضی اللہ عنہ۔ اوّل اسلام لانے والوں میں جناب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا نمبر چودھواں ہے۔ یہ صاحب ذوہجرتین ہیں۔

اُمّ المؤمنین کے خطاب کی سرفرازی:

سیّدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا پہلے جناب خنیس بن خذافہ بن قیس بن عدی السلمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ جناب خنیس رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین میں سے تھے۔ اُنہوں نے ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں کی تھیں۔ غزوات بدر و اُحد میں شریک ہوئے اور جنگ اُحد میں زخمی ہوکر مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ان کے بھائی عبداللہ بن حذافہ السلمی رضی اللہ عنہ بھی صحابہ کرام میں نہایت مشہور بہادر شاعر تھے۔ حضرتِ خنیس رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرتِ حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا۔ مگر انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر جنابِ عمر رضی اللہ عنہ نے سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا۔ ان کی زوجۂ محترمہ سیّدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کا انتقال بھی انہی دنوں ہو چکا تھا۔ رضی اللہ عنہا۔ جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: آج کل تو میں شادی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اب سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سارا واقعہ نبی مکرم ﷺ کو سنایا۔ نبی معظم ﷺ نے فرمایا: حفصہ کی شادی اس شخص سے ہوگی جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان کا نکاح اس سے ہوگا جو حفصہ سے بہتر ہے۔ (رضی اللہ عنہم)

---

[1] تهذيب التهذيب، جلد٤، ص٦٦٩، طبع مؤسسة الرسالة بالبيروت عام ١٤٢١هـ.

بعد ازاں نبی مکرم ﷺ نے سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی دوسری بیٹی اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کردیا۔ تب سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جناب عمر رضی اللہ عنہ سے مل کر فرمایا: تم اس بات کا میری طرف سے رنج نہ کرنا۔ دراصل نبی مکرم ﷺ بی بی حفصہ کا ذکر مجھ سے فرما چکے تھے اور اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کا راز آپ پر ظاہر نہ کرسکتا تھا۔ ہاں اگر آپ ﷺ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ کرتے تو میں ضرور کرلیتا۔ اُمّ المؤمنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی مکرم ﷺ سے ۳ ہجری میں ہوا اور انتقال ۴۱ ہجری ماہ جمادی الاولیٰ میں بعمر ساٹھ سال مدینہ منورہ میں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے حق مہر میں آپ رضی اللہ عنہا کو چار سو (۴۰۰) درہم دیے تھے۔

اُمّ المؤمنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت:

اس سے بڑھ کر سیّدہ حفصہ کی فضیلت کیا ہوگی کہ نبی مکرم ﷺ نے ان سے نکاح کرنے کی خواہش کا اظہار خود فرمایا تھا اور پھر آپ نے اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن میں شامل ہوگئیں۔ اس بارے میں ایک حدیث پیش خدمت ہے:

سیّدنا جبریل علیہ السلام نے ان کی تعریف ان الفاظ میں کی تھی۔ فرمایا: فَإِنَّهَا قَوَّامَةٌ صَوَّامَةٌ وَإِنَّهَا زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ...... بلاشبہ وہ بہت عبادت گزار اور کثرت سے روزے رکھنے والی ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ جنت میں بھی آپ کی بیوی رہیں گی۔ [1]

ان کی فضیلت میں دفتروں کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔ ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی متفق علیہ ۴ احادیث ہیں۔ صرف صحیح مسلم میں ۶ اور دیگر کتب میں ۵۰ احادیث ہیں یوں آپ رضی اللہ عنہا کی روایات کی تعداد ۶۰ ہے۔ [2]

اُمّ المؤمنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا جب فوت ہوئیں تو اس وقت مدینہ منورہ کے گورنر مروان بن الحکم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جہاں تک محترمہ ماریہ قبطیہ کا تعلق ہے تو یہ رسول اللہ ﷺ کی اُمّ ولد (کنیز) تھیں کہ جنہیں اسکندریہ مصر کے حاکم مقوقس نے ۷ ہجری میں آپ کو تحفۃً عطا کیا تھا۔ بی بی ماریہ رضی اللہ عنہا نے اسلام کو بطورِ دین اختیار کیا اور ۸ ہجری ماہ ذوالحجہ میں نبی کریم ﷺ کے بیٹے ابراہیم کو جنم دیا۔ بی بی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ماہ محرم ۱۶ ہجری میں فوت ہوئی تھیں۔ ان کی نماز جنازہ امیر المومنین سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔ انہیں

---

[1] دیکھیے: الاستیعاب لابن عبد البر ومدارج النبوۃ.

[2] دیکھیے: رحمۃ للعالمین جلد ۲، ص ۱۶۱.

مدینہ منورہ میں بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا تھا۔ رضی اللہ عنہا۔ ❶

واقعہ کی تفصیل:

واقعہ مذکورہ بالا دراصل نبی مکرم و معظم ﷺ اور آپ کی بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مابین پیش آیا تھا۔ اور یہ جو اللہ عزوجل نے فرمایا: تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ.... تو یہاں مراد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں، بغیر کسی کا نام لیے، اور مراد ان سے سیّدات عائشہ و حفصہ ہیں۔ رضی اللہ عنہما۔ اور یہ واقعہ اس طرح سے پیش آیا جس طرح کہ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے یہاں ٹھہرتے تھے اور ان کے یہاں شہد پیا کرتے تھے۔ چنانچہ میں اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے مل کر صلاح کی کہ آنحضرت ﷺ ہم میں سے جس کے یہاں بھی تشریف لائیں تو وہ رسول اللہ ﷺ سے یہ کہے کہ آپ کے منہ سے مغافیر (ایک خاص قسم کے بدبودار گوند) کی بو آتی ہے، کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ چنانچہ نبی کریم ﷺ اس کے بعد ہم میں سے ایک کے یہاں تشریف لائے تو اُس نے آنحضرت ﷺ سے یہی بات کہی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے یہاں شہد پیا ہے، اب دوبارہ نہیں پیوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے نبی! آپ وہ چیز کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے'' تا......اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ.... یہ سیّدہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کی طرف خطاب ہے۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا میں حدیث سے آپ کا یہی فرمانا مراد ہے کہ میں نے مغافیر نہیں کھایا بلکہ شہد پیا ہے۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ شہد اور میٹھی چیزیں پسند کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ عصر کی نماز سے فارغ ہو جاتے تو اپنی ازواج کے پاس واپس تشریف لے جاتے اور بعض سے قریب بھی ہوتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے گئے اور معمول سے زیادہ دیر ان کے گھر ٹھہرے۔ مجھے اس پر غیرت آئی اور میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ان کی قوم کی کسی خاتون نے شہد کا ایک ڈبہ دیا ہے اور انہوں نے اسی کا شربت نبی کریم ﷺ کے لیے پیش کیا ہے۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ خدا کی قسم! میں ایک حیلہ کروں گی، پھر میں نے سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ

---

❶ تاريخ الطبري ج٢، ص: ٢١٣، والاستيعاب، ج٤، ص: ٢٦٠، والإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر، ج٤، ص: ٢٦٤، ٢٦٥، وكتاب ازواج النبي ﷺ للصالحي، ص: ١٣٧، ١٣٨، ١٤٤، وصفة الصفوة لابن الجوزي، ج٢، ص: ٣٩. الاصابة فى تمييز الصحابة، ج ٤، ص: ٣٩١.

آنحضرت ﷺ تمہارے پاس آئیں گے اور جب آئیں تو کہنا کہ معلوم ہوتا آپ نے مغافیر کھا رکھا ہے؟ ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ اس کے جواب میں انکار کریں گے۔ اس وقت کہنا کہ پھر یہ بو کیسی ہے؟ جو آپ کے منہ سے میں معلوم کر رہی ہوں۔ اس پر آنحضرت ﷺ کہیں گے کہ حفصہ نے شہد کا شربت مجھے پلایا ہے۔ تم کہنا کہ غالبًا اس شہد کی مکھی نے مغافیر کے درخت کا عرق چوسا ہوگا۔ میں بھی آنحضرت ﷺ سے یہی کہوں گی اور صفیہ تم بھی یہی کہنا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ سودہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں اللہ کی قسم! نبی کریم ﷺ جونہی دروازے پر آ کر کھڑے ہوئے تو تمہارے خوف سے میں نے ارادہ کیا کہ آنحضرت ﷺ سے وہ بات کہوں جو تم نے مجھ سے کہی تھی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ سودہ رضی اللہ عنہا کے قریب تشریف لے گئے تو انہوں نے کہا، یارسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا، پھر یہ بو کیسی ہے جو آپ کے منہ سے میں محسوس کرتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا ہے۔ اس پر سودہ رضی اللہ عنہا بولیں اس شہد کی مکھی نے مغافیر کے درخت کا عرق چوسا ہوگا۔ پھر جب آنحضرت ﷺ میرے یہاں تشریف لائے تو میں نے بھی یہی بات کہی اس کے بعد جب صفیہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی اسی کو دہرایا۔ اس کے بعد جب پھر آنحضور ﷺ حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ شہد پھر نوش فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اس پر سودہ رضی اللہ عنہا بولیں، واللہ ہم نبی کریم ﷺ کو روکنے میں کامیاب ہوگئیں، میں نے ان سے کہا کہ ابھی چپ رہو۔ [1]

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک کنیز (ماریہ قبطیہ) تھی جس سے آپ مباشرت کرتے تھے۔ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما اس وجہ سے آپ ﷺ سے کچھ الگ سی ہوگئیں (ان کی توجہ آپ سے کچھ ہٹ گئی اور دونوں نے زور دیا کہ آپ ﷺ اس سے تعلق نہ رکھیں۔ وہ مسلسل اصرار کرتی رہیں۔) حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے اُسے اپنے آپ پر حرام کیا۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے وحی اتار دی:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِكَ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (التحریم: ۱)

''اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے؟ تو اپنی بیویوں کی خوشی چاہتا

---

[1] دیکھئے: كتاب الطلاق، باب: لم تحرم ما أحل الله لك، حديث: ٥٢٦٧، ٥٢٦٨، كتاب الحيل، باب ما يكره من إحتيال المرأ...... الخ، حديث: ٦٩٧٢، صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب وجوب الكفارة على من ......الخ، حديث: ٣٦٧٨، ٣٦٧٩.

ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' ❶

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ یہ آیت مذکور بالا دونوں اسباب کی وجہ سے نازل ہوئی تھی اور یہ اسباب تھے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہد کو اپنے اوپر حرام قرار دے لینا اور اسی طرح ماریہ قبطیہ کو حرام قرار دے لینا۔ ❷، ❸

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ آپ آئندہ شہد نہیں پئیں گے اور یہ کہ وہ اس بات کو کسی دوسری اُمّ المومنین کے سامنے نہ کریں۔ مگر اُنہوں نے یہ بات اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کر دی۔ چنانچہ جب صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ راز والی بات سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتلا دی تو اللہ العلیم الخبیر نے اپنے نبی کو سیّدہ حفصہ کے افشائے راز والی بات بتلا دی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر میں سے کچھ تو سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتلا دی کہ جس نے راز فاش کر دیا تھا اور کچھ نہیں بتلائی تا کہ اُن کی عزت رہ جائے۔ آپ نے اُمّ المومنین حفصہ کو یہ نہیں بتلایا کہ آپ کو اللہ کی طرف سے خبر مل گئی ہے جو کہ انہوں نے اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے آپ کے راز شہد کو اپنے آپ پر حرام کر لینے اور ماریہ قبطیہ کے پاس نہ جانے کا عہد کو کھول دیا تھا۔ چنانچہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کا راز میری طرف سے افشاء ہونے کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے ہوا؟ تو فرمایا: مجھے بے انتہا و غیر محدود علم والے اس اللہ نے خبر دی ہے کہ جو ہر چیز سے باخبر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس واقعہ میں اس بات کی خبر دی ہے کہ اُمہات المومنین سیّدہ عائشہ بنت ابوبکر اور سیّدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہم کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے میں جو باہمی تعاون اور ایک وفا کے حصول میں اتفاق کر لینا تھا، تو یہ حق سے ہٹنے والی بات تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اس بات سے توبہ کے لیے فرمایا ہے۔ اور یہ کہ آئندہ اگر ان دونوں سے اس طرح کا کوئی معاملہ ہوا، اور تم دونوں ایک دوسرے کی مددگار بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زور ڈالنا چاہو گی تو یہ سمجھ رکھو کہ اللہ تعالیٰ، جبریل علیہ السلام اور نیک، صالح مسلمان

---

❶ سنن النسائي، كتاب عشرة النساء، باب الغيرة، حديث: ٣٤١١، والمستدرك للحاكم جلد٢، ص ٤٩٣، وقال الحاكم صحيح على شرط مسلم ولم يخرجه.

❷ حلال چیز کو اپنے اُوپر حرام کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عقیدۃً حلال سمجھتے ہوئے عہد کر لیا تھا کہ آئندہ میں اسے استعمال نہ لاؤں گا۔ اس قسم کا عہد کسی اُمتی کی طرف سے تو ہو سکتا ہے مگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے بلند ہے کہ ایک حلال چیز کو اپنے اُوپر حرام کر کے اُمت کو تکلیف میں مبتلا کر دے۔ (الشیخ عبدہ رحمۃ اللہ علیہ، الفوائد السلفیہ/ اشرف الحواشی ص ٦٦٨)

❸ دیکھئے: فتح القدير جلد ٥، ص ٢٥٢.

(حتی کہ تم دونوں کے باپ بھی) سب پیغمبر ﷺ کے حمایتی ہیں۔ اور ان کے سوا فرشتے الگ سے مدد کو حاضر ہیں۔

اس سرزنش میں دونوں اُمہات المؤمنین (حفصہ و عائشہ رضی اللہ عنہما) کے لیے بہت بڑی تنبیہ ہے اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ پھر اس خبرداری کے بعد ایک ایسی حالت و کیفیت کے ساتھ میں خوف دلایا کہ جو عورتوں پر نہایت گراں گزرا کرتا ہے اور وہ ہے طلاق کا معاملہ جو عورتوں پر سب سے بڑی سزا ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا﴾ (التحریم: ۵)

''اس کا رب قریب ہے، اگر وہ تمھیں طلاق دے دے کہ تمھارے بدلے اسے تم سے بہتر بیویاں دے دے، جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، اطاعت کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں۔''

مطلب یہ ہے کہ اس خیال میں نہ رہو کہ پیغمبر ﷺ کو ہم سے بہتر بیویاں نہیں مل سکتیں، اس لیے ہم جیسے چاہیں آپ ﷺ پر دباؤ ڈال لیں۔

ملاحظہ: یہاں دو باتیں قابل ذکر ہیں:

(ا)..... مصنف حفظہ اللہ نے یہاں نہایت اختصار سے کام لیا ہے اور عربی زبان میں اس طرح کا اختصار کفایت کر جانے والا اور فائدہ مند بھی ہوتا ہے۔ مگر اُردو میں بات سمجھنے کے لیے تشنگی رہ جاتی ہے۔ اس لیے زیر مطالعہ موضوع کے متعلق ہم چند ایک مفصل و مجمل روایات کو اضافۃً درج کر رہے ہیں تاکہ فائدہ کی تکمیل ہو سکے۔

(ب)..... اسی واقعہ سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ سورۃ الاحزاب میں بیان ہوا ہے جو بظاہر اس واقعہ کے لیے روایات میں اشکال سا پیدا کرتا ہے اور یہ کہ باب ہذا میں چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ازواج مطہرات کی بات ہو رہی ہے۔ پھر یہ کہ عامۃ المسلمات کے لیے بھی قرآن کے اُس مقام اور اس کی تفسیر میں آنے والی احادیث و روایات میں بہت سارے دروس و نصائح ہیں، اس لیے ہم اس واقعہ کو قرآن و سنت کی روشنی میں نیچے حاشیہ پر بیان کر رہے ہیں۔ [1]

---

[1] قرآن حکیم میں سورۃ الاحزاب کے جس مقام کو ہم یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں اس سے پچھلی آیات کریمہ کا اسلوب یہ بتلا رہا ہے اور اس موضوع پر وارد احادیث و آثار بھی اس کی وضاحت کرتی ہیں کہ جب جنگ خندق (غزوۂ احزاب) اپنے اختتام کو پہنچی اور نبی مکرم ﷺ نے فرمادیا کہ: اَلْآنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا، نَحْنُ نَسِيْرُ إِلَيْهِمْ..... اب ہم ان سے جنگ کریں گے (حملوں کا آغاز ہماری ⇐⇐⇐

آ یئے! موضوع زیر مطالعہ سے متعلق مزید احادیث روایات کا مطالعہ کرتے ہیں:

⇦⇦⇦ طرف سے ہوا کرے گا۔) وہ ہم پر چڑھ کر نہ آ سکیں گے بلکہ ہم ہی ان پر فوج کشی کیا کریں گے۔ (صحیح البخاری، کتاب المعازی، حدیث: ٤١١٠)

اورغزوۂ خندق سے متصل بعد بنوقریظہ پر فتح، سریہ محمد بن مسلمہ (علاقہ نجد میں مقام قرطاء پر۱۰محرم ۶ ہجری) غزوۂ بنولحیان (جمادی الاولیٰ ۶ ہجری) سریہ ذوالقصہ، سریہ جموم، سریہ عیص (جمادی الاولیٰ، ۶ھ) سریہ طرف (جمادی الثانیہ ۶ھ)، سریہ وادی القری (رجب ۶ھ)، سریہ خبط (رجب ۶ھ)، غزوۂ بنی المصطلق (شعبان ۶ھ)، سریہ دیار بنی کلب (دومۃ الجندل ۶ھ شعبان) سریہ دیار بنی سعد، صلح حدیبیہ، (ذوالقعدہ ۶ھ)، غزوۂ ذی قرد، غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ)، غزوۂ وادی القریٰ، غزوۂ ذات الرقاع، فتح مکہ ۸ھ، غزوۂ حنین، غزوۂ طائف اور دیگر چھوٹے چھوٹے درجنوں سریہ جات کی کامیابی کے بعد جب مالِ غنیمت کے پے در پے آنے سے اہل ایمان و اسلام کی حالت بہتر ہونے لگی تو بعض اُمہات المؤمنین کی طرف سے اس بات کا مطالبہ آیا کہ ہمیں بھی آسودہ حال کیا جائے۔ بعض نے نبی مکرم ﷺ سے زیادہ نفقہ اور متاع کا مطالبہ کیا۔ اس پر نبی معظم ﷺ کو ملال ہوا۔ ایک ماہ تک کے لیے آپ ﷺ نے ایلاء کرلیا۔ یعنی قسم کھالی کہ میں تم سب سے مقاربت نہیں کروں گا۔ چنانچہ آپ نے ایک بالاخانہ میں تنہائی اختیار فرمالی۔ ایک ماہ کے بعد اللہ عزوجل نے سورۃ الاحزاب کی یہ دو آیات نازل فرمائیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا○ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا○﴾

(الاحزاب: ۲۸ تا ۲۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ سامان دے دوں اور تمھیں رخصت کردوں، اچھے طریقے سے رخصت کرنا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخری گھر کا ارادہ رکھتی ہو تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ نے (الرحیق المختوم اردو ص ۵۸۰ طبع المکتبۃ السلفیہ لاہور) لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیویوں سے ناراض ہوکر ۹ ہجری میں ایک ماہ کے لیے ایلاء کرلیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں (جلد ۸ ص ۶۶۲ پر) لکھا ہے: فَاِنَّ التَّخْيِيْرَ كَانَ فِيْ سَنَةِ تِسْعٍ ...... سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۸ اور ۲۹ میں مذکور اُمہات المؤمنین کو اختیار دیا جانے کا معاملہ ۹ ہجری میں پیش آیا تھا۔ اس وقت باحیات اُمہات المؤمنین میں سیّدات (۱)...... سودہ بنت زمعہ بنت قیس بن عبدشمس القرشیہ ۱۹ ہجری میں بعمر ۷۲ سال وفات پائی۔ (۲)...... عائشہ بنت ابوبکر صدیق عبداللہ بن عثمان ابوقحافہ ۱۷ رمضان المبارک ۵۷ ہجری میں بعمر ۶۳ سال وفات پائی۔ (۳)...... حفصہ بنت عمر بن خطاب بن نفیل العدویہ القرشیہ۔ جمادی الاولیٰ ۴۱ ہجری میں بعمر ۶۰ سال وفات پائی۔ (۴)...... ام سلمہ ہند بنت ابوامیہ بن المغیرہ المخزومیہ القرشیہ وفات ۶۰ ہجری میں بعمر ۸۴ سال ہوئی۔ (۵)...... زینب بنت جحش بن ایاب بن یعمر الاسدیہ القرشیہ وفات ۲۰ ہجری بعمر ۵۲ سال ہوئی۔ (۶)...... جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار الخزاعیہ آپ نے ۵۰ ہجری میں بعمر ۷۰ سال وفات پائی۔ (۷)...... اُمّ حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان بن اُمیہ بن عبدالشمس ۴۴ ہجری میں بعمر ۷۲ سال وفات پائی۔ (۸)...... صفیہ بنت حیی بن اخطب بن شعبہ من بنی ہارون علیہ السلام۔ ان کا انتقال ۵۰ ہجری میں ہوا۔ (۹)...... میمونہ بنت الحارث بن بجیر۔ وفات ۵۱ ہجری بعمر ۸۰ سال ہوئی۔ رضی اللہ عنہن جمیعاً سب تھیں۔ آیئے چند ایک احادیث کی روشنی میں اصل واقعہ سے آ گاہی حاصل کرتے ہیں۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (انہی دنوں کی بات ہے جب نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلاء کرلیا تھا۔) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی معظم ﷺ کے گھر تشریف لائے اور آپ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے دیکھا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر جمع ہیں، ان میں سے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ملی۔ جناب جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت مل گئی اور آپ اندر تشریف لے گئے۔ پھر تھوڑی دیر میں جناب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لے آئے اور انہوں نے بھی اندر آنے کی اجازت طلب کی جو اُنہیں دے دی گئی۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ نبی مکرم ﷺ تشریف فرما ہیں اور غمگین چپکے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کے اردگرد آپ کی ازواج ومطہرات بھی ہیں۔ ⇦⇦⇦

(ا)...... : سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: مجھ سے امیر المؤمنین سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے

⇐⇐⇐ جنابِ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں کہا: میں کوئی ایسی بات ضرور کرتا ہوں کہ جس سے میں نبی کریم ﷺ کو خوش کر کے ہنسا دوں۔ (یعنی آپ کا غم دور ہو جائے۔) سو اُنہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ) اگر آپ میری بیوی خارجہ کی بیٹی کو دیکھتے کہ اس نے خرچہ مانگا ہوتا تو میں کھڑا ہو کر اس کا گلا دبانے لگتا۔ (یعنی ان عورتوں سے ایسا ہی سلوک کریں تو ٹھیک رہتی ہیں۔ آپ ماشاء اللہ اعلیٰ اخلاق کے مالک، نہایت نرم دل ہیں۔ اپنی ازواج پہ سختی نہیں فرماتے اور یہ سر چڑھ گئی ہیں۔) یہ سن کر نبی مکرم ﷺ ہنس دیے۔ اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''هُنَّ حَوْلِي كَمَا تَرَى يَسْأَلْنَنِي النَّفَقَةَ'' ''یہ سب کی سب میرے گرد جمع ہیں، جیسے کہ تم دیکھ رہے ہو یہ مجھ سے (زائد) خرچ مانگ رہی ہیں۔''

یہ سن کر سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف لپکے اور اُس کا گلا گھونٹنے لگے۔ اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا گلا دبانے لگے۔ دونوں شیخین اپنی بیٹیوں سے کہہ رہے تھے: تم رسول اللہ ﷺ سے ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہو جو آپ کے پاس ہے ہی نہیں؟ وہ دونوں کہنے لگیں: ہم وعدہ کرتی ہیں کہ اللہ کی قسم! آئندہ ہم کبھی بھی رسول اللہ ﷺ سے ایسی کوئی چیز نہ مانگیں گی جو آپ ﷺ کے پاس نہ ہو۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان سے ایک ماہ (انتیس دن) علیحدگی اختیار کر لی۔ (ان سے جدا رہے۔ پھر آپ ﷺ پر یہ آیات نازل ہوئی۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًاo وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًاo﴾

(الاحزاب: ۲۸تا۲۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ سامان دے دوں اور تمھیں رخصت کر دوں، اچھے طریقے سے رخصت کرنا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخری گھر کا ارادہ رکھتی ہو تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

ان آیات کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی تعمیل شروع کی اور ان سے فرمایا: ''عائشہ! میں چاہتا ہوں کہ تم سے ایک بات کہوں اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم اس معاملے میں جلدی نہ کرو جب تک کہ اپنے ماں باپ سے مشورہ نہ لے لو۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اور وہ کیا بات ہے اے اللہ کے رسول! نبی کریم ﷺ نے یہ دونوں آیتیں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پڑھ کر سنائیں۔ اُنہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ لوں؟ نہیں بلکہ میں تو اللہ عزوجل، اس کے رسول ﷺ اور یومِ آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ میں آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ آپ اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کو بھی میرے اس فیصلے کے متعلق خبر نہ دیں۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ''ان میں سے جو بھی محترمہ پوچھیں گی، میں اسے ضرور آپ کے بارے میں بتلاؤں گا۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے آسانی کرنے والا معلم بنا کر بھیجا ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب بیان أن تخییره...... الخ، حدیث: ۳۶۹۰)

نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ اپنی ازواج کو (آپ کے سامنے رہنے یا آپ سے علیحدگی کا) اختیار دیں تو آپ ﷺ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی تشریف لے گئے اور فرمایا: میں تم سے ایک معاملہ کے متعلق کہنے آیا ہوں ضروری نہیں کہ تم اس میں جلد بازی سے کام لو، اپنے والدین سے بھی مشورہ کر سکتی ہو۔ آنحضرت ﷺ تو جانتے ہی تھے کہ میرے والد کبھی آپ ﷺ سے جدائی کا مشورہ نہیں دے سکتے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''اے نبی! اپنی بیویوں سے فرما دیجئے''...... آخر آیت تک۔ میں نے عرض کیا: لیکن کس چیز کے لیے مجھے اپنے والدین سے مشورہ کی ضرورت ہے، کھلی ہوئی بات ہے کہ میں اللہ، اس کے رسول اور عالمِ آخرت کو چاہتی ہوں۔ ⇐⇐⇐

بیان کیا: جب نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے کنارہ کشی اختیار کر لی تو میں مسجد نبوی میں داخل ہوا۔

⇦⇦⇦ باب آیت ﴿وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ....الایة﴾ کی تفسیر یعنی ''اے نبی کی بیویو! اگر تم اللہ کو، اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک عمل کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔'' قتادہ نے کہا کہ آیت ''اور تم آیات اللہ اور اس حکمت کو یاد رکھو جو تمہارے گھروں میں پڑھ کر سنائے جاتے رہتے ہیں۔'' (آیات اللہ سے مراد) قرآن مجید اور (حکمت سے مراد) سنت نبوی ہے۔

تشریح :......اللہ نے ازواج مطہرات کو حکم فرمایا کہ قرآن وحدیث کا مطالعہ گھروں میں ضرور جاری رکھیں اور آنحضرت ﷺ سے علم دین حاصل کرنا اپنے لیے ضروری سمجھیں۔ معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے بھی گھروں میں دینی تعلیم کا چرچا رکھنا ضروری ہے۔ اگر ہر مسلم گھرانہ میں یہ سلسلہ جاری رہے تو امت کی سدھار کے لیے اس سے بہت دور رس نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ دینی اسلامی تعلیم آج کے حالات میں امت کے لیے بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنی ازواج کو اختیار دیں تو آپ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میں تم سے ایک معاملہ کے متعلق کہنے آیا ہوں، ضروری نہیں کہ تم جلدی کرو، اپنے والدین سے بھی مشورہ لے سکتی ہو۔ انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کو تو معلوم ہی تھا کہ میرے والدین آپ سے جدائی کا کبھی مشورہ نہیں دے سکتے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر آنحضرت ﷺ نے (وہ آیت جس میں یہ حکم تھا) پڑھی کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''اے نبی! اپنے بیویوں سے فرما دیجیے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو'' سے ''اَجْرًا عَظِيْمًا'' تک۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: لیکن اپنے والدین سے مشورہ کی کس بات کے لیے ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول اور عالم آخرت کو چاہتی ہوں۔ بیان کیا کہ پھر دوسری ازواج مطہرات نے بھی وہی کہا جو میں کہہ چکی تھی۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ۴، ۵، حدیث: ۴۷۸۵، ۴۷۸۶)

امیر المؤمنین سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے کہ جو اُوپر صحیح مسلم کے حوالے سے (حدیث ۳۶۹۱) سورۃ التحریم کی پہلی پانچ آیات کے تناظر میں صرف عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کے واقعہ سے متعلق متن میں گزری ہے اور اس کے بالخصوص ان الفاظ سے: وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرْنَ بِالْحِجَابِ...... اور ابھی تلک ان کو پردے میں رہنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔'' اور حافظ ابن حجر اور دیگر علماء عظام کی تشریح کے مطابق اُمہات المؤمنین کے نفقہ کے مطالبہ میں سورۃ الاحزاب کی آیات ۲۸ اور ۲۹ کے نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں واقعات الگ الگ پیش آئے تھے اور یہ کہ دونوں واقعات کے درمیان کم از کم ۴ سال کا وقفہ ہے۔ دیگر بہت سارے شواہد بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ أکمل واتمّ۔ (المترجم: ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد)

اگلی پانچ آیات میں اللہ رب العالمین نے اپنے حبیب وخلیل نبی محمد رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات، اُمہات المؤمنین والمومنات کے لیے خصوصی احکام بیان فرمائے ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے اُن کا درجہ نہایت بلند ہو گیا۔ ان اوامر سے اگر امت کی بی بیاں فائدہ اٹھائیں تو اُن کا دنیا وآخرت میں کس قدر بھلا ہو۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝﴾ (الاحزاب: ۳۰تا۳۴)

''اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کھلی بے حیائی (عمل میں) لائے گی اس کے لیے عذاب دوگنا بڑھایا جائے گا ⇦⇦⇦

دیکھا تو لوگ (فکر اور سوچ میں ڈوبے) کنکریاں اُلٹ پلٹ کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

⇦⇦ اور یہ بات اللہ پر ہمیشہ سے آسان ہے۔ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی اسے ہم اس کا اجر دو بار دیں گے اور ہم نے اس کے لیے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم عورتوں میں سے کسی ایک جیسی نہیں ہو، اگر تقویٰ اختیار کرو تو بات کرنے میں نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ طمع کر بیٹھے اور وہ بات کہو جو اچھی ہو۔ اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے، خوب پاک کرنا۔ اور تمھارے گھروں میں اللہ کی جن آیات اور دانائی کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے انھیں یاد کرو۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے نہایت باریک بین، پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

کیونکہ جس کا جتنا مقام بلند ہوتا ہے نافرمانی کی صورت میں اُسے سزا بھی اتنی ہی سخت ملتی ہے۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: "لاذقناك ضعف الحياة" (کذافی الموضح) اس کا یہ مطلب نہیں کہ ''ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن'' سے نعوذ باللہ برائی کے ارتکاب کا اندیشہ تھا۔ یہ جملہ شرطیہ ہے جس کا تحقق ضروری نہیں۔ جیسے فرمایا: لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. (زمر: ۶۵) سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کسی نبی کی بیوی نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا، ہاں ایمان و اطاعت میں خیانت کی ہے۔ (دیکھئے: تحریم: ۱۰) بعض نے کہا کہ یہاں ''فاحشہ'' سے مراد نشوز اور بدسلوکی ہے۔ دراصل اس سے ازواج مطہرات کو متنبہ کرنا مقصود ہے کہ تمہارا مقام امت بلند ہے اور دوسری عورتوں کی بنسبت تمہاری ذمہ داری بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ لہٰذا تمہارا اخلاقی رویہ پاکیزہ ہونا چاہیے کہ دوسروں کے لیے اسوہ بنے۔ (قرطبی) یعنی تمھیں غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ تم نبی کی بیویاں ہو اور تم پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ نُؤْتِهَا اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ...... کا مطلب ہے کہ جس طرح تمہارے مقام کے بلند ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ نافرمانی کی صورت میں دگنا عذاب ہو اسی طرح اس کا یہ بھی تقاضا ہے کہ نیکی اور تابعداری کی صورت میں دگنا اجر ملے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی ازواج ہونے کی وجہ سے تمہارا درجہ اور مرتبہ سب سے بلند ہے اور بقیہ عورتوں کے لیے تمہاری حیثیت ایک نمونہ کی ہے۔ اس آیت سے بعض علمائے تفسیر نے استدلال کیا ہے کہ ''ازواج مطہرات'' سب عورتوں سے افضل ہیں۔ حتیٰ کہ آسیہ علیہا السلام اور مریم علیہا السلام پر بھی ان کو فضیلت حاصل ہے۔ دیکھئے سورۃ آل عمران: ۴۲۔ (قرطبی)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ.... یعنی لہجہ میں کوئی لوچ اور دانستہ طور پر اختیار کی ہوئی شیرینی نہ ہو بلکہ غیر معمولی درشتی اور خشونت ہونی چاہیے اور آواز بھی ضرورت سے زیادہ بلند نہ ہو۔ (قرطبی) ''قرن'' کا لفظ قرار'' سے ماخوذ ہے اور بعض نے اسے ''وقار'' سے مانا ہے مطلب یہ ہے کہ عزت و وقار کے ساتھ اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور عام عورتوں کی طرح گھومتی نہ پھرو۔ یہ حکم امہات المومنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام مسلمان عورتوں کو شامل ہے۔ عورتوں کو اپنے گھروں میں رہنے اور بلاضرورت باہر نہ نکلنے کے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں (قرطبی) یہاں اَلْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى...... میں اولیٰ کا لفظ احتراز کے لیے نہیں ہے بلکہ جاہلیت جہلا کی طرح یا تو ایک محاورہ ہے یا اسلام سے پہلے کی حالت کے اعتبار سے اولیٰ فرمادیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو عورت بناؤ سنگھار کر کے بے پردہ باہر نکلتی ہے اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ عورت چھپی رہنے کے قابل چیز ہے جب باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان تاکتا ہے۔ جاہلیت میں رواج تھا کہ عورتیں بناؤ سنگھار کر کے بے پردہ باہر نکلا کرتی تھیں۔ اب یہی رواج ثقافت اور دوسرے خوش نما ناموں سے ہمارے زمانے میں عود کر آیا ہے فوا اسفا۔ اسلام نے صرف واقعی ضرورت کے پیش نظر پردے کے حدود کی پابندی کے ساتھ باہر نکلنے کی اجازت دی ہے حتیٰ کہ مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے اگر جانا چاہیں تو حکم ہے کہ عام اور سادہ لباس میں ہوں اور خوشبو لگائے ہوئے نہ ہوں۔ (ابن کثیر) آیت نمبر ۳۳ کا سیاق و سباق صاف بتا رہا ہے کہ یہاں اہل بیت سے مراد نبی ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں۔ جیسا کہ "یا نساء النبی" اور اگلے خطاب سے معلوم ہوتا ہے اور قرآن میں ''اہل البیت'' کا لفظ صرف بیوی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے (دیکھئے: سورہ ہود: ۷۳) بعض روایات میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان پر اپنا کمبل ڈال کر دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي فَاذْهَبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا. " ..... ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے ناپاکی دور فرما اور ⇦⇦

اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب عورتوں کے لیے ابھی پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا: میں آج کا حال ضرور معلوم کروں گا۔ چنانچہ میں اُمّ المؤمنین بی بی عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور ان سے کہا: اے ابوبکر کی بیٹی! کیا اب آپ کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچاتی ہیں؟ یہ سن کر وہ کہنے لگیں: اے ابن خطاب! مجھے آپ سے اور آپ کو اس معاملے میں مجھ سے کیا مطلب؟ (یہ ہمارا گھریلو معاملہ ہے آپ کیوں دخل دیتے ہیں؟) اگر ایسا ضرور ہے تو پھر اپنی بقچی (بڑی پوٹلی، گٹھڑی) کی خبر لو۔ (یعنی اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کو سمجھاؤ، مجھے کیا نصیحت کرتے ہو؟) چنانچہ میں حفصہ کے پاس گیا اور اس سے کہا: اے حفصہ! کیا اب تمہاری یہ حالت ہوگئی ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے لگی ہو؟ واللہ! تم جانتی ہو کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں نہیں چاہتے۔ اور اگر میں نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اب تک طلاق دے چکے ہوتے۔ یہ سن کر اُمّ المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا پھوٹ کر رونے لگیں۔ میں نے حفصہ سے دریافت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کہاں ہیں؟ انہوں نے بتلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جھروکے میں اُوپر اپنے نعمت خانہ میں ہیں۔ جب وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام رباح (رضی اللہ عنہ) جھروکے کی چوکھٹ پر بیٹھا ہوا ہے۔ اُس نے اپنے دونوں قدم ایک تراشی ہوئی لکڑی پر پھیلا رکھے ہیں۔ (لفظ ''نقیر'' سے مراد، کھجور کا تنا بھی ہوتا ہے جس میں سیڑھیاں تراش کر زینہ کا کام لیتے ہیں)۔ اور اس لکڑی کی بنی ہوئی سیڑھی کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھروکے پر چڑھتے اور اترتے تھے۔ یہ سیڑھی کھجور کے تنے کی بنی ہوئی تھی۔ میں نے اس غلام کو آواز دی۔ اے رباح! میرے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر آنے کی اجازت طلب کرو۔ رباح نے یہ سن کر کمرے کی طرف دیکھا اور پھر میری طرف دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ میں نے پھر کہا: اے رباح! میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اوپر آنے کی آپ سے اجازت طلب کرو۔ رباح نے پھر کمرے کی طرف (جو اُوپر جھروکے میں تھا) دیکھا، پھر میری طرف اُس نے دیکھا مگر کچھ بولا نہیں۔ میں نے تیسری بار اپنی آواز بلند کرتے ہوئے کہا: ارے رباح! میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر آنے کی اجازت طلب کرو۔ میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمان فرمایا ہوگا کہ میں اپنی بیٹی (اُمّ المؤمنین سیّدہ) حفصہ رضی اللہ عنہا کے

⇐⇐⇐ انہیں صاف ستھرا بنادے۔'' اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ ازواج مطہرات اہل البیت میں سے نہیں ہیں بلکہ اصل میں آیت تو ''ازواج مطہرات'' ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان کو تطہیر کی خوشخبری دی گئی ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل ہوگئے۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کمبل ڈالا اور دعا کی تو سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنا سر اس کپڑے کے اندر کرلیا اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّكِ اِلَى خَيْرٍ مَرَّتَيْنِ '' تم تو (اس) خیر میں دوہری شامل ہو۔ یعنی اس آیت کے اعتبار سے بھی اور میری اس دعا کے تحت بھی۔ (قرطبی)

لیے آیا ہوں۔ اللہ کی قسم! اگر نبی معظم ﷺ مجھے اس بات کا حکم دیتے کہ میں حفصہ کی گردن مار دوں تو میں اس کا سرتن سے جدا کر دیتا۔ اس وقت میں نے اپنی آواز (اجازت لینے کے لیے) بلند کی تھی۔ (تاکہ آپ ﷺ تک میری آواز پہنچ جائے۔) سورباح نے اشارہ کیا کہ اوپر چڑھ آؤ۔ چنانچہ میں نبی مکرم ﷺ کے پاس داخل ہو گیا۔ دیکھا تو آپ ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ میں (سلام لینے کے بعد) بیٹھ گیا۔ سیّد الجنۃ والبشر امام الانبیاء والرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی چادر مبارک اوپر کر لی، اس چادر کے علاوہ اور کوئی کپڑا آپ ﷺ کے پاس نہ تھا۔ دیکھا تو چٹائی کا نشان آپ ﷺ فداہ ابی وامی وجمیع الناس کے مبارک پہلو میں پڑ گیا تھا۔ اسی دوران میں نے اپنی نگاہ اس نعمت خانہ (گھر کا سامان رکھنے کے لیے جھروکے میں بنائی گئی کوٹھڑی) میں دوڑائی تو دیکھا کہ یہاں ایک صاع (ٹوپہ) کے برابر جَو پڑے تھے اور اس کے برابر سلم کے پتے اس نعمت خانہ کے ایک کونے میں رکھے تھے۔ ان پتوں سے چمڑے کو دباغت دی جاتی ہے۔ اسی طرح دیکھا تو ایک کچا چمڑا کہ جس کی دباغت خوب اچھی طرح سے نہیں ہوئی تھی، ایک دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ ❶

امیر المؤمنین سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیّد الانبیاء والرسل، حبیب رب الکل، محمد النبی الکریم ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر (مارے غم کے دل پر قابو نہ رہا اور) میری آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ میری یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: عمر! کیوں رونے لگے؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! میں کیوں نہ روؤں؟ صورتِ حال یہ ہے کہ چٹائی آپ کے پہلو مبارک میں دھنس کر نشان چھوڑ گئی ہے، اُدھر آپ کا یہ نعمت خانہ، کوٹھڑی ہے کہ اس میں دو، تین چیزوں کے سوا کچھ ہے ہی نہیں؟ اُدھر (وقت کے فرعون) سلطنت روم کا بادشاہ اور سلطنت فارس کا بادشاہ کسریٰ ہیں کہ پھلوں اور نہروں والی سرزمینوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اُدھر آپ اللہ کے حبیب و خلیل پیغمبر ہیں، اُس کے برگزیدہ بندے اور صورتِ حال آپ کے نعمت خانہ کی یہ ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ (وہ اللہ کے دشمن عیاشیوں میں مگن ہیں۔)

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! أَلَا تَرْضَى أَنْ تَكُوْنَ لَنَا الْآخِرَةُ

---

❶ پایا ہے جو کوئی دولت فقر مشتاق نہیں سکندری کا

مسلمانو! ذرا غور تو کرو اپنی عیاشیوں پر، اور جس کے نام کا کلمہ پڑھتے ہو اُس سیّد الاولین والآخرین، امام الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کی معاشی حالت کا ذرا اندازہ تو کرو۔ ؎

تہی دستی سے دو دو وقت کے فاقے گزرتے تھے مگر لب آشنائے شکوۂ قسمت نہ کرتے تھے

ہے کوئی جرأت مند مسلمان جو بد قماش قسم کے کافروں اور اللہ کے دشمنوں کو آج حبیب ربّ کبریاء کی سیرت مطہرہ کا یہ حصہ سنا سکے؟ یعنی رب العالمین کے اُن باغیوں کو جو رحمۃ للعالمین کی گستاخیوں پر کمر بستہ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا.

وَلَهُمُ الدُّنْيَا؟...... اے ابن خطاب! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ہمارے لیے آخرت ہے (اور وہاں کی بے بہا نعمتیں کہ جن کا شمار ہی نہیں۔) اور ان کے لیے دنیا ہے۔ (کہ جس نے بہرصورت فنا ہونا ہے۔ یہ زندگی اور یہاں کی نعمتیں انتہائی ناقص اور عارضی ہیں۔) میں نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! (ﷺ)۔

جناب عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نبی کریم کے پاس آیا تھا تو اس وقت آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار تھے۔ چنانچہ اب میں نے مذکور بالا گفتگوشنید کے بعد گزارش کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کو اپنی ازواج مطہرات کے حوالے سے کیا دشواری ہے؟ اگر آپ ان کو طلاق دے چکے ہیں تو (پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔) بلاشبہ اللہ عزوجل، رب العالمین آپ کے ساتھ ہیں، اس کے فرشتے بھی آپ کے ساتھ ہیں اور جبریل و میکائیل علیہما السلام بھی۔ اسی طرح میں اور ابوبکر بھی آپ کے ساتھ ہیں اور تمام اہل ایمان بھی۔

میں اکثر جب ایسی گفتگو کرتا تھا اور اس میں اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کرتا تھا تو مجھے ضرور اس بات کی امید ہوتی تھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ میری اس بات کی تائید و تصدیق فرما دیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور سورۃ التحریم میں ''تخییر'' کی آیت نازل ہوگئی۔ اللہ رب العالمین نے فرمادیا:

﴿اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ○ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَآئِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَآئِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَّاَبْكَارًا ○﴾ (التحریم: ٤ تا ٥)

''اگر تم دونوں اللہ کی طرف توبہ کرو (تو بہتر ہے) کیونکہ یقیناً تمھارے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں اور اگر تم اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو تو یقیناً اللہ خود اس کا مددگار ہے اور جبریل اور صالح مومن اور اس کے بعد تمام فرشتے مددگار ہیں۔ اس کا رب قریب ہے، اگر وہ تمھیں طلاق دے دے کہ تمھارے بدلے اسے تم سے بہتر بیویاں دے دے، جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، اطاعت کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں۔''

عائشہ بنت ابوبکر اور حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہم نبی مکرم ﷺ کی تمام ازواج مطہرات پر غالب رہتی تھیں۔ (مگر اُن کا یہ غلبہ سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد کچھ کمزور پڑ گیا۔) سو میں نے آپ ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! (ﷺ) کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ (میں نے کسی کو طلاق

نہیں دی۔) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں (تھوڑی دیر پہلے) جب مسجد میں داخل ہوا تھا تو میں نے دیکھا کہ (اہل ایمان) لوگ کنکریاں الٹ پلٹ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ تو کیا میں نیچے اُتر کر لوگوں کو خبر دے دوں کہ آپ نے ان کو طلاق نہیں دی؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں اگر تم چاہو تو خبر دے سکتے ہو۔

میں نبی کریم ﷺ سے باتیں (اُنسیت کی اور آپ کے غصہ کو فرو کرنے کی) کرتا رہا حتیٰ کہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک سے غصہ کے آثار ختم ہو گئے اور چہرہ مبارک کھل گیا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے دندان مبارک کھولے اور ہنس دیے۔ نبی معظم ﷺ کے دندان مبارک اور ہونٹوں کی ہنسی تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اس کے بعد نبی مکرم ﷺ نیچے تشریف لے جانے کے لیے اُترنے لگے اور میں بھی آپ کے ہمراہ اُترا۔ میں کھجور کے تنے والی سیڑھی کو پکڑ کر اُتر رہا تھا کہ کہیں گر نہ جاؤں جبکہ رسول اللہ ﷺ یوں اتر رہے تھے جیسے آپ زمین پر چل رہے ہوں، سیڑھی کو کہیں بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ بالا خانہ (جھروکے) میں انتیس دن تک رہے ہیں، جبکہ ایلاء کے لیے آپ نے پورے مہینے کا فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مہینہ انتیس دنوں کا بھی ہوتا ہے۔ (جب مسجد میں داخل ہونے لگے تو) میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اپنی نہایت بلند آواز سے اعلان کیا: رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی ہے۔ اور پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ط وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (النساء: ۸۳)

''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور اپنے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ اسے ضرور جان لیتے جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بہت تھوڑے لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔''

غرضیکہ امر کی حقیقت کا استنباط و انتخاب اور تحقیق کی صلاحیت کا اختیار میں نے ہی کیا تھا۔ اور پھر سورۃ التحریم میں آیت تخییر کا نزول ہوا۔ [1]

[1] صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب: في الإیلاء واعتزال النساء وتخییرهن وقوله وتعالیٰ: وإن تظاهرا علیه، حدیث: ۳۶۹۱

(ب)......عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کرتے ہیں: بہت دنوں تک میرے دل میں خواہش رہی کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو بیویوں کے متعلق پوچھوں جن کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی تھی۔ ''اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا.... الخ۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے حج کیا اور ان کے ساتھ میں نے بھی حج کیا۔ ایک جگہ جب وہ راستہ سے ہٹ کر (قضاء حاجت کے لیے) گئے تو میں بھی ایک برتن میں پانی لے کر ان کے ساتھ راستہ سے ہٹ گیا۔ پھر انہوں نے قضاء حاجت کی اور واپس آئے تو میں نے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ پھر انہوں نے وضو کیا تو میں نے اس وقت ان سے پوچھا کہ یا امیر المؤمنین! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں وہ دونوں ہیں جن کے متعلق اللہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے ''اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا.... عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا اے ابن عباس! تم پر حیرت ہے۔ وہ عائشہ اور حفصہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ نے تفصیل کے ساتھ حدیث بیان کرنی شروع کی۔ انہوں نے کہا کہ میں اور میرے ایک انصاری پڑوسی جو بنو امیہ بن زید سے تھے اور عوالی مدینہ میں رہتے تھے۔ ہم نے (عوالی سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے باری مقرر کر رکھی تھی۔ ایک دن وہ حاضری دیتے اور ایک دن میں حاضری دیتا۔ جب میں حاضر ہوتا تو اس دن کی تمام خبریں جو وحی وغیرہ سے متعلق ہوتیں لاتا (اور اپنے پڑوسی سے بیان کرتا) اور جس دن وہ حاضر ہوتے تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔ ہم قریشی لوگ اپنی عورتوں پر غالب تھے، لیکن جب ہم مدینہ منورہ آئے تو یہ لوگ ایسے تھے کہ عورتوں سے مغلوب تھے۔ ہماری عورتوں نے بھی انصار کی عورتوں کا طریقہ سیکھنا شروع کر دیا۔ ایک دن میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے میرا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ میں نے اس کے اس طرح جواب دینے پر ناگواری کا اظہار کیا تو اس نے کہا کہ میرا جواب دینا تمہیں برا کیوں لگتا ہے۔ اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بھی ان کو جواب دے دیتی ہیں اور بعض تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دن رات تک الگ رہتی ہیں۔ میں اس بات پر کانپ اٹھا اور کہا کہ ان میں سے جس نے بھی یہ معاملہ کیا یقیناً وہ نامراد ہوگئی۔ پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے اور (مدینہ کے لیے) روانہ ہوا۔ چنانچہ میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا اور میں نے اس سے کہا اے حفصہ رضی اللہ عنہا! کیا تم میں سے کوئی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دن رات تک غصہ رہتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں! کبھی (ایسا ہو جاتا ہے) میں نے اس پر کہا پھر تم نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال لیا اور نام[illegible] ہوئی۔ کیا تمہیں اس کا کوئی ڈر نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کی وجہ سے اللہ تم پر غصہ ہو جائے [illegible] پھر تم تنہا [illegible] ہو جاؤ گی۔ خبردار! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبات نہ کیا کرو نہ کسی معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کرو اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا کرو۔ اگر تمہیں کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے مانگ لیا کرو۔ تمہاری سوکن جو [illegible]

سے زیادہ خوبصورت ہے اور حضور اکرم ﷺ کو تم سے زیادہ پیاری ہے، ان کی وجہ سے تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جانا۔ ان کا اشارہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہمیں معلوم ہوا تھا کہ: غسان کا بادشاہ ہم پر حملہ کے لیے فوجی تیاریاں کر رہا ہے۔ میرے انصاری ساتھی اپنی باری پر مدینہ منورہ گئے ہوئے تھے۔ وہ رات گئے واپس آئے اور میرے دروازے پر بڑی زور زور سے دستک دی اور پوچھا: کیا عمر رضی اللہ عنہ گھر میں ہیں؟ میں گھبرا کر باہر نکلا تو انہوں نے کہا: آج تو بڑا حادثہ ہو گیا۔ میں نے کہا کیا بات ہوئی، کیا غسانی چڑھ آئے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں، حادثہ اس سے بھی بڑا اور اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے کہا کہ حفصہ تو ناکام و نامراد ہوئی۔ مجھے تو اس کا خطرہ لگا ہی رہتا تھا کہ اس طرح کا کوئی حادثہ جلد ہی ہوگا۔ پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے (اور مدینہ کے لیے روانہ ہو گیا) میں نے فجر کی نماز نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پڑھی (نماز کے بعد) رسول اللہ ﷺ اپنے ایک بالا خانہ میں چلے گئے اور وہاں تنہائی اختیار کر لی۔ میں حفصہ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھی۔ میں نے کہا: اب روتی کیا ہو۔ میں نے تمہیں پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا۔ کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں طلاق دے دی ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ نبی کریم ﷺ اس وقت بالا خانہ میں تنہا تشریف رکھتے ہیں۔ میں وہاں سے نکلا اور منبر کے پاس آیا۔ اس کے گرد کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے اور ان میں سے بعض رو رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک میں ان کے ساتھ بیٹھا رہا۔ اس کے بعد میرا غم مجھ پر غالب آ گیا اور میں اس بالا خانہ کے پاس آیا۔ جہاں نبی مکرم ﷺ تشریف رکھتے تھے۔ میں نے آنحضرت ﷺ کے ایک حبشی غلام سے کہا کہ عمر کے لیے اندر آنے کی اجازت لے لو۔ غلام اندر گیا اور آپ ﷺ سے گفتگو کر کے واپس آ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی اور آنحضرت ﷺ سے آپ کا ذکر کیا لیکن آپ خاموش رہے۔ چنانچہ میں واپس چلا آیا اور پھر ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا جو منبر کے پاس موجود تھے۔ میرا غم مجھ پر غالب آیا اور دوبارہ آ کر میں نے غلام سے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اجازت لے لو۔ اس غلام نے واپس آ کر پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ کا ذکر کیا مگر آپ ﷺ خاموش رہے۔ میں پھر واپس آ گیا اور منبر کے پاس جو لوگ موجود تھے ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ لیکن میرا غم مجھ پر غالب آیا اور میں نے پھر آ کر غلام سے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اجازت طلب کرو۔ غلام اندر گیا اور اس نے واپس آ کر جواب دیا کہ میں نے آپ کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا مگر آنحضرت ﷺ خاموش رہے۔ میں وہاں سے واپس آ رہا تھا کہ غلام نے مجھے پکارا اور کہا نبی اکرم ﷺ نے تمہیں اجازت دے دی ہے۔ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس بان کی چارپائی پر جس سے چٹائی بنی

جاتی ہے لیٹے ہوئے تھے۔ اس پر کوئی بستر بھی نہیں تھا۔ بان کے نشانات آپ کے پہلو مبارک پر پڑے ہوئے تھے۔ جس تکیہ پر آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے اس میں چھال بھری ہوئی تھی۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کو سلام کیا اور کھڑے ہی کھڑے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آنحضور ﷺ نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا نہیں۔ میں (خوشی کی وجہ سے) کہہ اٹھا۔ اللہ اکبر۔ پھر میں نے کھڑے ہی کھڑے نبی کریم ﷺ کو خوش کرنے کے لیے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب رہا کرتے تھے۔ پھر جب ہم مدینہ آئے تو یہاں کے لوگوں پر ان کی عورتیں غالب تھیں۔ آنحضرت ﷺ اس پر مسکرا دیئے۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے میں حفصہ کے پاس ایک مرتبہ گیا تھا اور اس سے کہہ آیا تھا کہ اپنی سوکن کی وجہ سے جو تم سے زیادہ خوبصورت اور تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو عزیز ہے، دھوکا میں مت رہنا۔ ان کا اشارہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ دوبارہ مسکرا دیئے۔ میں نے جب رسول اللہ ﷺ کو مسکراتے دیکھا تو بیٹھ گیا۔ پھر نظر اٹھا کر میں نے نبی کریم ﷺ کے گھر کا جائزہ لیا۔ اللہ کی قسم! میں نے آنحضرت ﷺ کے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس پر نظر رکتی۔ سوائے تین چمڑوں کے (جو وہاں موجود تھے)۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ آپ کی امت کو فراخی عطا فرمائے۔ فارس و روم کو فراخی اور وسعت حاصل ہے اور انہیں دنیا دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ نبی کریم ﷺ ابھی تک ٹیک لگائے ہوئے تھے لیکن اب سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا ابن خطاب! تمہاری نظر میں بھی یہ چیزیں اہمیت رکھتی ہیں؟ یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں جو کچھ بھلائی ملنے والی تھی سب اسی دنیا میں دے دی گئی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کر دیجئے (کہ میں نے دنیاوی شان و شوکت کے متعلق یہ غلط خیال دل میں رکھا) چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج کو اسی وجہ سے انتیس دن تک الگ رکھا کہ حفصہ نے نبی مکرم ﷺ کا راز عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ایک مہینہ تک میں اپنی ازواج کے پاس نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر عتاب کیا تو آنحضرت ﷺ کو اس کا بہت رنج ہوا (اور آپ نے ازواج سے الگ رہنے کا فیصلہ کیا) پھر جب انتیسویں رات گزر گئی تو نبی کریم ﷺ عائشہ کے گھر تشریف لے گئے اور آپ سے ابتدا کی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے قسم کھائی تھی کہ ہمارے یہاں ایک مہینہ تک تشریف نہیں لائیں گے اور ابھی تو انتیس ہی دن گزرے ہیں۔ میں تو ایک ایک دن گن رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ مہینہ انتیس کا ہے۔ چنانچہ وہ مہینہ انتیس ہی کا تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت تخییر نازل کی اور آنحضور ﷺ اپنی تمام ازواج میں

سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے (اور مجھ سے اللہ کی وحی کا ذکر کیا) تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہی پسند کیا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنی تمام دوسری ازواج کو اختیار دیا اور سب نے وہی کہا جو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہہ چکی تھیں۔ ❶

❶ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب موعظة الرجل ابنته لحالِ زوجها، حدیث: ٥١٩١۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب في الإیلاء......الخ، حدیث: ٣٦٩٢ وحدیث: ٣٦٩٥.

معلوم ہوا اللہ کے رسول ﷺ کو غصہ دلانا اور ناراض کرنا اللہ کو غضب دلانا اور ناراض کرنا ہے۔ نبی کریم ﷺ جب دنیا میں تشریف رکھتے تھے تو ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تورات شریف پڑھنے اور سنانے لگے، آپ ﷺ کا مبارک چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ دوسرے صحابہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ملامت کی کہ تم آنحضرت ﷺ کا چہرہ نہیں دیکھتے۔ اس وقت انہوں نے تورات پڑھنا موقوف کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری تابعداری کرنی ہوتی۔ اس حدیث سے ان لوگوں کو نصیحت لینی چاہیے جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس پر حدیث شریف سن کر دوسرے مولوی یا امام یا درویش کی بات پر عمل کرتے ہیں اور حدیث شریف پر عمل نہیں کرتے۔ خیال کرنا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک کو ایسی باتوں سے کتنا صدمہ ہوتا ہوگا اور جب آنحضرت ﷺ بھی ناراض ہوئے تو کہاں ٹھکانا رہا۔ اللہ عزوجل بھی ناراض ہوا۔ ایسی حالت میں نہ کوئی مولوی کام آئے گا نہ پیر نہ درویش نہ امام۔

اے اللہ! تو اس بات کا گواہ ہے کہ ہم کو اپنے پیغمبر سے ایسی محبت ہے کہ باپ دادا، پیر مرشد، بزرگ امام مجتہد ساری دنیا کا قول اور فعل حدیث کے خلاف ہم لغو سمجھتے ہیں اور تیری اور تیرے پیغمبر ﷺ کی رضا مندی ہم کو کافی ہے۔ اگر یہ سب تیری اور تیرے پیغمبر ﷺ کی تابعداری میں بالفرض ہم سے ناراض ہوجائیں تو ہمیں ان کی ناراضی کی ذرا بھی پروانہیں ہے۔ یا اللہ! ہماری جان بدن سے نکلتے ہی ہم کو ہمارے پیغمبر کے پاس پہنچا دے۔ ہم عالم برزخ میں آپ ہی کی کفش برداری کرتے رہیں اور آپ ہی کی حدیث سنتے رہیں۔ (شرح وحیدی)

حضرت مولانا وحید الزماں مرحوم کی ایمان افروز تقریر ان محترم حضرات کو بغور مطالعہ کرنی چاہیے جو آیات قرآنی و احادیث صحیحہ کے سامنے اپنے اماموں، مرشدوں کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ بہت سے تو صاف لفظوں میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم کو آیات و احادیث سے غرض نہیں۔ ہمارے لیے ہمارے اماموں کا فتویٰ کافی ہے۔

ایسے نادان مقلدین نے حضرات ائمہ کرام و مجتہدین عظام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی ارواح طیبہ کو سخت ایذا پہنچائی ہے۔ ان بزرگوں کی ہرگز یہ ہدایت نہ تھی کہ ان کو مقام رسالت کا مدمقابل بنا دیا جائے۔ وہ بزرگان معصوم نہ تھے۔ امام تھے، مجتہد تھے، قابل صد احترام تھے مگر وہ رسول نہ تھے نہ نبی تھے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مدمقابل نہ تھے۔ غالی مقلدین نے ان کے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے قیامت کے دن یقیناً ان کو اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ یہی وہ حرکت ہے جسے شرک فی الرسالت ہی کا نام دیا جانا چاہیے۔ یہی وہ مرض ہے جو یہودی و نصاریٰ کی تباہی کا موجب بنا اور قرآن مجید نے ان کے بارے میں صاف کہا ہے: ﴿اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله﴾ (التوبہ:٣١) یہودی و نصاریٰ نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا رب قرار دے لیا تھا۔ ان کے اوامر و نواہی کو وہ وحی آسمانی کا درجہ دے چکے تھے۔ اسی لیے وہ عند اللہ مغضوب اور ضالین قرار پائے۔

صد افسوس! کہ امت مسلمہ ان سے بھی دو قدم آگے ہے اور علماء و مشائخ کو یقیناً ایسے لوگوں نے اللہ اور رسول کا درجہ دے رکھا ہے۔ کتنے پیر و مشائخ ہیں جو قبروں کی مجاوری کرتے کرتے خدا بنے بیٹھے ہیں۔ ان کے معتقدین ان کے قدموں میں سر رکھتے ہیں۔ ان کی خدمت و اطاعت کو اپنے لیے دونوں جہاں میں کافی جانتے ہیں۔ ان کی شان میں ایک بھی تنقیدی لفظ گوارا نہیں کر سکتے، یقیناً ایسے غالی مسلمان آیت بالا کے مصداق ہیں۔ حالی مرحوم نے ایسے ہی لوگوں کے حق میں یہ رباعی کہی ہے۔

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

⇦⇦⇦

واقعہ مذکورہ بالا سے مستفاد احکام:

(۱)......اللہ عزوجل کے فرمان گرامی: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝﴾ سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ جس مسلمان شخص نے اپنی ذات پر اپنی کسی لونڈی یا کسی کھانے یا اپنی کسی بیوی کو حرام کرلیا (کہ میں ان میں سے کسی کے قریب نہیں جاؤں گا۔) تو اُس پر شرعاً وہ چیز (لونڈی، بیوی یا کھانے کی چیز) حرام نہیں ہوگی۔ بلکہ اُس پر صرف کفارہ لازم آئے گا۔ ❶

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب آدمی اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام کرلے تو یہ صرف قسم شمار ہوگی جس کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ نے دلیل کے لیے یہ آیت تلاوت کی۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝﴾ (الاحزاب: ۲۱)

⇦⇦⇦

مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں ۔۔۔ شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے ۔۔۔ نہ ایمان بگڑے نہ اسلام جائے

روایت میں جو واقعہ مذکور ہے مختصر لفظوں میں اس کی تفصیل یہ ہے۔

تمام ازواج کی باری مقرر تھی اور اسی کے مطابق نبی کریم ﷺ ان کے یہاں جایا کرتے تھے۔ ایک دن اُم المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی اور انہیں کے گھر آپ کا اس دن قیام بھی تھا۔ لیکن اتفاق سے کسی وجہ سے آپ سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے۔ حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو وہاں دیکھ لیا اور آکر عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا کہ باری تمہاری ہے اور آنحضرت ﷺ ماریہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گئے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس پر بڑا غصہ آیا۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے عہد کرلیا تھا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے علیحدہ رہیں گے اور اس عرصے میں ان کے پاس نہیں جائیں گے۔ اس پر صحابہ میں بہت تشویش پھیلی اور ان ازواج مطہرات اور ان کے عزیز و اقارب تک ہی بات نہیں رہی بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس فیصلے پر بہت پریشان ہوگئے۔ نبی کریم ﷺ کے اُس عہد کی تعبیر احادیث میں ''ایلاء'' کے لفظ سے آتی ہے اور یہ بہت مشہور واقعہ ہے۔ اس سے پہلے بھی بخاری میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

ایلاء کے اسباب احادیث میں مختلف آئے ہیں۔ ایک تو وہی جو اس حدیث میں ذکر ہے، بعض روایتوں میں اس کا سبب ازواج مطہرات کا وہ مطالبہ بیان ہوا ہے کہ اخراجات انہیں ضرورت سے کم ملتے تھے، تنگی رہتی تھی۔ اس لیے تمام ازواج مطہرات نے حضور اکرم ﷺ سے کہا تھا کہ انہیں اخراجات زیادہ ملنے چاہئیں۔ بعض روایتوں میں شہد کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اصل میں یہ تمام واقعات پے در پے پیش آئے اور ان سب سے متاثر ہوکر آنحضرت ﷺ نے ایلاء کیا تھا، تاکہ ازواج کو تنبیہ ہوجائے۔ ازواج مطہرات سب کچھ ہونے کے باوجود پھر بھی انسان تھیں۔ اس لیے کبھی سوکن کی رقابت میں، کبھی کسی دوسرے انسانی جذبہ سے متاثر ہوکر اس طرح کے اقدامات کر جایا کرتی تھیں۔ جن سے نبی کریم ﷺ کو تکلیف ہوتی تھی۔

❶ دیکھئے: الإکلیل ص ۲٦۹، تیسیر الکریم الرحمن للسعدي جلد۵، ص ۲٦۷، و تفسیر القرطبي جلد۱۸، ص ۱۸۰، ۱۸۳ امام قرطبی رحمہ اللہ نے مسئلہ ہذا میں علماء عظام کے اٹھارہ اقوال ذکر کیے ہیں۔

''بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔'' ❶

(۲)...... اُم المؤمنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے افشائے راز کی بنا پر اُن کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہونے سے یہ حکم معلوم ہوا کہ اُس راز کو جو دین حنیف کے خلاف نہ ہو چھپانا واجب ہے۔ ❷

(۳)...... اللہ عزوجل کے درج ذیل فرمان سے یہ حکم معلوم ہوا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا، تکلیف پہنچانا سخت منع تھا اور آپ کی وفات کے بعد حدیث وسنت کا انکار کرنا اسی معنی میں ہے۔ فرمایا:

﴿اِنْ تَتُوْبَا اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ﴾ (التحریم : ٤)

''اگر تم دونوں اللہ کی طرف توبہ کرو (تو بہتر ہے) کیونکہ یقیناً تمھارے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں اور اگر تم اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو تو یقیناً اللہ خود اس کا مددگار ہے اور جبریل اور صالح مومن اور اس کے بعد تمام فرشتے مددگار ہیں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ (الاحزاب : ٥٧)

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا۔''

دروس ونصائح:

(۱)...... اسلامی قوانین کو وضع کرنے میں ذاتی وشخصی اغراض ومقاصد کو کسی طرح کا دخل نہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التحریم : ١)

''اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے؟ تو اپنی بیویوں کی خوشی چاہتا

❶ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب ۳، حدیث : ۳٦٧٧.

❷ دیکھئے: الإکلیل ص ٢٦٩ وروح المعانی للآلوسی جلد ٢٨، ص ١٥١.

ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

(۲)..... بیویوں کے مابین حسد و بغض ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کی معاشرتی زندگی میں پاسداری کی جائے۔ اگر چہ اس حسد و بغض والی غیرت کے ذریعے ان بیویوں کے حقوق کو بطیّب خاطر دیا جا رہا ہو۔ اور نہ ہی یہ وہ حسد و عداوت والی غیرت ہے کہ جس سے مقصود کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویوں میں سے کسی ایک کا مقصد اپنے خاوند کی عزت و توقیر کرنا ہو، اگر چہ دوسری اس کے مقابلے میں کسی دن اپنے خاوند کی تکریم کو ملحوظ خاطر نہ رکھ سکی ہو۔ یہ اُصول اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس بے جا غیرت وحسد پر ضبط رکھا جائے جو کسی کا لحاظ و پاسداری کرے یا کسی کا لحاظ نہ کرے۔ ❶

(۳)..... نبی کریم ﷺ کے گھر مبارک میں بھی بعض اوقات ایسے معاملات وقوع پذیر ہو جاتے تھے جو بے غبار، صاف ستھری ازدواجی زندگی میں گدلاہٹ پیدا کر دیتے تھے۔ اور یہ اُمور امت کے لیے عام قانون بن جاتے تھے۔ جیسا کہ نبی مکرم ﷺ کا اپنے اوپر شہد اور ماریہ قبطیہ کو حرام کر لینے کی وجہ سے قسم کے کفارہ کا ایک قانون بن گیا۔ ❷

(۴)..... اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی: عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ..... نبی کریم ﷺ نے اپنی اس بیوی کو جس نے راز کھول دیا تھا اس راز کا بعض حصہ اس پر جتلا دیا اور بعض حصے سے چشم پوشی کی۔ (اس کی عزت رکھنے کے لیے) اس سے بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرنے، انہیں سزا دینے میں نرمی سے کام لینے اور ان کی کسی غلطی پر تحقیق کی آخری حد کو پہنچنے سے اعراض کرنا معلوم ہوا۔ جناب سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیشہ لوگوں سے تغافل اختیار کیے رکھنا بھی عزت دار لوگوں کے عمل میں سے ہے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوئی بھی معزز آدمی کبھی کسی کی غلطی و گناہ کی ٹوہ اور تحقیق و جستجو کی آخری حد کو نہیں پہنچتا۔ ❸

(۵)..... نبی مکرم ﷺ کا اپنے اوپر اُس چیز کو حرام کر لینا کہ جو آپ ﷺ کو پسند اور محبوب تھی اور اللہ عزوجل نے سیّدات حفصہ و عائشہ رضی اللہ عنہما پر پیش کیا۔ وہ توبہ کریں اس بات سے کہ وہی سبب بنی ہیں رسول اللہ ﷺ کے اپنے آپ پر کسی حلال چیز کو حرام کر لینے کا..... سے ایک سے زیادہ بیویوں میں سے کسی ایک کا

---

❶ دیکھئے: ابن عاشور کی "التحریر والتنویر" بتصرف جلد ۲۸، ص ۳٤٦.

❷ دیکھئے: تیسیر الکریم الرحمن للسعدی جلد ٥، ص ۲٦٧، السیرة النبویة لابی شهید جلد ۲، ص ٦۲٥.

❸ الإكليل، ص: ۲٦۹، وروح المعاني للألوسي، ج۲۸، ص ۱٥۱، تفسير النسفي، ج۳، ص: ٥٥۰، وتفسير القاسمي، ج۱٦، ص: ٥٨٦۲، حسن الأسوة لمحمد صديق حسن خان، ص: ۲٤۰.

اپنے خاوند کی کسی راز والی بات کے افشاء کرنے سے ازدواجی زندگی میں انتہائی خطرناک ہونے کا سبق ملتا ہے۔ ❶

(٦)......اللہ عزوجل کے فرمان گرامی: ﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۖ وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ۝﴾ سے عورتوں کی گہری چال اور مردوں کا اُن کے سامنے اس معاملے میں کمزور ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اسی بات کی طرف اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر اشارہ فرمایا ہے:

﴿فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝﴾

(یوسف: ٢٨)

''تو جب اس نے اس کی قمیص دیکھی کہ پیچھے سے پھاڑی گئی ہے تو اس نے کہا یقیناً یہ تم عورتوں کے فریب سے ہے، بے شک تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہوتا ہے۔'' ❷

(٧)......اللہ تعالیٰ کے فرمان گرامی: فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا.... سے معلوم ہوا کہ معاملات کو خوب غور وفکر سے جان لینا چاہیے اور صرف گمان کی بنا پر انہیں نہیں لے لینا چاہیے۔ ❸

❀❀❀❀❀❀

---

❶ دیکھئے: إيجاز البيان في سور القرآن للصابوني ص٢٤٩، و تيسير الكريم الرحمن جلد ٥، ص ٢٦٨.

❷ دیکھئے: اضواء البيان جلد ٨، ص ٣٧٧.

❸ دیکھئے: تفسير البحر المحيط جلد ٨، ص ٢٩٠.

فصل سوم:

قرآن میں بہنوں اور بیٹیوں کے واقعات

(کل دو موضوع ہیں)

(۱)......سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہن کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالم طفولیت سے لے کر عالم شباب اور پھر زندگی کے آخری لمحات تک آپ کے بہن بھائیوں کا آپ کی دیکھ بھال، حفاظت اور مکمل ساتھ دینے میں بڑا ایک کردار تھا۔ آپ کے عالم رضاعت و طفولیت کے بالکل ابتدائی دنوں اور مہینوں میں آپ کی بہن کا آپ کی حفاظت اور آپ کو واپس آپ والدہ کے پاس لوٹا لانے میں بڑا عمل دخل اور سبھاؤ تھا۔ (آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت و حفاظت میں اُس اللہ کی بندی نے اپنی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔)

جہاں تک آپ کے عالم شباب اور پختہ عمری کا تعلق ہے تو اس ضمن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے بھائی ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کا مضبوط ساتھی، زبردست معاون اور بطور وزیر مقرر فرما دیا۔

﴿وَ اَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ○ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۛ بِاٰیٰتِنَاۤ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ○﴾ (القصص: ۳۴ تا ۳۵)

''اور میرا بھائی ہارون، وہ زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے، تو اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے، بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ کہا ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو ضرور مضبوط کریں گے اور تم دونوں کے لیے غلبہ رکھیں گے، سو وہ تم تک نہیں پہنچیں گے، ہماری نشانیوں کے ساتھ تم دونوں اور جنھوں نے تمھاری پیروی کی، غالب آنے والے ہو۔''

آپ کے بھائی جناب ہارون علیہ السلام کے ذریعے آپ کی مدد کرنے کا وعدہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دراصل پورا فرمایا تھا آپ علیہ السلام کی اُس دعا کے بعد کہ جس میں کہا تھا:

﴿وَ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِي ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۝ وَ اَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۝ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۝ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۝ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۝ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝﴾ (طٰہٰ: ٢٩ تا ٣٦)

''اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے میرا ایک بوجھ بٹانے والا بنادے۔ ہارون کو، جو میرا بھائی ہے۔ اس کے ساتھ میری پشت مضبوط کر دے۔ اور اسے میرے کام میں شریک کر دے۔ تا کہ ہم تیری بہت تسبیح کریں۔ اور تجھے بہت یاد کریں۔ بے شک تو ہمیشہ ہمارے حال کو خوب دیکھنے والا رہا ہے۔ فرمایا بے شک تجھے تیرا سوال عطا کر دیا گیا اے موسیٰ!''

زیر مطالعہ موضوع میں ہم سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہن کا واقعہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اُس مسکینہ نے اپنے بھائی کے لیے کیسا کردار ادا کیا تھا۔ اُس بی بی کا ذکر قرآن حکیم میں دو مقامات پر آیا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۝ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ۝ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ؕ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ؕ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ وَ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝﴾ (طٰہٰ: ٣٧ تا ٤١)

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تجھ پر ایک اور بار بھی احسان کیا۔ جب ہم نے تیری ماں کو وحی کی، جو وحی کی جاتی تھی۔ یہ کہ تو اسے صندوق میں ڈال، پھر اسے دریا میں ڈال دے، پھر دریا اسے کنارے پر ڈال دے، اسے ایک میرا دشمن اور اس کا دشمن اٹھا لے گا اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے ایک محبت ڈال دی اور تا کہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔ جب تیری بہن چلی جاتی تھی، پس کہتی تھی کیا میں تمھیں اس کا پتا دوں جو اس کی پرورش کرے؟ پس ہم نے تجھے تیری ماں کی طرف لوٹا دیا، تا کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور وہ غم نہ کرے۔ اور تو نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے

تجھے غم سے نجات دی اور ہم نے تجھے آزمایا، خوب آزمانا، پھر کئی سال تو مدین والوں میں ٹھہرا رہا، پھر تو ایک مقرر اندازے پر آیا اے موسیٰ! اور میں نے تجھے اپنے لیے خاص طور پر بنایا ہے۔''

دوسرے مقام پر مزید تفصیل سے اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے:

﴿وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ٥ وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ٥ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ٥﴾ (القصص : ۱۱ تا ۱۳)

''اور اس نے اس کی بہن سے کہا اس کے پیچھے پیچھے جا۔ پس وہ اسے ایک طرف سے دیکھتی رہی اور وہ شعور نہیں رکھتے تھے۔ اور ہم نے اس پر پہلے سے تمام دودھ حرام کر دیے تو اس نے کہا کیا میں تمھیں ایک گھر والے بتلاؤں جو تمھارے لیے اس کی پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں۔ تو ہم نے اسے اس کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا، تا کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور وہ غم نہ کرے اور تا کہ وہ جان لے کہ یقیناً اللہ کا وعدہ سچ ہے اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

قُصِّيْهِ: اَيِ اتَّبِعِيْ عَنْ اَثَرِهٖ: یعنی اس صندوق کے پیچھے پیچھے جا۔

فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ: یہاں پر ''ف'' فصاحت کے لیے ہے۔ یعنی وہ اجنبی بن کر اسے دور سے دیکھتی رہی۔ عَنْ جُنُبٍ: یعنی دور سے اجنبی بن کر اُس صندوقچے کی طرف دیکھتی رہی کہ جس میں اُس کا بھائی (موسیٰ) تھا اور یہ لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے تھا تا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اس لڑکی کا بہنے والے صندوق کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ ❶

يَكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ: وہ تمہارے لیے اس بچہ کو پالیں گے اور اس کو دودھ پلائیں گے۔

نَاصِحُوْنَ: بھلائی چاہنے والے ہوں گے۔ ''النّصحُ'' کا معنی ہوتا ہے کسی کام یا بات کی تحقیق و جستجو کرنا کہ جس میں اس فعل و عمل اور قول سے متعلق شخص کی بھلائی مقصود ہو۔ ❷

---

❶ مذکورہ بالا معانی کے لیے دیکھیے: تفسير الطبري، ج: ٢٠، ص: ٣٨۔ وتفسير غريب القرآن لابن قتيبة، ص: ٣٢٩، روح المعاني للألوسي، ج: ٢٠، ص: ٥٠، تفسير الطبري، ج: ٢٠، ص: ٣٩۔ والكشاف، ج: ٣، ص: ١٦٧۔

❷ دیکھیے: تفسیر البغوی جلد ۳، ص ٤٣٧، تفسیر الخازن جلد ٥، ص ١٦٦ والمفردات للراغب الإصبهانی ص ٤٩٤۔

اخت موسیٰ رضی اللہ عنہا کا تعارف:

جہاں تک مجھے معلوم ہے سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمشیرہ کا نام کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ بعض علماء عظام نے بیان کیا ہے کہ اُس کا نام ''مریم'' تھا۔ کہا گیا ہے کہ یا پھر اُس کا نام ''کلثوم'' تھا۔ ❶

واقعہ کی تفصیل:

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہن (مریم یا کلثوم رضی اللہ عنہا) کا واقعہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر احسان جتلانے کے ضمن میں سورۃ طٰہ میں بیان فرمایا ہے اور یہ کہ اللہ عزوجل نے آپ پر اپنی نعمتوں کو یاد کروایا اور جتلایا ہے اور ایک بار ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے غور درس اور سبق کے اس واقعہ کی شان واہمیت کے پیش نظر سنایا ہے۔ اور یہ سورۃ القصص میں ہے۔ چنانچہ اس سورہ مبارکہ کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

﴿طٰسٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (القصص: ١ تا ٣)

''طٰسم۔ یہ واضح کتاب کی آیات ہیں۔ ہم تجھ پر موسیٰ اور فرعون کی کچھ خبر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں، ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔''

اللہ رب العزت نے ہمیں اس واقعہ کا اس انداز میں بیان فرمایا ہے کہ اس لڑکی نے اپنی والدہ محترمہ (اُمّ موسیٰ رضی اللہ عنہا کہ جن کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے) کا حکم احسن طریقے سے مانا اور اس پر عمل کیا۔ اور یہ تھا، اس کی والدہ کا اُس کے بھائی کو دریا میں ڈال دینے کے بعد اُس صندوق کے پیچھے پیچھے دریا کے کنارے چلنے والا حکم اور اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ صندوق کہاں جاتا ہے؟ چنانچہ یہ نیک بخت بچی فوراً اس صندوق کے متصل پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ جبکہ وہ اس بہت بڑی ذمہ داری اور اس معاملے کی خطرناکی کا مکمل شعور رکھتی تھی کہ جس کی ذمہ داری کو وہ نبھانے جا رہی تھی۔ چنانچہ اُس نے اپنے بھائی کی نگرانی نہایت عقلمندی اور ذہانت کے ساتھ کہ جس میں مکمل دانش مندی شامل تھی دور سے شروع کر دی تھی کہ جس میں دشمنوں سے چھپ کر اس کی حفاظت کا لالچ چھپا ہوا تھا۔ تاکہ وہ اس کے معاملے میں کہیں شک نہ کر بیٹھیں کہ لڑکی کا دریا میں بہتے ہوئے صندوق کے ساتھ تعلق ہے۔ انہیں اس بات کا شعور ہی نہ رہے کہ وہ اس کی نگرانی کرتی چلی آ رہی ہے اور نہ ہی انہیں اس بات کا ادراک ہونے پائے کہ وہ اس کی بہن ہے۔

اور پھر (جب فرعون کے لوگوں نے صندوق کو پکڑ لیا اور اسے وہ اس کے محلوں میں لے گئے تو یہ لڑکی بھی اپنے آپ کو

❶ والله اعلم بالصواب...... دیکھئے: تفسیر البغوی جلد ٣، ص ٢١٧، و تفسیر القرطبي جلد ١١، ص ١٩٧.

خطرات میں ڈال کر وہاں پہنچ گئی) جب انہوں نے اللہ کریم کے فیصلے کے مطابق بچے کو کسی بھی عورت کے دودھ کو منہ نہ لگانے والا معاملہ دیکھ کر حیرت واستعجاب کا اظہار کیا اور اس لڑکی نے ان کی حیرانی کو بھانپ لیا تو وہ ان کے قریب آئی اور بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے اُس نے اس کا حل اُنہیں بتلایا کہ جس مشکل میں وہ مبتلا تھے۔ اور وہ کہنے لگی: هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى مَنْ يَّكْفُلُهُ؟.... کیا میں تمہیں ایسی آیا بتاؤں کہ جو اس بچے کو اچھی طرح سے پالے۔ لڑکی نے ایسی بات کہی تھی کہ جس میں نہ ہی تو کسی قسم کا شک وشبہ تھا اور نہ ہی اس میں کوئی الزام تھا۔

بیچ کی تفصیل چھوڑ دی گئی ہے کہ فرعون کے گھر والوں نے رضا مندی ظاہر کر دی اور سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی بہن گھر آئی اور اپنی والدہ کو ساتھ لے کر فرعون کے ہاں پہنچ گئی۔ انہوں نے جونہی سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے منہ سے اپنی چھاتی لگائی موسیٰ علیہ السلام نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ اس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے پاس پہنچ گئے۔ نظم قرآن پر غور کرنے سے یہ تفصیل خود بخود ذہن میں آ جاتی ہے۔ ممکن ہے اس کے بعد سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر لے آئی ہوں تا کہ فرعون کی طرف سے بطور دایہ مامور ہو کر شاہانہ اعزاز واکرام کے ساتھ بچہ کی تربیت کرتی رہیں۔ واللہ اعلم۔ (ابن کثیر)

یہاں اس دانش مند لڑکی نے یہ جو کہا تھا: هَلْ اَدُلُّكُمْ؟ تو اس میں فرعون اور اس کی بیوی آسیہ کے لیے بھرپور ترغیب تھی کہ تم میری بتلائی ہوئی بی بی کو طلب کر لو۔ اور ''عَلَى اَهْلِ بَيْتٍ'' میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس مشار الیہا عورت سے مراد وہ بی بی ہے کہ جو ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اور وہ شہزادوں کی خدمت کے لائق اور اس صلاحیت والی ہے۔ یہ عورت اس بچے کی کفالت کے نہایت لائق ہے اور اس کو دودھ پلانے اور بغیر کسی کوتاہی کے اس کی تربیت کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے نہایت موزوں ہے۔ ❶

چنانچہ فرعون اور اس کے گھر والوں نے جلدی سے اس لڑکی کی بات کو مان لیا اور پھر اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام کو اُس کی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا جیسا کہ اُس نے وعدہ فرمایا تھا:

﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (القصص : ۱۳)

''تو ہم نے اسے اس کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا، تا کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور وہ غم نہ کرے

---

❶ دیکھیے: تفسیر الطبري، ج: ۲۰، ص: ۴۰۔ وتفسیر البغوي، ج: ۳، ص: ۴۳۷۔ وتفسیر ابن کثیر، ج: ٦، ص: ۲۳۳۔ ومع قصص السابقین في القرآن لصلاح الخالدي، ص: ۷۵، البدایة والنهایة لابن کثیر، ج: ۱، ص: ۲۴۰۔ مع قصص السابقین في القرآن لصلاح الخالدي، ص: ۷۸، تفسیر أبي السعود، ج: ۷، ص: ۵۔ روح المعاني للألوسي، ج: ۲۰، ص: ۵۰.

اور تا کہ وہ جان لے کہ یقیناً اللہ کا وعدہ سچ ہے اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔''

تو اس دلیر اور دانشمند بہن کا اپنے سگے بھائی پر بہت بڑا احسان تھا اور اپنی ماں پر بھی کہ اُس کی حسن تدبیر سے اللہ عزوجل نے موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اس کی طرف واپس لوٹا دیا۔ اس کے دیدار، اس کی دیکھ بھال اور محبت سے ماں کے غم کو بھی اللہ رحیم و کریم نے ختم فرما دیا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ .

اسرائیلی روایات:

اس واقعہ میں اسرائیلی روایات کی بھرمار ہے، جن میں سے بعض کا بالا جمال ذکر ہم یہاں کیے دیتے ہیں:

(ا)..... علامہ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری نے امام مجاہد رحمہ اللہ کے واسطہ سے لکھا ہے کہ: یہ لڑکی، اخت موسیٰ دریا کے کنارے کنارے چلتی جارہی تھی جبکہ دریا موسیٰ کو اُس کے تابوت میں بہائے لیے جارہا تھا۔ یہ کبھی اس صندوق کو دیکھتی اور کبھی لوگوں کی طرف دیکھنے لگتی۔ ❶

(ب)...... علامہ طبری نے ہی ابن جریج رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس لڑکی، اُخت موسیٰ نے جب فرعون کے سپاہیوں سے کہا: وَهُمْ لَهُ نَاصِحُوْنَ...... اور یہ گھر والے کہ جن کے بارے میں مَیں بتلا رہی ہوں وہ بچے کی بھلائی چاہیں گے۔'' تو وہ کہنے لگے: یہ لڑکی اس بچے کو جانتی ہے تو وہ کہنے لگی: میری مراد یہ تھی کہ وہ لوگ بادشاہ کی بھلائی چاہنے والے ہیں۔ اس کا مقصد اس بات سے ان کو بادشاہ کی خوشی پر حرص و طمع ہے اور وہ لوگ بچے کی انا چاہتے تھے۔ ❷

(ج)...... امام بغوی نے ابن جریج اور امام سدی رحمہما اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس لڑکی نے جب کہا: هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى بَيْتٍ؟ تو انہوں نے پوچھا: کون ہیں وہ؟ کہنے لگی: میری امی جان! انہوں نے پوچھا: کیا تمہاری ماں کا اور بیٹا بھی ہے؟ اُس نے کہا: ہاں! میرے دوسرے بھائی کا نام ہارون ہے اور وہ اُس سن میں پیدا ہوا تھا کہ جس سال بنو اسرائیل کے بیٹوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ کہنے لگے: تم نے سچ کہا۔ چنانچہ وہ اپنی والدہ محترمہ کے پاس گئی اور اُسے اس کے بیٹے کا حال بتلایا اور پھر اخت موسیٰ اپنی ماں کو اُن کے پاس لے آئی۔

مذکور بالا اسرائیلی روایات پر جرح:

ان میں سے بعض روایات تو ثابت ہیں اور بعض کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ یہ جو بیان ہوا

---

❶ تفسير الطبرى جلد ۲۰، ص ۳۹.

❷ تفسير البغوي، ج: ۳، ص: ۴۳۸۔ تفسير الطبري ج: ۱۶، ص: ۱۶۳، وج: ۲۰، ص: ۴۱۔ تفسير القرطبي، ج: ۱۳، ص: ۲۵۷۔ الكامل في التاريخ لابن الأثير، ج: ۱، ص: ۹۷.

ہے کہ یہ لڑکی (مریم یا کلثوم رضی اللہ عنہا) اپنے بھائی کے ساتھ پیچھے پیچھے چلتی رہی تو اس کا ذکر قرآن نے بھی کیا ہے: فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ... وہ اجنبی بن کر اس کو دیکھتی چلی گئی اور فرعون کے لوگوں کو اس کی خبر ہی نہ تھی۔'' (القصص:۱۱) اور اسی طرح اس لڑکی کا فرعون کے لوگوں پر اس رائے کو پیش کرنا بھی درست ہے کہ جو اس بچے کو دودھ پلانے کے لائق ہے وہ اس کی طرف راہنمائی کر سکتی ہے اور یہ اللہ عزوجل کے فرمان درج ذیل سے بھی واضح ہے:

﴿وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ﴾ (القصص : ۱۲)

''اور ہم نے اس پر پہلے سے تمام دودھ حرام کر دیے تو اس نے کہا کیا میں تمھیں ایک گھر والے بتلاؤں جو تمھارے لیے اس کی پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں۔''

جہاں تک اخت موسیٰ کی اس بات کو نقل کرنے کا تعلق ہے کہ اُس نے اپنی گفتگو سے یہ مراد لیا تھا کہ وہ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں؟ تو اس میں بھی کچھ حرج کی بات نہیں۔ اس لیے کہ بلاشبہ یہ بات دشمن پر ہی جھوٹ کے زمرے میں آتی ہے۔ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی ایسی چیز میں کہ جس سے لوگ کلام کرتے ہوں، میں نے نہیں سنا کہ اس میں جھوٹ بولنے کی اجازت شریعت میں دی گئی ہو مگر صرف تین باتوں میں: (۱)...... حالت جنگ میں (۲)...... لوگوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے۔ (۳)...... اور آدمی کا اپنی بیوی سے کسی معاملے میں بات کرنے میں اور بیوی کا اپنے خاوند سے کسی بات میں گفتگو کرنے میں۔ [1]

باقی روایات کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ ثابت ہیں یا نہیں۔ اگر ثابت ہوں تو انہیں بیان کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

قصہ مذکور بالا سے مستفاد احکام و دروس:

(۱)...... واقعہ مذکورہ بالا سے یہ حکم معلوم ہوا کہ اگر قابل احتراز و احتیاط فعل اور قول سے دور رہا جائے تو عورت کا اپنے ضروری کام کے لیے گھر سے باہر نکلنا اور غیر محرم مردوں سے گفتگو کرنا بھی جائز ہے۔ [2] یہ اجازت ضرورت کے وقت ہے ورنہ عورت کا اصل ٹھکانا اور مقام سکونت اُس کا گھر ہے۔ جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ''وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ..... اور اپنے گھروں میں جمی رہو۔'' (الاحزاب : ۳۳)

---

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الكذب و... الخ، حديث: ٦٦٣٣.

[2] دیکھئے: تيسير اللطيف المنّان للسعدي، ص ١٣١.

(۲)...... دشمنوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں ضروری ہے کہ سب سے زیادہ فائدہ مند اور سب سے بہتر اسالیب اختیار کیے جائیں اور وہ ہیں: احتیاط وخبرداری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذہانت وذکاوت کو اختیار کرنا اور دشمن سے اپنے رازوں کو چھپانا۔ ❶

اور پھر فرمایا: هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ۔ ایک اور مقام پر حکم بھی یہی دیا: وَخُذُوا حِذْرَكُمْ.... دیکھئے: اخت موسیٰ رضی اللہ عنہا نے فرعون کے لوگوں پر یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ اس صندوق والے بچے کی بہن ہے۔

(۳)...... اللہ کریم کے فرمان گرامی: يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ.... سے معلوم ہوا کہ کفالت کرنا مشروع ہے۔ یہی بات اللہ عزوجل نے سیّدہ مریم علیہا السلام کے ضمن میں بیان فرمائی ہے جو کہ پیچھے بیان ہو چکی ہے۔ فرمایا: فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا.... پھر اس کے رب نے مریم کو اچھی طرح خوشی سے قبول کر لیا اور اچھے طور پر اس کو بڑھایا اور اسے سونپ دیا زکریا (علیہ السلام) کو۔ (کہ وہ اس کی کفالت کریں۔)

(آل عمران: ۳۷)

(۴)...... قصہ مذکور بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بہنوں کو اپنے بھائیوں سے بہت زیادہ محبت ہوا کرتی ہے اور اس کی وہ طمع بھی زیادہ رکھتی ہیں۔

(۵)...... اللہ عزوجل کے اس فرمان: وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ: میں "فَبَصُرَتْ بِهِ" کی فاء (فَ) ترتیب اور تعقیب کا فائدہ دیتی ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ جیسے ہی ماں نے اپنی بیٹی، اخت موسیٰ کو حکم دیا کہ وہ بھائی کے صندوق کے ساتھ پیچھے پیچھے جائے اور دیکھتی رہے کہ اُس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آتا ہے؟ تو وہ اس وقت صندوق کو اجنبی بن کر دیکھنے کے لیے تیار ہوگئی اور دریا کے کنارے کنارے اس کے پیچھے چل پڑی۔ جس سے معلوم ہوا کہ والدین کی بات کو فوراً قبول کر کے عمل کرنا چاہیے۔ ❷

(۶)...... ذہانت و فطانت صرف مردوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ عورتوں میں سے کئی بیبیاں بھی نہایت ذہین وفطین واقع ہوئی ہیں۔ جیسا کہ اخت موسیٰ رضی اللہ عنہا کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے۔ فَبَصُرَتْ بِهِ عَن جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ○.... اور جیسا کہ اُس نے فرعونیوں سے کہا تھا: هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ.... کچھ ایسی ہی عقل و دانش مندی کی باتیں ملکہ سبا نے اپنے سرداروں سے کی تھیں کہ جب اُس کے پاس جناب

---

❶ دیکھئے صلاح الخالدی کی "قصص السابقین فی القرآن، ص ۹۰.

❷ دیکھئے: ابن ہشام رحمہ اللہ کی شرح قطر الندی وبل الصدی، ص ۳۱۴.

سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام اسلام پہنچا تھا۔

﴿قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝﴾ (النمل: ۳۲تا۳۵)

''کہا اے سردارو! تم میرے معاملے میں مجھے حل بتاؤ، میں کبھی کسی معاملے کا فیصلہ کرنے والی نہیں، یہاں تک کہ تم میرے پاس موجود ہو۔ انھوں نے کہا ہم بڑی قوت والے اور بہت سخت جنگ والے ہیں اور معاملہ تیرے سپرد ہے، سو دیکھ تو کیا حکم دیتی ہے۔ اس نے کہا بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے خراب کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں سے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور اسی طرح یہ کریں گے۔ اور بے شک میں ان کی طرف کوئی تحفہ بھیجنے والی ہوں، پھر انتظار کرنے والی ہوں کہ ایلچی کیا جواب لے کر پلٹتے ہیں۔''

اور پھر جب وہ سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس فلسطین پہنچی تو:

﴿قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (النمل: ٤٤)

''اس سے کہا گیا اس محل میں داخل ہو جا۔ چنانچہ جب اس نے اسے دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا لیا۔ اس نے کہا یہ تو شیشے کا صاف ملائم بنایا ہوا فرش ہے۔ اس (ملکہ) نے کہا اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے لیے فرماں بردار ہو گئی۔''

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے بے شمار دانش مندی والے واقعات سے تو کتابیں بھی پڑی ہیں۔

(۷)...... اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ: عورتوں میں بھی بعض اوقات حدودِ شرع میں رہتے ہوئے ایسے اُمور کو انجام دینے کی استطاعت و استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ جو نہایت مشکل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بی بی مریم یا کلثوم نے اپنے بھائی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگہداشت والے مشکل ترین مرحلے کو سرانجام دیا تھا۔ رضی اللہ عنہا [1]

[1] الیسر التفاسیر للجزائری جلد۳، ص ۳۸۷.

(۲)......صالح مدین سیّدنا شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیوں کا واقعہ

یہ واقعہ دراصل پیچھے دوسرے باب کے عنوان ٦ (سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ کا واقعہ والے موضوع) کے تحت بیان ہو چکا ہے اور کم و بیش وہ ساری تفصیل آ گئی ہے جو یہاں عنوان ہذا کے تحت بیان ہوئی ہے۔ جو باتیں یہاں زائد ہیں انہیں ہم ''بطور استفادہ مزید'' ترجمہ کر کے پیش کر دیتے ہیں۔ (ابو یحییٰ)

واقعہ کا داخلی دروازہ:

نیک اور صالحہ عورت ہمیشہ دوسری عورتوں سے اپنی الگ پہچان رکھتی ہے۔ مومن، مسلمان صالحہ عورت عفت و عصمت کی مالک اور شرم و حیا کی پتلی ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو غیر محرم مردوں سے اپنے ساتر لباس اور بڑی چادر کے ذریعے ہمیشہ چھپا کر رکھتی ہے اور بغیر کسی شدید ضرورت کے وہ مردوں سے اختلاط نہیں کرتی اور اگر اشد ضرورت کی بنا پر اسے غیر محرم مردوں کے قریب جانے اور ان کے درمیان رہنے یا اُٹھنے بیٹھنے کی ضرورت پیش آ جائے تو وہ رش والی جگہوں پر نہیں گھستی۔ ❶

اسلام اللہ کی مومن بندیوں کی انہی صفات عالیہ پر تربیت کرتا ہے۔ ❷

اس حوالے سے اللہ رب العالمین کا حکم و فرمان یوں ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن

---

❶ دیکھئے: ابن الجوزی رحمہ اللہ کی کتاب: احکام النساء ص ۲۰۹، ص ۲۱۱، ص ۲۱۳.

❷ صدق ہے آب و رنگ گلشن دیں — پاک بازی ہے شمع راہ یقیں

ایک شاعر نے اوپر بیان کردہ اوصاف عالیہ والی مومن صالحہ عورتوں کی تعریف یوں کی ہے۔ ؎

پاک دل، پاک نفس، پاک نظر، پاک نہاد — نیک خو، نیک سیرت، نیک روش، نیک چلن

دوسرے ایک شاعر نے کیا خوب بات کہی ہے۔ ؎

بنی کے لیے عصمت و عفت لازم — بیٹے کے لیے تیغ و شجاعت لازم

آج کل کے گندے یورپی و افرنگی نصابِ تعلیم اور شیطانی تربیت والے بے حیاء، غلیظ اداروں کے بارے میں ایک دل والے نے کیا زبردست بات کہی ہے۔ ؎

جو پیر مدرسہ کے نہ آئے فریب میں — اس کی طرح نہیں کوئی عصمت مآب اور

جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۚ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝﴾

(الاحزاب: ٥٩)

''اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے آپ پر لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں تو انھیں تکلیف نہ پہنچائی جائے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

دوسرے مقام پر اللہ رب کریم نے اسی حکم کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ آبَائِهِنَّ اَوْ آبَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝﴾ (النور: ٣١)

''اور مومن عورتوں سے کہہ دے اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے، یا اپنے باپوں، یا اپنے خاوندوں کے باپوں، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں، یا اپنے بھائیوں، یا اپنے بھتیجوں، یا اپنے بھانجوں، یا اپنی عورتوں (کے لیے)، یا (ان کے لیے) جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں، یا تابع رہنے والے مردوں کے لیے جو شہوت والے نہیں، یا ان لڑکوں کے لیے جو عورتوں کی پردے کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے اور اپنے پاؤں (زمین پر) نہ ماریں، تاکہ ان کی وہ زینت معلوم ہو جو وہ چھپاتی ہیں اور اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُيُوْتِهِنَّ'' ''عورتوں کی بہترین مسجدیں ان کے گھروں کے گوشے ہیں۔ ❶

❶ المستدرك للحاكم جلد ١، ص ٢٠٩، صححه الحاكم وسكت عنه الذهبي رحمهما الله.

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا ، وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا .)) ❶

''نماز میں مردوں کی پہلی صفیں سب سے بہتر ہوتی ہیں اور ان کی بری صفیں آخر والی ہوتی ہیں جبکہ عورتوں کی بہتر صفیں سب سے آخر والی ہوتی ہیں اور ان کی بری صفیں پہلی والی ہوتی ہیں۔''

اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الْفَجْرَ فَيَشْهَدُ مَعَهُ نِسَاءٌ مِّنَ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَلَفِّعَاتٌ بِمُرُوْطِهِنَّ ثُمَّ يَرْجِعْنَ إِلَى بُيُوْتِهِنَّ مَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ .)) ❷

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھاتے تو آپ کے ساتھ نماز میں کئی مسلمان عورتیں اپنی چادریں اوڑھے ہوئے شریک نماز ہوتیں پھر جب نماز سے فارغ ہوکر اپنے گھروں کو واپس پلٹتیں تو اُس وقت انہیں اندھیرا ہونے کی وجہ سے کوئی بھی پہچان نہیں سکتا تھا۔''

اللہ عزوجل نے دو بیبیوں کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جو امت سابقہ سے تعلق رکھتی تھیں اور یہ دونوں سگی بہنیں تھیں جو کہ سیّدنا شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں اور صفات مذکورہ بالا سے مکمل طور پر متصف تھیں۔ آیئے ان کا تذکرہ قرآن میں پڑھتے ہیں۔

﴿وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ○ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ○ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۚ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۚ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ○ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ

❶ صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها، ج: ١، ص: ٣٢٦، حديث: ٩٨٥.

❷ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب الصلاة، باب فی كم تصلّی المرأة من الثياب، حديث: ٣٧٢، ج: ٢، ص: ٤٠٦۔ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها، ج: ١، ص: ٤٤٦.

حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَ مَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ○﴾ (القصص : ۲۳ تا ۲۷)

''اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچا تو اس پر لوگوں کے ایک گروہ کو پایا جو پانی پلا رہے تھے اور ان کے ایک طرف دو عورتوں کو پایا کہ (اپنے جانور) ہٹا رہی تھیں۔ کہا تمھارا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا ہم پانی نہیں پلاتیں یہاں تک کہ چرواہے پلا کر واپس لے جائیں اور ہمارا والد بڑا بوڑھا ہے۔ تو اس نے ان کے لیے پانی پلا دیا، پھر پلٹ کر سائے کی طرف آ گیا اور اس نے کہا اے میرے رب! بے شک میں، جو بھلائی بھی تو میری طرف نازل فرمائے، اس کا محتاج ہوں۔ تو ان دونوں میں سے ایک بہت حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی، اس نے کہا بے شک میرا والد تجھے بلا رہا ہے، تاکہ تجھے اس کا بدلہ دے جو تو نے ہمارے لیے پانی پلایا ہے۔ تو جب وہ اس کے پاس آیا اور اس کے سامنے حال بیان کیا تو اس نے کہا خوف نہ کر، تو ان ظالم لوگوں سے بچ نکلا ہے۔ دونوں میں سے ایک نے کہا اے میرے باپ! اسے اجرت پر رکھ لے، کیونکہ سب سے بہتر شخص جسے تو اجرت پر رکھے طاقتور اور امانت دار ہے۔ اس نے کہا بے شک میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں، اس (شرط) پر کہ تو آٹھ سال میری مزدوری کرے گا، پھر اگر تو دس پورے کر دے تو وہ تیری طرف سے ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر مشقت ڈالوں، اگر اللہ نے چاہا تو یقیناً تو مجھے نیک لوگوں سے پائے گا۔ کہا یہ بات میرے درمیان اور تیرے درمیان (طے) ہے، ان دونوں میں سے جو مدت میں پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے۔''

مصنف حفظہ اللہ نے یہاں پر بہت سارے قدیم و جدید مفسرین کے ان دونوں لڑکیوں کے والد محترم کے نام سے متعلق اقوال بیان کیے ہیں اور اُن کا رجحان اس طرف ہے کہ ان دونوں عورتوں کے باپ کا نام شعیب (علیہ السلام) نہیں تھا۔ بلکہ یہ علاقہ مدین کے کسی صالح بزرگ آدمی کی بیٹیاں تھیں۔ مگر تحقیق شدہ بات یہی ہے کہ وہ اکثر مفسرین کے نزدیک جنابِ شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔ سیاق قرآن سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ [1] پورے واقعہ کا مطالعہ آپ نے پیچھے کر لیا ہے۔ آیئے اس مقام پر کچھ مزید اسرائیلی روایات کا جائزہ لیتے

[1] دیکھیے: سورۃ القصص کی آیت کی تفسیر میں تفسیر القرطبی اور فتح القدیر للشوکانی.

ہیں جو پیچھے بیان نہیں ہوئیں۔

اسرائیلی روایات:

(۱)...... امام سیوطی رحمہ اللہ نے جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علاقہ مدین میں دو عورتوں کو اپنی بکریوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی دیکھا۔ اُن سے آپ علیہ السلام نے پوچھا: تم دونوں عورتوں کا کیا معاملہ ہے؟ (یہاں پیچھے ہٹ کر کیوں بیٹھی ہو۔ اپنی بکریوں کو پانی کیوں نہیں پلا رہیں؟) تو وہ کہنے لگیں: ہم اپنی بکریوں کو اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک سب چرواہے پانی پلا کر لوٹ نہ جائیں۔ اور ہمارا باپ نہایت بوڑھا آدمی ہے۔'' جناب موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: کیا تمہارے گھر کے نزدیک کوئی اور پانی کا کنواں، چشمہ ہے؟ کہنے لگیں: نہیں، سوائے اس کے کہ ایک کنواں ہے جس پر ایک بھاری پتھر رکھ کر اسے ڈھانک دیا گیا ہے۔ اُسے کئی آدمی مل کر ہی اٹھا سکتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: چلو مجھے چل کر وہ کنواں دکھاؤ۔ چنانچہ وہ دونوں جناب موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ چلیں۔ وہاں پہنچ کر موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو اپنے ہاتھ سے ہٹایا تو اُس سے گڑگڑاہٹ سی پیدا ہوئی۔ پھر آپ نے ان دونوں کی بکریوں کے لیے ایک ہی بار یہ بڑا سا ڈول نکالا کہ جس سے انہوں نے بکریوں کو پانی پلالیا۔ (یعنی اتنا وافر پانی اُس ایک ہی ڈول میں آ گیا تھا۔) اُس کے بعد جنابِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بھاری پتھر کو دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ ❶

(۲)...... تفسیر الخازن میں ہے کہ جب سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کنویں سے پانی نکالا تو پوری قوم نے وہاں پر اپنے جانوروں کے ساتھ رش کر دیا۔ مگر آپ نے ان سب کو کنویں سے پیچھے ہٹایا اور ان دونوں عورتوں کی بھیڑ بکریوں کو پانی پلا دیا۔ صاحب تفسیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس پہلے کنویں کا ذکر ہے کہ جب تمام چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلانے سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے اس کنویں کو ایک ایسے پتھر سے ڈھانک دیا کہ جسے دس آدمی طاقتور اٹھاتے تھے۔ مگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور اکیلے ہی اس پتھر کو اُٹھا کر ہٹا دیا۔ اسی طرح اکیلے نے ہی بھاری بھرکم ڈول کو کھینچ کر نکالا اور اس میں برکت کی دعا کی۔ پھر ان عورتوں کی بکریوں کو پانی پلایا کہ وہ خوب سیر ہو گئیں۔ ❷

(۳)...... علامہ سیوطی نے جناب عمر بن الخطاب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام (مدین پہنچ کر) ایک سائے کی طرف لپکے اور وہاں بیٹھ کر دعا کی: رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝...... اے

---

❶ دیکھئے: الدرر المنثور جلد ٦ ص ٤٠٤، وعند الطبری عن السدّي مختصراً، فانظر: تفسیر الطبری جلد ٢٠، ص ٥٨،٥٧.

❷ دیکھئے: تفسیر الخازن جلد ٥، ص ١٦٩.

ربّ کریم! اس وقت جو کوئی نعمت تو مجھ پر اتارے گا میں اُس کا محتاج ہوں۔ ان کی یہ دعا ان دونوں عورتوں نے سن لی۔ چنانچہ وہ دونوں واپس اپنے باپ کے پاس لوٹیں۔ اُن کا باپ ان کے جلدی واپس آ جانے سے بہت حیران ہوا۔ اُس نے اس کا سبب پوچھا۔ سوانہوں نے اس کو ساری خبر دے دی۔ یہ سن کر اُس نے ان دونوں میں سے ایک کو کہا: جاؤ اس نوجوان کو بلا کر لاؤ۔ چنانچہ وہ لڑکی اس طرح سے جناب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی کہ اُس نے اپنی چادر اپنے چہرے پر ڈال رکھی تھی۔ اور وہ کہنے لگی: إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا.... میرے ابو جان نے آپ کو بلایا ہے تا کہ آپ کو اس کام کی مزدوری دے کہ جو تم نے ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے۔

چنانچہ وہ عورت چل کھڑی ہوئی اور جناب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ ہوا چل رہی تھی کہ جس سے اس بی بی کا کپڑا اُس کی ٹانگوں سے ہٹ جاتا۔ اس بات کو جناب موسیٰ علیہ السلام نے نہایت ناپسند جانا کہ آپ اس عورت کو اس حالت میں دیکھیں۔ سو آپ نے اُس سے کہا: بی بی! تم میرے پیچھے چلو۔ میں اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے نسب میں سے ہوں میرے لیے جائز نہیں ہے کہ میں تمہارے وجود کے کسی ایسے حصے کو دیکھوں جس کا دیکھنا اللہ تعالیٰ نے میرے اُوپر حرام کر رکھا ہے (تم میرے پیچھے چلو) اور مجھے راستے کی راہنمائی کرتی رہو۔ [1]

(۶)...... علامہ سیوطی نے ہی سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کچھ مفسرین کرام سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک اپنے باپ سے کہنے لگی:

﴿قَالَتْ إِحْدٰهُمَا يٰٓأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ﴾ (القصص: ۲۶)

''دونوں میں سے ایک نے کہا اے میرے باپ! اسے اجرت پر رکھ لے، کیونکہ سب سے بہتر شخص جسے تو اجرت پر رکھے طاقتور، امانت دار ہی ہے۔''

اس کے باپ نے پوچھا: تم نے اس آدمی کی قوت و امانت میں سے کیا دیکھا ہے؟ تو اس نے جو معاملہ موسیٰ علیہ السلام کا دیکھا تھا اس کے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہا: اس کی طاقت، قوت کا معاملہ یہ ہے کہ اس نے اکیلے ہی بھاری بھر کم پتھر کو کنویں کے منہ سے ہٹا دیا جبکہ اس پتھر کو کتنے لوگ مل کر آگے پیچھے کرتے ہیں اور جہاں تک اس کی امانت و دیانت کا تعلق ہے تو اس نیک آدمی نے راہ چلتے وقت مجھ سے کہا: بی بی! میرے پیچھے پیچھے چلو اور یہ کہ راستے کی راہنمائی مجھے پیچھے رہتے ہوئے کرتی رہو۔ اس لیے کہ میں ابراہیم خلیل اللہ کی نسل و

[1] الدرر المنثور جلد ٦، ص ٤٠٤، ص ٤٠٥، و تفسیر ابن کثیر جلد ٦، ص ٢٣٩، تفسیر الخازن جلد ٥، ص ١٧٠.

نسب میں سے ہوں۔ جس بات کو اللہ نے حرام کر رکھا ہے وہ آپ سے میرے لیے حلال نہیں ہے۔ یوں بھی کہا جاتا ہے کہ: ان دونوں عورتوں کے باپ نے اپنی ان میں سے کسی ایک بیٹی کے ساتھ شادی کر لینے کی پیشکش موسیٰ علیہ السلام کو کی تھی۔ ❶

مذکور بالا اسرائیلی روایات پر جرح و بحث:

ان میں سے بعض روایات باطل، بعض صحیح اسناد سے ثابت اور بعض خاموشی کے لائق ہیں۔ چنانچہ یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ دو عورتیں پیچھے ہٹ کر بیٹھی ہیں...... الخ تو یہ بات قرآنی نص کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں: وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُوْدَانِ...... اور موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے دو عورتوں کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں سے الگ (یا ایک نشیب میں) اپنی بکریوں کو روک رہی ہیں۔ (تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ پانی پینے کے لیے لوگوں کی بھیڑ بکریوں میں گھس کر گم ہو جائیں۔) یہاں آیت کریمہ میں مستعمل کلمہ ''الذود'' کا معنی ہوتا ہے: حرکت میں لا کر دور ہٹانا اور منتقل کرنا۔

اسی طرح یہ جو بیان ہوا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دوسرے کنویں کے اُوپر سے ایک بھاری پتھر کو اکیلے نے ہی ہٹا دیا تھا...... الخ تو قرآن حکیم میں مذکور قصہ کے سیاق سے اس کے یکسر خلاف مفہوم نکلتا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العالمین فرماتے ہیں:

﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ط وَأَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝﴾ (القصص: ۲۳)

''اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچا تو اس پر لوگوں کے ایک گروہ کو پایا جو پانی پلا رہے تھے اور ان کے ایک طرف دو عورتوں کو پایا کہ (اپنے جانور) ہٹا رہی تھیں۔ کہا تمھارا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا ہم پانی نہیں پلاتیں یہاں تک کہ چرواہے پلا کر واپس لے جائیں اور ہمارا والد بڑا بوڑھا ہے۔''

ظاہر بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ پانی کا مصدر و منبع ایک ہی تھا۔ اسی لیے تو لوگوں کا اس پر اژدھام ہو گیا تھا۔ اس لیے واضح معلوم یہی ہوتا ہے کہ سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں عورتوں کی بکریوں کو اسی کنویں سے پانی پلایا تھا۔

---

❶ الدر المنثور، ج: ٦، ص: ٤٠٤، ٤٠٥۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ٦، ص: ٢٣٩۔ تفسیر الخازن، ج: ٥، ص: ١٧٠، تفسیر الطبري، ج: ٢٠، ص: ٦٣، ٦٤۔ تفسیر الخازن، ج: ٥، ص: ١٧١.

اسی طرح یہ جو ذکر کیا گیا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو پانی سے دور ہٹا دیا تا کہ آپ دونوں عورتوں کی بھیڑ بکریوں کو پانی پلاسکیں تو یہ آپ علیہ السلام کی شان کے لائق نہ تھا۔ بلکہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کی اژدھام میں شامل ہوکر بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بعینہٖ جو روایت کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں لڑکیوں کی بکریوں کو پانی اُس وقت پلایا تھا جب لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلانے سے فارغ ہوکر وہاں سے چلے گئے تھے تو یہ بات بھی قرآن کے ظاہری معنی ومفہوم کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پانی پلانے کا ذکر ان عورتوں کے اس قول کے متصل بعد آیا ہے: لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ.... ''وہ کہنے لگے: ہم اپنی بکریوں کو اُس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک سب چرواہے پانی پلا کر اپنے جانوروں کو پھیر نہ لے جائیں اور ہمارا باپ نہایت بوڑھا آدمی ہے۔'' اس کے بعد قرآن کہہ رہا ہے: فَسَقٰى لَهُمَا: ''پس موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں کے جانوروں کو پانی پلایا۔'' یہاں پر ''ف'' ترتیب کے لیے ہے۔

البتہ جنابِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان لڑکیوں سے پوچھنے کے بارے میں جو روایت کیا گیا ہے کہ جب آپ علیہ السلام نے ان کی حالت کو دیکھ لیا۔ پھر ان دونوں کا آپ علیہ السلام کو آپ کی بات کا جواب دینا، آپ علیہ السلام کا ان کی بھیڑ بکریوں کو پانی پلا دینا، ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا آپ علیہ السلام کے پاس شرم وحیاء سے چلتی ہوئی آنا، اس کا آپ علیہ السلام کو اپنے باپ کے بلاوے کا ذکر کرنا، ان میں سے ایک لڑکی کا اپنے والد کو یہ رائے دینا کہ وہ اس نوجوان کو اس کی محبت کا انعام دیں، اُس لڑکی کا اپنی اس رائے کے لیے دلیل پیش کرنا اور ان لڑکیوں کے باپ کا موسیٰ علیہ السلام کو یہ پیشکش کرنا کہ وہ ان کے ساتھ اپنی ایک بیٹی کا نکاح کرنا چاہتا ہے......تو قصہ واقعہ کے سیاق و سباق میں قرآن کریم نے اس پر بہرحال صراحت و وضاحت کی ہے۔

دیگر روایات کی صحت وضعف کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ ان کا تعلق ان باتوں سے ہے کہ جن کے بیان کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قصہ مذکور بالا سے مستفاد احکام:

(۱)......ضرورت کے وقت عورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے جیسا کہ اس واقعہ میں دونوں عورتوں کا اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لیے باہر نکلنا معلوم ہوا۔

(۲)...... جب ضرورت پیش آجائے تو غیر محرم مرد عورت سے مرد کا گفتگو کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں لڑکیوں سے سوال جواب کیے تھے۔ [1]

[1] تفسير البحر المحيط، ج: ٧، ص: ١١٤ـ تيسير اللطيف المنان للسعدي، ص: ١١٣، تفسير البحر المحيط، ج: ٧، ص: ١١٣ـ والكشاف، ج: ٣، ص: ١٧١ـ روح المعاني للألوسي، ج: ٢، ص: ٦٠.

(۳)...... اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ: اگر فتنہ کا ڈر نہ ہو تو عورت کا غیر محرم مرد سے گفتگو کرنا جائز ہے۔ فرمایا:

﴿وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا﴾ (القصص : ۲۳)

''اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچا تو اس پر لوگوں کے ایک گروہ کو پایا جو پانی پلا رہے تھے اور ان کے ایک طرف دو عورتوں کو پایا کہ (اپنے جانور) ہٹا رہی تھیں۔ کہا تمھارا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا۔''

اور پھر آگے فرمایا:

﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا﴾ (القصص : ۲۵)

''تو ان دونوں میں سے ایک بہت حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی، اس نے کہا بے شک میرا والد تجھے بلا رہا ہے، تا کہ تجھے اس کا بدلہ دے جو تو نے ہمارے لیے پانی پلایا ہے۔''

ایک اور مقام پر حکم یوں ہے۔ فرمایا:

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾ (الاحزاب : ۵۳)

''اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمھارا کبھی بھی حق نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ اس کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو۔ بے شک یہ بات ہمیشہ سے اللہ کے نزدیک بہت بڑی ہے۔''

(۴)...... واقعہ میں مذکور دونوں عورتوں کی بکریوں کو موسیٰ علیہ السلام کے پانی پلانے سے یہ حکم بھی معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت مرد غیر محرم عورت کی مدد کر سکتا ہے۔ [1]

(۵)...... سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عورت کی بات پر اعتماد کر کے اس کے ہمراہ چلے جانے سے یہ حکم معلوم ہوا

[1] دیکھئے: تیسیر اللطیف المنان للسعدی ص ۱۳۱، الإکلیل ص ۲۰۳ وتفسیر البحر والمحیط جلد ۷ ص ۱۱۵۔

کہ عورت کے کسی بات کی خبر دینے اور روایت کرنے پر اعتماد کرنا شرعاً جائز ہے۔ ❶

(٦)...... اللہ تعالیٰ کے فرمان: قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ اور إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ.... جناب شعیب (علیہ السلام) کہنے لگے: اے موسیٰ! میں یہ چاہتا ہوں کہ میری ان دونوں بیٹیوں میں سے کسی ایک کو تجھ سے بیاہ دوں، اس حق پر کہ تو آٹھ سال تک میری خدمت کرے۔'' (اور اگر تو دس سال پورے کر دے تو یہ تیرا احسان ہوگا۔) سے معلوم ہوا کہ کسی معلوم کام پر کسی خاص معلوم نفع یا مقررہ وقت میں مزدوری و اجرت قائم و مقرر کرنا جائز ہے اور اس سے مراد عرف ہے۔ ❷

(٧)...... علاقہ مدین کے اس صالح مرد (جناب شعیب علیہ السلام) کے اپنی بیٹی کو جناب موسیٰ علیہ السلام کے سامنے نکاح کے لیے عرض کرنے سے یہ مسئلہ بھی ہوا کہ آدمی کا اپنی زیر سرپرست بچی کو نکاح کے لیے اہل خیر و برکت اور دینی فضل و علم والے کے سامنے پیش کرنا جائز ہے۔ ❸

اُمّ المؤمنین سیّدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں اُن کے بھائی سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میری ہمشیرہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی وفات (جنگ اُحد میں زخمی ہونے) کی وجہ سے بیوہ ہوگئی۔ خنیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ اور ان کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ (میرے والد) جناب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جنابِ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کے لیے حفصہ رضی اللہ عنہا کو پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں اس معاملے میں غور کروں گا۔ میں نے کچھ دنوں تک انتظار کیا۔ پھر مجھ سے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے۔ میں نے عرض کیا: اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کی شادی حفصہ سے کر دوں؟ جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ ان کی اس بے رخی سے مجھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ سے بھی زیادہ رنج ہوا۔ کچھ دنوں تک میں خاموش رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیجا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا نکاح کر دیا۔ اس کے بعد جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے حفصہ کا معاملہ میرے سامنے پیش کیا تھا تو اس پر میرے خاموش رہنے سے تمہیں تکلیف ہوئی ہوگی کہ میں نے تمہیں اس کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ جنابِ عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے کہا: تکلیف تو واقعی ہوئی تھی۔ جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے جو کچھ میرے سامنے معاملہ رکھا تھا اُس کا جواب میں نے صرف اس

---

❶ دیکھئے: البحر المحیط جلد ۷، ص ۱۱٤ و مذکرة أصول الفقه للشنقيطي ص ۱۱۸.

❷ تيسير اللطيف المنّان للسعدي، بتصرف يسير ص ۱۳۲ الإكليل ص ۲۰۳ و تفسير البحر المحيط جلد۷، ص ۱۱٥.

❸ التيسير المذكور ص ۱۳۲

وجہ سے نہیں دیا تھا کہ میرے علم میں تھا کہ رسول اللہ ﷺ خود حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرمایا تھا اور میں آپ ﷺ کے راز کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر نبی کریم ﷺ اس رشتہ کو چھوڑ دیتے تو میں حفصہ سے نکاح کر لیتا۔'' ❶

(۸)......اللہ عزوجل کے فرمان:

﴿قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۝ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ وَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ۝﴾ (القصص: ۲۷تا۲۸)

''اس نے کہا بے شک میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں، اس (شرط) پر کہ تو آٹھ سال میری مزدوری کرے گا، پھر اگر تو دس پورے کر دے تو وہ تیری طرف سے ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر مشقت ڈالوں، اگر اللہ نے چاہا تو یقیناً تو مجھے نیک لوگوں سے پائے گا۔ کہا یہ بات میرے درمیان اور تیرے درمیان (طے) ہے، ان دونوں میں سے جو مدت میں پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے۔''

سے ثابت ہوا کہ نکاح میں ایجاب وقبول کی حیثیت ہی قابل اعتبار ہوگی۔ ❷

واقعہ مذکور بالا میں دروس ونصائح:

(۱)......قصہ مذکور بالا میں دونوں عورتوں کا اپنے بوڑھے، عاجز باپ کے ساتھ نیکی کرنے اور اپنے باپ کی بکریوں کو پانی پلانے والے عمل کے ساتھ اس کی خدمت کرنے سے یہ درس ملا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کر کے اُن کی خدمت کرنی چاہیے۔ بالخصوص اُس وقت کہ جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔ اس طرح اس عمل میں بہن بھائیوں کو آپس میں تعاون کرنا چاہیے۔

(۲)......اللہ عزوجل کے فرمان گرامی: قَالَتَا لَا نَسْقِیْ حَتّٰى یُصْدِرَ الرِّعَآءُ...... سے معلوم ہوا کہ: غیر محرم مردوں سے اختلاط نہ کرنے اور ان کے اژدھام سے دور رہنے میں مومن عورتوں کی شرم وحیاء اور عفت وعصمت کی فضیلت کا سبق ملتا ہے۔ ❸

❶ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب عرض الإنسان ابنته أو أخته علی أهل الخیر، حدیث: ۵۱۲۲.

❷ دیکھئے: ابن قدامہ رحمہ اللہ کی ''المغنی'' جلد ۹، ص ۴۶۰، والإکلیل ص ۲۰۳.

❸ دیکھئے: ایسر التفاسیر للجزائری بتصرف جلد۳، ص ۳۹۲.

ایسی ہی بات اگلی آیات میں بیان ہوئی ہے: فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ...... ''ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرماتی چلی آتی ہے۔''

(۳)...... دونوں لڑکیوں کے اپنی ذات میں نیکی کے غلبہ اور اپنے صالح باپ کے ساتھ حسن سلوک سے معلوم ہوا کہ عورت کی شرم وحیاء، عفت وعصمت اور اس کا اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک نیک صالح اور اعلیٰ تربیت کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

(۴)...... اللہ کی مخلوق میں سے چاہے کسی کو بندہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو رحمت وشفقت سے پیش آنا اور ان سے حسن سلوک واحسان کرنا، انبیاء کرام علیہم السلام کے اخلاق حسنہ میں سے ہے، بالخصوص کسی ناتوان وعاجز آدمی کی مدد کرنا۔ جیسے کہ سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدین کے صالح آدمی (جناب شعیب علیہ السلام) کی دونوں بیٹیوں کے ساتھ احسان وحسن سلوک والا معاملہ کیا تھا۔ (کہ جن کا باپ نہایت بوڑھا ہو چکا تھا۔) ❶

(۵)...... مدین کے صالح آدمی کی بیٹی کے یوں کہنے: اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ...... سے معلوم ہوا کہ پاک دامن اور عفت وعصمت والی عورتیں شکوک وشبہات والی جگہوں سے دور رہا کرتی ہیں۔ چنانچہ اس لڑکی نے (جس کا نام غالباً صفوریا تھا۔) موسیٰ علیہ السلام سے مطلق طور پر اور کوئی مطالبہ نہیں کیا تاکہ آپ اس کی کسی دوسری عرض گزارش سے شک میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ❷

(۶)...... جب بیٹا یا بیٹی دیکھے کہ اس کی رائے میں مصلحت وخیر کا پہلو ہے تو وہ اپنی رائے اپنے باپ کے سامنے پیش کر سکتا ہے اور یہ بات آداب کے منافی نہیں ہے۔ باپ کو بھی چاہیے کہ اولاد کی رائے اگر درست ہو تو اس کو قبول کر لے۔ جیسے کہ شعیب علیہ السلام نے بیٹی کی رائے کو سنا اور اسے قبول کیا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے:

﴿قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ۝﴾

(القصص: ۲۶)

''دونوں میں سے ایک نے کہا اے میرے باپ! اسے اجرت پر رکھ لے، کیونکہ سب سے بہتر شخص جسے تو اجرت پر رکھے طاقتور، امانت دار ہی ہے۔''

(۷) اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان گرامی: اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ۝...... بہتر نوکر جو آپ رکھنا چاہیں تو وہی ہے جو زور آور اور امانت دار ہو۔'' سے معلوم ہوا کہ قوت وطاقت اور امانت دو

❶ تیسیر اللطیف المنّان للسعدی ص ۱۳۲.

❷ دیکھئے: تفسیر ابن کثیر جلد ۶، ص ۲۳۸، تفسیر أبی السعود جلد ۷، ص ۹.

ایسے اوصاف ہیں کہ جن کے ذریعے کوئی بھی عمل بحسن وخوبی اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ ❶

(۸)...... ہر زمان و مکان میں صالح لوگوں کی تعداد تھوڑی رہی ہے۔ یہ بات ہمیں اس واقعہ سے معلوم ہوئی۔ دونوں نیک، صالح بیبیاں تحمل سے انتظار میں رہیں کہ مرد فارغ ہوں تو اپنی بکریوں کو پانی پلائیں حتیٰ کہ مردوں میں سے وہ صالح آدمی (موسیٰ علیہ السلام) میسر آیا جو اس کام کا اہل تھا۔ قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر اللہ عزوجل یوں فرماتے ہیں:

﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ﴾ (ص: ۲٤)

''اور بے شک بہت سے شریک یقیناً ان کا بعض بعض پر زیادتی کرتا ہے، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اور یہ لوگ بہت ہی کم ہیں۔''

(۹)...... واقعہ مذکور بالا میں اُس دور کے اہل مدین کے ان دونوں عورتوں اور ان کے باپ سے عدم تعاون اور آج کل کے یہود ونصاریٰ اور ہنود ومشرکین کے وضع کردہ اور پیش کردہ انسانیت کے مفہوم سے جو نفس پرستی اور طلب دنیا میں دوسروں کے حقوق چھین لینے کی جو گندی بدبو آتی ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان جب تک ایمان باللہ و ایمان بالرسل اور ایمان بالشریعۃ المطہرۃ کے ساتھ مزین وطاہر نہیں ہوجاتا وہ اللہ عزوجل کی ذیل میں بیان کردہ صفات مذمومہ سے ہی متصف اور گندگی میں لتھڑا ہی رہتا ہے۔ (ایسے انسانوں کے نفسوں کی گندگی معاشرے کو ہمیشہ بدبودار، مفاد پرست اور فساد کا گڑھ بنائے رکھتی ہے۔) فرمایا:

ا...... ﴿وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ (ابراهيم: ۳٤)

''اور تمھیں ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے اس سے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمت شمار کرو تو اسے شمار نہ کر پاؤ گے۔ بلاشبہ انسان یقیناً بڑا ظالم، بہت ناشکرا ہے۔''

ب......﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ (الاحزاب: ۷۲)

''بے شک ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا، بلاشبہ وہ ہمیشہ سے بہت

❶ تفسیر البحر المحیط جلد ۷، ص ۱۱٤، الکشاف جلد ۳، ص ۱۷۱، تیسیر اللطیف المنان ص ۱۳۸.

ظالم، بہت جاہل ہے۔''

ج.....﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ (الاسراء: ١٠٠)

''کہہ دے اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس وقت تم خرچ ہو جانے کے ڈر سے ضرور روک لیتے اور انسان ہمیشہ سے بہت بخیل ہے۔''

د.....﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًاo اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًاo وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًاo اِلَّا الْمُصَلِّيْنَo الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَo وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌo لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِo وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَo﴾ (المعارج: ١٩تا٢٧)

''بلاشبہ انسان تھڑ دلا بنایا گیا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو بہت گھبرا جانے والا ہے۔ اور جب اسے بھلائی ملتی ہے تو بہت روکنے والا ہے۔ سوائے نماز ادا کرنے والوں کے۔ وہ جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں۔ اور وہ جن کے مالوں میں ایک مقرر حصہ ہے۔ سوال کرنے والے کے لیے اور (اس کے لیے) جسے نہیں دیا جاتا۔ اور وہ جو جزا کے دن کو سچا مانتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔''

ھ.....﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓيo اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰيo اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰيo﴾

(العلق: ٦تا٨)

''ہرگز نہیں، بے شک انسان یقیناً حد سے نکل جاتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ غنی ہو گیا ہے۔ یقیناً تیرے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے۔''

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

((تَجِدُوْنَ النَّاسَ مَعَادِنَ، خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا، وَتَجِدُوْنَ خَيْرَ النَّاسِ فِيْ هٰذَا الشَّأْنِ أَشَدَّهُمْ لَهُ كَرَاهِيَةً.)) [1]

''تم انسانوں کو معدنی کان کی طرح پاؤ گے (بھلائی اور برائی میں) جو لوگ جاہلیت کے زمانے میں بہتر اور اچھی صفات کے مالک تھے وہ اسلام لانے کے بعد بھی بہتر اور اچھی صفات والے ہیں،

[1] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب یا ایها الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی... الخ، حدیث: ٣٤٩٣.

بشرطیکہ وہ دین حنیف کا علم بھی حاصل کریں۔ حکومت اور سرداری کے لائق اُس کو پاؤ گے جو حکومت اور سرداری کو بہت ناپسند کرتا ہو۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی انسانوں کے معدنی کانوں کی طرح اُصول (اصل بنیادی ایک دوسرے سے مختلف چیزیں) ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ المعادن، معدن کی جمع ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے: زمین میں کسی مستقل چیز کا ذخیرہ کہ جس سے انسانوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہو۔ چنانچہ یہ معدنیاتی ذخیرہ (کان) کبھی انتہائی نفیس اور قیمتی نکل آتا ہے اور کبھی انتہائی ردی قسم کا۔ لوگ بھی بالعموم اسی طرح ہوتے ہیں۔ ❶

(۱۰)...... سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول سے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: مَا خَطْبُكُمَا......: سے یہ سبق ملا کہ اپنے کسی کمزور حاجت مند مسلمان بہن، بھائی کو اس کی کسی ضرورت سے متعلق پوچھنا تا کہ اس کی مدد کی جا سکے اور اس کے بعد نیکی ہو سکے، مروّت و احسان مندی میں سے ہے۔ ❷

(۱۱)...... جناب موسیٰ علیہ السلام کا اپنی ضرورت و حاجت پر اُن دونوں عورتوں کی خدمت کو مقدم کرنے سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے لیے ایثار و قربانی اہل ایمان کی صفت اور خوبی ہوا کرتی ہے۔ جیسے کہ اللہ عزوجل نے بیان فرمایا ہے:

﴿فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ۝﴾ (القصص: ٢٤)

''تو اس نے ان دونوں کے لیے پانی پلا دیا، پھر پلٹ کر سائے کی طرف آ گیا اور اس نے کہا اے میرے رب! بے شک میں، جو بھلائی بھی تو میری طرف نازل فرمائے، اس کا محتاج ہوں۔''

(۱۲)...... مدین کے اُس صالح شخص (شعیب علیہ السلام) کی بیٹی کے اپنے باپ کو لفظ ''یَـا أَبَـتِ...... ابو جان!'' کے ساتھ مخاطب کرنے سے یہ سبق ملا کہ اپنے والد کو مخاطب کرنے کے لیے سب سے معزز طریقہ، اسی لفظ سے پکارنا ہے۔ کئی ایک انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی اپنے اپنے والد کو اسی معزز لفظ کے ساتھ مخاطب کیا تھا۔ جیسے کہ سیّدنا یوسف نے اپنے والد محترم جناب یعقوب علیہما السلام کو مخاطب کر کے کہا تھا:

﴿اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ

---

❶ فتح الباري، جلد٦، ص ٦١٢.

❷ دیکھئے: في ظلال القرآن جلد٥، ص ٢٦٨٥.

رَاَیْتُھُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ﴾ (یوسف : ٤)

''جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! بے شک میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے، میں نے انھیں دیکھا کہ مجھے سجدہ کرنے والے ہیں۔''

دوسری بار پھر اسی لفظ سے آپ نے یعقوب علیہ السلام کو مخاطب کیا تھا۔

﴿وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا وَ قَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ﴾ (یوسف : ١٠٠)

''اور اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا اور وہ اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے اور اس نے کہا ابو جان! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے، بے شک میرے رب نے اسے سچا کر دیا اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکالا اور تمھیں صحرا سے لے آیا، اس کے بعد کہ شیطان نے میرے درمیان اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ بے شک میرا رب جو چاہے اس کی باریک تدبیر کرنے والا ہے، بلاشبہ وہی سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے والد کو اسی طرح مخاطب کیا تھا:

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا﴾ (مریم : ٤٢ تا ٤٥)

''جب اس نے اپنے باپ سے کہا ابو جان! تم اس چیز کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سنتی ہے اور نہ دیکھتی ہے اور نہ تیرے کسی کام آتی ہے؟ اے میرے باپ! بے شک میں، یقیناً میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا، اس لیے میرے پیچھے چل، میں تجھے سیدھے راستے پر لے جاؤں گا۔ ابو جان! شیطان کی عبادت نہ کر، بے شک شیطان ہمیشہ سے رحمٰن کا نافرمان ہے۔ ابو جان! بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تجھ پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب آ پڑے، پھر تو شیطان کا ساتھی بن

جائے۔''

جناب اسماعیل نے ابراہیم علیہ السلام کو بعینہ مخاطب کیا تھا:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝﴾

(الصافات: ۱۰۲)

''پھر جب وہ اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچ گیا تو اس نے کہا اے میرے بیٹے! بلاشبہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بے شک میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تو دیکھ تو کیا خیال کرتا ہے؟ اس نے کہا ابو جان! آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے کر گزریں، اگر اللہ نے چاہا تو تو ضرور مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔''

(۱۳)......قصہ مذکورہ بالا میں مذکور قرآن کے الفاظ: ''وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝......الخ اور ان کے ایک طرف دو عورتوں کو پایا کہ (اپنے جانور) ہٹا رہی تھیں۔ کہا تمھارا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا ہم پانی نہیں پلاتیں یہاں تک کہ چرواہے پلا کر واپس لے جائیں اور ہمارا والد بڑا بوڑھا ہے۔'' سے معلوم ہوا کہ عورت ذات فطرتاً کمزور پیدا ہوئی ہے۔ اگر باپ طاقتور ہوتا تو وہ خود اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لیے لاتا اور کبھی اُسے پانی پلانے میں دیر نہ ہوتی۔ ❶

(۱۴)......لڑکی نے اپنے باپ سے یہ جو کہا تھا: ''يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝ ......اسے اجرت پر رکھ لے، کیونکہ سب سے بہتر شخص جسے تو اجرت پر رکھے طاقتور اور امانت دار بھی ہے۔'' تو اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کی تعریف و مدح کرتے وقت عورتوں کے لیے سب سے خوبصورت اور حیا دار طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی یہ تعریف و توصیف عمومی الفاظ کے ساتھ ہو۔ ❷

❀❀❀❀❀❀

❶ دیکھئے: تفسیر فخر الدین رازی جلد ٢٤، ص ٢٣٩.

❷ دیکھئے: تفسیر القاسمی بتصرف جلد١٣، ص ٤٧٠٣.

دوسرا باب

قرآن میں عورتوں کے مختلف واقعات

اس باب میں بھی تین فصلیں ہیں:

فصل اوّل: عہدہ و منصب اور دولت والی عورتوں کے واقعات...... اس میں کل چار مباحث ہیں:

پہلا موضوع: عزیز مصر کی بیوی کا واقعہ وقصہ

دوسرا موضوع: فرعون کی بیوی کا واقعہ

تیسرا موضوع: ملکہ سبا کا واقعہ وقصہ

چوتھا موضوع: ابولہب کی بیوی کا قصہ

فصل ثانی: اس فصل میں کمزور عورتوں کے واقعات ہیں جو کہ پانچ مباحث پر مشتمل ہے۔

پہلا موضوع: بنواسرائیل کی کمزور عورتوں کا واقعہ

دوسرا موضوع: آگ کی کھائیوں میں جلائے جانے والے مومن مردوں کے ہمراہ مومن عورتوں کے واقعات

تیسرا موضوع: بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے والا واقعہ

چوتھا موضوع: مکہ کی کمزور اہل ایمان عورتوں کا واقعہ

پانچواں موضوع: اللہ کو پکارنے والی ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

فصل ثالث: اس میں ایک احمق، بیوقوف عورت کا واقعہ مذکور ہے۔

فصل اوّل:

عہدہ ومنصب اور دولت والی عورتوں کے واقعات

(کل چار موضوع ہیں)

(۱)......عزیز مصر کی بیوی کا واقعہ

موضوع کا داخلی دروازہ:

اسلام نے وہ تمام دروازے بند کردیے ہیں جو ارتکابِ زنا والے جرم کے میدان کی طرف کھلتے ہیں اور ان تمام دروازوں میں سب سے خطرناک دروازہ عورتوں کا مردوں کے ساتھ اختلاط ومیل جول اور مردوں کا عورتوں کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا ہے۔ جنابِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سرزمین شام کے مقام جابیہ میں امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہم سب لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا: لوگو! میں تم لوگوں کے سامنے کھڑے ہوکر جس طرح خطاب کر رہا ہوں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان ایک دفعہ کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا:

((أُوصِيكُمْ بِأَصْحَابِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتَّى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ، وَيَشْهَدُ الشَّاهِدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ، أَلَا، لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ، عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الاثْنَيْنِ أَبْعَدُ۔ مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ۔ مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَذَلِكُمُ الْمُؤْمِنُ.)) [1]

''لوگو! میں تمہیں اپنے صحابہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں (کہ ان ... طریقۂ دعوت وجہاد

[1] جامع الترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة، حديث: ۲۱۶۵، وقال ابو عيسى: حديثٌ حسنٌ صحيحٌ ووافقه الألباني رحمهما الله.

کو لازم پکڑے رکھنا۔) پھر ان لوگوں کے منہج اور طریقۂ فہم کو جوان کے متصل بعد آئیں گے (تابعین کرام) اور پھر ان کے بعد والے لوگ (تیسرے درجہ پر تبع تابعین رحمہم اللہ جمیعاً) باقی امت سے بہتر ہوں گے۔ پھر ان کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا حتیٰ کہ آدمی خواہ مخواہ قسم اٹھانے لگے گا حالانکہ اُس سے حلف لیا ہی نہ جائے گا۔ اور گواہ خواہ مخواہ (جھوٹی) گواہی دینے لگے گا حالانکہ اُس سے گواہی طلب ہی نہ کی جائے گی۔ خبردار! کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہو جاتا ہے۔ لوگو! مسلمانوں کی (امارت کبریٰ اور خلافت والی) جماعت حقہ کو لازم پکڑے رکھنا۔ تفرقہ بندی سے بچنا۔ اس لیے کہ شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ ضرور ہوتا ہے اور وہ دو سے اس اکیلے آدمی کی نسبت زیادہ دور ہوتا ہے۔ تو جو آدمی جنت کی خوشبو کو پسند کرتا ہوا سے جماعت حقہ کے ساتھ چمٹ کر رہنا چاہیے۔ جس آدمی کو اس کی نیکی اچھی لگے (نیکی کر کے دل خوش ہو۔) اور اُسے اپنی برائی (گناہ، غلطی اور جرم) بری لگے تو یہ ہے تم میں سے مومن آدمی۔''

بسا اوقات مرد عورت کے فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کبھی عورت مرد کے فتنے (حرام عشق و محبت) میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ قرآن عزیز نے ہمیں ایک ایسی عورت کا واقعہ بتلایا ہے کہ جو اس فتنۂ عشق میں مبتلا ہو گئی تھی اور اس نے اس معاملے میں اپنی آخری حد تک کوشش کر لی تھی۔ اس ظالمہ نے اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی سے اپنی نفسانی خواہش والی فاحشہ حرکت کو پوری کروانے کے لیے اپنا سا جتن کر کے دیکھ لیا مگر اللہ رب العزت نے اپنے صالح بندے اور نبی کی عزت کی حفاظت فرمائی اور اُنھیں اس بے حیاء عورت کے جال اور اُس کی سازش سے بچا کر رکھا۔ اور پھر اس اللہ کے نبی (علیہ السلام) نے اس عدیم الحیاء کے شر سے بچنے کے لیے جو کردار ادا کیا، اُسے بھی قرآن نے بیان کیا ہے۔

یہ واقعہ قرآن عزیز میں صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

''جب یوسف (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا: ابو جان! بے شک میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے، میں نے انھیں دیکھا کہ مجھے سجدہ کرنے والے ہیں۔ اس نے کہا اے میرے چھوٹے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، ورنہ وہ تیرے لیے تدبیر کریں گے، کوئی بری تدبیر۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اور اسی طرح تیرا رب تجھے چنے گا اور تجھے باتوں کی اصل حقیقت سمجھنے میں سے کچھ سکھائے گا اور اپنی نعمت تجھ پر اور آل یعقوب پر پوری کرے گا، جیسے اس نے اس سے پہلے تیرے دونوں باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی۔ بے شک تیرا

رب سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ بلاشبہ یقیناً یوسف اور اس کے بھائیوں میں سوال کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں تھیں۔ جب انھوں نے کہا یقیناً یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے ہاں ہم سے زیادہ پیارے ہیں، حالانکہ ہم ایک قوی جماعت ہیں۔ بے شک ہمارا باپ یقیناً کھلی غلطی میں ہے۔ یوسف کو قتل کر دو، یا اسے کسی زمین میں پھینک دو، تمھارے باپ کا چہرہ تمھارے لیے اکیلا رہ جائے گا اور اس کے بعد تم نیک لوگ بن جانا۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اسے کسی اندھے کنویں میں پھینک دو، کوئی راہ چلتا قافلہ اسے اٹھا لے گا، اگر تم ایسا کرنے ہی والے ہو۔ انھوں نے کہا اے ہمارے باپ! تجھے کیا ہے کہ تو یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتا، حالانکہ بے شک ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں۔ اسے کل ہمارے ساتھ بھیج کہ کھائے پیے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس نے کہا بے شک میں، یقیناً مجھے یہ بات غمگین کرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے کوئی بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو۔ انھوں نے کہا واقعی اگر اسے بھیڑیا کھا جائے، حالانکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں تو بلاشبہ ہم اس وقت یقیناً خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔ پھر جب وہ اسے لے گئے اور انھوں نے طے کر لیا کہ اسے اندھے کنویں میں ڈال دیں اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تو ضرور ہی انھیں ان کے اس کام کی خبر دے گا، اس حال میں کہ وہ سوچتے نہ ہوں گے۔ اور وہ اپنے باپ کے پاس اندھیرا پڑے روتے ہوئے آئے۔ کہا اے ہمارے باپ! بے شک ہم دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلتے چلے گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو اسے کوئی بھیڑیا کھا گیا اور تو ہرگز ہمارا اعتبار کرنے والا نہیں، خواہ ہم سچے ہوں۔ اور وہ اس کی قمیص پر ایک جھوٹا خون لگا لائے۔ اس نے کہا بلکہ تمھارے لیے تمھارے دلوں نے ایک کام مزین بنا دیا ہے، سو (میرا کام) اچھا صبر ہے اور اللہ ہی ہے جس سے اس پر مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔ اور ایک راہ چلتا قافلہ آیا تو انھوں نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا، سو اس نے اپنا ڈول لٹکایا۔ کہا اوہ! خوشخبری ہو! یہ ایک لڑکا ہے۔ اور انھوں نے اسے سامان تجارت بنا کر چھپا لیا اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو وہ کر رہے تھے۔ اور انھوں نے اسے تھوڑی قیمت، چند گنے ہوئے درہموں میں بیچ دیا اور وہ اس میں رغبت نہ رکھنے والوں سے تھے۔''

اس کے بعد قرآن یوں بیان کرتا ہے کہ:

﴿وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۝ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۝ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۝ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ۝ وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِیْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝ قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ۝ وَ اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۝ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ۝ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَ اسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ۝ وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَیْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّیْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَیْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ۝ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَ لَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ۝ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۝ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِیْنٍ۝﴾ (یوسف: ۲۱ تا ۳۵)

''اور جس شخص نے اسے مصر سے خریدا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کی رہائش باعزت رکھ، ہوسکتا ہے کہ ہمیں فائدہ دے، یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو اس زمین میں

جگہ دی اور تا کہ ہم اسے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھائیں اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ اور اس عورت نے، جس کے گھر میں وہ تھا، اسے اس کے نفس سے پھسلایا اور دروازے اچھی طرح بند کر لیے اور کہنے لگی جلدی آ۔ اس نے کہا اللہ کی پناہ، بے شک وہ میرا مالک ہے، اس نے میرا ٹھکانا اچھا بنایا۔ بلاشبہ حقیقت یہ ہے کہ ظالم فلاح نہیں پاتے۔ اور بلاشبہ یقیناً وہ اس کے ساتھ ارادہ کر چکی تھی اور وہ بھی اس عورت کے ساتھ ارادہ کر لیتا اگر یہ نہ ہوتا کہ اس نے اپنے رب کی دلیل دیکھ لی۔ اسی طرح ہوا، تا کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیں۔ بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔ اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے اس کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی اور دونوں نے اس کے خاوند کو دروازے کے پاس پایا، اس عورت نے کہا کیا سزا ہے اس کی؟ جس نے تیری گھر والی کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا، سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے، یا دردناک سزا ہو۔ اس (یوسف) نے کہا اسی نے مجھے میرے نفس سے پھسلایا ہے اور اس عورت کے گھر والوں سے ایک گواہ نے گواہی دی اگر اس کی قمیص آگے سے پھاڑی گئی ہو تو عورت نے سچ کہا اور یہ جھوٹوں سے ہے۔ اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھاڑی گئی ہو تو عورت نے جھوٹ کہا اور یہ سچوں سے ہے۔ تو جب اس نے اس کی قمیص دیکھی کہ پیچھے سے پھاڑی گئی ہے تو اس نے کہا یقیناً یہ تم عورتوں کے فریب سے ہے، بے شک تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے۔ یوسف! اس معاملے سے درگزر کر اور (اے عورت!) تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، یقیناً تو ہی خطا کاروں سے تھی۔ اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہا عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے نفس سے پھسلاتی ہے، بلاشبہ وہ محبت کی رو سے اس کے دل کے اندر داخل ہو چکا ہے۔ بے شک ہم تو اسے صریح غلطی پر دیکھتی ہیں۔ تو جب اس عورت نے ان کے فریب کے بارے میں سنا تو ان کی طرف پیغام بھیجا اور ان کے لیے ایک تکیہ دار مجلس تیار کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دے دی اور کہا ان کے سامنے نکل۔ پھر جب انھوں نے اسے دیکھا تو اسے بہت بڑا پایا اور انھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور کہا اللہ کی پناہ! یہ کوئی آدمی نہیں ہے، یہ نہیں ہے مگر کوئی نہایت معزز فرشتہ۔ اس عورت نے کہا تو وہ یہی ہے جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی تھی اور بلاشبہ یقیناً میں نے اسے اس کے نفس سے پھسلایا، مگر یہ صاف بچ گیا اور واقعی اگر اس نے

وہ نہ کیا جو میں اسے حکم دیتی ہوں تو اسے ضرور ہی قید کیا جائے گا اور یہ ضرور ہی ذلیل ہونے والوں سے ہوگا۔ اس نے کہا اے میرے رب! مجھے قید خانہ اس سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ سب مجھے دعوت دے رہی ہیں اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں سے ہو جاؤں گا۔ تو اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی، پس اس سے ان (عورتوں) کا فریب ہٹا دیا۔ بے شک وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ پھر اس کے بعد کہ وہ کئی نشانیاں دیکھ چکے، ان کے سامنے یہ بات آئی کہ اسے ایک وقت تک ضرور ہی قید کر دیں۔''

چنانچہ ان ظالموں نے بے گناہ سیّدنا یوسف علیہ السلام کو قید میں ڈال دیا۔ وہاں جیل میں اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کو اللہ کی توحید کی دعوت بھی دی۔ جب ان میں سے ایک شخص جیل سے رہا ہوکر گیا اور وہ بادشاہ کا ساقی تھا، اُس کے سامنے بادشاہ نے اپنے مصاحبوں کو اپنا ایک خواب سنایا۔ اس رہا ہونے والے ساقی کو معلوم تھا کہ جناب یوسف علیہ السلام خوابوں کی تعبیر کا خوب علم رکھتے ہیں۔ چنانچہ جب بادشاہ کے مصاحبین اُس کے خواب کی تعبیر سے عاجز آ گئے تو اس ساقی نے کہا: میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتلاتا ہوں۔ مجھے ذرا جیل کی طرف بھیجو۔ وہاں جا کر اُس نے جناب یوسف علیہ السلام سے ملاقات کر کے بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھی جو آپ نے تفصیل کے ساتھ سمجھا دی۔ آگے قرآن بیان کرتا ہے:

﴿وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝ وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝﴾

(یوسف: ۵۰ تا ۵۷)

''اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ، تو جب قاصد اس کے پاس آیا تو اس نے کہا اپنے مالک کے پاس واپس جا، پھر اس سے پوچھ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، یقیناً میرا رب ان کے فریب کو خوب جاننے والا ہے۔ اس نے کہا تمھارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے پھسلایا؟ انھوں نے کہا اللہ کی پناہ! ہم نے اس پر کوئی برائی معلوم نہیں کی۔ عزیز کی بیوی نے کہا اب حق خوب ظاہر ہوگیا، میں نے ہی اسے اس کے نفس سے پھسلایا تھا اور بلاشبہ وہ یقیناً سچوں سے ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ جان لے کہ بے شک میں نے عدم موجودگی میں اس کی خیانت نہیں کی اور یہ کہ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کو کامیاب نہیں کرتا۔ اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔ بے شک میرا رب بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے لیے خاص کرلوں، پھر جب اس نے اس سے بات کی تو کہا بلاشبہ تو آج ہمارے ہاں صاحب اقتدار، امانتدار ہے۔ اس نے کہا مجھے اس زمین کے خزانوں پر مقرر کر دے، بے شک میں پوری طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں۔ اور اسی طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسف کو اقتدار عطا فرمایا، اس میں سے جہاں چاہتا جگہ پکڑتا تھا۔ ہم اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں پہنچا دیتے ہیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ اور یقیناً آخرت کا اجر ان لوگوں کے لیے کہیں بہتر ہے جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

أَكْرِمِي مَثْوَاهُ: اس کو باحرمت، اس کے مرتبہ ومقام کا خیال کرتے ہوئے رکھنا۔ ❶

وَرَاوَدَتْهُ: دراصل ''رَوَدَ يَرُوْدُ'' کا معنی ہوتا ہے: بے اطمینانی سے آنا جانا۔ یہاں یہ کلمہ باب مفاعلہ میں آیا ہے۔ جس کا معنی ہوتا ہے: خواہش کرنا، پسند کرنا۔ کسی کو کسی بات پر آمادہ کرنا۔ ورغلانا، پھسلانا، گناہ کے لیے آمادہ کرنا اور دھوکا دینا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اُس (عزیز مصر کی بیوی) نے اپنی خواہش اُس کی ذات سے بجھانا چاہی اور یوسف (علیہ السلام) کو اس نے دعوت دی کہ آپ اس کے ساتھ بے حیائی والا کام کریں۔ ❷

هَيْتَ لَكَ: یعنی میں تجھے کہتی ہوں جلدی سے آجا۔ پہلے لفظ کو ''هِيْتَ'' بھی پڑھا گیا ہے۔ اور

❶ تفسیر البغوی جلد نمبر ٢ ص ٤١٦.

❷ تفسیر البحر المحیط جلد نمبر ٥، ص ٢٩٣، تفسیر البغوي جلد نمبر ٢ ص ٤١٧.

''هَيْت'' بھی یعنی ''ت'' ساکن۔ بعض قراء نے اس کو ''هِيْتُ لَكَ'' بھی پڑھا ہے۔ جس کا معنی ہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے لیے تیار کرلیا ہے۔ یہ قرأت ابن عباس، ابوعبد الرحمٰن سلمی، ابووائل، عکرمہ اور قتادہ رحمہم اللہ جمیعاً سے منقول ہے۔ ❶

مَعَاذَ اللّٰهِ: یعنی میں اللہ کی طرف متوجہ ہوکر اُس کی پناہ پکڑتا ہوں اور اس کی مدد طلب کرتا ہوں کہ میں ایسا بے حیائی والا کام کروں۔ ❷

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ: اور دونوں بھاگتے ہوئے دروازے کی طرف چلے۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے دونوں دروازے کی طرف دوڑے۔ آگے یوسف اور عزیز مصر کی بیوی پیچھے۔ یوسف علیہ السلام دوڑے کہ دروازہ کھول کر بھاگ جائیں اور وہ عورت دوڑی تاکہ انہیں دروازہ کھول کر بھاگنے نہ دے۔ ❸

وَقَدَّتْ قَمِيْصَهُ مِنْ دُبُرٍ: یعنی اُس عورت نے جناب یوسف علیہ السلام کی قمیض پیچھے سے پھاڑ دی۔ ❹

وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ: اور دونوں نے دروازے پر عورت کے خاوند کو پایا۔ یہاں سیّد سے مراد خاوند ہے۔ ❺

إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ: كَيْدٌ کا معنی ہوتا ہے: کوئی حیلہ کرنے کے لیے مکر وفریب کرنا۔ کبھی یہ لفظ قابل مذمت معنی میں آتا ہے جیسا کہ یہاں ذکر ہوا ہے اور کبھی قابل تعریف معنی میں۔ اکثر یہ کلمہ مذموم معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ عزیز مصر نے عورتوں کے مکر وفریب کو جو بہت بڑا فتنہ بیان کیا تو یہ ان کے اُس حیلے کی بنا پر ہے کہ جسے وہ اپنے جال میں پھانسنے کے لیے اس طرح کے مکر کیا کرتی ہیں۔ ❻

مِنَ الْخَاطِئِيْنَ: یعنی ارادۃً خطا کاروں میں سے ہے جان بوجھ کر عمداً غلطی کرنے والے کو ''خَاطِيءٌ'' کہا جاتا ہے اور ''اَلْمُخْطِئُ'' وہ ہوتا ہے جو درست کام کا ارادہ کرے مگر غلط کام کر بیٹھے۔ عزیز مصر نے یہ جو کہا: مِنَ الْخَاطِئِيْنَ تو اس سے اُس کی مراد عورتوں سے متعلق برائی کی خبر دینا مقصود نہیں تھا بلکہ اسے مجرم مردوں

❶ دیکھئے: تهذيب في تفسير ابن كثير ص ٦٥٨، طبع دار السلام، الرياض، النشر في القراء ات العشر جلد ٢، ص ٢٩٤، واتحاف فضلاء البشر ص ٢٦٣، تحبير التيسير ص ١٢٧ والكشف عن وجوه القراء ات السبع جلد ٢، ص ٨.

❷ المفردات للراغب ص ٣٥٢.

❸ الكشاف جلد ٢، ص ٣١٢.

❹ تفسير الطبرى، جلد ١٢، ص ١٩١.

❺ معانى القرآن للزجاج جلد ٣، ص ١٠٢، تأويل مشكل القرآن لابن قتيبه ص ٥٦٣، المفردات للراغب، ص ٢٤٧.

❻ تفسير الطبرى جلد ٩، ص ١٧٥.

میں شمار کرنا مقصود تھا کہ جو بڑی جرأت سے گناہ کیا کرتے ہیں۔ ❶

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا: یعنی یوسف (علیہ السلام) کی محبت دل کے پردے میں داخل ہو کر اس کے دل پر غالب آ گئی ہے۔ شَغَاف.... دل کے غلاف اور پردے کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر دل ہوتا ہے۔ ❷

بِمَكْرِهِنَّ: یعنی دوسری عورتوں کے طعنے اور غیبتیں چغلی کرنے کو بھی مکر کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ دونوں کام خفیہ، پیٹھ پیچھے ہوتے ہیں۔ ❸

وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَـًٔا: اور عزیز مصر کی بیوی نے ان عورتوں کے لیے مسندیں تیار کیں۔ ان کے لیے ایک محفل کی تیاری کی جس میں بیٹھنے اور کھانے پینے کا ساز و سامان بھی تھا۔ ❹

أَكْبَرْنَهُ: اسے انہوں نے بڑا عظیم جانا اور اُس کے جلال سے سہم گئیں۔ ❺

فَاسْتَعْصَمَ: پس یوسف نے اپنے نفس کو روکے رکھا۔ (اس پر قابو پایا) گویا کہ اُس نے اس جذبہ کو اس وقت طلب کیا جس سے وہ فحش کام کرنے سے بچ جائے۔ ❻

اَلصَّاغِرِيْنَ: یہ صَغُرَ يَصْغُرُ کا اسم فاعل ہے بمعنی ذلت و رسوائی اور یہ بمعنی صغیر...... چھوٹا برعکس کبیر بمعنی بڑا، نہیں ہے اور الصاغرین سے مراد یہاں ذلیل ہونے والے ہیں۔ ❼

مَا خَطْبُكُنَّ: تمہارا کیا حال گزرا۔ یہ لفظ اس وقت اکثر طور پر بولا جاتا ہے جب مخاطب سے کسی بڑے معاملے کے بارے میں پوچھنا ہو۔ ❽

حَاشَ لِلّٰهِ: گویا یوں کہا گیا: معاذ اللہ! یہ بمعنی التنزیه لله ہے۔ ❾

حَصْحَصَ: واضح اور منکشف ہو گیا ہے۔ ❿

---

❶ الكشاف، ج٢، ص ٣١٦، وفتح القدير، ج٣، ص ١٩، لسان العرب، ج١، ص ٦٦، تفسير الطبري، ج١٢، ص ١٩٧.

❷ دیکھئے: تفسير القرطبي جلد ١٢، ص ١٩٨.

❸ فتح القدير جلد ٣، ص ٢١، والكشاف جلد٢، ص ٢١٦.

❹ الطبرى جلد ١٢، ص ٢٠١ والقرطبى جلد ٩، ص ١٧٨.

❺ الطبرانى جلد ٢١٢، ص ٢٠٤.

❻ المفردات للراغب، ص ٣٣٧.

❼ المفردات ص ٢٨١ و معانى القرآن جلد نمبر ٣، ص ١٠٨.

❽ دیکھئے: المفردات للراغب الاصبهانى ص ١٥٠.

❾ الطبرى جلد نمبر ١٢، ص ٢٠٨.

❿ تفسير المشكل من غريب القرآن/مكى بن ابوطالب ص ١١٥، والمفردات للراغب ص ١٢٠.

وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ: اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی چال چلنے نہیں دیتا۔ یعنی اُس مکر کا نفاذ نہیں ہونے دیتا۔ ❶

عورت کا تعارف اور واقعہ کی تفصیل:

واقعہ مذکورہ بالا میں اس عورت کا نام کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ مشہور یہی ہے کہ اُس کا نام ''زلیخا'' تھا۔ بعض لوگوں نے اس کا نام راعیل بھی لکھا ہے۔ اس کا خاوند مصر کے بادشاہ کا وزیر تھا۔ جس کا لقب عزیز اور نام اس کا قطفیر تھا۔ اطفیر بھی بتلایا گیا ہے۔ اسرائیلی کتب میں (Potiphar) درج ہے۔ ❷

قرآن حکیم نے ہمیں عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کا واقعہ اپنے خاوند اور پھر سیّدنا یوسف بن یعقوب علیہما السلام کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسی طرح شہر مصر کی کچھ عورتوں کے ہمراہ اور پھر بادشاہ کی موجودگی میں اُس کے بیان کو ذکر کیا ہے۔

سب سے پہلے ہم اسے اپنے خاوند کے ہمراہ دیکھتے ہیں کہ وزیر نے اپنی بیوی کو یوسف کے بارے میں کیا ہدایات دی تھیں۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے جب اُس نے یوسف (علیہ السلام) کو خرید کر اس کے سپرد کیا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ اس کو اچھی آبرو، عزت اور آرام سے باحرمت و باعزت رکھنا۔ عزیز مصر نے اس بات کی امید کی تھی کہ ہوسکتا ہے کہ یہ لڑکا کسی دن ہمارے کام آئے، ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں۔ (اگر اس معیار پر اترا تو۔) ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے پاس اولاد نہیں تھی۔ اس لیے عزیز مصر نے یوسف کو بیٹا بنا لینے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ ❸

(قرآن نے اس شخص کے نام اور عہدے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ البتہ آگے چل کر مصر کی عورت نے ''عزیز'' کے لقب سے اس کا ذکر کیا ہے اور یہی لقب بعد میں جنابِ یوسف علیہ السلام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مصر کے بادشاہ کا وزیر اعظم تھا۔ بائبل میں ہے کہ وہ بادشاہ کے باڈی گارڈوں کا افسر اور جیل خانوں کا منتظم تھا۔ اس کی بیوی کا نام ''زلیخا'' کا بھی قرآن نے کہیں ذکر نہیں کیا۔ البتہ بعض مفسرین نے یہ نام لکھا ہے اور وہ بھی غالباً اسرائیلی روایات پر اعتماد کرتے ہوئے۔ کیونکہ یہود کی تلمود میں اس کا نام اسی لفظ سے درج کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا نام ''راعیل'' بھی لکھا ہے جیسا کہ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔)

❶ تأويل مشكل القرآن / ابن قتيبه ص ٤٤٤.

❷ فتح الباري، ج٨، ص: ٢١٤، تفسير البغوي، ج٢، ص ٤١٦، التعريف والإعلام للسهيلي، ص: ٨٠، الكامل لابن الأثير ج١، ص ٨٠، قصص الأنبياء لابن كثير، ص: ٢٣٧.

❸ دیکھئے: تفسير الطبرى جلد ١٢، ص ١٧٥.

آگے اس عورت (زلیخا) کا ایک دوسرا رویہ و کردار نظر آتا ہے اور یہ اُس کا برا کردار جناب یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھا۔ اس طرح کہ اُس نے سیّدنا یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ فحش کام کرنے پر تیار کرنے اور ورغلانے کے لیے اپنا ساجتن کر دیکھا۔ اس فعل بد کے لیے اُس نے پوری احتیاط اور خفیہ طور پر اس کام کو سرانجام دلوانے کے لیے مکمل انتظام کر رکھا تھا۔ چنانچہ اُس نے تمام دروازے بند کر لیے اور سیّدنا یوسف علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنے وجود کی طرف دعوت دی۔ ؎

بند دروازے کیے لگی کہنے جلدی سے آ

بولے یوسف اے معاذ اللہ یہ حرکت ہے کیا؟

مگر اللہ عزوجل کی خصوصی عصمت و حفاظت کے ساتھ کہ جو اُس نے اپنے محبوب بندے اور صالح نبی جناب یوسف علیہ السلام کی فرمائی، آپ علیہ السلام اُس کے شر سے بچ گئے اور اُس خبیث عورت کی مراد بر نہ آئی۔ (مگر دل ہی میں دل میں: ؎ کہتی تھی فتح آج بر آئی مری مراد) سیّدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھلا انکار کیا اور اپنے آپ کو اس کے چنگل سے بچاتے ہوئے اللہ عزوجل سے پناہ طلب کی اور کہا: مَعَاذَ اللّٰهِ...... اللہ کی پناہ۔ پھر یہ کہہ کر اپنے نفس کو خیانت سے پاک رکھا: إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ: جس نے مجھے خریدا وہ میرا مالک اور اُس نے مجھے اچھی طرح عزت سے رکھا، اُس کی عزت میں خیانت کیوں کروں، اور یہ یاد رکھو کہ بلاشبہ ظالم، نمک حرام لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ ❶

یعنی تیرے خاوند نے مجھے قدر و منزلت سے رکھا، میری عزت و توقیر کی اور مجھے امانت دار جانا، اس لیے میں اُس کی خیانت نہیں کر سکتا۔ ❷

مگر اس کے باوجود وہ ظالم عورت سیّدنا یوسف علیہ السلام کی گفتگو سے ذرہ بھر متاثر نہ ہوئی۔ نہ ہی اُس نے یوسف کو ایسی گفتگو پر ڈانٹ پلائی۔ بلکہ وہ اپنے مطالبے پر ڈٹی رہی، جیسا کہ اللہ عزوجل نے ذکر فرمایا ہے: "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ...." اور بالتحقیق پختہ قصد کر لیا تھا اس عورت نے جناب یوسف علیہ السلام کا۔ گویا وہ ظالم جناب یوسف علیہ السلام کے اُس کو صاف صاف جواب دینے اور اللہ کی پناہ میں آنے کے باوجود کہنے لگی۔ ؎

---

❶ یہاں اکثر مترجمین اور اصحاب تفسیر نے یہی مفہوم مراد لیا ہے کہ "رَبِّیْ" سے مراد عزیز مصر ہے۔ امام سدی اور مجاہد رحمہما اللہ سے یہی منقول ہے۔ لیکن بعض نے رَبِّیْ سے مراد اللہ تعالیٰ لیا ہے۔ اور یہ دوسری رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ بات کسی نبی کی شان سے بعید ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا رب کہے (البحر المحیط) اس مفہوم کے حق میں ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ "إِنَّهُ رَبِّيْ" میں "ہ" کا مرجع قریب تر لفظ "مَعَاذَ اللّٰهِ" میں کلمہ مقدسہ اللہ ہے نہ کہ عزیز۔ (اشرف الحواشی ص ۲۸۶)

❷ دیکھیے: تفسیر ابی السعود جلد ٤، ص ٢٦٦.

عشق گر مانے تو دو، حسن چمک جانے تو دو
ہم سے ناکام بہت، آپ سے خود کام بہت

لگتا ہے وہ بھی ظالم آج کل کے صوفیانہ عشق والے چکر میں پھنسی ہوئی تھی۔ داغ دہلوی نے اُس کے عشق کی ترجمانی کیا خوب کی ہے۔ ؏

میں گنہگار، اگر عشق مجازی ہے گناہ
میں خطا وار، اگر اس کو خطا کہتے ہیں

چنانچہ جب سیّدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس ظالم کا گناہ پر عزم دیکھا اور اُس کی کوشش کا مشاہدہ کیا تو آپ جلدی سے دروازے کی طرف دوڑے تاکہ آپ باہر نکل جائیں اور اُس کے شر سے بچ سکیں۔ مگر وہ بھی آپ علیہ السلام کے پیچھے دوڑی تاکہ آپ علیہ السلام کو باہر جانے سے روک سکے اور آپ سے اپنی خواہش کو بجھا سکے۔ ❶

اور پھر اُس (فاحشہ) نے آپ علیہ السلام کو پیچھے سے پکڑ لیا اور آپ کی قمیض کو پیچھے سے پھاڑ دیا۔ یہ افعال جو اُس سے سرزد ہوئے تھے، ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ایک جوان اور مضبوط عورت تھی۔ دروازے پر اسی حالت میں اُن سے عزیز مصر کی ملاقات ہوگئی، تب فوراً اس عورت نے اپنی سرشت بدلی اور اداکاری کرتے ہوئی اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے اپنے آپ پر پردہ ڈالنے کی خاطر جلدی سے کہنے لگی: ﴿مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''بھلا بتایئے جو شخص آپ کی بیوی کے ساتھ برا کام کرنا چاہے اس کی سزا اس کے سوا ہرگز نہیں ہونی چاہیے، یا تو اُسے قید کر دیا جائے یا پھر دردناک سزا اُسے ملے۔'' یہ کہہ کر اُس ظالم نے اللہ عزوجل کے پاک دامن نبی پر بے حیائی کا الزام لگا دیا۔ اب یہی بد بخت عورت جو کچھ دیر پہلے اپنی نفسانی خواہش اور عشق کی آگ بجھانے کے لیے پورے جتن کر رہی تھی فوراً رائے بھی دے دی کہ اگر شکار میرے ہاتھ نہیں آیا تو پھر رب تعالیٰ کی آزاد فضاؤں میں کیوں آزاد پھرتا رہے۔ اسے میرے ساتھ بے حیائی نہ کرنے کی سزا دینی چاہیے اور اسے قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کرنے کے لیے فیصلہ ہونا چاہیے یا کم از کم اسے کوئی دردناک سزا دی جائے، اسے کوڑے لگائے جائیں۔

کہا جاتا ہے کہ اُس نے مذکور بالا سزاؤں کے بارے میں جو ذکر کیا تھا تو یہ جنابِ یوسف علیہ السلام کو خوفزدہ کرنے کے لیے تھا اور اس کی طرف سے جناب یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایک چال چلنے کی خاطر تھا۔ تاکہ آپ اس کی بات اگر پیار سے نہیں مان رہے تو خوفزدہ ہوکر ماننے کے لیے تیار ہو جائیں۔ ❷

❶ دیکھئے: البحر المحیط، جلد ٥، ص ٢٩٦.

❷ تفسیر ابن کثیر، ج٤، ص ٤١٠، فتح القدیر، ج٣، ص١٨، تفسیر البغوی، ج٢، ص ٤٢١، تفسیر البحر المحیط، ج٥، ص ٢٩٧.

چنانچہ جب اُس فاحشہ عورت نے سیّدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بہتان باندھا تو اس بنا پر کہ آپ علیہ السلام اُس کے خاوند کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے، اس موقعہ پر حق بات کہنے اور سچ بتانے سے خاموش نہ رہے بلکہ اپنی ذات کا دفاع کرنے لگے اور یہ کہہ کر آپ اللہ عزوجل پر پختہ ایمان والے، بلند حیثیت و درجہ کے مالک اور اللہ رب العالمین کے مخلص بندوں میں سے تھے۔ جنہیں اللہ کریم نے اپنے دین حنیف کی دعوت کے لیے منتخب فرما رکھا ہوتا ہے۔ آپ فرمانے لگے: ﴿هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي﴾ ''اس عورت نے خود مجھے بہلایا ہے اور اپنی خواہش مجھ سے بجھانا چاہی ہے۔'' (میں اس سے بچنے کے لیے بھاگا اور اس نے پیچھے سے میری قمیض پھاڑ دی ہے۔) یوں آپ نے اس عورت کی عیب کشائی کی اور اُس کی تجویز کردہ اُس سزا کی جو اس نے آپ کے حق میں بہتان لگا کر عزیز مصر کو بتلائی تھی۔ اور یہ کہ اُس نے جو آپ کی عزت و ناموس پر تہمت دھری تھی اسے بھی منکشف کیا۔

جب عزیز مصر پر اس دلیل کے ذریعے کہ جسے ایک گواہی دینے والے دودھ پیتے بچے نے جھوٹ سے سچ کی پہچان کرنے کے لیے دی تھی، معاملے کی اصل حقیقت کا علم ہوگیا اور سارا معاملہ کھل گیا کہ اُس کی بیوی ہی دراصل مجرم ہے تو اس نے اپنی بیوی سے کہا: ﴿إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ﴾ ''بلاشبہ یہ تمہارا چلتر ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ تم عورتوں کا مکر بہت بڑا ہوا کرتا ہے۔''

اپنی بیوی کو اس نے حکم دیا کہ وہ اپنے گناہ کی معافی مانگے۔ اس لیے کہ اس فعل بد کے ذریعے وہی خطا کاروں میں سے ہوگئی ہے۔ ادھر یوسف علیہ السلام سے کہا: یوسف! چلو اس بات کو جانے دو اور کچھ خیال نہ کرو، تاکہ بات نہ پھیلے، بلاشبہ تمہاری صداقت اور پاکبازی ثابت ہوگئی ہے۔ یہاں ایک بات واضح ہوگئی کہ عزیز مصر کا موقف اپنی بیوی کے بارے میں نہایت ٹھنڈا تھا اور غیرت سے خالی۔

اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ جب یہ خبر پھیلی اور شہر کی عورتوں نے چرچا کیا کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام سے اپنی خواہش بجھانا چاہتی ہے اور اُس کی محبت میں دیوانی ہوگئی ہے۔ ہم سمجھتی ہیں کہ وہ صاف بہک گئی ہے کہ اپنے غلام کے عشق میں دیوانی ہوگئی ہے [1] جب زلیخا نے ان عورتوں کے طعنے سنے تو اُس نے ان کی مہمانی کرنے کے لیے انہیں بلا بھیجا اور پھر ان کے لیے بیٹھنے اور کھانے پینے کا اہتمام کیا۔ پھر جب وہ کھانے کے لیے بیٹھ گئیں تو زلیخا نے پھل کاٹنے کے لیے ان کے ہاتھوں میں چھریاں دے دیں۔ عین وقت پر کہ جب وہ پھل کاٹ کاٹ کر کھانے لگیں اُس نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ یوسف ذرا ان کے سامنے آنا...... الخ

---

[1] جس کو دیکھا ہم نے اس وحشت کدے میں دہر کے — یا سڑی یا خبطی یا مجنون یا دیوانہ تھا
کوئی سودائی تو ہے یا کوئی دیوانی ہے — اس بلا خیز تلاطم میں تو کہاں آئی ہے
کردیا ہے قاق ایسا عشق کے آزار نے — پیش از بت طیار تھے ناخن ہمارے ہاتھ پاؤں

یہاں اس عورت نے سیّدنا یوسف علیہ السلام کو اپنے دامنِ فریب میں لانے کے لیے ایک بار پھر کوشش کی۔ ان عورتوں تک زلیخا کے یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ عشق کی خبر ان آدمیوں کے ذریعے پہنچی تھی جو عزیز مصر کی موجودگی میں اس کے گھر کے دروازے پر جناب یوسف اور اس عورت (زلیخا) کے درمیان جھگڑے کے وقت موجود تھے۔ ممکن ہے ان کے ساتھ خدام و غلامان جیسے دوسرے، تیسرے درجہ کے لوگ بھی وہاں موجود ہوں، جیسے کہ عموماً بڑے عہدے کے لوگوں کے ہمراہ اس طرح کے لوگ ہمیشہ رہتے ہیں۔ اور یہ عورتیں کہ جنہوں نے عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کو عشق یوسف کے طعنے دیے تھے، مصر کے طبقہ عالیہ (آفیسران بالا) کی عورتیں تھیں۔ ❶

اس واقعہ کا مطالعہ کرنے والا آدمی ان عورتوں کی گفتگو سے بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ فحاشی و بے حیائی کو عام کرنے، اسے پھیلانے اور اس کو وسعت دینے کے لیے اس دور میں مصر کی عورتوں کا کتنا بڑا ہاتھ تھا۔ قرآن عظیم کی اس آیت کریمہ سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

﴿وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝﴾ (یوسف: ۳۰)

''اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہا عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے نفس سے پھسلاتی ہے، بلاشبہ وہ محبت کی رو سے اس کے دل کے اندر داخل ہو چکا ہے۔ بے شک ہم تو اسے صریح غلطی پر دیکھتی ہیں۔''

انہوں نے اس کی کھل کر تشہیر کر دی۔ ان عورتوں کی طعنہ بازی اور تشہیری گفتگو سے اشارۃً ایک بات یہ بھی معلوم ہو رہی ہے کہ انہوں نے اپنے اُس ننگے ماحول کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا: اگر تم نے اے زلیخا عشق کرنا اور اپنی خواہش کی آگ کو بجھانا ہی تھا تو کسی آزاد جواں مرد سے بجھواتی، ایک غلام چھوکرے سے تجھے کیا ملے گا؟ ادھر قرآن حکیم کا اسلوب دیکھیے کہ اللہ عزوجل نے ایسی ہر گفتگو کو مخفی رکھا ہے۔ تاکہ بے حیائی کو شہ نہ ملے۔

مصر کے طبقہ عالیہ کی عورتوں کا یہ کہنا: ﴿تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ ...... عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام چھوکرے سے اپنی نفسانی خواہش بجھانا چاہتی ہے۔'' سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان ظالموں نے کھلم کھلا سیّدنا یوسف علیہ السلام پر بھی الزام لگا دیا۔ اور تُرَاوِدُ کا کلمہ فعل مضارع کا صیغہ ہے جو کہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی زلیخا اس عمل قبیح کو مسلسل جاری رکھے ہوئے ہے۔ (اللہ ایسی بے حیا عورتوں کو سخت سزا دے جنہوں نے اللہ عزوجل کے ایک پاکباز بندے اور اس کے نبی پر بے حیائی کا الزام لگایا۔ دراصل وہ اپنے دل کے گدلے آئینہ کو دیکھ کر بات کر رہی تھیں کہ جو خود بدکرداری سے دھندلایا ہوا تھا۔) ان بے حیا عورتوں نے ﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا﴾ .... کہہ کر زلیخا کی آتش عشق و

❶ فی ظلال القرآن جلد ٤، ص ١٩٨٤.

ہوس کا سبب یہ بتلایا کہ دراصل وہ اس نوجوان کے عشق میں گرفتار ہوگئی ہے مگر کہنے لگیں کہ اس معاملے میں ہم اسے بے وقوف سمجھتی ہیں جو ایک غلام چھوکرے کے عشق میں دیوانی ہوئی پھرتی ہے۔ یہاں انہوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ

۱..... ذرا ہمیں وہ نوجوان دکھاؤ تو سہی کہ جس کے پیچھے دل ہار بیٹھی ہو؟

۲..... اس گلشن ہست و بود میں طرح طرح کے پھول کھلے ہیں بھنورے کی طرح باغِ دنیا میں اُڑتی پھرو اور ہر خوبصورت گل کا رس چوستی ہو۔ ❶ اسی لیے اللہ عزوجل نے ایسی عورتوں کی اس طرح سے گفتگو کو مکر وفریب اور چالبازی فرمایا ہے۔ ❷

جب زلیخا نے شہر کی عورتوں کی اپنے بارے میں گفتگو سنی اور یہ عورتیں طعنے والی تھیں بھی طبقہ عالیہ کی، تو اس بات پر رنجیدہ ہوکر اُس نے حمیت جاہلانہ وغرور کا مظاہرہ کیا۔ اور ارادہ کیا کہ وہ اپنے عشق کو درست ثابت کر کے رہے گی اور انہیں دکھلائے گی کہ جو کچھ اُس نے کیا ہے وہ اس معاملے میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوگئی تھی۔ ❸

چنانچہ اُس نے ان عورتوں کی دعوت کا اہتمام کر کے انہیں بلوا بھیجا۔ ان کے بیٹھنے کے لیے اُس نے گدے، تکیے لگوا دیے کہ ان کے ساتھ ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھیں۔ جب وہ سب آ گئیں تو زلیخا نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا اور پھل وغیرہ کاٹنے کے لیے ہر ایک کے ہاتھ میں چھری تھما دی۔ ان عورتوں کو اس انداز میں بٹھانے کا مقصد..... کہ وہ گاؤ تکیوں کے ساتھ ٹیکیں لگا کر مالدار عورتیں اور بڑے آفیسران کی بیگمات کی طرح بیٹھی تھیں اور

---

❶ ایسی ہی عورتوں کی نمائندگی ایک شاعر نے یوں کی ہے۔ ؎

گلشن میں تیرے لبوں نے گویا رس چوس لیا کلی کلی کا

دوسرے نے کہا ہے۔ ؎

آج ہر بات میں رنگینی ہو خوب گلبازی و گلچینی ہو

مومن کا ایک شعر ان عورتوں کی ترجمانی یوں کرتا ہے۔ ؎

گلبانک نالہ ہے، یہ نیا گل کھلا، مگر گزری نسیم، آؤ چمن زار کی طرف

(گل بانگ کا معنی: پینے پلانے کی دعوت عام)

نظیر کا شعر ہے۔ ؎

پھبتا ہے اس کو یارو دم عاشقی کا بھرنا ہو یاد جس کو سو سو گل پھول کا کترنا

میر سوز کی سنیے! کہتا ہے۔ ؎

بوئے گل شاخ ہوا میں سے یہ لیتا ہے نوچ کس قدر شوخ ہے اللہ! یہ گل چیں میرا

❷ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ۱۲، ص ۲۰۱، تیسیر الکریم الرحمٰن للسعدی جلد ۲، ص ۴۱۴.

❸ فی ظلال القرآن جلد ٤، ص ۱۹۸٤.

اُن کے ہاتھوں میں چھریاں تھیں کہ جن کے ساتھ وہ پھل وغیرہ کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھیں...... زلیخا کا یہ تھا کہ جب یوسف (علیہ السلام) اُن کے سامنے آئیں تو وہ عورتیں انہیں دیکھ کر دہشت زدہ ہو جائیں اور مبہوت ہو کر چھریوں سے پھل کاٹنے کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹنے لگیں۔ ❶

پھر زلیخا نے جناب یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ آپ ان عورتوں کے پاس تشریف لائیں۔ جب آپ وہاں تشریف لائے اور ان عورتوں نے آپ کو دیکھا تو آپ کی عظمت سے وہ مبہوت ہو کر رہ گئیں اور واقعی اُنہوں نے آپ علیہ السلام کے حسن و جمال اور جلال و وجاہت سے متاثر ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ پھلوں پر چھریاں چلانے والی رفتار میں اس جلال و جمال سے دہشت زدہ ہونے کی وجہ سے کئی گنا تیزی آ گئی اور یہ ان کے ہاتھوں کے کانپنے کی وجہ سے ہو گیا تھا۔ یعنی نبوی جمال وجلال اور حسن یوسف کی وہ متحمل ہی نہ ہو سکیں۔ ❷ ﴿وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝﴾ ''اور وہ بے اختیار بول اُٹھیں: حاشا للہ (سبحان اللہ! خالق کائنات کی قدرت ہے۔) یہ آدمی کا ہے کو ہے، یہ تو ایک معزز فرشتہ ہے۔'' اُن کی اس جملہ سے مراد حسن و جمال میں سیّدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اعلیٰ و ارفع وصف بیان کرنا تھا۔ ❸

زلیخا نے جب ان عورتوں کا یہ معاملہ دیکھا تو اُن سے معذرت والے انداز میں: ﴿قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ﴾ کہنے لگی: ''یہی تو وہ غلام ہے جس کی محبت میں تم مجھے طعن ملامت کرتی تھیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں نے ہی اس کی آرزو کی تھی اور اسے بہلایا تھا مگر وہ اپنے آپ پر قابو پا کر بچ نکلا۔'' یعنی حقیقت یہ ہے کہ یوسف ہے ہی اس قابل کہ اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اس سے عشق کیا جائے۔ اگر تم اس حقیقت کو پہلے جان لیتیں تو تم مجھے اس کی محبت کے فتنہ میں مبتلا ہونے پر قابل

---

❶ دیکھئے: تفسیر أبی السعود جلد٤، ص ٢٧١، والکشاف جلد٢، ص٣١٦.

❷ زلیخا نے اُن سے کہا: تم تو ایک ہی نظر میں گھائل ہو گئیں اور اپنی یہ حالت کر لی۔ بتاؤ ہر روز میرا کیا حال ہوتا ہوگا؟ (ابن کثیر) ؏

عشق کی چوٹیں پے در پے اٹھائی گئیں، گھائل ہے دل — یوں بے دم ہے اب پہلو میں جوں صیدِ بسمل ہے دل
یہ زخم دل پہ نمک کس ملیح نے چھڑکا — ہمائے غم مجھے کھاتا ہے استخواں کی طرح

ایک شاعر......وزیر...... نے زلیخا کی ترجمانی کچھ یوں کی ہے۔ ؏

مرہم سبز لگاتے ہیں جو وہ — مرے زخموں کو ہرا کرتے ہیں
تڑپنے، لوٹنے، رونے کا باعث تجھ پہ کھل جاتا — ترے دل کو بھی میری سے اگر اے بیوفا لگتی

(مؤمن)

لیجئے زلیخا کے ایک خاص رشتے دار کی سنیے!

کوئی سنگ دل بھی جرأت تیرا سنے جو قصہ — یکبار اُس کا دل بھی یہ داستاں ہلا دے

❸ دیکھئے: تفسیر البحر المحیط جلد٥، ص٣٠٣ و تفسیر ابی السعود ج٤، ص ٢٧٢.

معذرت سمجھتیں۔ ❶

اس کے بعد ان عورتوں نے زلیخا سے کہا: اب اس کے بعد کہ ہم نے جو کچھ دیکھ لیا ہم تمہیں ملامت نہیں کریں گی۔ انہوں نے یہ بات زلیخا سے اس لیے کہی کہ کسی بھی بشر میں اس جیسا حسن و جمال اور جلال انہوں نے اس سے پہلے نہ دیکھا تھا اور نہ ہی اس سے بڑھ کر۔ اس لیے کہ سیّدنا یوسف علیہ السلام کو تمام بنی نوع انسان کی نسبت ایک وافر حصہ حسن و جمال کا ملا تھا۔ جیسا کہ اسراء ومعراج والی صحیح حدیث مبارک میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے۔ فرمایا: "فَـإِذَا هُـوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرُ الْحُسْنِ" "جناب یوسف (علیہ السلام) کو حسن و جمال کا آدھا حصہ ملا تھا۔" ❷

جب زلیخا کو معلوم ہوگیا کہ اب شہر کی عورتوں کی طرف سے اسے کوئی طعن ملامت نہیں ہوگی۔ یعنی جب اس نے دیکھ لیا کہ جنابِ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار سے جو اُس کے دل میں عشق ومحبت والے فتنہ اور دہشت وجلال کا جھٹکا لگا تھا وہ انہیں بھی لگ چکا ہے تو اُس نے اپنے جرم کی صراحت کرتے ہوئے کہا: میں نے ہی دراصل اس کو بہلا کر اس کی خواہش کی تھی مگر وہ نہ مانا اور اپنے آپ کو صاف بچا کر لے گیا۔" اور وہ اپنے گوہر مقصود کو پا نہ سکی۔

میں نے چاہا تھا کہ اُس کے نفس کو موہ لوں

لیکن اُس نے نفس کو اپنے بچایا، کیا کروں؟

اس ظالم نے یوسف علیہ السلام کو دوبارہ پھر بہلانے اور اپنی خواہش کو بجھانے کے لیے اُسے دعوت دینے کو دہرایا اور سب کے سامنے اپنی شرم وحیاء کی چادر کو چاک کرتے ہوئے بڑی ڈھٹائی سے کہنے لگی: "اگر اب بھی وہ میرے کہنے پر نہ چلے گا تو پھر وہ ضرور قید کر دیا جائے گا۔ (یعنی میں ہر طرح سے اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کروں گی۔) اور میری خواہش پوری نہ کر کے وہ رسوا ہوگا۔" گویا اب وہ کھلم کھلا بے غیرتی پر اُتر آئی تھی اور جرم و گناہ کا برملا اعلان کر رہی تھی۔

اس نے سیّدنا یوسف علیہ السلام کے لیے اپنے بہلاوے کو ایک حکم کے ساتھ تعبیر کیا (یعنی میں حکماً (By Order) اس سے زنا کروا کر اپنے عشق کی آگ کو بجھاؤں گی۔) اور یہ اُس کی طرف سے اس بات کا اظہار تھا کہ جناب یوسف (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر اُس کی حکومت چلتی ہے اور وہ اس کے حکم کو بجالانے کا پابند ہے۔ اس وقت اپنی متکبرانہ خباثت کا اظہار کرتے وقت اس خبیث نے جناب یوسف علیہ السلام کا نام بھی نہیں لیا تھا بلکہ ایک عام لفظ سے

❶ الکشاف جلد۲، ص ۳۱۸.

❷ صحیح مسلم، ۱/۱٤٦، کتاب الایمان، حدیث: ٤۱۱.

گفتگو کی تا کہ جناب یوسف علیہ السلام کو اپنے حکم سے خوفزدہ کردے۔ اور اُس نے یہ لہجہ خوف دلانے میں مبالغہ آرائی کی بنا پر اختیار کیا تھا۔ گویا کہ یہ عام قانون تھا ہر کسی کے حق میں کہ اُس کی حیثیت جیسی بھی ہو اُس کو اس بے حیاء کا حکم ماننا ہی پڑے گا (جیسے ہمارے ملک کے ایک دور میں جنرل رانی کا حکم بڑے بڑے عہدوں والے فوجی اور سول آفیسروں پر چلتا تھا اور وہ اس کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ اس جیسیاں نہ جانے کتنی بے حیا فاحشات ہمارے ملک کے اعلیٰ اداروں کے سربراہوں پر سوار ہیں۔ العیاذ اللہ، تبھی تو آج اس وطن عزیز کی یہ اخلاقی حالت ہوگئی ہے کہ یہودی ونصرانی گماشتے یہاں دندناتے پھرتے ہیں۔)

اس جرأت اور دھمکی کے باوجود بحمد اللہ العزیز جب ربّ کریم نے اپنے صالح نبی کو اس بے حیا سے بچالیا تو وہ اپنا مطلوب ومقصود حاصل نہ کرسکی۔ مگر یہ ہے کہ سیّدنا یوسف علیہ السلام کو جیل میں پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد قرآن مجید اس واقعہ کا اختتام بیان کرتا ہے اور وہ ہے اس کا ایسا حصہ کہ جو مصر کے بادشاہ کے سامنے پیش آیا تھا اور وہ اس طرح کہ بادشاہ نے شہر کی عورتوں کو بلوا کر اُن سے جناب یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کا جو معاملہ پیش آیا تھا اس کے بارے میں دریافت کیا۔ ان عورتوں کی بادشاہ کے سامنے پیشی دراصل جنابِ یوسف علیہ السلام کے خود پوچھنے پر ہوئی تھی تا کہ جیل سے رہائی سے پہلے اُن کی بے گناہی پوری طرح ثابت ہو جائے۔ اس حصے کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ○﴾ (یوسف: ۵۰)

''اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ جب قاصد اس کے پاس آیا تو اس نے کہا اپنے مالک کے پاس واپس جا، پھر اس سے پوچھ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، یقیناً میرا رب ان کے فریب کو خوب جاننے والا ہے۔''[1]

---

[1] وہی قصہ یاد دلایا جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ بادشاہ کو میرے مقدمہ کی تحقیق کرنی چاہیے تا کہ سب کے سامنے میرا پاک دامن اور بے قصور ہونا پوری طرح واضح ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ مواقعِ تہمت سے بچنا بھی واجب ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَقِفَنَّ مَوَاقِفَ التُّهَمِ...... کہ جس شخص کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان ہے اسے تہمت کی جگہوں سے دور رہنا چاہیے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بیوی کے پاس کھڑے تھے کہ وہاں سے ایک شخص گزرا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا کر فرمایا: ''یہ میری بیوی ہے۔'' اس نے عرض کیا اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بدگمانی کیسے ہوسکتی ہے؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ...... بلاشبہ شیطان ابن آدم کے جسم میں خون کے دوڑنے کی طرح دوڑتا ہے۔" (اور اُس کے دماغ میں بُرے خیالات پیدا کرتا ہے۔) (روح المعانی) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت یوسف علیہ السلام کی بلند ہمتی اور عقلمندی کی داد دیتے ہوئے) فرمایا: اگر میں اتنی مدت جیل میں ٹھہرتا جتنی مدت یوسف علیہ السلام ٹھہرے تو بادشاہ کے بلانے پر چلنے کو تیار ہو جاتا۔ (ابن کثیر)

اس پر بادشاہ نے ان عورتوں سے پوچھا: سچ کہو تمہارا کیا حال گزرا تھا جب تم نے یوسف (علیہ السلام) کی ذات سے اپنی خواہش بجھانا چاہی تھی؟ (اس خواہش پرستی کی نسبت تمام عورتوں کی طرف اس لیے کر دی کہ دوسری عورتیں بھی عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کی مددگار تھیں۔ یعنی بادشاہ نے پوچھا: کیا تم نے یوسف علیہ السلام میں کوئی برائی دیکھی تھی؟ جب خاموش رہیں تو کہا: آخر کیا وجہ ہے کہ اسے غیر معینہ مدت کے لیے جیل میں ڈال دیا گیا تھا؟) تب اُن سب نے بادشاہ کو جواب دیتے ہوئے کہا: حاشا للہ (سبحان اللہ) ہمیں تو اس کی کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی۔'' قرآن حکیم کے اُسلوب سے پتہ چلتا ہے کہ ان عورتوں نے جنس برائی کی نفی میں پورے مبالغہ سے کام لیتے ہوئے اس کا انکار کیا۔ [1]

جب زلیخا نے دیکھا کہ شہر کے طبقہ عالیہ کی تمام عورتوں نے کہ جو اُس کی ہوائے عشق کی حصہ دار بنی تھیں۔ یوسف علیہ السلام کی مکمل براءت و پاکدامن کی گواہی دے دی ہے اور اس کا انہوں نے اقرار واعتراف کیا ہے تو وہ اس بات سے ڈر گئی کہ اگر اُس نے انکار کر دیا اور یوسف علیہ السلام پر کوئی جھوٹا الزام دھرا تو وہ خود پھنس جائے گی۔ اس لیے اس نے بھی چالاکی سے ایسی بات کا اقرار کرتے ہوئے کہا:

﴿قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (یوسف: ۵۱)

''عزیز کی بیوی نے کہا اب حق خوب ظاہر ہو گیا ہے۔ میں نے خود اس کی ذات سے اپنی خواہش بجھانا چاہی تھی اور بلاشبہ وہ تو بالکل سچوں میں سے ہے۔''

حالانکہ بادشاہ نے اُس سے پوچھا ہی نہیں تھا۔ اُس نے از خود ڈر کے مارے اعتراف و اقرار کیا اور لگتا ہے کہ ایسا اُس نے سیّدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نہایت سچا، بہت ہی متقی اور صاحب عزت و وقار ہونے کی وجہ سے کیا تھا۔ اس لیے کہ گواہ کا بذات خود (بغیر کسی طلب کے) سچی گواہی دینا اس سے گواہی طلب کیے جانے کی نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے۔ [2]

اس کے بعد زلیخا نے یہ بھی بیان کیا کہ اس کا اعترافِ حقیقت اس لیے بھی ہے کہ اُس کے خاوند کو بھی اس بات کا علم رہے کہ وہ باوجود کوشش بسیار کے اس کی خیانت فحش کام کے ارتکاب کے ذریعے نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی طرف سے صرف ایک ناکام سی کوشش ضرور ہوئی تھی۔

---

[1] دیکھئے: تفسير البغوي، ج۲، ص۴۲۴، تفسير البحر المحيط، ج۵، ص ۳۰۶، تفسير القرطبي، ج۹، ص۱۸۴، تفسير أبي السعود، ج۴، ص۲۳۷، روح المعاني للألوسي، ج۱۲، ص۲۱۸، تفسير البغوي، ج۲، ص ۴۳۰، تفسير أبي السعود، ج۴، ص ۲۸۴.

[2] دیکھئے: تفسير القرطبي جلد۹، ص۲۰۷، ۲۰۸.

﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ۝﴾

(یوسف : ۵۲)

''یہ اس لیے تاکہ وہ جان لے کہ بے شک میں نے عدم موجودگی میں اس کی خیانت نہیں کی اور یہ کہ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کو کامیاب نہیں کرتا۔''

اس کے بعد وہ کہنے لگی:

﴿وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾ (یوسف : ۵۳)

''اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔ بے شک میرا رب بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

بعض مفسرین رحمہم اللہ جیسے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن کثیر نے ''ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ'' سے ''اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' کو بھی عزیز مصر کی بیوی کا کلام قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہی انسب اور مشہور ہے۔ سیاقِ کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس صورت میں گویا عزیز مصر کی بیوی کہنا یہ چاہتی ہے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اپنے خاوند کی کوئی بڑی خیانت نہیں کی بے شک میں نے یوسف علیہ السلام کو پھسلانا چاہا تھا مگر کامیاب نہ ہوسکی۔ ہاں میں اپنے آپ کو پاک باز قرار نہیں دیتی مجھ سے جتنی غلطی ہوئی اس کا اقرار واعتراف کرتی ہوں۔ نفس کی شرارتوں سے تو وہی محفوظ رہ سکتا ہے جس پر اللہ کی خاص رحمت ہو۔

واقعہ مذکور بالا سے متعلق اسرائیلی روایات:

واقعہ مذکور بالا کے ضمن میں ان گنت اسرائیلی روایات کتب تاریخ وسیر اور کتب حدیث وتفسیر میں بیان ہوئی ہیں جن میں سے ہم بعض کا ذکر بطور رد وتنقیح اختصار سے کرتے ہیں۔

(۱)...... امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ اسی لیے اُس سے اُس کے خاوند نے جناب یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہا تھا: ''عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا'' ❶

(۲)...... طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ہی بیان کیا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) نے جب یوسف علیہ السلام کے ساتھ برائی کا ارادہ کرلیا اور اُنہیں بہلا پھسلا کر اُن سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہی تو آپ علیہ السلام سے اپنی حسن و جوانی کی تعریفیں کرنے لگی اور اپنی طرف مائل کرنے کا شوق آپ کو خوب دلایا۔ ❷

❶ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ۱۲، ص ۱۸۳۔ ❷ ایضًا ص ۱۷۵۔

(۳)......طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ہی بیان کیا ہے کہ امام سدی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: زلیخا سیّدنا یوسف علیہ السلام سے پیار کی باتیں کرتے ہوئے عرض کرنے لگی: یوسف! تمہارے بال کس قدر خوبصورت ہیں؟ فرمایا: مرنے کے بعد سب سے پہلے میرے وجود سے یہی خوبصورت بال ہی جھڑیں اور بکھریں گے۔ اس نے آپ علیہ السلام کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے کہا: یوسف! تمہارا چہرہ کتنا خوبصورت اور پیارا ہے؟ فرمایا: یہ تو مٹی کی خوراک ہے جب قبر میں جاؤں گا تو مٹی اسے کھا جائے گی۔ غرضیکہ وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی طرح تعریفیں کر کر کے لالچ دلاتی رہی۔ بالآخر اُس نے آپ علیہ السلام سے اپنی خواہش پوری کرنے کا مکمل ارادہ کرلیا اور آپ نے اس کا ارادہ کرلیا۔ یوں دونوں گھر میں داخل ہوئے اور زلیخا نے دروازے بند کرلیے اور آگے بڑھ کر جناب یوسف علیہ السلام کی شروال کھولنا چاہی۔ اسی وقت یوسف علیہ السلام کو اپنے والد محترم سیّدنا یعقوب علیہ السلام کی تصویر نظر آئی، انہوں نے آپ علیہ السلام کو ڈانٹ پلائی اور آپ نے اسی وقت اپنی شروال (شلوار) باندھ لی۔ پھر آپ نے زلیخا کے پاس سے دوڑ لگا دی مگر اس نے آپ کو بھاگ کر پیچھے سے پکڑلیا اور اسے پھاڑ ڈالا حتیٰ کہ جب وہ آڑے آئی تو آپ گر پڑے۔ زلیخا نے یوسف علیہ السلام پر چادر ڈال دی۔ اس کے بعد دونوں دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔ ❶

(۴)......سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا'' کے بارے میں سیّدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کا قول درج کیا ہے کہ: عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) نے جناب یوسف علیہ السلام کے متعلق پورا لالچ طمع کرلیا تھا اور آپ علیہ السلام نے اُس کے بارے میں پورا لالچ، طمع کرلیا تھا۔ یوسف علیہ السلام کا طمع ولالچ یہ تھا کہ آپ نے زلیخا کا کمر بند کھولنے کا ارادہ کرلیا۔ اور وہ اپنے ایک ہیرے موتی جڑاؤ والے بت (مورتی) کی طرف بڑھی جو گھر کے ایک کونے میں رکھا ہوا تھا اور اسے ایک سفید کپڑے سے ڈھانک کر اپنے اور اس بت کے درمیان پردہ کردیا۔ یوسف علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: زلیخا! یہ کیا کررہی ہو؟ وہ کہنے لگی: میں اپنے رب اور معبود سے شرم کررہی ہوں کہ وہ مجھے اس حالت میں دیکھے۔ یہ سن کر جناب یوسف علیہ السلام فرمانے لگے: تم ایک بت سے حیاء کر رہی ہو (کہ نہ ہی سنتا ہے اور نہ ہی دیکھتا ہے۔) نہ ہی وہ کھاتا ہے اور نہ وہ پیتا ہے اور میں اپنے اس معبود برحق سے حیا نہ کروں کہ جو ہر ہر نفس کا نگران ونگہبان، ہر ہر حرکت کا عالم بالذات اور مکمل محاسبہ کرنے والا ہے کہ جو کسی شعور والی مخلوق نے کیا، کمایا ہوگا؟

اس کے بعد آپ علیہ السلام نے فرمایا: زلیخا! تم اپنی نفسانی خواہش کو کبھی بھی مجھ سے پورا نہ کرسکوگی۔ تو یہی وہ برھان تھی جو سیّدنا یوسف علیہ السلام نے دیکھی تھی۔ ❷

---

❶ ایضًا ص ۱۸۳۔ ❷ الدر المنثور، جلد ۵، ص ۵۲۱۔

(۵)...... امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں لکھا ہے کہ اُن سے پوچھا گیا: جناب یوسف علیہ السلام کا زلیخا کے بارے میں ارادہ کر لینا کس حد تک پہنچا تھا؟ فرمایا: زلیخا آپ علیہ السلام کے لیے لیٹ گئی تھی اور آپ علیہ السلام اس کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھ چکے تھے۔ (العیاذ باللہ من هذه التهمة) ❶

(٦)...... طبری نے ہی امام سدی کے حوالے سے درج کیا ہے کہ زلیخا (عزیز مصر کی بیوی) اپنے خاوند سے کہنے لگی: "مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءً" جو تمہاری بیوی سے برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا کیا ہونی چاہیے؟ اُس (یوسف) نے مجھے ورغلا کر اپنی خواہش مجھ سے بجھانے کی کوشش کی ہے۔ اور میں نے اسے اپنے سے دور کر دیا۔ اور اس کی قمیص میں نے پھاڑ ڈالی ہے۔ جناب یوسف علیہ السلام فرمانے لگے: نہیں بلکہ اس نے ہی مجھے ورغلایا ہے تاکہ یہ اپنی نفسانی خواہش مجھ سے پوری کر سکے۔ اس وقت عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کے ایک چچا زاد نے اس دلیل کی طرف اشارہ کیا کہ جس کے ذریعے ان دونوں میں سے سچے، جھوٹے کی تمیز ہوتی تھی اور یہ ثبوت قمیض کی پھٹن تھی۔ دیکھا جائے، یہ پھٹن قمیض کی اگلی جانب ہے یا پچھلی طرف؟ ❷

(۷)...... طبری نے ہی ابن اسحاق رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ شہر کی طبقہ عالیہ کی عورتوں کا عزیز مصر کی بیوی کے بارے میں باتیں کرنا کہ اُس نے دیکھو اپنے غلام کے ساتھ منہ کالا کرنے کی کوشش کی ہے، یہ ان کی طرف سے ایک مکر و فریب اور چال کے سوا کچھ نہ تھا اور مقصد اُن کا یہ تھا کہ وہ سیّدنا یوسف علیہ السلام کو کسی نہ کسی بہانے سے دیکھنا چاہتی تھیں۔ ❸

(۸)...... طبری نے ہی جناب ابن زید رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ جو اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: "وَءَاتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا" تو اس کے ساتھ ساتھ زلیخا نے ان عورتوں کو ایک ایک بڑے لیموں نما پھل (مالٹا) اور شہد بھی دیا تھا۔ وہ چھری کے ساتھ اس بڑے لیموں نما پھل مالٹے کو کاٹ رہی تھیں اور شہد کے ساتھ اسے کھاتی تھیں۔ (کہ اُسی وقت یوسف علیہ السلام وہاں آ نکلے اور اُنہوں نے پھل کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔) ❹

(۹)...... امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ہی سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا الفاظ کی تفسیر و معنی میں بیان کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "أَعْطَتْهُنَّ أُتْرُجًّا" زلیخا نے ان عورتوں کو مالٹے دیے تھے۔ اور اُس نے ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک چھری پکڑا دی تھی۔ ❺

---

❶ تفسیر الطبری، جلد ۱۲، ص ۱۸٤.
❷ ایضاً ص ۱۹۲.
❸ ایضاً ص ۲۰۱.
❹ ایضاً، ص ۲۰٤.
❺ ایضاً ص ۲۰۲.

(۱۰)...... جبکہ امام مجاہد اور دیگر مفسرین سے نقل کیا ہے کہ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَئًا: میں ۔مُتَّكَئًا سے مراد: کھانا ہے۔ ❶

(۱۱)...... اس طرح طبری نے امام سدی اور کچھ دیگر مفسرین کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: شہر مصر کی ان عورتوں کے پاس مالٹے کے ساتھ چھریاں تھیں۔ ان کے ہاتھ جب کٹے تو خون بہنے لگا۔ وہ کہنے لگیں: زلیخا! ہم اس آدمی سے تیری محبت پر تجھے ملامت کرتی تھیں، مگر جب ہم نے اسے دیکھا ہے تو ہم نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور خون بہنے لگا ہے۔ ❷

(۱۲)...... طبری رحمۃ اللہ علیہ نے امام مجاہد اور دیگر مفسرین رحمہم اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ان عورتوں نے یہاں تک ہاتھ کاٹ لیے کہ انہیں یہ چھریاں ہاتھوں سے پھینکنا پڑیں۔ ❸

(۱۳)...... امام سیوطی نے حضرت منبہ عن ابیہ رحمہم اللہ درج کیا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں: اُن عورتوں میں سے کہ جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے اُنیس عورتیں نہایت رنجیدہ و غمزدہ ہوکر مرگئیں۔ (کہ یوسف کا قرب و دیدار ہمیں نصیب کیوں نہ ہوا۔) ❹

(۱۴)...... طبری نے عن عبد الصمد عن ابیہ عن جدہ روایت کیا ہے کہ ان عورتوں کو جب انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو حیض آنا شروع ہو گیا تھا۔ ❺

(۱۵)...... بیان کیا جاتا ہے کہ جناب یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) سے اُس کے خاوند کی موت کے بعد شادی کر لی تھی۔ ❻

ان اسرائیلی روایات پر نقد و جرح:

ان میں سے بعض روایات قابل قبول ہیں۔ بعض قابل رد اور بعض کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ چنانچہ یہ جو بیان ہوا ہے کہ سیّدنا یوسف علیہ السلام عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کے ساتھ اُس کے گھر میں داخل

---

❶ ایضاً ص ۲۰۳.

❷ ایضاً ص ۲۰۶.

❸ ایضاً ص۲۰۷.

❹ الدرر المنثور جلد ٤، ص ٥٣١.

❺ تفسیر الطبری جلد ۱۲، ص۲۰۵.

❻ دیکھئے: قصص الأنبیاء للحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ص ۲۵۰.

ہوئے اور پھر آپ نے ارادہ کیا کہ اپنی شلوار اتار دیں...... الخ ❶ یہ گفتگو نہایت بیہودہ اور باطل کلام ہے۔ اس کلام کی نسبت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف کرنا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا بیان کیا ہے سراسر لغو اور غیر درست بات ہے۔ اس لیے کہ یہ گفتگو انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت وعظمت کے بالکل منافی ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث مبارک سے مسلمانوں میں سے کسی ایک مومن آدمی کی فضیلت بیان ہوئی ہے جو ایسے موقعہ پر ضبط وتحمل اور عصمت واستقلال سے کام لے لے، تو پھر ایک نبی اللہ ایسا کیوں نہیں کرسکتا اور اس فضیلت کو کیوں نہیں پا سکتا؟ فرمایا:

❶ واقعہ مذکورہ بالا کے تناظر میں انبیاء کرام علیہم السلام کی عفت وعصمت اور عزت ووقار کے حوالے سے اس بات کو بطور اصول وقاعدہ اور عقیدہ کے اعتبار سے سمجھنا نہایت ضروری اور اہم ترین اُمور میں سے ہے کہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام (بالخصوص سیّدنا یوسف علیہ السلام) اللہ عزوجل کی خاص رحمت و توفیق کے ساتھ معصوم عن الخطا تھے۔ کسی بھی پیغمبر سے اس ضمن میں ذرہ بھر کوئی کوتاہی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی اللہ رب العزت نے اس حوالے سے کسی بھی اپنے نبی پر انگلی اُٹھانے کی گنجائش باقی رکھی تھی۔ ہر نبی کے زمانے والے لوگ، اپنے بیگانے، دوست، دشمن، محبین ومتبعین اور مخالفین سمیت سب لوگ ان کی عصمت ووقار کی برملا گواہیاں دیا کرتے تھے۔

البتہ اللہ کے دشمنوں میں سے یہود ونصاریٰ ایک ایسی غلیظ وبدکردار ملت ہے کہ جس کے ناہنجار قسم کے پاپاؤں اور مذہبی راہنماؤں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی پاکیزہ زندگیوں کے ایک عرصہ بعد ان پر انتہائی گندی تہمتیں لگا کر طاہر ومطہر سیرتوں کو داغدار کردیا۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ ان بنی اسرائیل کے مذہبی قائدین کی یہ افتراء بازیاں ان کی مذہبی کتب میں درج ہوکر ان کی تہذیب کا حصہ بن گئیں جیسا کہ تورات انجیل کے مترجم نسخوں اور مابعد والے ایڈیشنوں میں درج ہے۔ حوالہ کے لیے اُردو کی ''انجیل مقدس'' (طبع نئی انارکلی لاہور میں ادارۂ بائبل) کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

صحابہ کرام وتابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم ورحمہم اللہ جمیعاً والے خیر القرون کے بعد قرآن عظیم کے تفسیری میدان میں جب مفسرین نے اپنی تفسیروں کے ضخیم دفاتر پر اسرائیلی روایات اور تفسیر بالرای کا عمل دخل بڑھا دیا تو یہاں بھی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ گرامی: ''لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ...... والی پیشین گوئی کے مطابق یہ خیال نہ رہنے لگا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طاہر ومطہر سیرتیں ایسی بیہودگیوں سے پاک ہوا کرتی تھیں۔ لہٰذا اُن کی طرف ایسی روایات صرف منسوب ہی نہیں کرنی چاہئیں بلکہ اُن کا شدت سے رد کرنا چاہیے۔ ہم یہاں یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ: (۱)...... اہل السنہ والجماعۃ کے ایسے مفسرین کرام کی طرف سے کسی بدنیتی کی بنا پر ہرگز نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے پیچھے ان کے کچھ اچھے مقاصد ہوا کرتے تھے اور ان میں سے ایک یہ تھا کہ: ایسی روایات کے بارے میں عامۃ الناس کے لیے خبرداری بھی تھا۔ (۲)...... یہ انداز تمام مفسرین عظام نے ہرگز اختیار نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہر دور میں سلف صالحین کے منہج پر چلنے والے آئمہ کرام وعلماء کبار نے اس غیر نبوی طریق ومنہج کی ہمیشہ مخالفت کی اور ایسی روایات کی سخت تردید کی ہے۔

تفاسیر وشروحات سے نقل کر کے اُردو، پنجابی کے، ادیبوں اور شاعروں نے اس طرح کی موضوع اور بیہودہ اسرائیلی روایات کو ہمارے ادبی کلچر میں ایسا فروغ دیا کہ عامۃ الناس تو ان لُچر روایات کو حقیقت سمجھ بیٹھے ہیں۔ بلکہ حلالہ ومتعہ جیسی زنا کی ملمع ساز روشوں کے دلدادوں نے ایسی حکایات وروایات کو یوں ادیبانہ چسکے کے ساتھ بیان کیا کہ اللہ عزوجل کے ایک صالح اور معصوم پیغمبر کو بہیمانہ عشق جیسی گندگی سے لتھاڑ کر، قیس ولیلیٰ، شیریں وفرہاد، ہیر رانجھا، اور سسی پنوں جیسے بدکردار قسم کے لوگ کے برابر لا کھڑا کیا۔ (والعیاذ باللہ من ذلك) چنانچہ شاعر کہتا ہے۔ ؏

کہاں وہ حضرتِ یوسف کی گرم بازاری کہاں وہ شاہیٔ مصر کہاں وہ عشقِ زلیخا،

حتیٰ کہ ''زلیخا چھیڑنا بمعنی زلیخا پڑھنا'' ایک محاورہ کے طور پر استعمال کر کے شاعر کہتا ہے۔ ؏

کیوں زلیخا یہ چھیڑ دی یوسف! کون اسے بار بار دوہرائے

دوسرے نے ''زلیخاوش بمعنی زلیخا کی مانند حسین وجمیل'' بطور محاورہ یوں اپنے شعر میں لکھا ہے:

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهِ يَوْمَ لَاظِلَّ إِلَّا ظِلَّهُ، وَذَكَرَ مِنْهُمْ: وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ .)) ❶

''اُس دن کہ جب کسی چیز کا کوئی سایہ نہ ہوگا، سات ایسے (خوش نصیب) لوگوں کو اللہ رب العرشِ الکریم اپنی ذاتِ اقدس کا سایہ عطا فرمائے گا۔'' اور پھر نبی مکرم ﷺ نے اُن میں سے ایک آدمی کا ذکر کرکے فرمایا ''اور ایک ایسا شخص کہ جسے کسی اعلیٰ عہدہ و منصب اور اعلیٰ خاندان والی حسین وجمیل عورت نے فحاشی و بے حیائی کی دعوت دی تو وہ کہے: ''میں تو اپنے اللہ سے ڈرتا ہوں'' (اس لیے میں تیری بات نہیں مان سکتا اور نہ ہی تیرے ساتھ بے حیائی وزنا کروں گا۔)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تو عفت وعصمت والی اس صفت عالیہ سے بالا ولیٰ متصف ہوا کرتے تھے اور وہ کبائر سے کوسوں ہوتے تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ سیّدنا یوسف علیہ السلام زنا جیسے جرم عظیم سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں اور پھر اسی کا ارادہ وعزم بھی کرلیں؟

علامہ شنقیطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ سیّدنا یوسف علیہ السلام ایسے گناہ میں واقع ہونے سے بری تھے کہ جو آپ علیہ السلام کی شان کے لائق ہی نہ تھا۔ اور یہ کہ بلاشبہ یا تو سرے سے آپ علیہ السلام کے دل میں کوئی ارادہ پیدا ہی نہیں ہوا تھا، اس بناء پر کہ قرآن حکیم میں مذکور اس ارادہ کے لیے عدم امکان والے کلمہ

⇦⇦⇦

یوکناری مکھ پہ تیرے، اے زلیخاوش نہیں سورۂ یوسف کو لکھا گردِ تحریر طلا

بلکہ بعض شاعروں نے عشق والہانہ کے معنی میں لفظ ''زلیخائی'' کو بطور اصطلاح بیان کرڈالا، جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔ ؏

مٹایا اس نے کس کس کو بُرا ہو اس محبت کا زلیخا کی زلیخائی کو لیلیٰ کے شبستاں کو

دوسرا کہتا ہے: ؏

شرم سے دور شکیبائی بھی ہوگی کہ نہیں یوسفِ دل سے زلیخائی بھی ہوگی کہ نہیں

ایک اور کہتا ہے۔ ؏

جس طرح مجھ کو زلیخائی نے تیری کھویا ہو کسی یوسف مصری کا تجھے بھی سودا

پنجابی کے ایک شاعر مولوی غلام رسول نے تو زلیخا و یوسف کے عشقیہ قصہ میں سیّدنا یوسف بن یعقوب علیہما السلام کی طرف سفلی جذبات کو منسوب کرکے کہانی کا پس منظر ایسا بنایا ہے کہ اُن کی اس کتاب کا پڑھنے والا جناب یوسف علیہ السلام کے ایک پیغمبرانہ تقدس ومعصومیت کو کبھی بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ (تفصیل کے لیے: اُردو لغت تاریخی اُصولوں پر جلد ۱۱، ص ۱۲۱، طبع اردو لغت بورڈ، کراچی)

غرضیکہ اس موضوع پر ہمارے ہاں ہندوستان، پاکستان میں اللہ کے ایک صالح اور معصوم عن الخطأ نبی علیہ وعلی ابیہ وجدہ وجد ابیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ مطہرہ کو ان اسرائیلی روایات کا سہارا لے کر جو داغدار کیا گیا ہے قرآن حکیم اور صحیح احادیث وآثار ان کا شدت سے رد کرتے ہیں یہی رد اُو پر مصنف کتاب حفظہ اللہ کررہے ہیں۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا . (المترجم......ابویحییٰ)

❶ دیکھئے: صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب: من جلس فی المسجد......الخ، حدیث: ٦٦٠.

"لــو لا" کے ساتھ یہ "الھــم" ...... معلق ہے جو کہ "دلیل کی رؤیت" کے عدم انکار پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ علیہ السلام نے "برہان...... دلیل ونشانی" دیکھی تھی کہ جس سے آپ پر معلق علیہ (ارادہ) زائل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے زائل ہونے سے وہ معلق زائل ہو گیا کہ جس کا آپ نے ارادہ کیا تھا۔

یا پھر آپ علیہ السلام کا ارادہ ایک دل کا خیال تھا، بس کہ جس سے آپ کو تقویٰ کے مانع نے پھیر دیا یا پھر وہ کوئی خود کار انسانی تحریک والا میلان اور مرغوب سا عارضی جذبہ تھا کہ جو تقویٰ کے میدان میں اعلیٰ ترین معیار سے کبھی آگے نکل جایا کرتا ہے۔ (تو یہ فطرتی، عارضی سی تحریک ہوتی ہے جسے شیطان اپنی پوری قوت سے کبھی انبیاء کرام علیہم السلام کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔) ❶

اور یہ جو روایت کیا گیا ہے کہ جن عورتوں نے حسن و جمالِ یوسف سے متاثر ہو کر اپنے ہاتھ چھریوں سے کاٹ لیے تھے، ان میں سے انیس عورتیں مر گئی تھیں۔ تو ظاہری طور پر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بات درست نہیں ہے اور یہ کہ تمام عورتوں کی تعداد ان سے بھی کم تھی۔ دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں مذکور کلمہ "نِسْـوَةٌ" جمع قلت پر بولا جاتا ہے اور جمع کثرت کے لیے "نِسَاءٌ" کا کلمہ آتا ہے۔ ❷

پھر یہ جو بیان ہوا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی کو سیّدنا یوسف علیہ السلام سے اپنی خواہش پوری کروانے میں پورا لالچ و طمع پیدا ہو گیا تھا تو یہ بات تقریباً درست ہے۔ اس لیے کہ قرآن کہہ رہا ہے۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ: اور یہاں کلمہ لَقَدْ اس عورت کے عزم و پختگی ارادہ کو ظاہر کر رہا ہے۔ پھر پیچھے نمبر (٦) میں جو کچھ بیان ہوا ہے تو اس پر قرآن کا سیاق وسباق البتہ دلالت کر رہا ہے اور یہ بات درست ہے۔ عزیز مصر کی بیوی کا ان عورتوں کو چھریاں تھمانے والی بات بھی ٹھیک ہے۔

البتہ یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ ان عورتوں نے جب یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو وہ حیض سے ہو گئیں...... تو اس کی تردید کرتے ہوئے امام طبری رحمہ اللہ خود ہی فرماتے ہیں: فَقَوْلٌ لَا مَعْنَى لَه: یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کا کوئی مفہوم و معنی بنتا ہی نہیں۔ اس لیے کہ قرآن کے الفاظ: فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ: جب ان عورتوں نے یوسف (علیہ السلام) کو دیکھا تو (حسن و جمال اور نبوت کے رعب سے) انہوں نے اُس کو بڑا جانا (اور سہم گئیں۔)...... کی تاویل حیض سے کرنا کسی بھی وجہ اور سبب سے درست نہیں ہے۔ ❸

---

❶ دیکھئے: اضواء البیان جلد٣، ص ٦٢.

❷ دیکھئے: الدر المصون جلد٦، ص ٤٧٤، شذ العرف فی فن الصرف ص ١٣٢ ولسان العرب جلد ١٥، ص ٣٢١.

❸ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ١٢، ص ٢٠٥.

شہر مصر کی عورتوں کے اپنے ہاتھ کاٹ لینے کے حوالے سے سوال ہے: کیا اُنہوں نے اپنے ہاتھ صرف زخمی کیے تھے یا جڑ سے ہی کاٹ پھینکے تھے؟ تو ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ صرف زخمی کر لیے تھے بالکل کاٹ کر پھینک نہیں دیے تھے۔ اس لیے کہ اگر انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ کر جدا کر دیے ہوتے تو اس کے بعد وہاں بیٹھی زلیخا (عزیز مصر کی بیوی) سے باتیں نہ کر رہی ہوتیں بلکہ وہ اپنی ہاتھوں کو کاٹ کر پھینک دینے والی مصیبت و تکلیف میں مبتلا ہو چکی ہوتیں۔ اپنے ہاتھوں کو کاٹ دینے کے بعد ان کو پہنچنے والی تکلیف سے وہ چیخ و پکار کر رہی ہوتیں۔

اسی طرح اس عورت (عزیز مصر کی بیوی، زلیخا) سے سیّدنا یوسف علیہ السلام کی شادی کے بارے میں جو روایت کیا گیا ہے تو یہ بھی جھوٹ ہے، اس پر بھی کوئی مستند دلیل نہیں ہے۔ البتہ باقی روایات کے بارے میں ان کی ثقاہت وضعف سے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

واقعہ مذکور بالا سے مستفاد احکام و دروس:

(ا)...... اللہ عزوجل کے فرمان گرامی: إِنَّـهُ رَبِّـي أَحْسَـنَ مَثْـوَايَ: سے یہ حکم معلوم ہوا کہ کسی قبیح کی قباحت کی وجہ سے اس کا چھوڑنا، کسی دوسرے کے حق کی رعایت کرنا اور عار سے ڈرنا جائز ہے۔ [1]

(ب)...... اللہ رب العالمین کے فرمان گرامی: قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ سے لازم آتا ہے کہ اچھی سیرت کے حسن و جمال والے کو اچھے انعام وصلہ سے نوازنا چاہیے۔ اس طرح کے عمل کو ظلم کرتے ہوئے کسی کا پورا حق نہ دینا شمار کیا گیا ہے۔ یعنی کسی پر زیادتی نہیں ہوئی۔ (ایضاً)

(ج)...... قرآن حکیم کی آیت کریمہ:

﴿قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○﴾ (یوسف: ٢٦ تا ٢٨)

''اس (یوسف) نے کہا اسی نے مجھے میرے نفس سے پھسلایا ہے اور اس عورت کے گھر والوں سے ایک گواہ نے گواہی دی: اگر اس کی قمیص آگے سے پھاڑی گئی ہو تو عورت نے سچ کہا اور یہ جھوٹوں سے ہے۔ اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھاڑی گئی ہو تو عورت نے جھوٹ کہا اور یہ سچوں سے ہے۔

[1] دیکھئے: تفسیر القاسمي جلد ۹، ص ۳۵۲۷.

تو جب اس نے اس کی قمیص دیکھی کہ پیچھے سے پھاڑی گئی ہے تو اس نے کہا یقیناً یہ تم عورتوں کے فریب سے ہے، بے شک تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے۔''

سے ایسے اُمور کے متعلق علامات وقرائن کے ساتھ فیصلہ کرنے کی مشروعیت معلوم ہوئی ہے کہ جن پر بظاہر کوئی دلیل، ثبوت موجود نہ ہو۔ جیسے کہ گری پڑی چیز، چوری اور امانت رکھی ہوئی چیز ہے۔ ❶

(د)...... جب تک بے حیائی کا ارتکاب کرنے والے فحاشی والی بات کسی کے سامنے نہ کھولیں، ان کا ذکر نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی فحش کام کی اشاعت کرنی چاہیے۔ دیکھئے! یہاں اس واقعہ میں مذکور عورت کا نام قرآن نے کہیں نہیں بتایا اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں اس کا نام ذکر ہوا ہے۔ حالانکہ اس نے بے حیائی کے لیے اپنا سازور لگا لیا تھا۔ بلکہ آیت نمبر ۲۳ میں کلمہ التي ......اسم موصول'' کے صیغہ سے (وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا) اسے بیان کیا ہے۔ اور قرآن نے اس کے عمل سوء کو کب بیان کیا؟ جب شہر کی عورتوں کے ذریعے خبر عام ہوگئی۔ فرمایا:

﴿وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (یوسف : ۳۰)

''اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہا عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے نفس سے پھسلاتی ہے، بلاشبہ وہ محبت کی رو سے اس کے دل کے اندر داخل ہو چکا ہے۔ بے شک ہم تو اسے صریح غلطی پر دیکھتی ہیں۔''

(ھ)...... یہاں اس واقعہ سے ایک یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ غیر محرم عورتوں کے ساتھ خلوت، علیحدگی سے بچ کر رہنا چاہیے۔ بالخصوص ایسی عورتیں کہ جن سے فتنے کا ڈر ہو۔ اسی طرح اس محبت سے بھی کنارہ کش رہنا چاہیے کہ جس کے نقصان کا ڈر ہو۔ عزیز مصر کی بیوی سے جو کچھ ہوا یہ اس کا جنابِ یوسف علیہ السلام کو تنہائی میں لے جانے کے سبب ہوا تھا اور اُس کا آپ علیہ السلام کے ساتھ شدید محبت کی وجہ سے کہ جس نے اُسے سیّدنا یوسف علیہ السلام کو بے حیائی و فحاشی کے لیے آمادہ کرنے کی خاطر ورغلانے اور پھسلانے پر تیار کر لیا تھا۔ اور جب آپ علیہ السلام اس کے قابو میں نہ آئے تو پھر اُس نے آپ پر جھوٹ باندھا اور آپ علیہ السلام کو ایک لمبی مدت کے لیے جیل جانا پڑا۔ ❷

(و)...... قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ...... سے معلوم ہوا کہ فتنوں اور مصیبتوں کے وقت اللہ عزوجل کی پناہ طلب کرنا چاہیے۔ جب عزیز مصر کی بیوی نے جناب یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے حیائی کی دعوت دی تھی تو اُس وقت آپ پر اللہ رب العالمین کی ہی پناہ طلب کی تھی۔ اسی طرح فتنوں کی سرزمین سے آدمی کو فرار اختیار کر جانا چاہیے۔ جیسا کہ

---

❶ دیکھئے: احکام القرآن لابن العربی جلد۳، ص ۱۰۷۷، الإکلیل ص ۱۵٤ أضواء البیان جلد۳، ص ۷۱.

❷ دیکھئے: تفسیر البحر المحیط، ج۵، ص ۲۹۳، فتح القدیر، ج۳، ص ۱٦، تیسیر اللطیف المنان للسعدي، ص: ۱۵۷، ۱۵۸.

سیّدنا یوسف علیہ السلام نے کیا تھا۔

(و)......عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کے حوالے سے یہ جو آیا ہے: قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥ وہ کہنے لگی: اے عزیز مصر! جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بُرا کام کرنا چاہے اس کی صرف اور صرف یہی سزا ہونی چاہیے کہ اُس کو قید کر دیا جائے یا اس کو دردناک سزا دی جائے۔'' (یوسف: ۲۵)...... تو اس سے معلوم ہوا کہ ظالم آدمی اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے بہت جلدی کیا کرتا ہے۔ اس لیے مظلوم پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ پر لگائے گئے الزام کو رد کرنے میں مضبوط اعصاب والا رہے، نہ کمزوری دکھائے اور نہ ہی خواہ مخواہ کسی غلطی کو قبول کرے کہ جو اُس سے سرزد ہی نہ ہوئی ہو۔ جیسا کہ سیّدنا یوسف علیہ السلام نے اپنا دفاع کیا تھا: قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ۔

(ز)......اللہ تعالیٰ کا تقویٰ نجات کا ذریعہ بنا کرتا ہے۔ دیکھ لیجیے! جب سیّدنا یوسف علیہ السلام نے اللہ عزوجل کا تقویٰ اختیار کیا تو رب کریم نے ان کے لیے عزیز مصر کی بیوی کے فتنہ سے نکالنے کا ذریعہ پیدا فرما دیا اور وہ ایک گواہی نما مضبوط قرینہ تھا۔ یہ کہ اس عورت کے اپنے ہی ہاتھوں آپ علیہ السلام کی قمیص پیچھے سے پھٹ گئی تھی۔ اور اللہ عزوجل فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ (الطلاق: ۲) ''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے رب کریم اُس کے لیے مصیبت سے نکلنے کا کوئی راستہ ضرور نکال دیتے ہیں۔''

(ط)......اس واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بعض عورتیں اپنے خاوندوں پر مسلط ہوتی ہیں۔ کسی حکم کو نافذ کرنے اور رائے دینے میں آدمی ان کے مدمقابل کمزور واقع ہوتے ہیں، حتیٰ کہ وہ عورتوں کی رائے کو نافذ کر دیتے ہیں اور اپنی رائے کو ان کی رائے کے سامنے ختم کر ڈالتے ہیں۔ اس کی مثال واقعہ مذکور بالا میں موجود ہے۔ زلیخا اپنے خاوند پر مسلط تھی۔ دیکھئے: یوسف علیہ السلام کو اس عورت کے حکم کے بعد جیل میں بھیج دیا گیا حالانکہ وہ صاحب اختیار نہیں تھی، کہنے لگی: وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ۔

(ی)......مردوں کی نسبت عورتیں مکر و فریب کرنے اور اپنے حیلہ و مکر کے نفاذ میں زیادہ مہربان ہوتی ہیں۔ اس لیے تو عزیز مصر نے کہا تھا: اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ٥ [1]

(س)......اللہ عزوجل کے خوف کی بالکل کمی ہونے سے آدمی کا اپنے گھر والوں پر انتظام و ہدایت کے حوالے سے قائم نہ رہنا گھر کے ماحول کو تباہ و برباد، نہایت خراب اور باطل میں حد سے بڑھ جانے کا سبب بن جایا کرتا ہے۔ یہ بات ہمیں عزیز مصر کے اپنی بیوی کے ساتھ نہایت نرم موقف سے معلوم ہوئی کہ اُس نے اپنی بیوی

[1] دیکھئے: الکشاف جلد ۲، ص ۳۱۵.

(زلیخا) کے جرم کے ثبوت اور نہایت نفرت انگیز غلطی کا علم ہو جانے کے باوجود اُسے ڈانٹا تک نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی مواخذہ کیا۔ اسی لیے تو اس عورت نے عورتوں کی بھری مجلس میں دوبارہ پھر اپنی مراد کو حاصل کر لینے پر برملا اظہار بھی کیا اور اگر اُسے اپنا مقصد حاصل نہ ہوا تو آپ علیہ السلام کو سخت سزا دینے کا اعلان بھی کیا۔ ❶

(ع)...... انسان کا دل جب کسی بڑے گناہ کے ساتھ معلق ہو جاتا ہے تو وہ اسے پا لینے کے لیے سر توڑ کوشش کرتا ہے، اسے صحیح ثابت کرنے کے لیے جھگڑتا بھی ہے اور یہ موقف رکھتا ہے کہ وہ اس کو حاصل کرنے کا حقدار ہے۔ (اسے اس معاملے میں قابل معذرت سمجھا جائے۔) اور یہ اس کی بصیرت کے نشان تک مٹ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الجاثیہ: ۲۳)

''پھر کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔ پھر اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے، تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔''

عزیز مصر کی بیوی اس آیت کریمہ کے مفہوم کا مکمل مصداق تھی کہ اُس نے سیّدنا یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو بدکرداری کا مظاہرہ کیا تھا اور پھر شہر بھر کے طبقہ عالیہ کی عورتوں کے سامنے جو اعلان کیا تھا اس کا معنی و مفہوم بالکل یہی تھا جو اُوپر بیان ہوا ہے۔

(ف)...... اگر کسی بڑے منصب، عہدے اور مالداری پر ایمان کی مضبوطی نہ ہو تو یہ دونوں چیزیں اللہ کی سرکشی اور فسق و فجور کے اسباب میں سے ایک ذریعہ بن جاتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ۝﴾ (العلق: ٦ تا ٧)

''ہرگز نہیں، بے شک انسان یقیناً حد سے نکل جاتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ غنی ہو گیا ہے۔''

اسی تناظر میں عزیز مصر کی بیوی کو دیکھ لو کہ جس نے اپنے عہدہ اور مالداری کو سیّدنا یوسف علیہ السلام سے اپنی خواہش کی آگ بجھانے کے لیے استعمال کیا۔ ادھر اُس کا خاوند ایک بڑے عہدے والا، مگر تھا وہ نہایت بے غیرت۔ دیکھا نہیں اُس نے اپنی بیوی کے جرم پر کیسا غلط فیصلہ کیا کہنے لگا:

❶ دیکھئے: دکتور محمد السیّد الوکیل کی کتاب، نظرات فی أحسن القصص جلد ۱، ص ۳۱۹.

﴿يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ﴾

(یوسف : ۲۹)

''یوسف! اس معاملے سے درگزر کر اور (اے عورت!) تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، یقیناً تو ہی خطا کاروں سے تھی۔'' ❶

(ص)...... بادشاہ کی ہیبت وقوت حقدار کو حق دلانے اور ظلم کا اعتراف کرنے میں زبردست مددگار ہوا کرتی ہے۔ یہ بات واقعہ مذکورہ بالا میں اس مقام سے معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا:

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ۝ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ۝﴾

(یوسف : ۵۰ تا ۵۴)

''اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ، تو جب قاصد اس کے پاس آیا تو اس نے کہا اپنے مالک کے پاس واپس جا، پھر اس سے پوچھ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، یقیناً میرا رب ان کے فریب کو خوب جاننے والا ہے۔ اس نے کہا تمھارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے پھسلایا؟ انھوں نے کہا اللہ کی پناہ! ہم نے اس پر کوئی برائی معلوم نہیں کی۔ عزیز کی بیوی نے کہا اب حق خوب ظاہر ہوگیا، میں نے ہی اسے اس کے نفس سے پھسلایا تھا اور بلاشبہ وہ یقیناً سچوں سے ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ جان لے کہ بے شک میں نے عدم موجودگی میں اس کی خیانت نہیں کی اور یہ کہ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کو کامیاب نہیں کرتا۔ اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔ بے شک میرا رب بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ اور بادشاہ نے کہا اسے میرے

❶ في ظلال القرآن جلد ٤، ص ١٩٨٣.

پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے لیے خاص کرلوں، پھر جب اس نے اس سے بات کی تو کہا بلاشبہ تو آج ہمارے ہاں صاحب اقتدار، امانتدار ہے۔'' ❶

اس سے حق کے اعتراف کی فضیلت اور اُس غلطی سے بری آدمی کی بے گناہی معلوم ہوئی کہ جو اُس کی طرف خواہ مخواہ منسوب کردی گئی۔ اور یہ خائنوں کے لیے اللہ عزوجل کی سزا کے ڈر سے ہوا۔ جیسا کہ اوپر والی آیات کے مفہوم سے واضح ہے۔ (ایضاً)

❶ دیکھئے: ابن عاشور کی التحریر والتنویر جلد ۱۳، ص ٦.

(۲)......فرعون کی بیوی کا واقعہ

بسا اوقات اللہ عزوجل کفار کے درمیان میں سے ایسے لوگوں کا انتخاب اپنی توحید اور اپنے دین حنیف کے لیے کر لیتے ہیں جو اُنہیں کے درمیان رہ رہے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں پر اللہ کریم اپنا احسان فرما کر انہیں اسلام کی طرف راہنمائی فرما دیتے ہیں۔ کفر کے اندھیروں سے نکال کر انہیں نورِ ایمان کی روشنی میں لے آتے ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں اشرار کی صحبت اور بدقماش قسم کے لوگوں کی ہمسائیگی سے نجات دے کر اپنی ذاتِ اقدس کی ہمسائیگی میں منتقل کر دیتے ہیں، وہ ذاتِ اقدس کہ جو نہایت غلبہ و بخشش والی ہے۔ اور یہ اس بناء پر ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین اُن کے دلوں میں پائی جانے والی بھلائی کو جانتے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ۝﴾ (الانفال: ۲۳ تا ۲۴)

''اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو انھیں ضرور سنوا دیتا اور اگر وہ انھیں سنوا دیتا تو بھی وہ منہ پھیر جاتے، اس حال میں کہ وہ بے رخی کرنے والے ہوتے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب وہ تمھیں اس چیز کے لیے دعوت دے جو تمھیں زندگی بخشتی ہے اور جان لو کہ بے شک اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے اور یہ کہ بلاشبہ حقیقت یہ ہے کہ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے اپنے دلوں میں خیر ہو تو پھر ہی اللہ عزوجل توحید اور دین اسلام کی بات ان کو سناتا، یعنی اس پر غور کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایمان و خیر، اسلام سے صرف اسے ہی روکتے ہیں کہ جس میں خود خیر نہ ہو اور نہ ہی وہ اللہ کریم کے سامنے سرخرو ہونے کی کوشش کرے۔ [1]

[1] دیکھئے: تیسیر الکریم الرحمٰن السعدی جلد ۲، ص ۱۹۶.

تو وہ لوگ کہ جن کے بارے میں اللہ عزوجل کو ان کے اندر خیر کا علم تھا اور پھر اُس نے اُن پر ایمان واسلام کا احسان فرمایا، ان میں ایک فرعونِ مصر کی بیوی (سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا) بھی تھیں کہ جن کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے قرآن حکیم میں بیان فرمایا ہے۔ ان کا ذکر قرآن حکیم میں دو مقامات پر آیا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العالمین فرماتے ہیں:

﴿فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَo وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَo﴾ (القصص: ۸تا۹)

''تو فرعون کے گھر والوں نے اسے اٹھا لیا، تا کہ آخر ان کے لیے دشمن ہو اور غم کا باعث ہو۔ بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، امید ہے کہ وہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور وہ سمجھتے نہ تھے۔''

دوسرے مقام پر اللہ کریم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَo﴾ (التحريم: ۱۱)

''اور اللہ نے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی، جب اس نے کہا اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچا لے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

قُرَّتُ عَيْنٍ: آنکھوں کی ٹھنڈک۔ آسیہ رضی اللہ عنہا زوجہ فرعون نے یہ اس لیے کہا کہ جب وہ اس بچے کی طرف دیکھے تو اس کا دل خوش ہو اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ خوشی کا آنسو ٹھنڈا ہوتا ہے اور غم کا آنسو گرم۔ اسی لیے محاورۃً دعا و بددعا کے لیے: أَقَرَّ اللّٰهُ عَيْنَكَ وَأَسْخَنَ اللّٰهُ عَيْنَ الْعَدُوِّ۔ کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تیری آنکھ کو ٹھنڈی اور دشمن کی آنکھ کو اللہ تعالیٰ گرم کرے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے: اللہ عزوجل اس کو ایسی خوشی عطا فرمائے کہ جس سے اُس کی آنکھ پرسکون ہو جائے اور وہ غیر کی طمع نہ رکھے۔ [1]

[1] دیکھئے: تفسير البحر والمحيط جلد ٦، ص ٥١٦، تفسير البغوي جلد٣، ص ١٩٣ المفردات للراغب ص ٣٩٨.

وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ: یعنی اے اللہ! مجھے فرعون کے عذاب، سزا سے بچا لے اور اس سے بھی کہ میں بھی اس جیسا عمل کرنے لگوں۔ اس کا عمل اللہ عزوجل کے ساتھ کفر تھا۔ ❶

وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ: اور مجھے اے اللہ! ظالموں کی قوم کے عمل (ظلم وشرک) سے خلاصی دلا کر اس سے نجات دلا دے بلکہ اُن کی سزا سے بھی۔ (ایضاً)

واقعہ میں مذکور بی بی کا تعارف:

جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ثابت ہے اس بی بی محترمہ کا نام آسیہ تھا، رضی اللہ عنہا۔ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ.)) ❷

''مردوں میں سے بہت لوگ کامل اٹھے۔ لیکن عورتوں میں فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران کے سوا اور کوئی کامل پیدا نہیں ہوئی۔ ہاں! عورتوں پر عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کی فضیلت ہے۔''

(کمال سے مراد: یہاں وہ کمال ہے جو ولایت سے بڑھ کر نبوت کے قریب پہنچا مگر نبوت نہ ملی۔ یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ کوئی عورت پیغمبر نہیں گزری اور اس مسئلہ پر اجماع امت ہے۔)

بیان کیا جاتا ہے کہ آسیہ رضی اللہ عنہا کا نسب یوں تھا: آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن الریان بن الولید، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے قبیلہ میں سے بنواسرائیلی خاتون تھیں۔ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ محترم خاتون جناب موسیٰ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی ہے کہ: مشہور بات یہی ہے کہ اس خاتونِ محترم کا تعلق بنواسرائیل سے نہیں تھا بلکہ یہ عمالیق مصر سے تعلق رکھتی تھیں۔

یوں بھی کہا گیا ہے کہ خاتونِ محترم سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا فرعون کے چچا کی بیٹی تھیں اور سب سے پہلے یہی بی بی سیّدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھیں۔ ان کے خاوند فرعونِ مصر کا نام الولید بن مصعب تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام ''ظلمی'' تھا۔ واللہ اعلم۔ ❸

---

❶ تفسير الطبري جلد ٢٨، ص ١٧١، ١٧٢.

❷ صحيح البخاري مع الفتح، ج٦، ص: ٥١٤، حديث: ٣٤١١.

❸ قصص الأنبياء لابن كثير، ص: ٣٠٠، فتح الباري ج٦، ص ٥١٤، التعريف والإعلام للسهيلي، ص: ١٣٠، روح المعاني، ج٢٠، ص ٤٧، المنتظم، ج١، ص ٣٤٦، تاريخ اليعقوبي، ج١، ص ٣٣.

واقعہ کی تفصیل:

جیسا کہ پیچھے درج شدہ آیات کریمہ کے مفہوم و ترجمہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اللہ کریم نے اس خاتونِ محترم سیّدہ آسیہ زوجہ فرعون رضی اللہ عنہا کا واقعہ بیان کرتے ہوئے سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے بتلایا ہے کہ انہوں نے فرعون کے سامنے اُن کی سفارش کی تھی کہ جب آپ ابھی دُودھ پیتے بچے ہی تھے کہ وہ آپ علیہ السلام کو قتل نہ کرے۔ اور یہ اس وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا نے جنابِ موسیٰ (علیہ السلام) کی سفارشی کی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہا کو اس بچے (موسیٰ) کے ساتھ ایک روحانی تعلق حاصل ہوتا گیا تھا کہ جسے اللہ عزوجل نے آپ کے دل میں ان سے متعلق ڈال دیا تھا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے ایک اور مقام پر اس بات کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰىٓ o اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى o اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْٓ o﴾ (طٰہٰ: ۳۷تا۳۹)

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تجھ پر ایک اور بار بھی احسان کیا۔ جب ہم نے تیری ماں کو وحی کی، جو وحی کی جاتی تھی۔ یہ کہ تو اسے صندوق میں ڈال، پھر اسے دریا میں ڈال دے، پھر دریا اسے کنارے پر ڈال دے، اسے ایک میرا دشمن اور اس کا دشمن اٹھالے گا اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے ایک محبت ڈال دی اور تا کہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔''

چنانچہ اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام کی محبت سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کے دل میں ڈال دی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جنابِ آسیہ رضی اللہ عنہا نے اس صندوق کا دروازہ کھولا، بچے کے چہرے سے پردہ ہٹایا اور اُس نے بچے کے چہرے کو دیکھا کہ وہ موسوی جلالت اور نبوی انوار سے دمک رہا ہے تو اُس کی بچے پر نظر پڑتے ہی اس کے دل میں اس کی محبت شدت سے گھر کر گئی۔ [1]

پھر یہ کہ سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کی فرعون سے اس بچے کی سفارش و شفاعت انتہائی دانائی و حکمت کے ساتھ تھی۔ کہا: قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ..... یہ میری بھی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور تیری بھی، اس کو قتل نہ کرو۔ تو بی بی رضی اللہ عنہا نے فرعون سے مہربانی کی درخواست کرتے ہوئے نرمی اختیار کرنے کے لیے کہا اور فرعون کے حاکم وقت، بادشاہ ہونے کے ناطے جمع کے صیغہ سے اُس کی عظمت کے پیشِ نظر اسے مخاطب کیا۔ یا اس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آسیہ رضی اللہ عنہا نے اُسے اور اُس کے ساتھ اس کے مصاحبین سب کو مخاطب کر کے یہ کہا تھا: لَا تَقْتُلُوْهُ:

[1] دیکھئے: قصص الانبياء لإبن كثير، ص ۳۰۰.

اس بچے کو قتل نہ کرو۔ ❶ اور پھر بڑی دانائی کے ساتھ بی بی نے اس بچے کو باقی رکھنے کی خواہش اور مقصد کا ذکر یوں کیا: عَسٰى أَنْ يَّنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا.... شاید کہ بڑا ہو کر ہمارے کام آئے (ہمارے لیے مبارک ہو) یا ہم اُس کو بیٹا بنا لیں۔'' یعنی یا تو وہ بڑا ہو کر ہماری خدمت کرے گا یا پھر وہ اس بچے کو عزت و تکریم دیں گے اور اسے اپنا بیٹا بنا لیں گے۔ یہ سن کر فرعون نے اپنی بیوی (سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا) کی بات کو مان لیا اور اُسے قتل نہ کروایا۔

جب موسیٰ علیہ السلام بڑے ہو کر جوان ہوئے اور پھر پختہ عمر کی حد کو پہنچے اور اللہ عزوجل نے آپ علیہ السلام کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا تو آپ کو اللہ رب العالمین نے دعوت الی اللہ اور دعوت اِلی الحق کے لیے فرعون کی طرف بھیجا اور پھر دونوں کے درمیان مکالمات و مقابلہ کا جو معاملہ ہوا سو ہوا۔

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ کی مدد سے فرعون کے جادو پر غالب آ گئے تو سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ پر ایمان لے آئیں اور دیگر کچھ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ ❷ فرعون نے جب سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں سنا کہ وہ بھی اللہ عزوجل کی توحید اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئی ہیں تو اُس ظالم نے آپ رضی اللہ عنہا کو سزا دینا شروع کر دی تاکہ آپ رضی اللہ عنہا اپنے دین سے پھر جائیں۔ (ایضاً)

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے جناب سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ فرعون کی بیوی سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کو وہ لوگ سخت دھوپ میں لٹا کر سزا دیتے تھے۔ جب وہ پلٹ جاتے تو فرشتے اپنے پروں سے سایہ کر دیتے۔ اس وقت وہ اپنا گھر جنت میں دیکھ لیتی تھیں۔ ❸

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے قاسم بن ابو برزہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ ہو رہا تھا تو سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا فرعونیوں سے پوچھتی: بتایئے کون جیتا؟ کہا جاتا کہ موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) غالب آ رہے ہیں۔ وہ کہتی: گواہ رہو میں ہارون و موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئی ہوں۔ یہ سن کر فرعون نے اپنی بیوی کی طرف پیغام بھیجا اور اپنے ہرکاروں کو تاکید کی کہ کوئی بھاری بھرکم پتھر تلاش کرو۔ اگر وہ اپنی بات پر ڈٹی رہے تو اُس پر یہ پتھر رکھ دینا اور اگر اپنے اس قول سے باز آ جائے تو پھر وہ میری بیوی ہے، اُسے کچھ نہ کہنا۔ چنانچہ جب یہ فرعونی سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو اُس نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی۔ اسی وقت آپ رضی اللہ عنہا کا گھر جنت میں آپ کو دکھلا دیا گیا۔ آپ اپنے ایمان پر ڈٹی رہیں۔ اسی دوران آپ کی روح قبض کر لی گئی اور ان

---

❶ دیکھئے: فتح القدیر للشوکانی جلد ٤، ص ١٦٠.

❷ تفصیل کے لیے: تفسیر الطبری جلد ٢٨، ص ١٧١، تفسیر البغوی جلد ٤، ص ٣٦٨، اور ابن اثیر رحمہ اللہ کی الکامل فی التاریخ جلد ١، ص ١٠٤.

❸ تفسیر الطبری جلد ٢٣، ص ٥٠٠.

ظالموں نے یہ بھاری بھر کم پتھر آپ رضی اللہ عنہا کے بے جان جسم پر ڈال دیا۔ (ایضاً)

تو یہ تھی فرعون کی بیوی سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کہ جسے کفر کا طوفان اکیلی کو راہِ نجات اور ایمان باللہ سے روک نہ سکا۔ یعنی وہ کفر کہ جہاں وہ فرعون کے محل میں رہ رہی تھی۔ یہ خاتون محترم اپنے رب سے جنت میں گھر کا مطالبہ کرتے ہوئے فرعون کے محل سے بری ہوگئی۔ اسی طرح وہ فرعون کے ساتھ تعلق سے بھی بری ہوگئی اور اُس نے اپنے رب سے فرعون سے نجات کا سوال کیا تھا۔ پھر وہ اس کے عمل سے بھی بری ہوگئی اس ڈر سے کہ فرعون کے عمل سے اسے بھی کچھ پہنچ جائے اور یہ تمام لوگوں سے زیادہ فرعون سے قریب تر رہنے والی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے رب سے یہی مطالبہ کیا تھا: وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ: اور اے رب کریم! مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے۔'' اس طرح وہ قوم فرعون سے بھی بری ہوگئی تھیں جبکہ وہ اُن کے درمیان ہی رہ رہی تھیں۔ اور اس قوم کے بارے میں بھی اللہ کریم سے یہی دُعا کی تھی: وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ اور اے اللہ! مجھے ظالموں کی قوم (قبطیوں، فرعونیوں) سے بھی نجات دے۔''

اللہ عزوجل کی یہ مومن بندی ہر وقت دباؤ میں رکھنے والی سوسائٹی اور ہمہ وقت مزاحمت سے دوچار کرنے والے محل، بادشاہ کے دباؤ، خدام کے دباؤ اور شاہی مقام کے درمیان بحالت ایمان باللہ وایمان بموسیٰ تنہا زندگی گزار رہی تھی۔ رضی اللہ عنہا۔ اس طرح کے تمام دباؤ والے ذرائع کے درمیان اُس اکیلی نے اس سرکش کفر والے انبوہ کے درمیان اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا۔ اس کا یہ عمل تمام قسم کی کفریہ پکاروں، تمام طرح کی رکاوٹوں، تمام قسم کی قانونی پابندیوں اور تمام طرح کی اثر انداز ہونے والی باتوں سے یکسر علیحدگی اختیار کرتے ہوئے ان کی پرواہ نہ کرنے میں ایک اعلیٰ ترین نمونہ تھا۔ اسی بنا پر وہ اللہ عزوجل کی ہمیشہ رہنے والی کتاب (قرآن مجید) میں دیے گئے، جنت معلیٰ میں اُس کے گھر والے اشارہ کی مستحق ہوگئی۔ ❶

اور اس طرح اللہ رب العالمین نے سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کو وہ ہمیشہ ہمیشہ والا نفع پہنچا دیا کہ جس کی اُس نے اُمید لگا لی تھی۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سیدھی راہ کی طرف ہدایت نصیب فرما کر اسے جنت میں داخل فرما دیا اور یہ اُس کے لیے آخرت میں ایک عظیم ترین نفع تھا۔ ❷

اسرائیلی روایات:

اس واقعہ سے متعلق بہت ساری اسرائیلی روایات کتابوں میں ذکر ہوئی ہیں جن میں سے چند ایک کو یہاں

---

❶ دیکھئے: في ظلال القرآن جلد ٦، ص ٣٦٢١، ٣٦٢٢.

❷ دیکھئے علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی قصص الانبیاء ص ٣٠٠.

بیان کرتے ہیں۔

(۱)...... امام بغوی نے جناب وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا مساکین کی ماں تھی، ان پر رحم کرتے ہوئے اُن پر خرچ بھی کرتی اور انہیں عطا بھی کرتی تھی۔ ❶

(۲)...... ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لونڈیوں نے موسیٰ علیہ السلام کا صندوق کہ جس میں آپ کو ڈال کر دریا میں بہا دیا گیا تھا، سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کے سامنے رکھ دیا اور آپ نے اس صندوق کو کھولا۔ ❷

(۳)...... یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرعون سے کہا تھا: یہ بچہ تو ایک سال سے بڑی عمر کا ہے۔ جبکہ یہ سال جس میں انہوں نے صندوق اور اس میں بچہ پکڑا تھا، وہ سال تھا کہ جس میں فرعون نے بنواسرائیل کے پیدا ہونے والے لڑکوں کو ذبح کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ کہا: اس لیے اس بچے کو چھوڑ دو۔ آنے والے وقت میں یہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ فرعون کے ہاں صرف لڑکیاں ہی پیدا ہو رہی تھیں۔ چنانچہ فرعون نے اس بچے کو چھوڑ دیا اور اس سے اُس نے پیار کیا۔ ❸

(۴)...... امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ اس لیے اُس نے فرعون سے کہا کہ وہ اس بچے (موسیٰ) کو اسے ہبہ کردے۔ چنانچہ اُس نے یہ بچہ بی بی آسیہ کو ہبہ کر دیا۔ ❹

(۵)...... علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ اہل کتاب کے ہاں یہ بات معروف ہے کہ جس لڑکی نے موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کو پکڑا تھا وہ فرعون کی بیٹی تھی۔ ❺

(۶)...... امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت قاسم بن ابی بزہ بیان کیا ہے کہ سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا فرعونیوں سے پوچھتیں (جب موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے درمیان مقابلہ ہو رہا تھا۔) کون جیتا ہے؟...... الخ (روایت پیچھے گزر چکی ہے۔) ❻

(۷)...... اسی طرح طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں...... الخ (یہ روایت بھی پیچھے گزر چکی ہے) ❼

---

❶ دیکھئے: تفسیر البغوی جلد ۳، ص ۴۳۷، ابن جوزی کی: زاد المسیر جلد ۶، ص ۲۰۳ اور تفسیر الخازن جلد ۵، ص ۱۶۵.

❷ البداية والنهاية جلد ۱، ص ۲۳۹.

❸ دیکھئے: زاد المسیر لابن الجوزی جلد ۶، ص ۲۰۳.

❹ تفسیر القرطبي جلد ۱۳، ص ۲۵۳، فتح القدیر جلد ۴، ص ۱۶۰ و تفسیر الخازن جلد ۵، ص ۱۶۴.

❺ قصص الانبیاء لابن کثیر ص ۳۰۰.

❻ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ۲۸ ص ۱۷۱ و تفسیر الخازن جلد ۷، ص ۱۲۲.

❼ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ۲۸، ص ۱۷۱.

اسرائیلی روایات پر تبصرہ و جرح:

ان میں سے بعض روایات صحیح اسناد سے ثابت ہیں، بعض قابل انکار اور بعض کے متعلق خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ چنانچہ یہ جو بیان ہوا ہے کہ سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا نے موسیٰ (علیہ السلام) کے لیے فرعون سے سفارش بھی کی اور اسے فرعون سے ہبہ کے طور پر مانگ لیا تھا۔ تو اس کے لیے قرآن میں دلیل موجود ہے۔ فرمایا:

﴿وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝﴾ (القصص : ۹)

''اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، امید ہے کہ وہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ سمجھتے نہ تھے۔''

اور اہل کتاب کے ہاں یہ جو بات معروف ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کو اٹھا لینے یا کھلوا لینے اور اس سے موسیٰ کو باہر نکال کر اٹھا لینے سے آسیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ بات قرآن حکیم کے بالکل برعکس ہے۔ اس لیے کہ قرآن عظیم نے جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کا موسیٰ علیہ السلام کے لیے سفارش کرنا بیان کیا ہے (اور فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ...... کا ترجمہ بعض علماء کرام نے یوں بھی کیا ہے: (موسیٰ کی ماں نے ان کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا) اور پھر فرعون کے گھر والوں نے اُس کو اٹھا لیا۔'' تو گھر والوں سے مراد فرعون کی بیوی بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ قرآن کا اگلا سیاق اس کی وضاحت کر رہا ہے) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس بات کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا ہے: اہل کتاب کی قرآن حکیم پر یہ بات ایک بڑی غلطی شمار ہوتی ہے۔''[1]

اور یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا جناب موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھیں تو یہ بات سورۃ التحریم کی آیت میں مذکور معنی سے ثابت ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہا کو فرعون کی طرف سے جو سزا دیے جانے کا جو ذکر ہوا ہے تو اس کی طرف بھی قرآن حکیم نے اشارہ کیا ہے۔ یعنی فرمایا: وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝ علاوہ ازیں باقی جو باتیں ہیں تو ان کی صحت و ضعف کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہے اس لیے ان کے بیان میں کچھ حرج نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

واقعہ مذکور بالا سے مستفاد احکام و دروس:

(۱)...... کسی اہم ترین ضرورت کے وقت مومن آدمی کا کسی کافر سے میل جول آخرت میں کچھ نقصان کا سبب نہیں بن سکے گا۔ سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کا فرعون سے صحبت رکھنا اُس کی آخرت میں کسی نقصان کا سبب نہیں بن

---

[1] قصص الأنبياء، ص ۳۰۰.

سکا تھا اس حال میں کہ وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم ضرور رہی تھیں۔ ❶

اور اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۚ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ (آل عمران: ۲۸)

''ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا اور اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

(۲)......آسیہ رضی اللہ عنہا کے اس قول: عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا سے معلوم ہوا کہ منہ بولے بیٹے، لے پالک بنانے والے کا رواج زمانہ قدیم سے ہے، مگر یہ کہ اسلام نے اس رسم ورواج کو باطل قرار دے دیا۔ جیسا کہ فرمایا ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾ (الاحزاب: ٤)

''اور نہ ہی اللہ عزوجل نے تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنایا ہے، یہ باتیں تم اپنے مونہوں سے کہتے ہو بس۔''

(۳)...... کافروں کے ساتھ مومن آدمی کا تعلق جس طرح کا بھی ہو، سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کے یوں کہنے: وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ: سے معلوم ہوا کہ کفار سے اس کو براءت کا اظہار کر دینا چاہیے اور یہ واجب ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (التوبہ: ۲۳)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ، اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر سے محبت رکھیں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا سو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

(۴)......سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کے یوں کہنے: عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا: سے امید کی فضیلت معلوم ہوئی۔ دیکھئے! آپ رضی اللہ عنہا نے اس امید سے کتنا فائدہ اٹھایا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر جنت میں داخل ہوگئیں۔

(۵)......سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کے یوں کہنے: قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ..... سے معلوم ہوا کہ عورت کو ماں بننے کا بہت

❶ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ۲۸، ص ۱۷۱ و تفسیر ابن کثیر جلد ۸ ص ۱۹۹ و تفسیر البحر المحیط جلد ۸، ص ۲۹٤.

شوق ہوا کرتا ہے۔ اس لیے کہ بچہ (بیٹا) وہ سبب اور ذریعہ ہوتا ہے کہ جس سے آنکھوں کو ٹھنڈک ملا کرتی ہے۔ پھر ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسی موضوع کو یوں بھی بیان فرمایا ہے: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا.... مال اور بیٹے دنیاوی زندگی کی زیب و زینت ہوتے ہیں۔ (الکھف : ٤٦)

(٦)...... اس واقعہ میں سورۃ التحریم کی آیت: ١١ میں جو اللہ کریم نے فرمایا ہے: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا: اور ایمان والوں کی تسلی کے لیے اللہ عزوجل نے مثال بیان فرمائی ہے...... تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کی اطاعت، دین حنیف پر تمسک اور سختیوں کے وقت ثابت قدمی اختیار کرنے کا اس میں ایمان والوں کے لیے بہت بڑا سبق اور ترغیب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ واقعہ اہل ایمان کے لیے مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ ❶

(٧)...... سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کے دعائیہ کلمات: وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ○ سے معلوم ہوا کہ کافروں اور کفر کے نظام سے براءت اختیار کرنا حقیقی ایمان ہے۔ فرعون کی بیوی سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کی دعا اور آپ رضی اللہ عنہا کا موقف دنیاوی زندگی پر پیش کرنے کے لیے عظیم المرتبی اختیار کرنے میں ایک مثال ہے۔ اپنے زمانے میں زمین کے سب سے بڑے بادشاہ فرعون کی بیوی کا اُس کے محل میں رہنا سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والی جگہ شمار کیا جائے گا کہ جس میں ایک عورت کو وہ سب سہولتیں میسر ہوتی ہوں گی کہ جن کی وہ خواہش کرے مگر اس نیک، مومن خاتون نے ان سب چیزوں پر ایمان کو سب سے بلند و بالا جانا، یہ سب طرح کا سامان اسے ایمان سے پھیر نہ سکا۔ بلکہ وہ ایسی تمام سہولتوں اور سامانِ دنیا کو اپنے لیے شر، ردی چیزیں اور آزمائش شمار کرتی تھیں اور ان سے اللہ کی پناہ مانگتی تھیں۔ ❷

(٨)...... اللہ تعالیٰ نے سیّدہ آسیہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ: وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ○ جو بیان کیے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ سچا مومن آدمی اپنے دین پر حرص وطمع رکھا کرتا ہے اور اسی کے بارے میں وہ فکر کر کے غلطیوں سے ڈرا کرتا ہے۔ دوسرا کہ اللہ کے صالح بندے مصیبتوں کے وقت ایک اللہ عزوجل سے ہی مدد طلب کیا کرتے ہیں۔ (ایضاً)

(٩)...... باطل قوت و طاقت اور حد سے بڑھے ہوئے سرکشی و نافرمانی والا ظلم و استبداد اگرچہ اہل زمین پر سب سے زیادہ سرکشی اور تکبر والا ہوتا ہے مگر یہ دونوں چیزیں اس شخص کو ہدایت ملنے سے یکسر نہیں روک سکتے کہ جس آدمی کو ہدایت دینے کا اللہ عزوجل ارادہ فرمالیں۔ دیکھ لیجیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرعون کی بیوی کے دل میں اس ظالم و جابر کے گھر کے اندر اپنا ایمان داخل کر ہی دیا۔

❶ دیکھیے: تفسیر القرطبی جلد ١٨، ص ٢٠٢، فتح القدیر جلد ٤، ص ٢٦٥ اور نواب صدیق الحسن خان کی "حسن الأسوة" ص ٣٦٢٢.

❷ في ظلال القرآن جلد ٦، ص ٣٦٢٢.

(۳)......ملکہ سبا کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

حکومت وفرماں روائی اور بالادستی وامارت مردوں کی مسئولیت اور ذمہ داری ہے۔ یہ عورتوں کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اللہ عزوجل کا اپنی مخلوق میں یہی طریقہ ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء: ٣٤) ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بڑائی، فضیلت عطا فرمائی ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنا مال عورتوں پر خرچ کیا ہوتا ہے۔'' (اور وہ ان کے مکمل نان ونفقہ اور ضروریات زندگی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔) لہٰذا عورت کے لیے اپنی اس ذمہ داری ومسئولیت سے کمزوری اور عجز کی بنا پر درست نہیں ہے کہ وہ کہیں پر حاکمہ ہو۔ تاریخ میں بہت نادر ایسے واقعات سامنے آتے ہیں کہ عورت کسی ملک کی سیاست پر بالادستی اختیار کرسکی ہو۔ یہ معاملہ (کسی عورت کا کسی ملک پر حاکم بن جانا) نہایت ناپسندیدہ اور معیوب ہے۔

اللہ رب العالمین نے قرآن حکیم میں ایک ایسی عورت کا ذکر فرمایا ہے کہ جو کسی دور میں ملک یمن کی ملکہ، حاکمہ تھی۔ قرآن نے اس ملکہ کا واقعہ سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہمارے لیے بطور نصیحت بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ قرآن عزیز میں ملکہ سبا کا ایک مقام پر اور قوم سبا کا ذکر دو مقامات پر (دو سورتوں میں) کیا ہے۔ آیئے ہم قرآن کے تناظر میں اس واقعہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَّقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ۚ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ○ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ○ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ

لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ
عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ ○ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ
الْغَائِبِيْنَ ○ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ ○
فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ○ اِنِّيْ
وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ○ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا
يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ
السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ○ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ○ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ
الْعَظِيْمِ ○ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ ○ اذْهَبْ بِّكِتَابِيْ هٰذَا
فَاَلْقِهِ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ○ قَالَتْ يٰاَيُّهَا الْمَلَاُ اِنِّيْ اُلْقِيَ
اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ○ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلَّا تَعْلُوْا
عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ○ قَالَتْ يٰاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا
حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ○ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ
مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ○ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً
وَّكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ○ فَلَمَّا
جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُمْ ج بَلْ اَنْتُمْ
بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ○ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا
وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَا اَذِلَّةً وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ○ قَالَ يٰاَيُّهَا الْمَلَاُ اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا
قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ○ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا آتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ
مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ○ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا آتِيْكَ
بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ط فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ
لِيَبْلُوَنِيْ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ط وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ
كَرِيْمٌ ○ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ○

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ۝ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾ (النمل: ١٥ تا ٤٤)

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے داؤد اور سلیمان کو ایک علم دیا اور ان دونوں نے کہا تمام تعریف اللہ کے لیے ہے، جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی۔ اور سلیمان داؤد کا وارث بنا اور اس نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہمیں ہر چیز میں سے حصہ دیا گیا ہے۔ بے شک یہ یقیناً یہی واضح فضل ہے۔ اور سلیمان کے لیے اس کے لشکر جمع کیے گئے، جو جنوں اور انسانوں اور پرندوں سے تھے، پھر وہ الگ الگ تقسیم کیے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی پر آئے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ، کہیں سلیمان اور اس کے لشکر تمھیں کچل نہ دیں اور وہ شعور نہ رکھتے ہوں۔ تو وہ اس کی بات سے ہنستا ہوا مسکرایا اور اس نے کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں، جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے اور یہ کہ میں نیک عمل کروں، جسے تو پسند کرے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔ اور اس نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا مجھے کیا ہے کہ میں فلاں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا، یا وہ غائب ہونے والوں سے ہے۔ یقیناً میں اسے ضرور سزا دوں گا، بہت سخت سزا، یا میں ضرور ہی اسے ذبح کر دوں گا، یا وہ ضرور ہی میرے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آئے گا۔ پس وہ کچھ دیر ٹھہرا، جو زیادہ نہ تھی، پھر اس نے کہا میں نے اس بات کا احاطہ کیا ہے جس کا احاطہ تو نے نہیں کیا اور میں تیرے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ بے شک میں نے ایک عورت کو پایا کہ ان پر حکومت کر رہی ہے اور اسے ہر چیز میں سے حصہ دیا گیا ہے اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال مزین کر دیے ہیں، پس انھیں اصل راستے سے روک دیا ہے، پس وہ ہدایت نہیں پاتے۔ تاکہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو عرش عظیم

کا رب ہے۔ کہا عنقریب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا، یا تو جھوٹوں سے تھا۔ میرا یہ خط لے جا، پس اسے ان کی طرف پھینک دے، پھر ان سے لوٹ آ، پس دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ اس (ملکہ) نے کہا اے سردارو! بے شک میری طرف ایک عزت والا خط پھینکا گیا ہے۔ بے شک وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک وہ اللہ کے نام سے ہے، جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔ یہ کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور فرماں بردار بن کر میرے پاس آ جاؤ۔ کہا اے سردارو! تم میرے معاملے میں مجھے حل بتاؤ، میں کبھی کسی معاملے کا فیصلہ کرنے والی نہیں، یہاں تک کہ تم میرے پاس موجود ہو۔ انھوں نے کہا ہم بڑی قوت والے اور بہت سخت جنگ والے ہیں اور معاملہ تیرے سپرد ہے، سو دیکھ تو کیا حکم دیتی ہے۔ اس نے کہا بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے خراب کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں سے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور اسی طرح یہ کریں گے۔ اور بے شک میں ان کی طرف کوئی تحفہ بھیجنے والی ہوں، پھر انتظار کرنے والی ہوں کہ ایلچی کیا جواب لے کر پلٹتے ہیں۔ تو جب وہ سلیمان کے پاس آیا تو اس نے کہا کیا تم مال کے ساتھ میری مدد کرتے ہو؟ تو جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمھیں دیا ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو۔ ان کے پاس واپس جا، اب ہر صورت ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کے مقابلے کی ان میں کوئی طاقت نہیں اور ہر صورت انھیں اس سے اس حال میں ذلیل کر کے نکالیں گے کہ وہ حقیر ہوں گے۔ کہا اے سردارو! تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لے کر آئے گا، اس سے پہلے کہ وہ فرماں بردار ہو کر میرے پاس آئیں؟ جنوں میں سے ایک طاقتور شرارتی کہنے لگا میں اسے تیرے پاس اس سے پہلے لے آؤں گا کہ تو اپنی جگہ سے اٹھے اور بلاشبہ میں اس پر یقیناً پوری قوت رکھنے والا، امانت دار ہوں۔ اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا ایک علم تھا، میں اسے تیرے پاس اس سے پہلے لے آتا ہوں کہ تیری آنکھ تیری طرف جھپکے۔ پس جب اس نے اسے اپنے پاس پڑا ہوا دیکھا تو اس نے کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے، تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں، یا ناشکری کرتا ہوں اور جس نے شکر کیا تو وہ اپنے ہی لیے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو یقیناً میرا رب بہت بے پروا، بہت کرم والا ہے۔ کہا اس کا تخت اس کے لیے بے پہچان کر دو، تا کہ ہم دیکھیں کیا وہ راہ پر آتی ہے، یا ان لوگوں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے۔ پھر جب وہ آئی تو اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا یہ تو گویا

وہی ہے اور ہم اس سے پہلے علم دیے گئے تھے اور ہم فرماں بردار تھے۔ اور اسے اس چیز نے روکے رکھا جس کی عبادت وہ اللہ کے سوا کرتی تھی، بلاشبہ وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔ اس سے کہا گیا اس محل میں داخل ہو جا۔ تو جب اس نے اسے دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اٹھالیا۔ اس نے کہا یہ تو شیشے کا صاف ملائم بنایا ہوا فرش ہے۔ اس (ملکہ) نے کہا اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے لیے فرماں بردار ہوگئی۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

عَرْشٌ عَظِيْمٌ: ایک بڑا شاہی تخت۔ ہدہد نے شاہی مرتبہ وشان اور اس تخت کی ہیئت کے پیش نظر ملکہ سبا کے تخت کو ''بڑا ہونے'' کے ساتھ بیان کیا تھا۔

اَلْمَلَؤُ: سردار [illegible]ں میں سے اشراف لوگ۔ گویا کہ وہ شرف وعظمت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

اَلَّا تَعْلُوْا عَ[illegible] میرے اوپر سرکشی مت کرو اور اس سے اپنے آپ کو مت روکو کہ جس بات کی طرف میں نے تمہیں دعوت دی ہے۔ اور نہ ہی میرے سامنے اکڑ دکھاؤ۔ ❶

وَأْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ٥: یعنی میری طرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت واطاعت کا اقرار واعتراف عملی صورت میں کرتے ہوئے آؤ۔

أَفْتُوْنِيْ فِيْ أَمْرِيْ: یعنی میرے معاملے (فیصلہ کرنے) میں مجھے صحیح مشورہ دو۔ اپنی رائے بیان کرو۔

بِهَدِيَّةٍ: مراد وہ عطیہ ہے کہ جو باہمی اُنس ومحبت کو قائم رکھنے کے لیے کسی کو دیا جاتا ہے۔

نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا: بلقیس کے لیے اس کے تخت کی شکل وصورت بدل ڈالو اور وہ اس طرح کہ پہچانا نہ جاسکے۔

اَلصَّرْحَ: محل اور محل کا وہ فرش کہ جو شیشے کا ہو، نہایت صاف شفاف اور اُس کے نیچے پانی ہو۔

حَسِبَتْهُ لُجَّةً: بلقیس نے اس فرش کو پانی سمجھ لیا۔

مُمَرَّدٌ: مُمَلَّسٌ مُسْتَوٍ: منڈھا ہوا، ذرا اونچا بنایا گیا۔ ❷

---

❶ زاد المسير لابن اجوزي، ج٦، ص١٦٥، تفسير القرطبي، ج١٣، ص ١٨٤، معاني القرآن للزجاج، ج٤، ص ١١٥، تفسير القرطبي، ج٣، ص: ٢٤٣، معاني القرآن الزجاج، ج٤، ص ١١٨، تفسير الطبري، ج١٩، ص١٥٣، تفسير البغوي، ج٣، ص ٤١٦، وتفسير ابن كثير، ج٦، ص ١٩٩

❷ تفسير الطبري، ج١٩، ص ١٥٣، تفسير البغوي، ج٣، ص٤١٧، المفردات للراغب، ص: ٥٠٥، تفسير الجلالين، ص: ٥٠٤، تفسير البحر المحيط، ج٧، ص: ٧٩، معاني القرآن للزجاج، ج٤، ص: ١٢٢، تفسير النسفي، ج٢، ص٦١٤.

واقعہ مذکورہ بالا میں بیان شدہ عورت کا تعارف:

جہاں تک مجھے علم ہے ملکۂ سبا کا صحیح نام کہیں بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ لیکن اکثر قدیم مفسرین کرام نے بیان کیا ہے کہ اس عورت کا نام ''بلقیس بنت شراحبیل'' تھا جو کہ عرب بن قحطان کی نسل سے تھی۔ ❶

❶ ''سباء'' یمن میں ایک شہر کا نام تھا جو یمن کے موجودہ دارالسلطنت ''صنعا'' سے تین دن تقریباً ۵۵ میل کی مسافت پر واقع تھا۔ اس شہر کے بنانے والے کا نام بھی سباء تھا اور اس میں بسنے والی قوم کا نام بھی سباء تھا اس لیے یہ شہر اسی نام سے مشہور ہوا۔ (شوکانی) شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس ملک کا حال مفصل نہ پہنچا تھا اب پہنچا۔ (موضح القرآن) گویا اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ کسی بڑے سے بڑے انسان کا علم بھی ہر چیز کو محیط نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام، کہ جن کے متعلق فرمایا: ہم نے انہیں علم عطا فرمایا، انہیں ایک جزئی واقعہ کی خبر ہدہد نے مہیا کی۔ اس سے ان لوگوں کی تردید کا پہلو نکلتا ہے جو انبیا کو غیب داں سمجھتے ہیں۔ (قرطبی)

قوم سباء کا ذکر اللہ عزوجل نے قرآن کی سورۂ سبا میں بھی فرمایا ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَ شِمَالٍ ۖ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَ رَبٌّ غَفُورٌ ۝ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَّ أَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۖ وَ هَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ۝ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَ أَيَّامًا آمِنِينَ ۝ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَ مَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝﴾ (سباء: ۱۵ تا ۱۹)

''بلاشبہ یقیناً سبا کے لیے ان کے رہنے کی جگہ میں ایک نشانی تھی۔ دو باغ دائیں اور بائیں (جانب) سے۔ اپنے رب کے دیے سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو، پاکیزہ شہر ہے اور بے حد بخشنے والا رب ہے۔ پھر انھوں نے منہ موڑ لیا تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیجا اور ہم نے انھیں ان کے دو باغوں کے بدلے دو اور باغ دیے جو بدمزہ پھلوں اور جھاؤ کے درختوں اور کچھ تھوڑی سی بیریوں والے تھے۔ یہ ہم نے انھیں اس کا بدلہ دیا جو انھوں نے ناشکری کی اور ہم یہ بدلہ نہیں دیتے مگر اسی کو جو بہت ناشکرا ہو۔ اور ہم نے ان کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی، نظر آنے والی بستیاں بنا دیں اور ان میں چلنے کا اندازہ مقرر کر دیا، راتوں اور دنوں کو بے خوف ہو کر ان میں چلو۔ تو انھوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمارے سفروں کے درمیان دوری پیدا کر دے، اور انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انھیں کہانیاں بنا دیا اور انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ہر طرح ٹکڑے ٹکڑے کرنا، بلاشبہ اس میں ہر بہت صبر کرنے والے، بہت شکر کرنے والے کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔''

یعنی بلند وادیوں سے آنے والے پانی کو روک کر مآرب کے پہاڑوں کے درمیان جو بند انھوں نے باندھا تھا اور جس سے وہ اپنے باغوں کو سال بھر سیراب کرتے تھے اسے توڑ کر ہم نے زور کا سیلاب بھیجا جس نے ان کے باغ اور مکان سب تباہ کر ڈالے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ ''سد مآرب'' بلق کے پہاڑوں کے درمیان تقریباً ۸۰۰ ق م باندھا گیا تھا جو کہ ایک سو پچاس فٹ لمبی اور پچاس فٹ چوڑی دیوار ہے تقریباً پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں یہ بند ٹوٹ گیا جس سے ملک کا تمام نظام آبپاشی تباہ و برباد ہو گیا۔ اس بند کی دیوار کا کچھ حصہ تا حال باقی ہے۔ پوری تفصیلات ''ارض القرآن'' میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یعنی یا تو ان کے دائیں بائیں ایسے باغ تھے جن میں طرح طرح کے عمدہ اور مزیدار پھل پیدا ہوتے تھے، یا جب سیلاب آیا اور اس نے پہلے باغ تباہ کر دیے تو انھوں نے نئے باغ لگائے مگر ان میں کوئی مزیدار پھل پیدا نہ ہوا۔ کچھ خراب قسم کے پھل اور کچھ جھاڑی بوٹی کے بیر رہ گئے۔ یعنی ایسی سخت سزا صرف انہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو ناشکری پر اتر آتے ہیں اور شرک سے بڑھ کر ناشکری کیا ہو سکتی ہے۔ سورہ نمل میں گزر چکا ہے کہ یہ لوگ سورج کی پوجا کرتے تھے۔ (ابن کثیر) یعنی جب یہ لوگ تجارت کی غرض سے اپنے وطن یمن سے ملک شام کا سفر کرتے تھے تو بے خوف وخطر اور آرام و سکون سے کرتے۔ ہر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر گاؤں آباد تھے ⇦

اور یہی بات مشہور بھی ہے۔ ❶

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُس کا نام بلقمہ بنت الشرح تھا۔ اس کے نسب سے متعلق اور بھی کچھ اقوال ہیں۔ یہ عورت عربی زبان پڑھ لکھ سکتی تھی۔ ❷

واقعہ کی تفصیل:

جیسا کہ آپ نے پیچھے قرآنی آیات کے ترجمہ ومفہوم میں بالا جمال پڑھ لیا ہے کہ یہ بلقیس نامی عورت ملک یمن میں قوم سبا کی ملکہ تھی۔ اُسے وہ سب کچھ ملا تھا جو دنیا میں بادشاہوں کو عطا ہوتا ہے۔ اس ملکہ کا ایک بڑا سا بھاری بھرکم تخت تھا۔ ❸

ابوحیان رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ہدہد کے یوں کہنے: وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ: اور جناب سلیمان علیہ السلام کے فرمان: وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ: کے درمیان ایک واضح فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ سیّدنا سلیمان علیہ السلام نے اپنی اس بات کا عطف: عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ: پر قائم کیا ہے اور یہ ایک معجزہ ہے۔ چنانچہ سیّدنا سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو اولاً نبوت وحکمت اور دین اسلام کے اسباب و ذرائع عطا ہوئے تھے، ثانیاً آپ کو بادشاہی اور اسباب دنیا بھی خوب ملے تھے۔ ہدہد نے حکومت بلقیس کے اسباب کی جو بات کی تھی تو وہ صرف دنیا کے اُنہی وسائل و اسباب سے متعلق تھی جو اُس کی حالت کے لائق اسے عطا کیے گئے تھے۔ ❹

یہ ملکہ ایک مشرک عورت تھی جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ سورج کی پوجا کرتی تھی۔ اُس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت نہ کرنا اور اللہ کی عبادت سے باز رہنا اس وجہ سے تھا کہ وہ ایک کافر ماحول میں پروان چڑھی تھی۔ اسی

⇐⇐ اس لیے زادِراہ اور پانی کا ذخیرہ رکھنے کی بھی ضرورت نہ پڑتی۔ رات کو یا دن کو جس گاؤں میں پہنچ جاتے وہاں کھانے پینے کے لیے سب کچھ مل جاتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرکے گویا زبان حال سے یہ کہنے لگے کہ (کذانی الفتح) شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''آرام میں مستی آئی لگے تکلیف مانگنے کہ جیسے اور ملکوں کی خبر سنتے ہیں، سفروں میں پانی نہیں ملتا، آبادی نہیں ملتی ویسا ہم کو بھی ہو۔ (کذانی ابن الکثیر) یعنی انہیں مختلف علاقوں میں اس طرح بکھیر دیا کہ ان کی پراگندگی ضرب المثل بن گئی۔ آج بھی اگر اہل عرب کسی قبیلے کی پراگندگی کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں "تفرقوا ایدی سبا: وہ اس طرح بکھر گئے جیسے سبا کا قبیلہ۔'' (شوکانی)

❶ دیکھئے: تفسیر البغوی جلد ۳، ص ٤١٤ تفسیر ابن کثر جلد٦، ص١٩٦ الدر المنثور جلد ٦ ص ٣٥١، المصباح المنیر ص ٩٩٨.

❷ تاریخ الطبري، ج١، ص٢٨٩، التعریف والإعلام للسهيلي، ص: ١٢٨، الكامل لابن الأثير، ج١، ص١٢٩، قصص الأنبياء لابن كثير، ص: ٤٩٩، الكشاف، ج٣، ص: ١٤٦، تفسير أبي السعود، ج٦، ص٢٨٣، تفسير البحر المحيط، ج٧، ص ٧٣.

❸ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ١٩، ص١٤٨، تفسیر البغوی، جلد ٣، ص ٤١٤ تفسیر فخر الرازی جلد ٢٤، ص ١٩٠، تفسیر ابن کثیر جلد ٦، ص ١٩٧.

❹ دیکھئے: البحر المحیط، جلد٧، ص٦٧.

تربیت کے ساتھ اُس نے اپنی قوم کی قیادت سنبھالی تھی اور کافر و مشرک قوم کی عادات و اطوار اور طبیعتوں کے مطابق اُس نے ایک خصلت و عادت اختیار کر لی تھی۔ ❶

سیّدنا سلیمان بن داوٗد علیہ السلام نے اس ملکہ کی طرف ہدہد کے ذریعے ایک خط بھیجا جس میں آپ علیہ السلام نے اُسے سلام کی دعوت دی۔ یہ خط لے کر ہدہد اس ملکہ کی طرف گیا اور اُس کے سامنے اُسے پھینک دیا۔ ملکہ سبا نے پہلے یہ خط خود پڑھا اور پھر اُس نے یہ خط اپنی مملکت کے سرداروں کو پڑھ کر سنایا اور اُن سے اس خط کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ (ملکۂ سبا، بلقیس کے تین سو بارہ سردار تھے جو اُس کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے۔ ان میں سے ہر ہر آدمی دس دس ہزار آدمیوں پر متعین تھا۔ قرطبی)

اس خط میں نرم کلامی، اللہ کی عبادت کی طرف دعوت کے لیے نصیحت، شفقت و مہربانی کی طلب گاری اور بغیر اس کے کہ یہ خط لعن طعن کرنے پر مشتمل ہوتا، نرمی برتنے کی استدعاء کی وجہ سے ملکہ نے اس خط کا وصف ایک معزز خط کے ساتھ بیان کیا۔ اس خط میں وہ بات بھی نہیں تھی کہ جو پڑھنے والے کے نفس کو جاہلانہ غیرت اور غصہ دلائے۔ جیسے کہ انبیاء کرام کی دعوت الی اللہ میں کلام وحی کے ذریعے ایک پاکیزہ طبیعت و عادت ہوتی ہے۔ اور نہ ہی یہ خط کسی مبہم سی بات پر مشتمل تھا۔ ❷

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ملکۂ سبا نے یہ جو کہا تھا: ''میرے پاس ایک خط پھینکا گیا ہے جو نہایت عزت والا ہے۔ یعنی جو بلحاظ اپنے مضمون کے اور بلحاظ اپنے بھیجنے والے کے نہایت اہم اور عظیم الشان ہے۔ (ہدہد یہ خط لے کر گیا اور بلقیس جہاں اکیلی سوتی تھی، روزنِ دیوار میں سے جا کر وہاں اُس نے اُس کی چھاتی پر رکھ دیا)......الخ تو اس سے مراد اُس ملکہ کی اس خط کے باعزت ہونے کی اس وجہ سے تھی کہ اُس نے اس خط کا معاملہ نہایت ہی حیران کن دیکھا تھا اور وہ یہ تھا کہ ایک پرندہ آیا اور اُس نے یہ خط اس کی طرف پھینک دیا۔ پھر وہ پرندہ بڑے مودبانہ انداز میں تھوڑا ہٹ کر بیٹھ گیا۔ یہ ایک ایسا معاملہ تھا کہ کوئی بھی بادشاہ اس کی قدرت نہ رکھتا تھا اور نہ ہی ابھی تک دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی کے پاس ایسا کوئی طریق ایجاد ہوا تھا۔ ❸

ملکہ سبا، بلقیس نے مشورہ کو فتویٰ کے ساتھ جو تعبیر کیا تھا تو اس لیے کہ معاملہ جو ان کے سامنے اس وقت درپیش تھا وہ نہایت پیچیدہ اور امر عظیم تھا۔ اور یہ کہ اس سے معلوم ہوا: اُس کے سرداروں کا مرتبہ بھی بلند رہا ہوگا۔

---

❶ دیکھیے: تفسیر الطبری جلد ١٩، ص ١٦٧، تفسیر البغوی جلد ٣، ص ٤٢١ تفسیر القرطبی جلد ١٣، ص ٢٠٨.

❷ دیکھیے: تفسیر القرطبی جلد ١٣، ص ١٩٢

❸ دیکھیے: تفسیر ابن کثیر جلد ٦، ص ١٩٩.

اور بلقیس کا انہیں یہ شعور بھی دینا تھا کہ وہ لوگ اس طرح کے معاملات کو حل کرنے کی مکمل اہلیت رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس معاملے میں ملکہ کی طرف سے ان سرداروں کے ساتھ اُلفت کا معاملہ بھی تھا تا کہ وہ اس کو نصیحت کرنے میں اجتہاد سے کام لیں۔ ❶

اور بلقیس نے اُن پر یہ بھی واضح کیا کہ ہر طرح کی گفتگو اور ہر کام میں طلب مشورہ ان سرداروں کے ساتھ اس کا ایک عام طریقہ ہے۔ اور پھر یہ تو ایک بہت بڑا معاملہ ہے۔ اس میں وہ ان سے مشاورت کیوں نہ کرتی؟ ❷ مگر اُس کے سرداروں (اور جرنیلوں) نے جنگ کا مشورہ دیا اور اس کے لیے اپنی تیاری و مستعدی کا اظہار بھی کیا۔ اس معاملے میں انہوں نے: وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ...... کہہ کر اُس کے ساتھ اپنے ادب و تہذیب کو بھی پیش کیا۔ ایسا ادب و احترام عموماً ایسے مشیروں کی طرف سے دیکھنے میں آتا ہے کہ جو اپنے حکام بالا کے ماتحت ہوں۔'' ❸

مگر ملکہ نے اُن کی رائے کو قبول نہ کیا بلکہ انہیں اس بات سے ڈرایا کہ اگر جنابِ سلیمان علیہ السلام اپنے لشکروں کے ہمراہ ان کے ملک پر حملہ کر دیتے ہیں تو پھر نقصان دیکھو کس قدر بڑا ہوگا؟ اُس نے وضاحت سے بتلایا کہ بادشاہ جب کسی شہر میں غلبہ اور قبضہ کے ارادے سے گھستے ہیں تو اس ملک کو خراب کر دیتے ہیں۔ (لوٹ مار اور ہنگامہ مچاتے ہیں۔) اور وہاں کے عزت دار لوگوں کو بے عزت بنا دیتے ہیں۔ یعنی معزز آزاد لوگوں کو غلام بنا لیتے ہیں، ان کی آزادی چھن جایا کرتی ہے۔ اور اس نے اپنے سرداروں کو یہ بھی بتلایا کہ ایسا حال قوموں کا بادشاہ ضرور کیا کرتے ہیں کہ جن کی غرض و غایت صرف دنیا ہو اور اللہ کی زمین پر قبضہ کرنا۔ ❹

پھر اُس نے اپنی رائے کو ایک سرکاری فرمان کی شکل دے دی اور وہ یہ کہ اُس نے اس امر کا پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ جناب سلیمان علیہ السلام کی طرف ایک تحفہ، ہدیہ روانہ کرے گی۔ قرآن کی عبارت کا اسلوب یہ بتلاتا ہے کہ اپنی اس رائے پر وہ عزم صمیم کر چکی تھی۔ اُسے اس فیصلے سے کوئی نہیں پھیر سکتا تھا۔ اس ہدیہ و تحفہ سے اُس کا مقصود یہ تھا کہ وہ اس طرح سے جناب سلیمان علیہ السلام کی غرض و غایت معلوم کر لے۔ اگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے نبی ہیں تو پھر اس کے سوا کسی بات پر راضی نہیں ہوں گے کہ ملکہ سبا آپ کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری کرے اور اگر آپ علیہ السلام صرف دنیا دار بادشاہ ہیں تو پھر آپ تحفہ و ہدیہ کو قبول کر لیں گے اور لشکر کشی سے باز آ جائیں گے۔ اس لیے اُسے یقین تھا کہ آپ اُس کا ہدیہ و تحفہ قبول نہیں کریں گے۔ اور پھر جب تحفہ و ہدیہ لے کر جانے والا آدمی

---

❶ دیکھئے: فتح القدیر جلد ٤، ص ١٣٧، تفسیر ابی السعود جلد ٦، ص ٢٨٤.

❷ دیکھئے: البحر المحیط جلد ٧، ص ٧٣.

❸ دیکھئے: دعوۃ الرسل ص ٣٠٨.

❹ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ١٩، ص ١٥٤

ملکہ کے پاس واپس پلٹ آیا اور اُس نے ملکہ کو خبر دی کہ جناب سلیمان علیہ السلام نے فرمایا ہے:

﴿اَتُمِدُّوْنَنِیْ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ○ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ○﴾ (النمل : ٣٦تا٣٧)

''کیا تم مال کے ساتھ میری مدد کرتے ہو؟ تو جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمھیں دیا ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو۔ ان کے پاس واپس جا، اب ہر صورت ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کے مقابلے کی ان میں کوئی طاقت نہیں اور ہر صورت انھیں اس سے اس حال میں ذلیل کر کے نکالیں گے کہ وہ حقیر ہوں گے۔''

یہ سن کر اُس نے سلیمان علیہ السلام کی طرف (فلسطین) جانے کی تیاری کر لی۔ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ جنابِ سلیمان علیہ السلام صرف بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کے نبی بھی ہیں اور اُس کے پاس ایک پیغمبر سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ ❶

ملکہ سبا بلقیس کے سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس فلسطین پہنچنے سے پہلے آپ علیہ السلام نے اُس کا تخت یمن سے منگوا کر اُس میں کچھ تبدیلیاں کروادی تھیں تا کہ اس تخت کے بعض نشانات و علامات ملکہ پر مخفی رہیں۔ چنانچہ جب ملکہ کے وہاں پہنچنے کے بعد اُس سے پوچھا گیا: أَهٰكَذَا عَرْشُكِ؟ کیا تیرا تخت بھی ایسا ہی ہے؟ قَالَتْ كَاَنَّهُ هُوَ: کہنے لگی: یہ تو گویا وہی ہے۔ گویا یہ بات اُس نے بالجزم نہیں کی تھی کہ یہ میرا ہی تخت ہے۔ اس احتمال کے پیش نظر کہ یہ اُس جیسا ہو سکتا ہے۔ یہ اس کی عقل کے پختہ ہونے کی دلیل تھی۔ ❷

پھر وہ ایک اور صورتِ حال کا نشانہ بنی۔ تا کہ وہ ایسی حیران کن صلاحیت کا مظاہرہ دیکھ سکے جو سیّدنا سلیمان علیہ السلام کو اللہ رب العالمین نے اُن کی بادشاہی میں عطا کر رکھی تھی۔ دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بھی بادشاہ کو یہ صلاحیت مہیا نہ تھی۔ یعنی آئینے (شیشے) کا فرش کہ جس کے نیچے پانی تھا یہ اُس محل کا فرش تھا جس میں داخل ہونے کے لیے ملکہ سبا سے کہا گیا تھا۔ جب ملکہ نے اس فرش کو دیکھا تو وہ اسے پانی سمجھی اور اس نے گمان کیا کہ وہ اس میں جا گھسے گی۔ اس لیے اُس نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھا لیا۔ لیکن جس محل میں داخل ہونے کے لیے اُسے کہا گیا تھا اس میں جانے کے لیے اُس نے انکار نہیں کیا۔ یہ اُس کی پختہ عقلی اور اُس کے

---

❶ تفسير أبي السعود، ج٦، ص: ٢٨٤، تفسير البحر المحيط بتصرف، ج٧، ص ٧٤، تفسير النسفي، ج٢، ص: ٦٠٩، تفسير الطبري بتصرف، ج١٩، ص ١٥٥، تفسير البحر المحيط، ج٧، ص ٧٦.

❷ دیکھئے: روح المعانی للالوسی جلد ١٩، ص ٢٠٧.

ادب کا اظہار تھا۔ یہ اُس کے علم کی بنا پر تھا کہ اس کو صرف عزت بخشی کے لیے دعوت دی گئی ہے، خوار کرنے کے لیے نہیں۔ اور پھر اُس نے جس چیز کا مشاہدہ کر لیا تھا، آئینہ والے فرش کا، اس کے باوجود بدگمانی سے کام نہیں لیا۔ ❶

ملکۂ سبا، بلقیس کے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھا لینے کے بعد سیّدنا سلیمان علیہ السلام نے اس کو آئینوں، شیشوں سے بنے ہوئے اس آبی فرش کی حقیقت کے بارے میں واضح فرمایا تو وہ کہنے لگی: رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي: اے میرے رب! میں اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھی تھی۔ (کہ میں تیرے ساتھ شرک کرتی رہی۔) وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ اور اب میں سلیمان کے ساتھ ہو کر اللہ رب العالمین پر ایمان لا کر اُس کی تابعدار بن گئی ہوں۔

ملکہ سبا، بلقیس نے اللہ عزوجل کی صفت ربوبیت کا اقرار کر کے اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ اللہ عزوجل کی الوہیت کو جانتی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت والے حق کو صرف اسی کی ذاتِ اقدس کے لیے مانتی ہے اور یہ کہ اُس کی ربوبیت اُن تمام موجودات کے لیے ہے کہ جن میں سے ایک سورج بھی ہے کہ جس کی وہ اس سے پہلے پوجا کیا کرتی تھی۔ اللہ رب العالمین کی رحمت و رضا ہو اس عقلمند عورت ملکہ سبا (بلقیس) کے لیے جو اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئی۔ ❷

اسرائیلی روایات:

واقعہ مذکور بالا کے متعلق بہت ساری اسرائیلی روایات کتابوں میں بیان ہوئی ہیں جن میں سے بعض کو ہم یہاں بیان کر دیتے ہیں۔

(۱)...... امام سیوطی نے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان: إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ: کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ملکہ سبا، بلقیس کے سر کے بال نہایت گھنے اور لمبے تھے۔'' ❸ سیوطی نے ہی عثمان بن حاضر سے نقل کیا ہے کہ بلقیس کی ماں ایک جنّنی تھی، جس کا نام بلقمہ بنت شیصان تھا۔ ❹

(۲)...... امام طبری نے جناب قتادہ رحمہ اللہ کا بیان درج کیا ہے کہ بلقیس کے والدین میں سے ایک جن تھا۔ ملکہ کے پیروں سے ایک کی ایڑی چوپائے کی کُھری کی مانند تھی۔ یہ ملکہ شاہی محل میں رہتی تھی۔ اس کے

❶ تفصیل کے لیے دیکھئے: تیسیر الکریم الرحمٰن للسعدی جلد ۳، ص ۵۰۸۔

❷ دیکھئے: تفسیر ابی السعود جلد ٦، ص ۲۸۹.

❸ الدر المنثور جلد ٦، ص ۳۵۱.

❹ ایضاً ص ۳۵۲.

مشیروں کی تعداد تین سو بارہ تھی۔ ان میں سے ہر شخص دس ہزار افراد کا سردار تھا۔ یہ ملکہ مآرب کی سرزمین میں تھی جو صنعاء سے تین دن کی مسافت کے فاصلے پر ہے۔ جب ہدہد اس کے پاس آیا تو اس کے دروازے بند تھے۔ ملکہ اپنے گھر کے دروازے بند کر کے چابیاں اپنے سرہانے کے نیچے رکھ لیا کرتی تھی۔ چنانچہ ہدہد روزنِ دیوار سے اندر داخل ہوا تھا اور اس نے سلیمان علیہ السلام کا خط اس کی طرف پھینکا تھا۔ ❶

(۳)......طبری نے ہی امام وہب بن منبہ رحمہ اللہ کی سند سے درج کیا ہے کہ ہدہد سلیمان علیہ السلام کا خط اپنے پنجوں میں پکڑ کر لایا تھا اور اسی طرح اُڑتا ہوا ملکہ کے پاس پہنچا تھا۔ ملکہ کے محل میں ایک روزن تھا، جب سورج طلوع ہوتا اور وہ اس روزن سے اس کو دیکھتی تو اُسے سجدہ کرتی۔ یہ ہدہد آیا اور اُس نے اس روزن کو اپنے پروں سے بند کر دیا حتیٰ کہ سورج طلوع ہو کر بلند ہو گیا اور ملکہ کو اس کا علم بھی نہ ہو سکا۔ پھر اُس نے خط اس روشن دان سے اُس کی طرف پھینکا جو ملکہ کے پاس جا کر گرا، اور اُس نے اسے پکڑا اور پڑھا۔ اسی طرح طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ملکہ سبا، بلقیس کا تخت سونے کا تھا اور اس کے پائے جواہرات اور موتیوں کے تھے۔ ❷

(۴)......سیوطی نے سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ ملکہ سبا نے اپنے ملک کے تمام سردار، سربراہ اداروں کے جمع کیے اور اُن سے مشورہ کیا اپنے اس معاملے میں۔ (جو سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچنے کے بعد پیش آیا تھا۔) چنانچہ ان سب کی متفقہ رائے یہی تھی کہ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ جنگ کی جائے اور ملکہ کی بھی یہی رائے تھی۔ چنانچہ وہ اپنے لشکر لے کر جناب سلیمان علیہ السلام کے ملک کی سرحدوں کے قریب پہنچی اور پھر اُس نے ہدیہ وتحفہ آپ علیہ السلام کی طرف بھیجا تاکہ وہ آپ علیہ السلام کی آزمائش کر سکے۔ اگر انہوں نے یہ تحفہ قبول کر لیا تو وہ دنیا دار بادشاہ ہیں اُن سے وہ جنگ کرے گی اور اگر انہوں نے یہ تحفہ واپس کر دیا تو پھر وہ اللہ کے نبی ہیں، اُن کی وہ اطاعت وفرمانبرداری کرے گی۔ ❸ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات بھی روایت کی ہے کہ بلقیس کی طرف سے بھیجا جانے والا ہدیہ وتحفہ سونے کی ایک بڑی اینٹ تھی۔ امام مجاہد کی روایت سے لکھا ہے کہ ملکہ سبا کا یہ تحفہ لڑکوں کے لباس میں لونڈیاں تھیں اور لونڈیوں، لڑکیوں کے لباس میں غلمان، لڑکے تھے۔ ❹ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے لکھا ہے کہ ملکہ سبا بلقیس کا سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے لیے تحفہ وہدیہ دو سو گھوڑے تھے جن میں

❶ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ۱۹، ص ۱۵۲.

❷ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ۱۹، ص ۱٤۸، ص ۱۵۲.

❸ دیکھئے: الدر المنثور جلد ٦ ص ۳۵٦.

❹ ایضاً ص ۳۵۷.

سے ہر گھوڑے پر ایک ایک غلام، اور ایک ایک لونڈی لڑکی تھی۔ ❶

(۵)...... امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے جناب وہب بن منبہ رحمہ اللہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ملکہ سبا کے ہرکارے جب اُس کے تحفہ کو سیّدنا سلیمان علیہ السلام سے واپس اسی طرح لے آئے تو اُسے معلوم ہوگیا کہ وہ اُن سے جنگ کرنے کی قوت اور طاقت نہیں رکھتی۔ تب اُس نے جناب سلیمان علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ وہ خود اُن کے پاس آرہی ہے تاکہ اُس کو آپ علیہ السلام کے عزائم کا علم ہو سکے۔ اس کے بعد اُس نے اس شخص کو ذمہ دار مقرر کیا جو اس کے تخت کی حفاظت کرے۔ اس کے بعد وہ اپنے ملک کے سرداروں کو ہمراہ لیے ہوئے جناب سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوگئی۔ ❷

(٦)...... سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ سیّدنا سلیمان علیہ السلام نے اس کے بعد کہ جب اُن کے پاس ملکہ سبا کا تخت لایا گیا اور وہ خود بھی آپ علیہ السلام کے پاس آ گئی تو آپ علیہ السلام نے اُس کا امتحان لینے کے لیے اُس سے پوچھا: أَهٰكَذَا عَرْشُكِ؟.... کیا تمہارا تخت بھی اسی طرح کا ہے؟ جبکہ اس سے پہلے سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کے نگینے، اس کی گدیاں اور جو کچھ اس تخت کے اُوپر تھا وہ اس سے اُتار لیا تھا۔ تو وہ کہنے لگی: لگتا تو وہی تخت ہے۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے جنوں کو حکم دیا کہ وہ بلقیس کی آزمائش کے لیے آئینہ جڑاؤ والا ایک آبی فرش تیار کریں اور پھر آپ نے اس فرش کے پانی میں مچھلیاں چھوڑ دیں۔ اس کے بعد ملکہ سے کہا گیا: چلئے محل میں تشریف لے چلئے۔ (کہ جس کی راہداری میں یہ فرش تھا۔) چنانچہ اُس نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھالیا کہ جس سے اُس کی پنڈلیاں ننگی ہوگئیں۔ دیکھا تو ان پنڈلیوں پر بال ہیں۔ اُس سے کہا گیا: ملکہ جی! یہ تو آئینہ جڑاؤ والا آبی فرش ہے۔ تب وہ کہنے لگی: ﴿رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (النمل: ٤٤) ''اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے لیے فرماں بردار ہوگئی۔'' ❸

(۷)...... علامہ سیوطی نے امام سدی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ملکہ سبا بلقیس نے جب اپنی پنڈلیوں سے کپڑا ہٹایا اور جناب سلیمان علیہ السلام نے اُس کی پنڈلیوں پر بال دیکھے تو اُس کو انتہائی ناپسند کیا۔ چنانچہ جنوں نے اس کے لیے ایک بال صفا پاؤڈر تیار کیا تاکہ وہ اس سے اپنی پنڈلیوں کے بال صاف کر سکے۔ اس کے بعد جناب

---

❶ ایضاً ص ۳۵۸.

❷ دیکھئے: تاریخ الطبری جلد ۱، ص ۲۹۲.

❸ دیکھئے: الدر المنثور جلد ٦، ص ٣٥٦.

سلیمان علیہ السلام نے اُس سے نکاح کر لیا۔ ❶

سیوطی نے ابن جریج رحمہ اللہ سے بھی روایت درج کی ہے کہ ملکہ سبا نے گمان کیا کہ یہ فرش پانی ہے اور سیّدنا سلیمان علیہ السلام نے اُس کے قتل کا منصوبہ بنایا ہے۔ چنانچہ وہ کہنے لگی: سلیمان علیہ السلام نے میرے قتل کا ارادہ کیا ہے، اللہ کی قسم! میں اس میں ضرور کود پڑوں گی۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ یہ تو شیشے کا فرش ہے تو اس کو عقل آئی کہ میں نے جناب سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بدگمانی کر کے اُن پر ظلم کیا ہے۔ (ایضاً)

(۸)...... امام طبری رحمہ اللہ نے جناب وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ملکہ سبا، بلقیس مسلمان ہو گئی تھی۔ اور پھر اس کے مسلمان ہو جانے کے بعد جناب سلیمان علیہ السلام نے شادی کی طرف اُس کی راہنمائی کی۔ چنانچہ اس نے اس بات کو اختیار کیا کہ اس سے ملک ہمدان کا بادشاہ تبع شادی کر لے۔ ❷

اسرائیلی روایات پر تبصرہ و جرح:

ان میں سے بعض روایات قابل تردید ہیں۔ بعض سنداً ثابت ہیں اور بعض کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ چنانچہ یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ ملکہ سبا (بلقیس) کی ماں جنّی تھی تو علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس ضمن میں ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے: بلقیس کے والدین میں سے ایک جنوں کی مخلوق میں سے تھا۔ پھر حافظ محترم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس میں ضعف پایا جاتا ہے۔ ❸

ہم بھی یہی بات کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند کے ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بات معلوم ہے کہ اللہ عزوجل کا بنایا ہوا یہ قانونِ فطرت ہے کہ ہر جنس اپنی جنس کو ہی پیدا کرتی ہے دوسری کو نہیں۔ یعنی انسانوں سے انسان اور جنوں سے جن پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱)

"(وہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے تمھارے لیے تمھارے نفسوں سے جوڑے بنائے اور جانوروں سے بھی جوڑے۔ وہ تمھیں اس (جہاں) میں پھیلاتا ہے، اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔"

❶ ایضاً ص ۳۶۳.

❷ دیکھئے: تاریخ الطبری جلد ۱، ص ۲۹۲.

❸ دیکھئے: قصص الانبیاء ص ۴۹۹.

اِلّا یہ کہ بسا اوقات اللہ عزوجل کے قانون خاص (عادتِ خاص) کے مطابق اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ گھوڑی اور گدھے کے ملاپ سے خچر پیدا ہو جاتا ہے اور یہ دونوں کے مشابہ ہوتا ہے مگر جیسا کہ سب اہل علم جانتے ہیں خلقت کے اعتبار سے انسانوں اور جنوں کی صفات و عادات کبھی مشابہ نہیں ہوتیں۔ (اور ان میں سے ہر جنس اپنی جنس کو ہی پیدا کرتی ہے کسی دوسری جنس کو نہیں۔) اور یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ ملکہ سبا بلقیس کے ایک پیر کی ایڑی کسی حیوان کی کھری کے مشابہ تھی اور یہ اس لیے تھا کہ اس کے والدین میں سے ایک کا تعلق جنوں کی مخلوق میں سے تھا۔ اس روایت کی تردید پیچھے گزر چکی ہے۔ یہ ایک باطل روایت ہے۔

یہ جو بیان ہوا ہے کہ: سیّدنا سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا، بلقیس کی پنڈلیاں دیکھنے کے لیے ایک حیلہ اختیار کیا تھا اور یہ کہ آپ کو اس کی پنڈلیوں پر بال نظر آئے تھے، یہ بھی ایک باطل اور جھوٹی روایت ہے جس کی کوئی اصل و دلیل نہیں اور ایک اللہ کے برگزیدہ پیغمبر پر سراسر تہمت ہے جیسا کہ اہل کتاب کی یہ عادت ہے۔ قرآن و احادیث سے بالکل واضح اور ظاہر مفہوم یہی ہے کہ ملکہ سبا (بلقیس) کو محل میں داخل ہونے کے لیے اس لیے کہا گیا تھا کہ وہ جان لے: اللہ کے نبی سیّدنا سلیمان علیہ السلام کی حکومت و بادشاہی کس قدر مضبوط اور ترقی یافتہ ہے۔ تاکہ اس کے دل میں اپنی حکومت و دولت کا گھمنڈ جو ہے وہ نکل جائے۔ اسی لیے جب اُس نے شیشوں سے بنا ہوا آبی فرش دیکھا اور اللہ عزوجل کی زمین میں سب مخلوقات کی آپ علیہ السلام کے سامنے تسخیر و اطاعت دیکھی تو وہ شرک و کفر سے تائب ہو کر ایمان لے آئی۔ اور یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ ملکہ سبا نے گمان کیا کہ سیّدنا سلیمان علیہ السلام نے اُن کے قتل کا ارادہ کر رکھا ہے۔ تو یہ بھی اس مضمون کے بالکل خلاف ہے جو قرآنی آیات کے مفہوم کے تناظر میں پیچھے بیان ہو چکا ہے۔

البتہ یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ ملکہ سبا بلقیس کے سورج کی پوجا کیا کرتی تھی اور پھر ہدہد کا خط کو اسی کے پاس پھینکنے والا جو واقعہ بیان ہوا ہے...... الخ تو یہ بہر حال قرآن حکیم اور بعض صحیح روایات سے ثابت ہے۔

ہدیہ و تحفہ کی انواع کے مختلف ہونے پر جو مختلف روایات آئی ہیں اور یہ کہ سیّدنا سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کر لی تھی وغیرہ وغیرہ...... تو جہاں تک ہمیں علم ہے ایسی باتوں کے لیے بھی کتب میں کوئی صحیح ثابت شدہ دلیل نہیں ہے۔ شاید کوئی درست ہو تو ہو۔ علاوہ ازیں جتنی روایات و آثار ہیں ان کی صحت و ضعف کے بارے میں بھی ہمیں علم نہیں ہے۔'' ظاہر یہی لگتا ہے کہ اُنہیں بیان کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

واقعہ مذکور بالا سے مستفاد احکام و دروس:

(۱)...... اس واقعہ سے مشرکوں اور کافروں کی طرف دعوت اِلی اللہ کے لیے خطوط لکھنے کی مشروعیت معلوم

ہوئی کہ ان لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دی جائے۔ جیسا کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو خط لکھا تھا جس میں آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ اس طرح نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے وقت کے عرب و روم اور فارس و مصر کے بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے۔ تفصیل الرحیق المختوم میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ❶

(۲)......واقعہ ہذا میں مذکور قرآن عظیم کے الفاظ: ﴿قَالَتْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمَلَؤُا۟ أَفْتُونِى فِىٓ أَمْرِى مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ﴾ (النمل: ۳۲) ''کہا اے سردارو! تم میرے معاملے میں مجھے حل بتاؤ، میں کبھی کسی معاملے کا فیصلہ کرنے والی نہیں، یہاں تک کہ تم میرے پاس موجود ہو۔'' اور پھر ایک اور مقام پر اللہ عزوجل نے یہ جو فرمایا ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَٱعْفُ عَنْهُمْ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى ٱلْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَوَكِّلِينَ﴾ (آل عمران: ۱۵۹) ''پس اللہ کی طرف سے بڑی رحمت ہی کی وجہ سے تو ان کے لیے نرم ہو گیا ہے اور اگر تو بدخلق، سخت دل ہوتا تو یقیناً وہ تیرے گرد سے منتشر ہو جاتے، سو ان سے درگزر کر اور ان کے لیے بخشش کی دعا کر اور کام میں ان سے مشورہ کر، پھر جب تو پختہ ارادہ کر لے تو اللہ پر بھروسا کر، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' تو اس سے اور اللہ عزوجل کے اس حکم سے: ﴿وَٱلَّذِينَ ٱسْتَجَابُوا۟ لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ﴾ (الشوریٰ: ۳۸) ''اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم کی اور ان کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' مجلس شوریٰ اور مسلمانوں کے باہمی مشورہ کی اہمیت و مشروعیت معلوم ہوئی۔

(۳)......قرآن حکیم کے الفاظ: ﴿قَالُوا۟ نَحْنُ أُو۟لُوا۟ قُوَّةٍ وَأُو۟لُوا۟ بَأْسٍ شَدِيدٍ وَٱلْأَمْرُ إِلَيْكِ فَٱنظُرِى مَاذَا تَأْمُرِينَ﴾ (النمل: ۳۳) ''انھوں نے کہا ہم بڑی قوت والے اور بہت سخت جنگ والے ہیں اور معاملہ تیرے سپرد ہے، سو دیکھ تو کیا حکم دیتی ہے۔'' سے رائے کی ابتدا صدق و صفا سے کر کے فیصلے کا اختیار صاحب اختیار و اقتدار کے سپرد کر دینے کی مشروعیت معلوم ہوئی۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''إِذَا اسْتَنْصَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ.'' ''جب کوئی شخص تم میں سے اپنے کسی بھائی سے خیر خواہی چاہے تو چاہیے کہ وہ اس سے خیر خواہانہ معاملہ کرے۔'' ❷

❶ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: تفسیر القرطبي، ج۱۳، ص: ۱۹۱، البداية والنهاية لابن كثير ج٤، ص ۲٦٨-۲۷۲، السيرة النبوية لمحمد أبي شهبة، ج۲، ص: ۳٥٨-۳٦۲.

❷ صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب هل يبيع حاضر لبادٍ لغير أجرٍ......الخ حديث: ۲۱٥۷.

(۴)...... ملکہ سبا بلقیس کے سرداروں نے جو کہا تھا: "نَحْنُ أُولُوا قُوَّةٍ وَّ أُولُوا بَأْسٍ شَدِيْدٍ" "ہم لوگ زوردار (فوجی قوت والے) ہیں اور بڑے لڑنے والے ہیں۔" اور اس بات کو اللہ عزوجل نے قرآن میں بیان کیا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ اصلاحی حکومت وسلطنت کو فوجی تیاری ہر وقت رکھنی چاہیے۔ اسلحہ بہت وافر مقدار میں جمع رکھنا چاہیے اور فوجیوں، سپاہیوں کو دشمن پر حملہ کرنے اور اسلحہ چلانے کی تربیت دیتے رہنا چاہیے۔ اللہ عزوجل کا فرمان وحکم بھی یہی ہے۔ فرمایا:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۝﴾ (الانفال: ٦٠)

"اور ان کے (مقابلے کے) لیے قوت سے اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو، جتنی کر سکو، جس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور ان کے علاوہ کچھ دوسروں کو ڈراؤ گے، جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ انھیں جانتا ہے اور تم جو چیز بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے وہ تمھاری طرف پوری لوٹائی جائے گی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

(۵)...... اللہ تعالیٰ نے ملکہ سبا کے یہ الفاظ جو بیان کیے ہیں: وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ: تو اس سے معلوم ہوا کہ تحفہ وہدیہ جات کا تبادلہ ایک مستحب عمل ہے۔ [1] اور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے: "تَهَادُوْا تَحَابُّوْا" "ایک دوسرے کو ہدیہ جات دیا کرو، باہم محبت کرنے لگو گے۔" [2]

(۶)...... اگر ہدیہ وتحفہ بھیجنے والے کے شر کے بارے میں پتہ چل جائے تو اُس کے تحفہ کو واپس بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات ہمیں سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے ردّ ہدیہ سے معلوم ہوئی ہے۔ حالانکہ آپ ملکہ سبا کو اسلام کی دعوت دے چکے تھے۔

(۷)...... ہدہد کی اطلاع کو قرآن نے جو بیان کیا ہے: ﴿اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ۝﴾ (النمل: ٢٣) "بے شک میں نے ایک عورت کو پایا کہ ان پر حکومت کر رہی ہے اور اسے ہر چیز میں سے حصہ دیا گیا ہے اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔"...... تو اس سے معلوم ہوا کہ: بڑا

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے: تفسیر القرطبی جلد ١٣ ص ١٩٩.

[2] دیکھئے: مؤطا الإمام مالك جلد ٢، ص ٢٠٨، حديث حسن وحاشيه جامع الأصول جلد ٦، ص ٦١٨.

شاہی تخت مملکت وسلطنت کی عظمت، بادشاہ کی قوت اور فوجوں کی کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ ❶

(۸)......خطوط وصول کروانے کے بعد بادشاہوں کے سامنے حسن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ خط لے کر آنے والا، حاکم، بادشاہ کے قریب ایک طرف کھڑا ہو جائے تا کہ وہ خط کا جواب وصول کر سکے۔ جیسا سیّد سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿اذْهَب بِّكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ۝﴾

(النمل: ۲۸)

''میرا یہ خط لے جا، پس اسے ان کی طرف پھینک دے، پھر ان سے لوٹ آ، پس دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔''

(۹)......حکومت کے لیے شوریٰ کی بنیاد بہت پرانی ہے کہ جس کا فائدہ نہایت واضح ہے۔ اس کا نتیجہ اس قدر واضح ہوتا ہے کہ اس بارے میں دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ شریعت اسلامیہ نے حکومت وسلطنت کی سیاست میں نظام شوریٰ کو اپنے اصولوں میں سے بطورِ اصل بیان کیا ہے۔ ❷

(۱۰)......ملکہ سبا بلقیس کا ملک یمن میں قوم سبا پر حاکم بننے سے یہ معلوم ہوا کہ بعض عورتوں (جو لاکھوں میں سے کوئی ایک ہی ہوتی ہے۔) میں سے ایسی بھی ہوتی ہیں جو مردوں سے زیادہ ذہین وفطین ہوتی ہیں۔ ❸ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس ملکہ کی یہ جو باتیں بتلائی ہیں کہ (۱)...... جب اس کے پاس سیّدنا سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچا تو اُس نے اس کا مضمون اپنے شوریٰ کے لوگوں کو پہلے نہیں بتایا بلکہ اسے مخفی رکھا۔ کہا: إِنِّيٓ أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ۝ اور اس کے ساتھ مضمون خط کا علم اپنے تک مخصوص رکھا۔ (۲)......اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا یہ جو جواب نقل فرمایا ہے: أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ.... اس سے بھی اُس کی ذہانت معلوم ہوتی ہے۔ (۳)...... اور پھر اس نے سیّدنا سلیمان علیہ السلام کی طرف تحفہ بھیج کر جو آپ علیہ السلام کے بارے میں اندازہ لگانا چاہا تو یہ بھی اُس کے نہایت فطین ہونے کی دلیل ہے۔ (۴)...... آخر میں اُس کا اللہ رب العالمین اور جنابِ سلیمان علیہ السلام پر ایمان لے آنا سب سے بڑی عقلمندی تھی۔ امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ عورت (ملکہ سبا، بلقیس) کفر وشرک والی حالت میں بھی کس قدر عقلمند تھی اور پھر اسلام لانے کے بعد کس قدر دانا ثابت ہوئی؟ اس نے جان لیا

❶ تفصیل کے لیے: دیکھئے ابن عاشور کی ''التحریر والتنویر جلد ۱۹، ص ۲۶۸، اور شیخ السعدی رحمہ اللہ کی تفسیر الکریم الرحمٰن جلد ۳، ص ۵۰۲، دیکھ لیجئے۔

❷ دیکھئے کتاب ''دعوۃ الرسل'' ص ۳۰۷.

❸ السیر التفاسیر للجزائری جلد ۳، ص ۳۵۳

تھا کہ ہدیہ وتحفہ لوگوں کی صحیح پوزیشن کو واضح کر دیتا ہے۔'' ❶

مگر اس کے باوجود عورت اسلامی خلافت و امارت کی اہل نہیں ہوتی۔ کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً'' ''وہ قوم ہرگز فلاح و کامرانی حاصل نہ کر سکے گی جنھوں نے اپنی حکومت و سلطنت کا معاملہ ایک عورت کے سپرد کر دیا۔'' ❷

(۱۱)...... غالب آنے والے جنگجو دشمن کا کسی ملک کو بزور قوت چھین لینے کے لیے اس میں آ داخل ہونا نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے مواقع پر اس طرح کے معاملہ کا مصالحت سے تدارک کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ملکہ سبا نے سیّدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مصالحت کرنے کے لیے آپ کی طرف تحفہ و ہدیہ بھیجا تھا۔ ❸

(۱۲)...... بلاشبہ ہدیہ وتحفہ مودت و الفت کو بڑھاتا اور عداوت کو دور کرتا ہے۔ جیسا کہ ملکہ سبا بلقیس رحمہا اللہ نے سیّدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدیہ بھیجا تھا اُن کے مواخذہ سے بچنے اور اُن کی طرف مودّدت کے پیغام کی خاطر، مگر سامراجی لوگ ہمیشہ ہدیہ وتحفہ کی بجائے اپنے ناجائز کام نکلوانے کے لیے رشوت کا سہارا لیتے ہیں۔ اُن کا یہ اُسلوب لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر لینے کے مترادف ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ رشوت کے ذریعے قوم کو پہچاننے (ان کا اخلاقی و دینی معیار جانچنے) کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس طرح سے وہ قوم و عوام کے درمیان متحرک اُس عنصر کو اچھی طرح سے پہچان جاتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ان کی خواب گاہوں کو بے چین اور بے آرام کیا جا سکتا ہو۔ اور ان کو کسی کے خلاف بھڑکایا جا سکتا ہو۔ چنانچہ وہ ملازمت پر بھاؤ تاؤ کرتے ہیں اور پھر آفیسران بالا کی عزت اور اُن کے وقار کا سودا چند روپوں میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ جس کا مقصد حیات مال و متاع ہو، وہ اُن کی طلب (ڈیمانڈ) پر لبیک کہہ دیتا ہے اور جس کا ایمان مضبوط، دین قائم اور دعوت خالص (قرآن و سنت والی) ہو، وہ خود صالح نمونہ اور اسوۂ حسنہ والا ہو اور اس کے لیے اسوۂ حسنہ سیّدنا سلیمان علیہ السلام ہوں علیہ الصلوٰۃ والسلام تو وہ فقر و فاقہ کو مالداری پر ترجیح دیتے ہوئے اس رشوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا جناب سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے ہدیہ کو واپس لوٹاتے ہوئے کیا فرمایا تھا؟

﴿فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ﴾ (النمل: ۳٦)

---

❶ دیکھیے: تفسیر ابن کثیر جلد ٦، ص ۲۰۰ و تفسیر القرطبی جلد ۱۳، ص ۲۰۰.

❷ صحیح البخاری، کتاب الفتن، حدیث: ۷۰۹۹.

❸ دیکھیے: معانی القرآن للزجاج جلد ٤، ص ۱۱۹، التیسیر التفاسیر للجائری جلد ۳، ص ۳۵۳، وفتح القدیر جلد ٤، ص ۱۳۷.

''تو جب وہ سلیمان کے پاس آیا تو اس نے کہا کیا تم مال کے ساتھ میری مدد کرتے ہو؟ تو جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمھیں دیا ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو۔''

(۱۳)...... اس واقعہ سے یہ سبق بھی حاصل ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کفر آدمی کو ہمیشہ راہِ ہدایت سے روکے رکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے اس واقعہ والی آیات میں فرمایا ہے: وَصَدَّهَا مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ كَافِرِينَ ...... ''اور وہ جو اللہ تعالیٰ کے سوا دیگر چیزوں کو پوجتی تھی اُسی نے اس کو سیدھی راہ سے روک رکھا تھا کیونکہ وہ کافر لوگوں کی قوم میں سے تھی۔'' ایک اور مقام پر اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ (البقرہ: ۲٦٤)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقے احسان رکھنے اور تکلیف پہنچانے سے برباد مت کرو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، تو اس کی مثال ایک صاف چٹان کی مثال جیسی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو، پھر اس پر ایک زوردار بارش برسے، پس اسے ایک سخت چٹان کی صورت چھوڑ جائے۔ وہ اس میں سے کسی چیز پر دسترس نہیں پائیں گے جو انھوں نے کمایا اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آگے ایک اور جگہ پر فرمایا:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾

(النساء: ۱٥٥)

''پھر ان کے اپنے عہد کو توڑ دینے ہی کی وجہ سے (ہم نے ان پر لعنت کی) اور ان کے اللہ کی آیات کا کفر کرنے اور ان کے انبیاء کو کسی حق کے بغیر قتل کرنے اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلاف میں محفوظ ہیں، بلکہ اللہ نے ان پر ان کے کفر کی وجہ سے مہر کر دی تو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت کم۔''

(۱۴)......اوپر بیان کردہ سورۃ النمل کی آیت نمبر ۴۳ سے معلوم ہوا کہ اندھی تقلید کا نقصان کس قدر زیادہ ہوا کرتا ہے اور یہ کہ اس سے عقل وشعور اور حق بیان کرنے پر نتائج کتنے برے نکلا کرتے ہیں۔ آدمی کی عقل ہی ماری جاتی ہے۔ ❶

(۱۵)......اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا...... سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا اپنی پنڈلیوں کو ڈھانپنا زمانۂ قدیم سے ان کے آداب میں شامل رہا ہے۔ (ایضاً)

(۱۶)...... بلاشبہ اسلام کا معنی: ایک اللہ عزوجل کی غلامی میں اپنے آپ کو دے کر صرف اُس کی اطاعت و فرمانبرداری ہے نہ کہ مخلوق میں سے کسی اور کی۔ اسلام کا معنی ہی ایک اللہ رب العالمین کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دینا ہے اور یہ کہ اس معاملے میں اہل ایمان و اسلام کا پورا ساتھ دینا۔ جیسا کہ ملکہ بلقیس نے کہا تھا: وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ٥.... ''اور یہ کہ اسلام کی طرف دعوت دینے میں دعاۃ الی اللہ کے ساتھ مساوات کے راستے پر چلنا۔ ❷

❀❀❀❀❀❀

---

❶ ایسر التفاسیر للجزائری جلد ۳، ص ۳۵۸.

❷ دیکھئے: في ظلال القرآن جلد ۵، ص ۲٦٤٣.

(۴)......ابولہب کی بیوی اُمّ جمیل کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

بلاشبہ اللہ عزوجل کے رسولوں میں سے ہر رسول کو اپنی قوم کی طرف سے دشمنی اور ٹھٹھہ مذاق کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جیسا کہ اللہ رب العالمین کا فرمان گرامی ہے:

﴿كَذٰلِكَ مَا اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌo﴾

(الذاريات: ۵۲)

''اسی طرح ان لوگوں کے پاس جو ان سے پہلے تھے، کوئی رسول نہیں آیا مگر انھوں نے کہا یہ جادوگر ہے، یا دیوانہ۔''

آل قریش نے نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ سے بھرپور دشمنی کی تھی جبکہ باوجود اس کے انہوں نے آپ ﷺ کے بارے میں صدق وامانت کی گواہی بھی دے رکھی تھی اور اس کا اعتراف وہ ہر وقت کرتے رہتے تھے...... ان کے متعلق قرآن نازل ہو رہا تھا کہ جنہوں نے آپ ﷺ کے خلاف دشمنی کے جھنڈے گاڑ رکھے تھے۔ [1]

چنانچہ آپ ﷺ کے ساتھ دشمنی کرنے والوں میں ایک آپ کی چچی ابولہب کی بیوی بھی تھی۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر ایک ہی جگہ آیا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل دونوں میاں بیوی کے بارے میں ناراضگی سے فرماتے ہیں:

﴿تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّo مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَo سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍo وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِo فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍo﴾ (اللهب)

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوگئے اور وہ (خود) ہلاک ہوگیا۔ نہ اس کے کام اس کا مال آیا اور نہ جو کچھ اس نے کمایا۔ عنقریب وہ شعلے والی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اس کی بیوی (بھی آگ میں داخل ہوگی) جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔ اس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی۔''

---

[1] دیکھئے: ابن هشام کی "السيرة النبوية" جلد۲، ص ۳۵٤.

مشکل الفاظ کے معانی:

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ: یعنی وہ کانٹے دار جھاڑیوں کی ٹہنیاں پکڑ کر لاتی اور انہیں نبی مکرم ﷺ کے راستے میں پھینک دیتی یا اس کا معنی ہے کہ وہ چغل خور تھی، آپ ﷺ کی چغلیاں کیا کرتی تھی۔

فِیْ جِیْدِهَا: فِیْ عُنُقِهَا..... یعنی اُس کی گردن میں۔

حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ: ناریل یا کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی۔ اُونٹ کے چمڑے یا اُس کی اون سے بنائی گئی رسی پر بھی اس لفظ کا طلاق ہوتا ہے۔ یہاں مراد جہنم کی رسی اور جہنم کا سنگل ہے۔ ❶

اس عورت کا تعارف:

جس عورت کا سورۃ المسد ﴿تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ میں ذکر ہوا ہے۔ یہ تھی: اُم جمیل اروٰی بنت حرب بن اُمیہ القرشیہ۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام ''العوراء'' تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ''العوراء'' اس کا لقب تھا اور یہ ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھی۔ ❷ اس کے خاوند کا نام ''ابولہب عبد العزی بن عبد المطلب تھا جو کہ نبی کریم ﷺ کا سگا چچا تھا۔ ❸ جیسا کہ آگے واقعہ میں بیان ہوگا، یہ دونوں میاں بیوی نبی مکرم ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے۔

واقعہ کی تفصیل:

قرآن کریم نے ہمیں اس کافرہ عورت اُمّ جمیل اروٰی بنت حرب کا قصہ بتلایا ہے کہ جو نہایت شقیۃ القلب اور نبی مکرم ﷺ کی سخت دشمن تھی۔ اللہ عزوجل نے اس کی رسول اللہ ﷺ سے عداوت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ اور اس ابولہب کی بیوی (اُم جمیل) بھی جہنم میں جائے گی جو کہ لکڑی (کانٹے دار ٹہنیاں) اٹھائے پھرتی ہے۔ (اور جس راستے سے نبی کریم ﷺ گزرتے تھے انہیں وہاں بچھا دیتی تھی۔)

اس آیت کی تفسیر میں اسلاف نے ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہوئے ان میں سے بعض نے لکھا ہے کہ یہ عورت رسول اللہ ﷺ کے راستے میں کانٹے بکھیر دیا کرتی تھی۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ چغلیاں کیا کرتی تھی۔ کچھ اور مفسرین نے کہا کہ یہ عورت نبی مکرم ﷺ کو غربت اور تنگ دستی کا طعنہ دیا کرتی تھی۔ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے پہلی بات کو ترجیح دی ہے۔ جبکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ ❹

---

❶ تفسیر الطبري، ج۳۰، ص ۳۴۰، تفسیر ابن کثیر، ج۸، ص: ۵۳۷، الصحاح، ج۲، ص ۵۳۸، ۵۳۹.

❷ دیکھئے: الإصابة فی تمییز الصحابة جلد ۲، ص ۱۷۲.

❸ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ۳۰، ص۳۳۷، التعریف والإعلام للسهیلی ص ۱۸۸.

❹ تفسیر الطبری، ج۳۰، ص ۳۳۸، ۳۳۹، وتفسیر ابن کثیر، ج۸، ص: ۵۳۵، ۵۳۶، تفسیر القرطبي، ج۲۰، ص ۲۴۰.

آ گے اللہ عزوجل فرماتے ہیں: ﴿فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ ...... یعنی اس عورت کے گلے میں مختلف قسموں کے بان سے بنی ہوئی رسی ہوگی۔ محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ نے اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ ❶ یعنی اس عورت کی دنیا میں یہ پہچان تھی اور یہ جو اس سے پچھلی آیت میں اس عورت کی ایک حالت و وصف کا ذکر ہوا ہے تو اس آیت کریمہ نے اس کی اس پہچان کی وضاحت کردی۔ ایک دوسرے قول کے مطابق: رسی سے مراد جہنم میں آگ کی رسی ہے کہ جس کے ساتھ اُسے وہاں جکڑا جائے گا۔ یعنی لوہے کی وہ زنجیر کہ جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔ یا وہ لوہا مراد ہے کہ جو کسی وزنی چیز کو کھینچنے کے لیے چرخی کے درمیان میں لگا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے اس بدبخت عورت کا وصف اور پہچان کا نشان ہوگا جہنم میں۔ ❷

جناب سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس عورت اُمّ جمیل اَروٰی بنت حرب کے پاس ایک نہایت قیمتی گلے کا ہار تھا۔ کہنے لگی: میں اس ہار کو محمد (ﷺ) کی دشمنی میں خرچ کر ڈالوں گی۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے اُسے جہنم کی آگ سے ہی ایک رسی کے ساتھ سزا دینے کا فیصلہ فرمالیا کہ جو اُس کے گلے میں ڈالی جائے گی۔'' ❸ تو اس طرح سے اس کو وہ سزا مل کر رہے گی جس کا وعدہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ عورت اُمّ جمیل اروٰی بنت حرب اپنے خاوند ابولہب عبد العزی بن عبد المطلب کی مدد اس کے کفر و عناد اور نبی کریم ﷺ کے خلاف کوششوں میں بھرپور کیا کرتی تھی۔ اس لیے وہ قیامت والے دن اپنے خاوند ابولہب کو دیے جانے والے عذاب میں بھی اس کی پوری پوری مددگار رہوگی۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ o فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ o﴾ (اللهب : ٤ تا ٥)

''اور اس کی بیوی (بھی آگ میں داخل ہوگی) جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔ اس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی۔''

یعنی وہ لکڑیاں اٹھا اٹھا کر لائے گی اور اپنے خاوند ابولہب کے اردگرد دھڑ کنے والی آگ پر پھینکتی جائے گی تاکہ اُس کو اور زیادہ تکلیف پہنچے۔ یہ عورت اُس وقت اس کام کے لیے ہر وقت مستعد اور تیار رہے گی۔ (ایضاً ص ٥٣٥)

اللہ کریم نے اس طرح سے اپنے خاص فضل کے ساتھ اپنے محبوب پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کی مدد فرمائی ہے اور اس عورت کو اپنے خاص عدل و انصاف کے تحت سزا و عذاب سے دوچار کیا۔ اللہ رب العزت کس قدر قوت اور

---

❶ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ٣٠، ص ٣٤١. ❷ ایضاً۔

❸ دیکھئے: تفسیر ابن کثیر جلد ٨ ص ٥٣٦.

غلبے والا ہے۔

واقعہ ہذا سے مستفاد احکام و دروس:

(۱)...... اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ‎٥ سے معلوم ہوا کہ کھلم کھلا سرکشی و معصیت کرنے والے عیب کو بیان کرنا جائز اور درست ہے۔ مگر یہ ہے کہ اس طرح کے ''اسلام کے خلاف کھلی دشمنی کرنے والے'' کی حرمت پامال نہ ہو۔

(۲)...... ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کے متعلق سورۃ المسد میں وارد سزا کا ذکر ہر اس شخص کے لیے نہایت سخت وعید ہے کہ جو اللہ کے نبیوں کو تکلیف اور دُکھ پہنچانے کا سبب بنے۔ ایک اور مقام پر اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ وَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ‎٥﴾ (الاحزاب: ۵۷)

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا۔''

اسی طرح ایک قدسی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں: ''مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ ...... جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کے ساتھ میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔'' ❶

(۳)...... واقعہ مذکورہ بالا کے ضمن میں یہ جو اللہ کا فرمان ذکر ہوا ہے۔ ﴿وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ‎٥ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ‎٥﴾ (اللهب: ٤ تا ٥) ''اور اس کی بیوی (بھی آگ میں داخل ہوگی) جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔ اس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی۔'' اس سے چغلی کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس موضوع کو یوں بیان فرمایا ہے۔

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ‎٥ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ‎٥﴾ (القلم: ١٠ تا ١١)

''اور تو کسی بہت قسمیں کھانے والے ذلیل کا کہنا مت مان۔ جو بہت طعنہ دینے والا، چغلی میں بہت دوڑ دھوپ کرنے والا ہے۔''

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ'' ''چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔'' ❷

---

❶ صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع، حديث: ٦٥٠٢. ❷ صحيح البخاري، كتاب الأدب، حديث: ٦٠٥٦.

اور چغلی تو بالا جماع حرام ہے۔ ❶

(۴)...... اللہ عزوجل کی آزمائش انبیاء کرام علیہم السلام پر سب سے زیادہ آیا کرتی تھی اور پھر اُن کے بعد اہل ایمان میں سے اُن سے کم ایمان والوں پر اور پھر اُن کے بعد اُن سے کم ایمان والوں پر۔ ❷ واقعہ مذکورہ بالا میں اس حوالے سے اُمِّ جمیل دیکھ لیجئے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر دکھ دیا کرتی تھی ایک اور مقام پر اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ۝ وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝﴾ (الانفال: ۳۰ تا ۳۱)

''اور جب وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، تیرے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے، تاکہ تجھے قید کر دیں، یا تجھے قتل کر دیں، یا تجھے نکال دیں اور وہ خفیہ تدبیر کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں بے شک ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو یقیناً اس جیسا ہم بھی کہہ دیں، یہ تو پہلے لوگوں کی فرضی کہانیوں کے سوا کچھ نہیں۔''

سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش کن لوگوں پر آتی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء کرام پر اور پھر ایمان کی درجہ بندی کے اعتبار سے اُن سے کم ایمان والوں پر اور ان سے کم ایمان والوں پر۔ ❸

(۵)...... دعوت اِلی اللہ کے راستے میں پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرنا اللہ کی مدد کے راستے کو کھول دیتا ہے۔ یہ بات ہمیں اُمِّ جمیل اروٰی بنت حرب اور اُس کے خاوند ابولہب عبد العزی بن عبد المطلب کے مقابلے میں اللہ رب العزت کی طرف سے اپنے محبوب پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے معلوم ہوئی۔ ❹

(۶)...... اللہ عزوجل نے اپنے محبوب نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدہ فرمایا تھا:

﴿اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ

❶ دیکھئے: کتاب الکبائر، للذهبی ص ۱۶۰.

❷ تفصیل کے لئے الجزائری کی کتاب "هذا الحبیب یا محب ص ۱۱۹.

❸ دیکھئے جامع الترمذی، کتاب الزهد، باب ما جاء فی الصبر علی البلاء وقال حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

❹ تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب هذا الحبیب یا محب ص ۱۱۹۔

يَعْلَمُوْنَ﴾ (الحجر: ۹۵ تا ۹٦)

''بے شک ہم تجھے مذاق اڑانے والوں کے مقابلے میں کافی ہیں۔ جو اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بناتے ہیں، سو عنقریب جان لیں گے۔''

اس وعدہ کو اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے دشمنوں کو ہلاک کر کے اور ان کے بارے میں جہنم کی خبریں دے کر آپ کے لیے اپنی کفایت فرما دی۔

(۷)...... یہاں پر ایک انتہائی اہم نکتہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی نشانیاں اور معجزات لوگوں کے لیے بالالتزام ایمان لانے کا سبب نہیں بنا کرتے (الا یہ کہ اللہ جس کو توفیق دے دے اور اُس کا سینہ ایمان کے لیے کھل جائے۔) اُمّ جمیل کو ہی دیکھ لیجیے! نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کی صدق و امانت کو بھی خوب جانتی تھی اور آپ ﷺ سے سرزد ہونے والے معجزات بھی دیکھتی تھی مگر اس کے باوجود اپنے تکبر اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایمان نہ لائی۔ یہ بالکل ایسا ہی معاملہ ہے جیسا کہ اللہ رب العالمین ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا جَآئَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ۝﴾ (النمل: ۱۳ تا ۱٤)

''تو جب ان کے پاس ہماری نشانیاں آنکھیں کھول دینے والی پہنچیں تو انھوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔ اور انھوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دل ان کا اچھی طرح یقین کر چکے تھے، پس دیکھ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔''

(۸)...... بلاشبہ راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی نیکی ہے اور ایمان کا ایک حصہ۔ اس لیے کہ یہ عمل کفریہ عادات و خصال کے بالکل برعکس ہے۔ جیسا کہ اُمّ جمیل نبی کریم ﷺ کے راستے میں کانٹے بکھیر کر اپنے کفر کا اظہار کیا کرتی تھی۔ جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ أَوْ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً ، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ .)) [1]

''ایمان کے ستر سے کچھ اُوپر یا...... (شاگرد کو شک ہے کہ جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یوں بیان کیا یا کہا:) ساٹھ سے اوپر کچھ حصے ہیں۔ ان میں سب سے افضل ''لا إلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا (زبانی و عملی طور پر) اقرار ہے اور *ان میں سب سے چھوٹا حصہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیاء بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔''*

[1] صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان وأفضها وأدناها و كونه من الإيمان، ج ۱، ص ٦٣، حديث: ۱٥٣.

فصل ثانی:

کمزور عورتوں کے واقعات

(کل پانچ موضوع ہیں)

(۱)......بنو اسرائیل کی عورتوں کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

ہزارھا سالوں پر محیط تاریخ انسانی انتہا سے زیادہ جبر کرنے والے بادشاہوں کا بھی مشاہدہ کر چکی ہے اور حد سے زیادہ فساد برپا کرنے والے (دہشت گرد) باغیوں کا بھی۔ جبر و ظلم کرنے والے انہی بادشاہوں میں سے ایک فرعون مصر بھی ہو گزرا ہے۔ جس کے بارے میں اللہ عزوجل نے خبر دی ہے کہ:

﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ (القصص : ۴)

''بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے رہنے والوں کو کئی گروہ بنا دیا، جن میں سے ایک گروہ کو وہ نہایت کمزور کر رہا تھا، ان کے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ بلاشبہ وہ فساد کرنے والوں سے تھا۔''

ایک اور مقام پر اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ﴾ (یونس : ۸۳)

''تو موسیٰ پر اس کی قوم کے چند لڑکوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا، (وہ بھی) فرعون اور ان کے سرداروں کے خوف کے باوجود کہ وہ انھیں آزمائش میں ڈال دے گا اور بے شک فرعون یقیناً زمین میں سرکش ہے اور بے شک وہ یقیناً حد سے گزرنے والوں سے ہے۔''

اللہ رب العالمین نے فرعون کو جو بادشاہی عطا کر رکھی تھی، اُس پر وہ غرور اور تکبر میں آ گیا تھا۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی بات کو نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾ (الزخرف: ٥٤)

''غرض اس نے اپنی قوم کو ہلکا (بے وزن) کر دیا تو انھوں نے اس کی اطاعت کر لی، یقیناً وہ نافرمان لوگ تھے۔''

یہ فرعون اللہ عزوجل کے ساتھ سرکشی و بغاوت میں اس حد کو پہنچ گیا کہ اُس ظالم نے ربوبیت کا دعویٰ کر دیا۔

﴿فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ۝ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ (النازعات: ٢٣ تا ٢٤)

''پھر اس نے اکٹھا کیا، پس پکارا۔ پس اس نے کہا میں تمھارا سب سے اونچا رب ہوں۔''

یہاں تک ہی بس نہیں بلکہ اس بدبخت نے ''الوہیت'' کا بھی دعویٰ کر دیا۔

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل لِّي صَرْحًا لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ﴾

(القصص: ٣٨ تا ٣٩)

''اور فرعون نے کہا اے سردارو! میں نے اپنے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں جانا، تو اے ہامان! میرے لیے مٹی پر آگ جلا، پھر میرے لیے ایک اونچی عمارت بنا، تاکہ میں موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں اور بے شک میں یقیناً اسے جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں۔ اور وہ اور اس کے لشکر کسی حق کے بغیر زمین میں بڑے بن بیٹھے اور انھوں نے گمان کیا کہ بے شک وہ ہماری طرف واپس نہیں لائے جائیں گے۔''

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں بتلایا ہے کہ اس سرکش و باغی، فرعون نے بنواسرائیل کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ کس قدر بھیانک تھا اور اس کے ظلم سے بنواسرائیل کی عورتوں کو جو ذلت و رسوائی اور مغلوبیت و زبردستی سہنا پڑی وہ کس قدر تکلیف دہ تھی۔ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب عزیز قرآن مجید میں کئی مقامات پر فرعون کی طرف سے خواتین بنواسرائیل پر کیے گئے ظلم کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۱..... ﴿وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ﴾ (البقرہ: ٤٩)

''اور جب ہم نے تمھیں فرعون کی قوم سے نجات دی، جو تمھیں برا عذاب دیتے تھے، تمھارے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتے اور تمھاری عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔'' ❶

ب..... ﴿وَ اِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ۝﴾ (الاعراف: ۱۴۱)

''اور جب ہم نے تمھیں فرعون کی آل سے نجات دی، وہ تمھیں برا عذاب دیتے تھے، تمھارے بیٹوں کو بری طرح قتل کرتے اور تمھاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔''

ج..... ﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ اَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ۝﴾ (ابراهیم: ٦)

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب اس نے تمھیں فرعون کی آل سے نجات دی، جو تمھیں برا عذاب دیتے تھے اور تمھارے بیٹے بری طرح ذبح کرتے اور تمھاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔''

د..... ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِیْنٍ۝ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سَاحِرٌ كَذَّابٌ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْیُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَیْدُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ۝﴾ (المؤمن: ۲۳ تا ۲۵)

''اور بلا شبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا۔ فرعون اور ہامان اور

---

❶ فرعون اس زمانے میں مصر کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون مصر تھا اس کے نام میں اختلاف ہے۔ تفاسیر میں عموماً ولید بن مصعب مذکور ہے اور آلِ فرعون سے اس کے اتباع اور ہم مذہب لوگ مراد ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی ہے جس نے مصر کا احاطہ کرلیا ہے اور تمام قبطی اس کی لپیٹ میں آگئے ہیں صرف بنی اسرائیل اس سے محفوظ رہے ہیں۔ اس وقت کے کاہنوں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت اور تیرے دین کو تباہ کردے گا اس پر فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہوا سے مار ڈالا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو اسے زندہ رہنے دیا جائے۔ چنانچہ اس منصوبے کے تحت ہزارہا بچے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے مگر اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو کون روک سکتا تھا۔ اسی ہنگامہ کشت دخون میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ فرعون کے گھر میں ان کی نشوونما کرائی اور انہی کے ہاتھوں آخر کار فرعون اور اس کی حکومت تباہ ہوگئی یہاں پر ''بَلَآءٌ'' سے مراد انعام واحسان ہے یا مصیبت وآزمائش۔ (ابن کثیر)

قارون کی طرف تو انھوں نے کہا جادوگر ہے، بہت جھوٹا ہے۔ پس جب وہ ہمارے ہاں سے حق لے کر ان کے پاس آیا تو انھوں نے کہا ان لوگوں کے بیٹوں کو، جو اس کے ہمراہ ایمان لائے ہیں، قتل کرو اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو اور نہیں کافروں کی چال مگر سراسر ناکام۔'' ❶

ھ.....: ﴿وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ ط قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ج وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ﴾

(الاعراف: ۱۲۷)

''اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑے رکھے گا، تاکہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں اور وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے؟ اس نے کہا ہم ان کے بیٹوں کو بری طرح قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے اور یقیناً ہم ان پر قابو رکھنے والے ہیں۔'' ❷

مشکل الفاظ کے معنی:

آلِ فِــرْعَــوْنَ: آل کا اصل ''اہل'' ہے اور اس سے فرعون کے اہل دین، اس کی قوم والے اور اس کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ ❸

يَسُوْمُوْنَكُمْ: وہ تمھیں تکلیف پہنچاتے اور سزا دیتے تھے۔ ❹

❶ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا یہ دوسری مرتبہ حکم تھا تاکہ ان کی اکثریت نہ ہو اور ذلیل وخوار رہیں اور اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو شوم سمجھ کر اس سے بد دل ہو جائیں۔ اس آیت کے خاتمہ ''وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم میں وہ دوبارہ کامیاب نہیں ہوسکے۔ (ابن کثیر وغیرہ)

❷ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ''اِلٰهَتَكَ'' قرأت کرتے ہیں یعنی ''تیری عبادت'' مگر جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ فرعون نے کچھ چھوٹے چھوٹے بت بنا کر لوگوں کو دیئے تھے کہ میرا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کی پوجا کریں۔ اس لیے وہ لوگوں سے کہا کرتا ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى، وَرَبُّ هٰذِهِ الْاَصْنَامِ﴾ ''یعنی میں تمہارا بڑا رب ہوں اور ان بتوں کا بھی رب ہوں۔'' امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میرا خیال یہ ہے کہ فرعون دہریہ تھا اور صانع کا منکر۔ وہ کہا کرتا کہ اس عالم کی تدبیر کواکب کرتے ہیں مگر اس عالم کا مربی میں ہوں۔ اس لیے تمھیں چاہیے کہ میری عبادت کرو۔ (دیکھئے سورہ القصص: ۳۸) اور ہوسکتا ہے کہ اس نے ان ستاروں کی صورتوں کے بت بنوا رکھے ہوں۔ پس آلِهة سے مراد یا تو چھوٹے چھوٹے بت ہیں جو اس نے لوگوں کو دے رکھے تھے یا وہ ستاروں کے ہیکل مراد ہیں جن کی فرعون خود بھی پوجا کیا کرتا تھا۔ بایں صورت ''آلِهَتَكَ'' اپنے ظاہری معنی پر محمول ہوگا۔ (کبیر۔ فتح البیان)

یعنی ہم جو ظلم وستم موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بنی اسرائیل پر کرتے تھے اس کا سلسلہ پھر سے شروع کریں گے اس طرح یہ تباہ ہو جائیں گے اور ان کا تخم تک باقی نہ رہے گا۔ ان کے مرد مارے جائیں گے صرف عورتیں بچیں گی۔ وہ کیا کرسکیں گی۔ ان کو ہم لونڈیاں بنا کر اپنے گھروں میں رکھیں۔

❸ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد۱، ص ۲۷۰.

❹ التفسیر البغوی جلد۱، ص ۶۹،

سُوْءَ الْعَذَابِ: بہت سخت سزا، عذاب۔ ❶

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآئَكُمْ: اور وہ اے بنو اسرائیل! تمہاری عورتوں، بچیوں کو اپنی خدمت کے لیے زندہ رکھتے تھے۔

بَلَآءٌ: آزمائش کبھی خیر کے ساتھ بھی ہوتی ہے اور کبھی شر، برائی کے ساتھ بھی۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝﴾

(الانبياء: ٣٥)

''ہر جان موت کو چکھنے والی ہے اور ہم تمھیں برائی اور بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں، آزمانے کے لیے اور تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

تو یہاں آزمائش سے مراد یا تو مشقت اور سختی ہے کہ فرعون کے لوگ بنو اسرائیل کو نہایت سخت سزا دیا کرتے تھے۔ یا پھر بمعنی انعام ہے۔ یعنی اللہ عزوجل فرما رہے ہیں کہ اے بنو اسرائیل فرعونیوں سے تمہیں میرا نجات دلا دینا تمہارے اُوپر بہت بڑا انعام تھا۔

عَلَا: بمعنی بلندی ہے اور آیت کریمہ میں اس سے مراد تکبر کرنا ہے۔

شِيَعًا: یعنی فرقے، گروہ اور یہ جو کہا گیا ہے: وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا.... اور اُس نے اپنے ملک، سرزمین مصر کے لوگوں کے الگ الگ جتھے بنا دیے تھے...... تو اس سے مراد وہاں کے رہنے والوں کے الگ الگ فرقے، خدمت گاری کے لیے ان کے شعبے اور کاموں کے لیے اُنہیں مجبور کرنا ہے۔ ❷

يَسْتَضْعِفُ: ضعیف جانتا تھا اور یہاں ''استضعاف'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ'' ہے۔ اُس ظالم کے اس عمل شنیع کو استضعاف اس لیے کہا گیا ہے کہ بنو اسرائیل اس سے اپنا دفاع کرنے سے عاجز آ کر کمزور ہو گئے تھے۔

طَآئِفَةً مِّنْهُمْ: یعنی ان میں سے ایک جماعت، مراد اس سے بنو اسرائیل ہیں۔

كَيْدُ: مراد داؤ کھیلنا اور سازش کرنا ہے۔

---

❶ ايضاً.

❷ تفسير الطبري، ج٢٤، ص ٥٦، تفسير البغوي، ج١، ص ٧٠، تفسير ابن كثير، ج١، ص: ١٢٨، ١٢٩، ج ٤، ص ٣٩٨، المفردات للراغب، ص: ٣٤٥، تفسير الطبري، ج٢٠، ص: ٢٧، معاني القرآن للزجاج، ج٤، ص ١٣١، تفسير البغوي، ج٣، ص ٤٣٤.

ضَلَالٌ: یہاں گمراہی سے مراد، ظلم اور خسارہ ہے۔ [1]

بنواسرائیل کی عورتوں کا تعارف:

آیات مذکورہ بالا میں بیان کردہ عورتوں سے مراد اُس زمانے میں بنواسرائیل کی عمومی عورتیں تھیں۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت: ۴۹ میں بنواسرائیل کو مخاطب کرکے ان کی عورتوں کو ان کی طرف نسبت دیتے ہوئے بیان کیا گیا ہے: وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاءَ كُمْ.... لفظ ''نساء'' جمع مضاف ہے جو کہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی وہ بنواسرائیل کی خاص عورتیں نہیں تھیں جنہیں فرعون اپنی خدمت کے لیے زندہ رکھتا تھا بلکہ ان کی سب عورتیں تھیں۔ اور مراد ان سے وہی عورتیں ہیں جو فرعونِ مصر کے زمانے میں تھیں۔ یعنی وہ فرعون کہ جس کو بنواسرائیل کے ایک نوجوان کے ہاتھوں اپنی بادشاہی کے ختم ہو جانے کا ڈر لگ گیا تھا۔ [2]

واقعہ کی تفصیل:

بنواسرائیل کی عورتوں پر فرعونِ مصر اور اس کے سرکش گروہ، کارندوں کی طرف سے جو سخت ترین سزا کی صورت میں آزمائش کی تھی اس کا ذکر اللہ رب العالمین نے ہمارے لیے قرآن عظیم میں فرمایا ہے۔ اسی طرح بنواسرائیل کے عام لوگوں پر فرعون کے ظلم وتکبر کو بھی اللہ رب العزت نے بیان فرمایا ہے۔ فرعون کو کمزور جانتا اور کمزور کرکے رکھتا تھا۔ وہ ان کو رات دن کاموں میں لگا کر تھکائے رکھتا تھا اور ان کے بیٹوں کو قتل کروا دیتا اور ان کی بچیوں، عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک وہ ان کی اہانت کرنے اور ان کو حقیر جاننے کی بنا پر کرتا تھا۔ اس دور میں بنواسرائیل سب لوگوں سے بہتر لوگ تھے۔

عورتوں کو زندہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ ان کو زندہ رکھتے ہوئے (اپنی خدمت کے لیے) باقی رکھنا تھا۔ اور یہاں عورتوں ''النساء'' کی تعبیر لڑکیوں، بچیوں سے کی گئی ہے۔ یا عورتوں سے مراد عورتیں اور بیٹیاں، بچیاں سبھی ہیں۔ اس لیے کہ وہ نہ ہی تو چھوٹی بچیوں کو قتل کرواتا تھا اور نہ ہی بڑی عورتوں کو۔ اللہ عزوجل نے اس ظلم کی نسبت کہیں پر فرعون کی طرف کی ہے اور کہیں پر آلِ فرعون، فرعونی کارندوں کی طرف اس لیے کہ: فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دینے کا حکم جاری کرتا تھا اور آلِ فرعون اس پر عمل کرتے تھے۔

عورتوں کو صرف زندہ رکھنے میں تو کوئی سزا یا تکلیف نہ تھی بلکہ عذاب وسزا تو ان کو خادمان بنا کر رکھنے میں

[1] المفردات للراغب، ص ۳۱۱، تفسير البغوي، ج۳، ص ٤٣٤، تفسير الطبري، ج٢٤، ص ٥٦، تفسير البغوي، ج٤، ص ٩٥، المفردات للراغب، ص٣٤٣، اصلاح الوجوه والنظائر فی القرآن الكريم ص ٢٩٢.

[2] دیکھئے: السعدی کی ''القواعد الحسان لتفسير القرآن ص ١٤، تفسير الطبری جلد١، ص ٢٧٠، تفسير ابن كثير جلد ١، ص ١٢٨ وزاد المسير لابن الجوزی جلد ١، ص ٧٨.

تھی اور ان کے بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کر کے انہیں دکھ دینے میں تھی۔ اسی طرح ان کو اس عار کے تعلق کے ساتھ تھی کہ وہ بغیر مردوں کے اگر صرف عورتیں ہی رہیں تو کس قدر دُکھ بھری اُن کی زندگی تھی۔ ❶

ایک شاعر کہتا ہے ؏

وَمِنْ أَعْظَمِ الرَّزْءِ فِيْمَا أَرَى
بَقَاءُ الْبِنَاتِ وَمَوْتُ الْبَنِيْنَ

''میری رائے میں سب سے بڑی مصیبت بیٹیوں کا زندہ (باقی) رہنا ہے اور بیٹوں کی موت واقع ہونا۔''

سورۃ القصص کی آیات کے سیاق وسباق سے جیسا کہ مفہوم واضح ہو رہا ہے کہ فرعون کا بنواسرائیل کے بیٹوں اور اُن کی عورتوں کے ساتھ یہ عمل شنیع ایک تو سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے تھا۔ اس بارے میں اللہ عزوجل نے اس کا کوئی سبب بیان نہیں فرمایا۔ البتہ اسرائیلی روایات میں اس کا سبب بیان ہوا ہے۔ عنقریب اس کا بیان ہوگا، ان شاء اللہ۔

فرعون کی طرف سے یہ عمل شنیع دوبارہ پھر برپا ہوا کہ جب سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا پیغمبر بنا دیا گیا۔ تاکہ بنواسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت واتباع اور آپ علیہ السلام کی مدد کرنے سے ان کو وہ روک سکے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْا اَبْنَاءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوا نِسَآءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ (المؤمن: ۲۵)

''پس جب وہ ہمارے ہاں سے حق لے کر ان کے پاس آیا تو انھوں نے کہا ان لوگوں کے بیٹوں کو، جو اس کے ہمراہ ایمان لائے ہیں، قتل کرو اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو اور نہیں کافروں کی چال مگر سراسر ناکام۔''

پھر اللہ غفور الرحیم نے بنواسرائیل کو اور ان کے بیٹوں کو اور ان کی عورتوں کو نجات دے دی فرعون اور اس کے تمام اعوان وانصار کو ہلاک، غرق کر کے۔ ❷

---

❶ تفسير ابن كثير، ج٦، ص: ٢٣٠، و ج٧، ص ١٢٨، وتفسير القرطبي، ج١، ص: ٣٨٤، ٣٨٥، تفسير الطبري، ج١، ص ٢٧٤، المصدر السابق، ج١، ص ٢٧١، تفسير البحر المحيط، ج١، ص ١٩٤، روح المعاني للألوسي، ج١٣، ص: ١٩٠، تفسير القاسمي، ج١٠، ص ٣٧٠٩.

❷ دیکھئے: تفسیر الطبری جلد ٢٤، ص٥٦، تفسیر ابن کثیر جلد٣، ص٤٥٧، تفسیر القرطبی جلد ١٥، ص٣٠٥، تفسیر البغوی جلد ٤، ص٩٥، والکشاف جلد ٣، ص ٤٢٢.

اسرائیلی روایات:

بنواسرائیل کی عورتوں سے متعلق بہت ساری اسرائیلی روایات کتابوں میں درج ہیں جن میں سے بعض کو بالا جمال ہم بیان کرتے ہیں۔

(ا)...... امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت درج کی ہے کہ اُس دور کے جادوگروں نے فرعون مصر سے کہا: امسال ایک لڑکا بنواسرائیل میں پیدا ہوگا جو بڑا ہوکر تیری بادشاہی کو ختم کردے گا۔ چنانچہ اُس نے پورے شہر اور ملک میں اپنے آدمی مقرر کردے کہ وہ بنواسرائیل کی حاملہ عورتوں پر نظر رکھیں۔ اگر کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہو تو اسے وہ قتل کردیں اور اگر لڑکی پیدا ہو تو اُسے وہ زندہ رہنے دیں۔ ❶

(ب)...... سیوطی نے امام ابوالعالیہ رحمہ اللہ سے روایت درج کی ہے کہ فرعون نے بنواسرائیل کی حاملہ عورتوں کی طرف دائیاں (جو زچہ کے وقت پیدائش میں مخصوص مدد پہنچاتی ہیں) بھیجیں کہ جب کوئی ان کے ہاں پیدائش ہوتی وہ بچے کو اٹھا کر فرعون کے پاس لے آتیں۔ اگر پیدا ہونے والا لڑکا ہوتا تو وہ اس کو قتل کردیتا۔ اور اگر لڑکی ہوتی تو وہ اس کو زندہ رکھتا۔ ❷

(ج)...... امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بیان کیا جاتا ہے کہ فرعون بانس حاضر کرنے کا حکم دیتا۔ بانس کو درمیان سے پھاڑ دیا جاتا حتیٰ کہ دونوں حصے چھری کی طرح تیز دھار والے ہوجاتے۔ پھر ان تیز دھار والے بانس کے ٹکڑوں کو ساتھ ساتھ ملا کر زمین پر رکھ دیا جاتا اور بنواسرائیل کی حاملہ عورتوں کو بلوا کر انہٰی ٹکڑوں پر کھڑا کردیا جاتا کہ جس سے اُن کے پاؤں زخمی ہوجاتے۔ اس تکلیف سے وہ عورتیں اپنے حمل گرادیتیں جو ان کے دونوں قدموں کے درمیان گرجاتے۔ چنانچہ اپنی کوشش بسیار کے باوجود وہ ان بچوں کو اپنے پیروں سے بچانے کے لیے آگے پیچھے ہوتیں تو انہیں روند ڈالتیں۔ ❸

اسرائیلی روایات پر نقد و جرح:

ان میں سے بعض روایات ثابت ہیں اور بعض کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ پہلی روایت میں جو بیان ہوا ہے کہ فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرادیتا اور اُن کی بچیوں کو زندہ رکھتا تھا تو یہ بات قرآن سے بھی ثابت ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔ باقی روایات کی صحت وضعف کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہے۔

---

❶ دیکھئے: تفسیر الطبری، جلد ۱، ص ۲۷۲.

❷ الدرّ المنثور جلد ۱، ص ۱٦٦.

❸ ایضاً جلد ٦، ص ۳۹۱.

البتہ ظاہر یہی ہے کہ ان کو بیان کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

واقعہ مذکور بالا سے مستفاد احکام و دروس:

(۱)...... اللہ عزوجل کے فرمان گرامی: إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ..... سے آزاد لوگوں کو غلام بنانے کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور تکبر وغرور کے حرام ہونے کی بھی۔ اور یہ جو اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝..... بلاشبہ فرعون زمین میں فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ فساد فی الارض (دہشت گردی) حرام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝﴾ (البقرہ: ۲۰۵)

''اور جب واپس جاتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے، تاکہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو برباد کرے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

یہاں ''لَا يُحِبُّ'' لفظ کسی چیز کو حرام کرنے کے صیغوں میں سے ہے۔ [1]

(۲)...... بلاشبہ کمزور امت جس حد تک بھی ضعف و کمزوری کو کیوں نہ پہنچ جائے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے حقوق کی کوشش میں وہ سستی و کاہلی کا شکار ہو جائے اور نہ ہی اُسے اعلیٰ اُمور کی طرف ترقی کرنے میں ناامیدی کا شکار ہونا چاہیے۔ بالخصوص اُس وقت کہ جب وہ مظلوم ہوں جس طرح کہ اللہ عزوجل نے بنواسرائیل کو باوجود اس کے کہ وہ فرعون اور اس کے سرداروں کے غلام اور کمزور لوگ تھے، اُنہیں اُن سے چھڑوا کر ان کو زمین میں طاقت و اقتدار عطا کر دیا اور اُنہیں ملکوں کے مالک بنا دیا۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝﴾ (القصص: ۵ تا ۶)

''اور ہم چاہتے تھے کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں جنھیں زمین میں نہایت کمزور کر دیا گیا اور انھیں پیشوا بنائیں اور انھی کو وارث بنائیں۔ اور انھیں زمین میں اقتدار دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو ان سے وہ چیز دکھلائیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔''

---

[1] دیکھئے: ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب بدائع الفوائد جلد ٤، ص ٣.

بنو اسرائیل پر اپنے اس احسان کو بزبان موسیٰ (علیہ السلام) ایک اور مقام پر یوں جتلایا ہے۔

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (المائدہ: ۲۰)

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تمھیں بادشاہ بنا دیا اور تمھیں وہ کچھ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔''

(۳)...... اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان: يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ...... سے معلوم ہوا کہ اولا داور اہل خانہ پر سختیاں اور مصیبتیں اپنی ذات میں سختیوں اور مصیبتوں کے قائم مقام ہوتی ہیں۔ ان الفاظ کے بعد پھر اللہ عزوجل نے ذکر فرمایا ہے کہ فرعون کی طرف سے دی جانے والی سخت سزا بیٹوں اور عورتوں دونوں کے لیے تھی: يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ.... [1]

(۴)...... بلاشبہ دشمن کی ہلاکت بھی اللہ کا انعام ہوتا ہے کہ جس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے مذکور بالا واقعہ میں بنو اسرائیل کو اپنا یہ انعام جتلایا ہے اور ان کو فرعون کے ظلم سے نجات دلائی تھی۔ بعینہٖ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اللہ کے بندوں کو کسی تنگی کا پہنچ جانا آزمائش و ابتلاء ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ...... اس حالت میں ان کو چاہیے کہ صبر و استقامت سے کام لے کر اللہ عزوجل کے ہاں اجر کمایا کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فراخی و کشادگی کا انتظار کیا کریں اور ناامیدی سے بچ کر رہا کریں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ (الانشراح: ۵ تا ۶)

''پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہے۔ بے شک اسی مشکل کے ساتھ ایک اور آسانی ہے۔''

اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ (البقرہ: ۲۱۴)

''یا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تک تم پر ان لوگوں جیسی حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے تھے، انھیں تنگدستی اور تکلیف پہنچی اور وہ سخت ہلائے گئے، یہاں تک

[1] دیکھیے: تفسیر القاسمی جلد ۷، ص ۲۸۴۸.

کہ رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، کہہ اٹھے اللہ کی مدد کب ہوگی؟ سن لو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔''❶

(۵)...... بلاشبہ خیر اور شر دونوں اللہ کی طرف سے ہیں، اس معنی میں کہ وہ ان دونوں کا خالق اللہ ہی ہے۔ اس اصول میں نصاریٰ کا رد ہے اور ہر اُس آدمی کا بھی کہ جو اُن جیسی بات کرے کہ خیر اللہ کی طرف سے جبکہ شر شیطان کی طرف سے آتا ہے۔ اس کی دلیل قرآن کے یہ الفاظ ہیں: وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ ...... ایک اور مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝﴾

(النساء: ۷۸)

''تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمھیں پا لے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔ اور اگر انھیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انھیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے۔ کہہ دے سب اللہ کی طرف سے ہے، پھر ان لوگوں کو کیا ہے کہ قریب نہیں ہیں کہ کوئی بات سمجھیں۔''

(۶)...... واقعہ مذکورہ بالا سے یہ سبق بھی ملا کہ فرعون کے سرداروں اور عمائدین نے اُسے فساد پر آمادہ کرنے کے لیے یہ جو اشتعال انگیز بات کہی تھی:

﴿وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝﴾

(الاعراف: ۱۲۷)

''اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑے رکھے گا، تاکہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں اور وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے؟ اس نے کہا ہم ان کے بیٹوں کو بری طرح قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے اور یقیناً ہم ان پر قابو رکھنے والے ہیں۔''

اور پھر ان کی اس اشتعال انگیزی سے فرعون نے بنواسرائیل کی سخت پکڑ کا جو فیصلہ کیا تھا جیسا کہ آیت

❶ دیکھئے: في ظلال القرآن جلد ۱، ص ۷۰.

مذکورہ بالا سے ظاہر ہے تو بادشاہوں اور بڑے سرداروں، کی بری ہم نشینی نہایت خطرناک ہوا کرتی ہے۔ دیکھئے! فرعون کے سرداروں نے جب اُس کو اشتعال دلایا تو اُس نے اپنے پیروکاروں کو بنواسرائیل پر ظلم کرنے کا حکم دے دیا۔ ❶

(۷)...... اللہ تبارک وتعالیٰ قوموں (اور افراد) کو کبھی خیر کے ساتھ آزمایا کرتا ہے اور کبھی شر کے ساتھ۔ جیسا کہ اُس نے بنواسرائیل کو فرعون کے شر کے ذریعے آزمایا کہ وہ ان کو انتہائی سخت سزا دیا کرتا تھا اور پھر انکو خیر کے ساتھ بھی آزمایا کہ اس نے انہیں اس عذاب سے نجات دلا دی۔ یہی بات ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○﴾

(الانبیاء: ۳۵)

''ہر جان موت کو چکھنے والی ہے اور ہم تمھیں برائی اور بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں، آزمانے کے لیے اور تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

اور جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے، دونوں طرح کی آزمائشیں اللہ عزوجل کے لیے خیر اور بھلائی ہیں: جناب صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ .)) ❷

''مومن آدمی کا معاملہ بڑا ہی عجیب ہے، اس کا اجر و ثواب کہیں نہیں گیا۔ اُس کے ہر کام میں خیر ہی خیر ہے۔ یہ بات مومن کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ اگر اس کو خوشی حاصل ہو اور وہ شکر کرے تو اس میں بھی اس کے لیے اجر ہے اور جو اس کو دکھ، نقصان پہنچا اور وہ صبر کرے تو بھی اس لیے خیر ہی خیر ہے۔''

(۸)...... بلاشبہ اللہ کے بندوں پر ظلم و زیادتی کرنے والا سرکش آدمی حاکمیت و بادشاہی اور وسیع تر ملک پر قابض ہونے کے ضمن میں جس حد کو بھی پہنچ جائے۔ (اُس کے پاس دولت، فوجی طاقت اور ملک کی وسعت کتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہو جائے) اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کا سفر ہلاکت اور تباہی کی طرف ہی جاری رہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ

❶ ایسر التفاسیر للجزائری جلد ۲، ص ۶۹.

❷ صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقاق، باب المؤمن أمره كله خير، حديث: ۷۵۰۰، ج۴، ص: ۲۲۹۵.

عزوجل نے فرعون کو اُس کے ظلم اور اُس کی سرکشی کی بنا پر ہلاک کر دیا تھا۔ بنواسرائیل کو اس کے شر سے بالآخر نجات دے دی۔ جیسا کہ اللہ رب العالمین نے فرمایا ہے:

﴿وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝﴾

(البقرہ: ۵۰)

''اور جب ہم نے تمھاری وجہ سے سمندر کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تمھیں نجات دی اور ہم نے فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔''

ایک اور بات اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ ہمیشہ ظالم آدمی کمزور لوگوں پر ہی مسلط ہوا کرتا ہے بالخصوص عورتوں، بچوں اور غریب لوگوں پر جیسا کہ فرعون نے بنواسرائیل کے ساتھ کیا تھا۔

❀❀❀❀❀❀

(۲)......کھائیاں کھودنے والوں کے ساتھ اہل ایمان عورتوں کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

تاریخ انسانی کے ہر دور میں توحید والے اہل ایمان کو تعذیب وسزا سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اللہ کے دشمنوں، ملحدین و کفار کی طرف سے انہیں ہمیشہ ظلم واستبداد کا سامنا کرنا پڑا ہے کہ یہ اہل توحید وایمان ان کے کفر پر کبھی بھی قانع نہیں ہوئے۔ بلکہ معاملہ ایں جارسید کہ یہ اعداء اللہ کفار وملحدین اہل ایمان کو ایمان باللہ سے روکنے میں اپنا ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے ہیں۔ ایسے ہی ظلم واستبداد کے واقعات میں سے ایک واقعہ اللہ عزوجل نے ہمیں ان ظالموں کا بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ جو کہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے ساتھ کھائیوں والوں کی طرف سے پیش آیا تھا، اسے قرآن مجید میں ایک ہی مقام پر پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِo النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِo اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌo وَّهُمۡ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ شُهُوۡدٌo وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِo الَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌo اِنَّ الَّذِيۡنَ فَتَـنُوا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ يَتُوۡبُوۡا فَلَهُمۡ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمۡ عَذَابُ الۡحَرِيۡقِo اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡكَبِيۡرُo﴾ (البروج: ٤ تا ١١)

''مارے گئے اس خندق والے۔ جو سراسر آگ تھی بہت ایندھن والی۔ جب وہ اس کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور وہ اس پر جو وہ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے، گواہ تھے۔ اور انھوں نے ان سے اس کے سوا کسی چیز کا بدلہ نہیں لیا کہ وہ اس اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جو سب پر غالب ہے، ہر تعریف کے لائق ہے۔ وہ کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اس کی ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ یقیناً وہ لوگ جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا، پھر انھوں نے

توبہ نہیں کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

قُتِلَ: یہاں قتل کر دیے گئے، ہلاک ہوگئے سے مراد اُن پر اللہ کی لعنت ہے۔ ❶

أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ: کھائیوں سے مراد زمین میں مستطیل قسم کے لمبے اور گہرے گڑھے ہیں۔ اور اصحاب سے مراد یہاں پر ان گڑھوں کو کھودنے والے ہیں۔ ❷

اَلْوَقُوْدُ: یعنی وہ لکڑیاں جو ایندھن کے لیے تیار کی گئی ہوں اور جلنے پر اُن سے شعلے اُٹھیں۔ ❸

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ: صرف یہ کہ مظلومین اپنے رب پر پختہ ایمان لائے تھے، اس کے علاوہ ان کا کوئی گناہ نہ تھا، اسی کو بنیاد بنا کر ظالموں نے ان سے انتقام لیا تھا۔

فَتَنُوْا: ''الفتنہ'' کا اصل معنی ہوتا ہے سونے کو آگ میں ڈال دینا تاکہ میل کچیل اور اس کا ردی پن دور ہو کر اس کی عمدگی نکھر جائے۔ یہ لفظ انسان کو آگ میں ڈالنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ فَتَنُوْا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُومِنَاتِ.... کا معنی ہوگا کہ ان ظالموں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آگ سے جلا کر انہیں سزا و عذاب دیتے ہوئے ابتلاء و مصیبت میں ڈال دیا تاکہ وہ اپنے دین سے پھر جائیں۔ ❹

قصہ والوں کا تعارف:

واقعہ مذکور بالا کے اہل ایمان کے زمانہ کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ جزیرۂ عرب کے علاقہ نجران کے رہنے والے تھے۔ یہ سیّدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے دورِ نبوت و رسالت میں ہو گزرے ہیں۔ اس زمانے میں نجران و یمن پر ذونواس بادشاہ کی حکومت تھی اور وہ یہودیت کے مذہب پر تھا۔ اسی شخص (اور اس کے پیروکاروں) کے بارے میں: ''قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُوْدِ'' نازل ہوئی ہے۔ ❺

---

❶ دیکھیے: الدامغانی کی کتاب: اصلاح الوجوه والنظائر ص ۳۷۱.

❷ ایضاً وقاموس القرآن ص ۲۷۵، معانی القرآن للزجاج ج ۵، ص ۳۰۷، المفردات للراغب ص ۱۴۳.

❸ دیکھیے: المفردات للراغب الاصبہانی ص ۵۲۹.

❹ معاني القرآن للزجاج، ج۵، ص ۳۰۸، المفردات للراغب، ص: ۵۰٤، المفردات للراغب، ص ۳۷۱، تفسير الطبري، ج۳۰، ص ۱۳٦، معاني القرآن للزجاج، ج۵، ص: ۳۰۸، تفسير أبي السعود، ج۹، ص: ۱۳۷.

❺ دیکھیے: تفسير القرطبي جلد ۱۹، ص ۲۸۷، مروج الذهب جلد ۱، ص ٦۷.

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے ہوگزرے ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ واقعہ اہل ایمان پر جبر وظلم کرنے والے کافروں کی طرف سے کئی بار پیش آیا تھا۔ امام قرطبی کی گفتگو سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ انہوں نے سورۃ البروج کی تفسیر میں ایک لڑکے کی ماں کے واقعہ کو ترجیح دی ہے۔ [1]

واقعہ کی تفصیل:

کھائیوں والوں کی طرف سے اہل ایمان کے مردوں اوران کی عورتوں پر جو مصیبت وابتلاء کا پہاڑ توڑا گیا تھا سورۃ البروج میں اس دردناک سین اور انتہائی قبیح منظر کو پیش کیا گیا ہے۔ اللہ کے سرکش باغیوں نے جب ایمان والوں کے اُس ایمان کا مشاہدہ کیا کہ جس کو وہ ناپسند کرتے تھے تو وہ ان پر پوری طرح سے مسلط ہوگئے۔ اورانہوں نے ان اہل ایمان کو ان کے دین میں آزمائش میں مبتلا کردیا۔ کافروں نے کھائیاں کھودیں اور ان میں ان اہل ایمان کے لیے تیز آگ جلادی۔ ظالم کافروں نے اللہ کے مومن بندوں کو اس بات کا اختیار دیا کہ یا تو وہ مرتد ہوجائیں اور یا پھر اس آگ میں جلنے مرنے کے لیے تیار ہوجائیں، انہیں اس دہکتی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ اہل ایمان مسلمان مردوں اور مومن عورتوں نے ایمان پر صبر کو اختیار کیا اور اپنے آپ کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ چنانچہ اُنہیں آگ میں پھینک دیا گیا۔ اس طرح وہ اللہ الرحمٰن کی رضا کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور وہ اللہ کی جنتوں میں عزت وتکریم کے مستحق ٹھہرے جیسا کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ﴾ (البروج: ۱۱)

''بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

اور جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ میں اللہ عزوجل نے وعید دلائی ہے، یہ ظالم کافر مجرم وہاں سے آخرت کا مکمل نقصان اور جہنم کا عذاب لے کر پلٹے۔ یہ ان کا بدلہ تھا جو اُنہوں نے اولیاء الرحمٰن کے ساتھ کیا تھا۔ فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ﴾ (البروج: ۱۰)

''یقیناً وہ لوگ جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا، پھر انھوں نے توبہ

---

[1] دیکھئے: البدایہ والنہایہ جلد ۲، ص ۱۲۹، تفسیر القرطبي جلد ۱۹، ص ۲۹۵.

نہیں کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔''

اس واقعہ کے ضمن میں ایک بچے کی ماں کا قصہ بھی ایک صحیح حدیث میں مذکور ہے۔ چنانچہ سیّدنا صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قدیم زمانہ کی بات ہے کہ (ملک یمن میں) ایک بادشاہ کافر تھا۔ اس کے پاس ایک جادوگر (کاہن) رہتا تھا۔ جب وہ جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اُس نے بادشاہ سے عرض کیا: کوئی زیرک قسم کا لڑکا مجھے دو تاکہ اُسے میں اپنا علم سکھا دوں۔ بادشاہ نے اُس کے حوالے ایک لڑکا کر دیا کہ وہ اسے اپنا علم سکھا دے۔ لڑکے کے راستے میں ایک ایک راہب رہتا تھا جو مسلمان تھا۔ وہ لڑکا اس کے پاس بیٹھتا اور اس کا کلام سنتا جو اس کو نہایت اچھا لگتا۔ ہوتے ہوتے وہ لڑکا خفیہ طور پر اس کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔ لڑکا جب جادوگر کے پاس جاتا تو راہب کی طرف سے ہو کر نکلتا اور اس کے پاس بیٹھتا۔ جب جادوگر کے پاس جاتا تو یہ کاہن اس کو (دیر سے آنے پر) مارتا۔ آخر لڑکے نے جادوگر کے مارنے کا راہب کے پاس گلہ کیا۔ راہب نے کہا: جب تجھے جادوگر سے ڈر لگے تو کہہ دیا کر مجھے میرے گھر والوں نے روک لیا تھا۔ اور جب تجھے اپنے گھر والوں سے ڈر لگے کہ وہ تجھے ماریں گے تو ان سے کہہ دیا کر کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا۔

وہ لڑکا اسی طرح آتا جاتا رہا کہ اچانک ایک دن کسی بڑے سے جانور کے پاس سے اُس کا گزر ہوا کہ جس نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا۔ لڑکے نے اپنے جی میں کہا: آج میں تجربہ سے معلوم کرتا ہوں کہ جادوگر افضل ہے یا راہب صاحب فضیلت ہے۔ چنانچہ اُس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا: اے اللہ! اگر تجھے جادوگر کے طریقے سے راہب کا طریقہ زیادہ پسند ہے تو اس جانور کو میرے پتھر سے قتل کر دے تاکہ لوگ آنے جانے لگیں۔ پھر اُس نے (بسم اللہ پڑھ کر) پتھر پھینکا جس سے وہ جانور مر گیا اور لوگ آنے جانے لگے۔ پھر وہ لڑکا راہب کے پاس آیا اور اسے سارا واقعہ سنایا۔ وہ راہب کہنے لگا: بیٹا! آج تو مجھ سے بڑھ گیا ہے۔ تیرا رتبہ و مقام اس درجے تک پہنچ گیا ہے جس کا میں مشاہدہ کر رہا ہوں۔ مگر یہ کہ تجھے عنقریب آزمائش میں ڈالا جائے گا۔ اگر تجھ پر ایسی کوئی آزمائش آئے تو تم نے میرے بارے میں نہیں بتلانا۔

اس کے بعد لڑکے کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ اندھے اور کوڑھی کو دم جھاڑ کر کے تندرست کر دیتا اور ہر قسم کی بیماری کا علاج کرنے لگا۔ اُس کا یہ حال بادشاہ کے ایک مصاحب نے سنا جو کہ اندھا ہوگیا تھا۔ وہ بہت سے تحائف لے کر لڑکے کے پاس آیا اور کہنے لگا: لڑکے! یہ سب مال (جو بصورت تحائف میں۔ لے کر آیا ہوں) تیرا ہے بشرطیکہ تو مجھے تندرست و بینا کر دے۔ لڑکے نے کہا: میں کسی کو اچھا نہیں کرتا، اچھا، تندرست کرنا تو اللہ رب العالمین کا کام ہے۔ اگر تو اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لے آئے تو میں اللہ وحدہ لاشریک سے دعا کروں گا کہ وہ

تمہیں اچھا اور تندرست کر دے۔ وہ آدمی اللہ پر ایمان لے آیا۔ اللہ نے اسے اچھا کر دیا۔ پھر وہ بادشاہ کے پاس گیا اور اس کے پاس اسی طرح سے بیٹھا جیسے وہ بینائی کی حالت میں بیٹھا کرتا تھا۔ بادشاہ کہنے لگا: کیا میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے؟ مصاحب نے کہا: میرا اور تیرا دونوں کا مالک اللہ ہے۔ بادشاہ نے اسے پکڑ لیا اور ہر وقت اُس کو سزا دلوانے لگا۔ حتیٰ کہ مصاحب نے لڑکے کا بتلا دیا۔ چنانچہ اُس لڑکے کو بلوایا گیا۔ بادشاہ نے اُس سے پوچھا: بیٹا! کیا تو جادو میں اس درجے تک پہنچ گیا ہے کہ اندھے اور کوڑھی کو بھی تندرست کر دیتا ہے؟ اور بڑے بڑے کام کرتا ہے۔ لڑکا کہنے لگا: میں تو کسی کو اچھا نہیں کرتا، ایک اللہ ہی سب کو اچھا، تندرست کرتا ہے۔ بادشاہ نے اس کو پکڑا اور ہر وقت اس کو سخت سزا دلوانے لگا۔ حتیٰ کہ لڑکے نے راہب کا نام بتلا دیا۔ راہب کو پکڑ کر لایا گیا اور اس سے کہا گیا: اپنے دین سے پھر جاؤ۔ (مرتد ہو جاؤ۔) مگر وہ نہ مانا۔ بادشاہ نے ایک آرا منگوایا اور راہب کے سر کی چوٹی پر رکھ کر اس آرے سے اس کو چیر دیا حتیٰ کہ وہ مسلمان راہب دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔

اس کے بعد بادشاہ کے مصاحب کو بلوا کر اُس سے کہا گیا: تو اپنے دین سے پھر جا۔ (اپنے ایمان و اسلام کو چھوڑ دو۔) مگر وہ بھی نہ مانا۔ چنانچہ اس کے سر کی چوٹی پر بھی آرا رکھ کر اُسے چیر ڈالا گیا۔ حتیٰ کہ وہ بھی دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ پھر اُس لڑکے کو بلوایا گیا اور اس سے کہا گیا: لڑکے نے اپنے ایمان و اسلام کو چھوڑ دو۔ مگر اُس نے بھی انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اُسے اپنے پیروکاروں کے سپرد کیا اور کہا کہ اس کو فلاں پہاڑ پر لے جا کر اس کی چوٹی پر چڑھاؤ۔ جب تم لوگ چوٹی پر پہنچو تو اس لڑکے سے پوچھو، اگر وہ اپنے دین سے پھر جائے تو بہتر، ورنہ اسے اُوپر سے نیچے دھکیل دو۔ چنانچہ وہ اس کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے۔ لڑکے نے وہاں دعا کی: اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْھِمْ بِمَا شِئْتَ: اے اللہ! تو جس طرح چاہے مجھے ان کے شر سے بچا لے۔ اس کے ساتھ ہی پہاڑ ہلا اور پکڑ کر لانے والے سب گر گئے۔ لڑکا بادشاہ کے پاس چلتا ہوا آ پہنچا۔ بادشاہ نے پوچھا: تجھے ساتھ لے کر جانے والے کہاں ہیں؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے شر سے بچا لیا ہے۔

بادشاہ نے اس کو اپنے دوسرے مصاحبوں کے حوالے کیا اور کہا: اسے لے جا کر ایک کشتی پر چڑھاؤ اور دریا کے بالکل درمیان میں لے جاؤ۔ اگر اپنے دین سے پھر جائے تو بہتر ورنہ اس کو دریا میں دھکا دے دو۔ وہ لوگ اس کو لے گئے۔ لڑکے نے پھر دُعا کی۔ اے اللہ! تو جس طرح چاہے مجھے ان کے شر سے بچا لے۔ اسی وقت کشتی الٹ گئی اور لڑکے کے ساتھ والے تمام لوگ ڈوب گئے جبکہ لڑکا زندہ بچ کر بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے حیران ہو کر اس سے پوچھا: جو تجھے لے کر گئے تھے وہ لوگ کہاں ہیں؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اُن کے شر سے بچا لیا ہے۔ اس کے بعد لڑکے نے بادشاہ سے کہا: بادشاہ! تو مجھے تب تک مار نہیں سکتا جب ویسا نہ کرے جیسا

کہ میں کہوں۔ اُس نے پوچھا: وہ کیسے؟ اُس نے کہا: تو سب لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کر اور ایک لکڑی کے ستون پر مجھے سولی پر لٹکا دے۔ پھر میرے ترکش سے ایک تیر لے اور کمان کے اندر رکھ کر یہ کہہ: بِاسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ ...... میں یہ تیر اُس اللہ کے نام پر چلاتا ہوں جو اس لڑکے کا رب ہے۔'' اس کے بعد یہ تیر میری طرف پھینکو اگر تم ایسا کرو گے تو مجھے تم شہید کرسکو گے۔

چنانچہ بادشاہ نے لوگوں کو ایک بڑے کھلے میدان میں جمع کیا اور اس لڑکے کو ایک لکڑی کے ستون پر سولی دی۔ پھر اس کے ترکش میں سے ایک تیر لیا اور تیر کو کمان کے چلے میں چڑھا کر کہا: ''میں یہ تیر اُس اللہ کے نام پر چلاتا ہوں جو اس لڑکے کا رب ہے۔'' پھر اُس نے جب پھینکا تو تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا۔ لڑکے نے اپنا ہاتھ تیر لگنے کی جگہ پر رکھا اور شہید ہوگیا۔

لوگوں نے یہ حال دیکھ کر بآواز بلند کہا: ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے۔ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے۔ کسی نے بادشاہ کے پاس آ کر اُس سے کہا: بادشاہ سلامت! جس بات سے آپ ڈر رہے تھے وہی ہوگئی۔ وہاں پر موجود سب لوگ لڑکے کے رب، اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں۔ یہ سنتے ہی بادشاہ نے راستوں کے ناکوں پر خندقیں (گڑھے، کھائیاں) کھودنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ خندقیں (کھائیاں) کھود دی گئیں ظالم بادشاہ نے ان کھایوں میں آگ خوب بھڑکائی اور اعلان کروادیا کہ جو شخص اس دین (لڑکے کے دین، اسلام) سے نہیں پھرے گا اسے ان آگ کی کھائیوں میں پھینک دو یا اس سے کہو کہ وہ خود اُن میں جا گرے۔

اہل ایمان نے آگ میں پھینکا جانا منظور کرلیا (مگر اپنے ایمان دین سے پھرے نہیں۔) حتیٰ کہ ایک مسلمان عورت آئی۔ اس کے ساتھ اس کا ایک بچہ بھی تھا۔ وہ عورت آگ میں کودنے سے کچھ جھجکی (یعنی پیچھے ہٹنے لگی۔ بچے کو اللہ نے گویائی عطا فرمائی اور وہ) بچہ کہنے لگا: اے ماں! صبر کرلے، تو ایک سچے دین پر ہے۔ (مرنے کے بعد آرام ہی آرام ہے۔ تو دنیاوی مصیبت سے کیوں ڈرتی ہے؟) [1]

قصہ مذکورہ سے بالا مستفاد احکام و دروس:

(ا)......اس واقعہ سے ہمیں غلبہ والے جابر ظالم دشمن کے سامنے ایمان کے اعلان کے جواز کا حکم معلوم ہوا جیسا کہ ان ایمان والوں نے اپنے دشمن کافر، ظالم بادشاہ ذونواس کے سامنے اعلانِ ایمان و اسلام کیا تھا۔ اور نبی مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''بلاشبہ جہاد فی سبیل اللہ کا سب سے بڑا عمل ظالم، جابر بادشاہ، حاکم وقت

[1] صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب قصة اصحاب الأخدود......الخ، حدیث: ٧٥١١.

کے سامنے عدل و انصاف کا کلمہ حق کہنا بھی ہے۔'' ❶

(۲)...... ایمان کے اظہار و اعلان پر صبر کرنا چاہیے اگرچہ اس راہ میں سختی سے کیوں نہ دو چار ہونا پڑے اور چاہے قتل ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔ قرآن حکیم نے واقعہ مذکورہ بالا میں اہل ایمان مردوں اور مومن عورتوں کے اس عمل کی تعریف فرمائی ہے۔ ❷

(۳) ان ایمان والے لوگوں کا یہ عمل کہ جس کے ذریعے وہ آگ میں جل گئے تھے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کا ہی معنی دیتا ہے۔ ان اہل ایمان کی یہ قربانی اللہ کی راہ میں شہادت تھی۔

(۴) بعد والے تمام اہل ایمان و اسلام کو ان مذکورہ بالا مومنوں کے تذکرہ سے اس بات کی تسلی دینا ہے کہ جو ان گزرے ہوئے ایمان والوں کے ساتھ سخت ترین سزاؤں اور ان کے دشمنوں کی طرف سے ظلم و استبداد کی صورت میں پیش آیا تھا۔ وہ ہر دور کے اہل ایمان و اسلام کے لیے درس ہے کہ: کبھی بھی امید کا دامن نہ چھوڑیں اور یہ کہ وہ ہمیشہ اللہ کی راہ میں صبر و استقامت سے کام لیتے رہیں۔ ❸

اللہ عزوجل نے صبر کرنے والوں سے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ يَاعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَّاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۝﴾ (الزمر : ۱۰)

''کہہ دے اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! اپنے رب سے ڈرو، ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اس دنیا میں نیکی کی، بڑی بھلائی ہے اور اللہ کی زمین وسیع ہے، صرف صبر کرنے والوں ہی کو ان کا اجر کسی شمار کے بغیر دیا جائے گا۔''

(۵)...... جیسا کہ اوپر حدیث میں مذکور بچے کی ماں کے صبر کا ذکر ہوا ہے اسی طرح ہر مومن عورت کو اپنے عقیدہ کے لیے قربانی اور اس راہ میں صبر سے کام لینا چاہیے۔ واقعہ مذکورہ بالا سے اللہ کے ہاں مومنہ عورت کی عزت و تکریم بھی معلوم ہوئی اور وہ اس حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے درج ذیل فرمان میں ان لوگوں کو اپنے

---

❶ سنن الترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر، ج٤، ص: ٤٧١، وقال حديث حسن غريب، وسنن النسائي، كتاب البيعة، باب فضل من تكلّم بالحق عند إمام جائر، ج٧، ص ١٦١، وسنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ج٢، ص ١٣٢٩، ومسند الإمام أحمد، ج٣، ص: ١٩، و ج٤، ص ١١٤.

❷ دیکھئے: تفسير القرطبي جلد ١٩، ص ٢٩٣.

❸ دیکھئے: تفسير ابن كثير، ج٨، ص ٣٩٣، بدائع التفسير لابن القيم، ج٥، ص: ١٧٢، تفسير القرطبي، ج١٩، ص: ٢٩٣، الكشاف، ج٤، ص ٢٣٧، تفسير أبي السعود، ج٩، ص: ١٣٥، التسهيل لابن جزي، ج٤، ص ١٨٩.

نہایت سخت دردناک عذاب کی دھمکی دی ہے کہ جنہوں نے اللہ کی مومن بندیوں کو تکلیف پہنچائی تھی۔ فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ﴾ (البروج: ١٠)

''یقیناً وہ لوگ جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا، پھر انھوں نے توبہ نہیں کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ (الاحزاب: ٥٨)

''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف دیتے ہیں، بغیر کسی گناہ کے جو انھوں نے کمایا ہو تو یقیناً انھوں نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔''

(٦)..... کافروں کا مومن عورتوں کو ستانا اور اُن پر رحم نہ کرنا عورت کی فطری طور پر کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ان کی یہ عادت عصر حاضر اور قدیم تمام زمانوں میں ہر دور کے اندر رہی ہے۔ [1] جبکہ دوسری طرف اس کے بالکل برعکس معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کی تربیت ہی اس بات پر کی جاتی ہے کہ کافر عورتوں کو قتل نہیں کرنا، اگرچہ مسلمان دشمن کے ساتھ حالت جنگ میں ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((وُجِدَتِ امْرَأَةٌ مَقْتُولَةٌ فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَنْكَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ.)) [2]

''نبی کریم ﷺ کے ایک غزوہ (فتح مکہ) میں ایک عورت مقتولہ پائی گئی۔ یہ دیکھ کر (یا سن کر) رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل پر انکار کا اظہار فرمایا۔''

(٧)..... بندے سے جس طرح کے اور جتنے بھی گناہ سرزد کیوں نہ ہو جائیں، اُس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہو۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے، اگرچہ مسلمانوں کو عذاب و سزا دینے والے عمل و فعل شنیع کے بعد انہوں نے توبہ کی ہو جیسا کہ اہل ایمان کو نہایت

---

[1] دیکھئے: ابن قیم رحمہ اللہ کی بدائع التفسیر جلد ۵، ص ۱۷۰۔

[2] صحیح البخاري، کتاب الجهاد والسیر، باب قتل الصبیان في الحرب، حدیث: ٣٠١٤، ٣٠١٥، ج٦، ص: ١٢٧، وصحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب تحریم قتل النساء والصبیان، ج٣، ص: ١٣٦٤.

دردناک عذاب وسزا دینے کا ذکر اس واقعہ میں ہوا ہے۔ اللہ عزوجل کی طرف سے سزا اُنہیں کو ملے گی جنہوں نے اپنے جرائم سے توبہ نہ کی۔ چنانچہ فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ﴾ (البروج: ۱۰)

''یقیناً وہ لوگ جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا، پھر انھوں نے توبہ نہیں کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔''

❁❁❁❁❁❁

(۳)......بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

زمانۂ جاہلیت میں ہر معاشرے کی عورت ظلم واستبداد اور جبر وقہر کی تلواروں کے سائے تلے زندگی گزارتی تھی، حتیٰ کہ وہ اس ضمن میں اپنے سب سے قریبی عزیزوں کے ہاں بھی اسی طرح کے سلوک سے دو چار رہتی تھی۔ بسا اوقات اس کے ساتھ یہ ظلم (مار پیٹ، فروختی اور قتل کی صورت میں) عورت کے اپنے سگے باپ کی طرف سے بھی ہوتا تھا۔ مگر دین حنیف، اسلام نہایت عظیم تعلیمات لے کر آیا تاکہ وہ عورت کی جان ایسے ظلم و جبر اور استبداد کے ماحول سے چھڑا سکے کہ جس ظلم و جبر میں سے ایک، اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا بھی تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کی اہانت نہایت ہی معزز انسانی عنصر کی اہانت ہے۔ اس کا زندہ درگور کیا جانا نفس بشری کا قتل، زندگی کے دھارے کو خون خرابے کے ذریعے موڑ دینا اور مخلوق کی پیدائش کی اصل حکمت کے ساتھ ایک بڑا ٹکراؤ ہے، یعنی وہ حکمت اصلیہ جس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہاں پر سب جاندار زندہ رہیں الا یہ کہ انسان کے لیے جن جانداروں سے فائدہ اٹھانا مباح ہو۔ ان لڑکیوں، عورتوں اور بچیوں کا قتل تو کسی بھی دین اور مذہب میں جائز نہیں رہا۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کا واقعہ قرآن عظیم میں دو مقامات پر بیان ہوا ہے۔ فرمایا:

﴿وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَ لَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ۝ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۝﴾ (النحل: ۵۷تا۵۹)

''اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، وہ پاک ہے اور اپنے لیے وہ جو وہ چاہتے ہیں۔ اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا منہ دن بھر کالا رہتا ہے اور وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔ وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، اس خوش خبری کی برائی کی وجہ سے جو اسے دی گئی۔ آیا اسے ذلت کے باوجود رکھ لے، یا اسے مٹی میں دبا دے۔ سن لو! برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝﴾

(التکویر: ۷تا۹)

''اور جب جانیں ملائی جائیں گی۔ اور جب زندہ دفن کی گئی (لڑکی) سے پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کس گناہ کے بدلے قتل کی گئی؟''

مشکل الفاظ کے معانی:

کَظِیْمٌ: فَعِیْلٌ..... کے وزن پر اس لفظ کا معنی ہوتا ہے: غم سے بھرا ہوا، گھٹ کر رہ جانے والا۔ اور کَظْمٌ کا معنی ہوتا ہے: عفو و درگزر کرنے پر یا غصے پر جو کچھ دل میں ہو اُس پر ضبط سے کام لینا اور زبان سے اُس کا اظہار نہ کرنا۔ اس اعتبار سے یہاں کَظِمٌ سے مراد ایسا شخص کہ جس کے دل میں غم اور دکھ بھرا ہوا ہو۔ ❶

یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ: (بیٹی پیدا ہونے کی بری خبر سن کر) وہ قوم، قبیلے سے چھپتا پھرتا ہے۔

عَلٰی هُوْنٍ: یعنی ذلت کے ساتھ (آیا اُس بچی کو رہنے دے)

یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ: یا اُس کو مٹی میں دبا دے (زندہ گاڑ دے)

اَلْمَوْءُوْدَةُ: زندہ زمین میں گاڑی گئی لڑکی۔ یہ لفظ ''الموءودة'' اس لیے آتا ہے کہ زندہ لڑکی پر مٹی ڈالی جاتی ہے اور اس کے بوجھ سے وہ مر جاتی ہے۔ ❷

ان لڑکیوں کا تعارف:

امام بغوی رحمہ اللہ اور دیگر علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ: قبیلہ مضر، بنوخزاعہ اور بنوتمیم کے لوگ فقر و فاقہ کے خوف سے اپنی بیٹیوں کو زمین میں زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ یہ لوگ ان لڑکیوں کے بارے میں عدم مساوات کو پسند کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں سے کسی آدمی کے ہاں جب کوئی بیٹی پیدا ہو جاتی اور وہ اس کو زندہ رکھنے کا ارادہ کر لیتا تو اسے وہ اُون یا بالوں کا بنا ہوا جبہ پہنا دیتا۔ اس کے بعد اس کو چھوڑ دیتا کہ وہ اپنے باپ کے اُونٹ اور اس کی بھیڑ بکریاں بے آباد جگہ، کھلے صحرا میں چراتی رہتی۔ (یعنی تن تنہا، وہاں کوئی اور نہ ہوتا تھا۔) اور اگر اس کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیتا تو اسے یونہی گھر میں چھوڑے رکھتا حتیٰ کہ وہ جب شش پہلو ہو جاتی (دودھ والے دانت ٹوٹ کر نئے نکل آتے) تو وہ اس کی ماں سے کہتا: لڑکی کو بنا سنوار کر تیار کرو۔ میں اسے اس کی سہیلیوں کے پاس چھوڑ آؤں۔ اس سے قبل اُس نے اس لڑکی کے لیے صحراء میں ایک کنواں نما گڑھا کھود رکھا ہوتا تھا۔ جب

---

❶ دیکھئے: المصباح المنیر ص ٥٣٤، تفسیر البحر المحیط جلد٥، ص ٥٠٤.

❷ الکشاف، ج٣، ص: ٤١٤، تفسیر الطبري، ج١٤، ص: ١٢٤، تفسیر القرطبي، ج١٩، ص: ٢٣٢.

وہ اس بچی کو لے کر اُس گڑھے کے پاس جاتا تو اُس سے کہتا: بیٹی! ذرا کنویں میں جھانک کر دیکھو۔ وہ جب ایسا کرنے لگتی تو اسے وہ پیچھے سے دھکا دے کر کنویں میں پھینک دیتا اور پھر اُس پر مٹی ڈال دیتا۔ کنویں نما گڑھے کو مٹی سے بھرتے بھرتے وہ اس کو زمین کے برابر تک بھر دیتا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے یہ کام کیا وہ قیس بن عاصم التمیمی تھا۔ اس کے کچھ دشمنوں نے اس پر حملہ کیا اور اس کی بیٹی کو وہ لوگ اٹھا کر لے گئے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اس لڑکی کو اپنے لیے چن لیا۔ (اُس کے ساتھ وہ زنا کرتا رہا۔) پھر بعد میں دونوں کے درمیان صلح ہوگئی۔ ڈاکو نے لڑکی کو اختیار دیا کہ وہ جہاں چاہے رہ سکتی ہے۔ اُس لڑکی نے ڈاکو کے پاس رہنا پسند کیا۔ اس واقعہ کے بعد قیس نے اپنے اوپر قسم کھالی کہ اس کے بعد اس کے ہاں جب بھی کوئی بیٹی پیدا ہوگی تو وہ اس کو زندہ زمین میں گاڑ دیا کرے گا۔ آہستہ آہستہ دیگر عرب بھی اس کی پیروی کرنے لگے۔ ❶

واقعہ کی تفصیل:

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے بعض قبائل میں اپنے باپوں کی طرف سے بیٹیوں کو جس ظلم واستبداد کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اسے قرآن حکیم نے مذکور بالا دو مقامات پر بیان کیا ہے۔ معاملہ یوں تھا کہ جب ان قبائل میں والدوں کو اُس کے ہاں بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی تھی تو اُس کا چہرہ دکھ اور غم کی وجہ سے کالا ہو جاتا تھا اور وہ غم وافسوس کو اپنے سینے میں چھپائے پھرتا۔ وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا تھا کہ مبادا اسے دیکھ کر وہ بیٹی کا طعنہ دیں۔ انتہائی غم، عار اور جہالت والی شرم کی وجہ سے کہ جو اُس کو اس بیٹی کی وجہ سے پہنچتی، وہ ناپسندیدگی کی بنا پر لوگوں کے سامنے نہ آتا۔ ❷

پھر وہ اپنی فاسد، گندی سوچ اور فکر کو عمل میں لاتا کہ اس بیٹی کے ساتھ وہ کیا سلوک کرے کہ جس کا اُسے طعنہ دیا جارہا ہے۔ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ: ''کیا وہ اس کو ذلت کے ساتھ زندہ رہنے دے یا اس کو وہ مٹی میں زندہ دبا دے؟......'' یعنی اگر وہ اس کو زندہ رکھے گا تو اس اہانت وذلت کے ساتھ کہ وہ لڑکی اس کی وارث نہ بن سکے گی اور نہ ہی اس کی نسبت اس شخص کی طرف ہوگی۔ اس لڑکی پر وہ اپنے بیٹوں کو فضیلت دے گا۔ یہی وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دینے والی رسم شنیع تھی کہ جس پر اللہ رب العالمین نے مشرکوں کی مذمت کی ہے۔'' ❸

واقعہ مذکور بالا سے مستفاد احکام و دروس:

(۱)...... مذکور بالا واقعہ اور آیات کریمہ سے حکم یہ ثابت ہوا کہ بیٹیوں کو کسی بھی صورت میں زندہ درگور کرنا

---

❶ تفسير البغوي، ج٣، ص٧٣، قيس بن عاصم من أصحاب النبي ﷺ وكان من خيارهم من بني تميم قال عنه النبي ﷺ: "هذا سيد أهل الوبر". تاريخ الثقات، ص: ٣٩٣، فتح الباري، ج١٠، ص: ٤٢٠، ٤٢١.

❷ دیکھئے: تيسير الكريم الرحمٰن للسعدى جلد٣، ص ٦٦، تفسير القرطبي جلد ١٦، ص ١١٧.

❸ دیکھئے: تفسير القرطبى جلد ١٠، ص ١١٧، تفسير ابن كثير جلد ٤، ص ٤٩٦.

حرام ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العالمین نے فرمایا ہے: أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ○ اور سورہ التکویر میں جو فرمایا ہے۔

﴿وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ○ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ○﴾ (التکویر: ۸تا۹)

''اور جب زندہ دفن کی گئی (لڑکی) سے پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کس گناہ کے بدلے قتل کی گئی؟''

سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ، وَمَنْعًا وَّهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ.)) ❶

''اللہ رب العالمین نے تم لوگوں پر ماں کی نافرمانی حرام قرار دی ہے اور والدین کے حقوق ادا نہ کرنا بھی۔ اور ناحق ان سے مطالبہ کرنا بھی حرام قرار دیا ہے۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا بھی حرام قرار دیا ہے۔ اور قیل وقال (فضول بحثوں، باتوں)، کثرتِ سوال اور مال کی بربادی کو بھی ناپسند کیا ہے۔''

(۲)...... دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی بھی انسانی معاشروں نے صحیح عقیدہ اور دین اسلام والے منہج سلیم سے انحراف کیا جاہلی تصورات وعادات غالب آ گئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے لوگوں میں آج بھی لڑکی کی پیدائش پر خوشی محسوس نہیں کی جاتی اور نہ ہی اُس کے ساتھ احترام وعنایت میں لڑکوں جیسا معاملہ کیا جاتا ہے۔ یہ جاہلیت لوگوں کے صحیح اسلامی عقیدہ سے انحراف اور دینی تعلیمات سے دوری کی بنا پر پیدا ہوئی اور پروان چڑھی ہے۔ اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں اس روش وانداز کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے۔ یہ طریقہ وانداز تو زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کا تھا۔

(۳)...... بلاشبہ انسان اپنی جنسیت کے اعتبار سے اللہ کریم کے ہاں قابل احترام ہے اور عورت اس اعتبار سے کہ وہ اپنی انسانیت کی ہیئت مردوں کی فرد مماثل ہے اور اس کی ذات کا حصہ ہوتی ہے۔ اس لیے وہ بھی محترم ہے۔ جیسا کہ اسلام نے اس کا یہ اصول مقرر کیا ہے۔

(۴)...... اسلام ہی وہ دین حنیف ہے کہ جس نے دوسرے مذاہب کی نسبت عورت کے حقوق کی حفاظت سب سے زیادہ کی ہے۔ عورت کا دفاع کرتے ہوئے اُسے ذلت ورسوائی سے نجات دلائی ہے اور اس سے محفوظ رکھا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان عورت پر لازم ہے کہ وہ اللہ عزوجل کے اُس پر اس عظیم انعام کا شکر ادا کرے اور اُس کی حمد وثناء کرتی رہے۔ ہر مومن، مسلمان عورت پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ دین حنیف، اسلام قیم کو عملاً مضبوطی سے تھامے رکھے، اس لیے کہ اسلام ہی اس کی حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے۔

❶ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، حديث: ۵۹۷۵، ج ۱۰، ص: ۴۱۹، وصحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة......، ج۳، ص: ۱۳۴۱.

(۴)......مکہ مکرمہ کی کمزور مومن عورتوں کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

جب مشرکین مکہ کی طرف سے دین اسلام اور مسلمانوں، مومنوں کو انتہائی ناپسندیدہ سمجھتے ہوئے اہل ایمان پر مختلف طرح کی اذیتوں کی انتہاء ہوگئی اور انہیں اس وجہ سے مکہ مکرمہ میں اللہ رب العالمین کی شریعت پر عمل کرتے ہوئے اس پر قائم رہنا مشکل ہوگیا تو اللہ عزوجل نے اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس شہر (مدینہ منورہ) کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی کہ جس میں رب العالمین نے ایسے لوگوں کو تیار کر رکھا تھا جو اللہ کے رسول ﷺ اور اہل ایمان، مسلمانوں کی مدد کے لیے مکمل طور پر تیار تھے۔ چنانچہ ان سب نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرلی۔ البتہ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت ہجرت و سفر کی استطاعت نہ رکھتے ہوئے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہ کرسکی۔ مالی کمزوری کی وجہ سے وہ اس سفر سے عاجز تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی حالت کو بیان کرتے ہوئے ہمیں ان کے متعلق اپنی کتاب قرآن حکیم میں تین مقامات پر مطلع فرمایا ہے۔

ا.....﴿وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾ (النساء: ۷۵)

''اور تمھیں کیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بنا دے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار بنا۔''

ب.....دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ

فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ٥ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ٥ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ٥ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ٥﴾

(النساء: ۹۷ تا ۱۰۰)

''بے شک وہ لوگ جنھیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، کہتے ہیں تم کس کام میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم اس سرزمین میں نہایت کمزور تھے۔ وہ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔ مگر وہ نہایت کمزور مرد اور عورتیں اور بچے جو نہ کسی تدبیر کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں۔ تو یہ لوگ، اللہ قریب ہے کہ انھیں معاف کر دے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔ اور وہ شخص جو اللہ کے راستے میں ہجرت کرے، وہ زمین میں پناہ کی بہت سی جگہ اور بڑی وسعت پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے، پھر اسے موت پالے تو بے شک اس کا اجر اللہ پر ثابت ہو گیا اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

ج...... تیسرے مقام پر فرمایا:

﴿هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ٥﴾ (الفتح: ۲۵)

''یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تمھیں مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو بھی، اس حال میں کہ وہ اس سے روکے ہوئے تھے کہ اپنی جگہ تک پہنچیں۔ اور اگر کچھ مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتیں جنھیں تم نہیں جانتے تھے (اگر یہ نہ ہوتا) کہ تم انھیں روند ڈالو گے تو تم پر لاعلمی میں ان کی وجہ سے عیب لگ جائے گا (تو ان پر حملہ کر دیا جاتا) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل

کر لے، اگر وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہو گئے ہوتے تو ہم ضرور ان لوگوں کو جنھوں نے ان میں سے کفر کیا تھا، سزا دیتے، دردناک سزا۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

اَلْقَرْیَةَ: سورۃ النساء آیت نمبر ۷۵ میں مذکور اس کلمہ سے مراد ہے مکہ ہے۔

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا: یعنی وہ اہل ایمان اپنی دعا میں یوں بھی کہتے ہیں: اے ہمارے رب کریم! اور ہمارے لیے اپنی طرف سے ہمارا کوئی حمایتی بھیج دے۔ جو ہمارے اُس مصیبت والے معاملے میں ہماری سرپرستی کرے کہ جس معاملہ میں ہم گھیر چکے ہیں اور وہ تیرے ساتھ کفر کرنے والے مشرکوں کا فتنہ ہے۔ (جو ہمیں انتہائی دکھ اور غم سے دوچار کیے ہوئے ہیں۔)

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيرًا: اور وہ اہل ایمان اپنی دعا میں یوں بھی کہتے ہیں: اور اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار بھی بھیج دے۔ جو ہماری مدد کرے ان لوگوں کے مقابلے میں کہ جنہوں نے ہم پر ظلم کیا ہے اور وہ اس بستی (مکہ) کے رہنے والے ہیں کہ جس کے باشندے (زمانۂ جاہلیت میں) نہایت ظالم ہیں۔ ان کا ظلم اے اللہ! تیری راہ سے ہمیں روکنے کے ساتھ بھی ہے۔ تیرے بندوں کی مدد ہم اس لیے مانگتے ہیں تاکہ ہمیں تو ان کے ذریعے غلبہ عطا کر دے اور ہم تیرے دین کو سربلند کر سکیں۔

حِيْلَةً: بہانہ، تدبیر...... عربی میں ''الحیلہ'' سے مراد وہ کوشش و تدبیر کہ جس کے ذریعے کسی ایسی حالت تک پہنچا جا سکے جو پوشیدہ ہو۔ اس کا زیادہ تر استعمال بری مراد میں ہی ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی کسی ایسی حالت کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے کہ جس میں حکمت و دانائی ہو، جیسا کہ اس آیت (النساء: ۹۸) میں آیا ہے۔ یہاں اس آیت کریمہ میں لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً: سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی تدبیر و کوشش کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہی اخراجات کی اور نہ ہی اُس شہر سے نکل جانے کی قوت رکھتے ہیں۔ (یعنی وہ انتہائی تہی دست اور غریب ہیں۔) [1]

وَلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۞: یعنی وہ وہاں سے نکل جانے کا کوئی راستہ جانتے ہی نہیں اور اگر جانتے ہیں تو مالی اعتبار سے اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔

اَنْ تَطَئُوْهُمْ: یعنی تم ان کو بھی (ان جانے میں) کچل دیتے۔

مَعَرَّةٌ: ایذا، نقصان، دیت، کفارہ

---

[1] تفسير الطبري، ج٥، ص ١٦٨، تفسير البغوي، ج١، ص: ٤٥٢، تفسير ابن كثير، ج٢، ص: ٣١٤، تفسير القرطبي، ج٥، ص٢٧٩، تفسير الطبري، ج٥، ص ١٦٨، المفردات للراغب بتصرف، ص: ١٣٨، تفسير البغوي، ج١، ص ٤٦٩، ٤٧٠.

لَوْ تَزَيَّلُوْا: اگر مسلمان، کافروں سے الگ ہو جاتے تو کافروں کی مکمل پہچان ہو جاتی۔ ❶

مذکورہ بالا آیات میں بیان کردہ مومن عورتوں کا تعارف:

سورۃ الفتح کی آیت نمبر ۲۵ میں جو ذکر ہوا ہے: وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنَاتٌ: تو اس حوالے سے جناب ابو جمعہ جنید بن سبع الانصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان کمزور (غریب و مسکین) عورتوں کی تعداد بھی بیان ہوئی ہے۔ جبکہ جناب ابو جمعہ رضی اللہ عنہ کا بیان یہ بھی ہے کہ ''ہم تین مرد اور نو عورتیں تھے جن کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی۔'' ❷

اوپر سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۷ میں جن کا ذکر ہوا ہے۔ ان لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ معظّمہ اور دوسرے مقامات پر اسلام لا چکے تھے لیکن کسی مجبوری کے بغیر مدینہ کی طرف ہجرت نہیں کر رہے تھے اور دارالسلام کی زندگی چھوڑ کر دارالکفر میں رہنے پر قانع تھے۔ روایات میں ہے کہ اہل مکہ کی ایک جماعت مسلمان ہوگئی اور ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اظہارِ ایمان بھی کیا مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو انہوں نے مکہ میں اپنی قوم کے پاس رہنا پسند کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

اور پھر آیت نمبر ۹۸ میں جو بے بس، کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کا ذکر ہوا ہے تو اس آیت میں ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو واقعی بے بس اور معذور تھے، وہ ہجرت نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں اور میری والدہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا ہے اور ان لوگوں میں عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمہ بن ہشام وغیرہم بھی شامل ہیں جن کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے پنجے سے نجات کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔ (قرطبی۔ ابن کثیر)

فائدہ: عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ ام الفضل بنت حارث ہیں اور ان کا نام لبابہ ہے جو میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث ام المؤمنین کی بہن تھیں۔ ''بناتِ حارث'' نو بہنیں تھیں جن کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''الاخوات المومنات'' فرمایا تھا۔ ان میں ایک اسماء بنت عمیس خثعمیہ تھیں جو ماں کی طرف سے میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں اور جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی بیوی۔ جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آ گئیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (قرطبی)

---

❶ دیکھئے التسهيل لابن جزي، ج۱، ص: ۲۹، معاني القرآن للزجاج، ج۵، ص: ۲۷، تفسير الطبري بتصرف، ج۲۶، ص: ۱۰۲، المفردات للراغب، ص: ۳۲۸، تفسير الطبري، ج۲۶، ص: ۱۰۲، معاني القرآن للزجاج، ج۵، ص: ۲۷.

❷ أخرجه الطبراني في المعجم الكبير جلد ۲، ص ۲۹۰، رقم: ۲۲۰٤، جلد ٤، ص ۲۹، رقم: ۳۵٤۳، ابو يعلىٰ في مسنده جلد ۳، ص ۱۲۹، رقم: ۱۵٦۰، وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد جلد ۷، ص ۱۰۷

آیت نمبر ۹۹ اور نمبر ۱۰۰ کی مزید تشریح وتفسیر کے لیے جان لیجیے کہ ہجرت کے ساتھ ''فی سبیل اللہ'' کا ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہجرت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے سوا اور کچھ نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''جس شخص کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہے اس کی ہجرت اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی طرف ہے۔ اور جس شخص کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لیے ہے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی غرض سے ہے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔'' (بخاری ومسلم) ''مَرَاغَمًا: یہ مُرغم کی جمع ہے۔ ہجرت کرکے نکلنے اور دار ہجرت پالینے کو مراغماً اس لیے فرمایا ہے کہ جو شخص ہجرت کرکے نکلتا گویا وہ تمام قریش کی ناک کو خاک آلود کردیتا۔ (قرطبی) اس آیت میں اگرچہ ان لوگوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو مکہ اور دوسرے مقامات پر دارالکفر میں پڑے زندگی بسر کر رہے تھے اور ہجرت نہیں کر رہے تھے۔ لیکن یہ آیت عام ہے اور متعدد احادیث میں ہجرت کی ترغیب دی گئی ہے۔ (فتح القدیر) عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہجرت نہ کرنے کے بارے میں وعید نازل ہوئی تو جندع رضی اللہ عنہ بن ضمرۃ لیثی (جو مکہ میں مستضعفین میں سے تھے) بیمار تھے۔ چنانچہ انہوں نے حالت مرض میں سفر شروع کردیا حتیٰ کہ تنعیم میں پہنچ کر انتقال کر گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اسی طرح خالد رضی اللہ عنہ بن حزام کے متعلق بھی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور راستہ میں سانپ کے ڈسنے سے وفات پا گئے۔ (قرطبی)

فائدہ: ہجرت کے معنی ہیں دارالحرب سے دارالسلام کی طرف منتقل ہونا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں فرض تھی اور اس کی فرضیت تاقیامت باقی ہے۔ جس ہجرت کو آنحضرت ﷺ نے ''لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ'' فرما کر منسوخ فرمایا ہے وہ خاص مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت تھی۔ اسی طرح اہل بدعت کی آبادی سے بھی ہجرت کرنا چاہیے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''کسی شخص کے لیے ایسے مقام پر رہنا جائز نہیں ہے جہاں سلف کو گالیاں دی جاتی ہوں۔ علیٰ ہذا القیاس جس علاقہ میں حلال روزی نہ ملتی ہو یا دین میں فتنہ کا خوف ہو وہاں سے ہجرت کی بھی ترغیب آئی ہے۔ (قرطبی)

یہ اُم الفضل لبابہ الکبریٰ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کہ جن کا اُوپر ذکر ہوا، اور وہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ محترمہ تھیں، ان کا نسب اوپر مضر تک پہنچتا ہے۔ یہ اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد دوسری بی بی تھیں جو اسلام لائیں اور پھر جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہوجانے کے بعد انہوں نے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ نبی مکرم ﷺ ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر تشریف لے جاتے اور دوپہر کا قیلولہ

ان کے ہاں ہی کرتے۔ سیّدہ اُمّ الفضل ہر سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتی تھیں۔ جناب عبداللہ بن یزید الہلالی نے ان کے بارے میں کہا تھا۔ ؏

مَا وَلَدَتْ نَجِيْبَةٌ مِنْ فَحْلٍ كَسِتَّةٍ مِنْ بَطْنِ أُمِّ الْفَضْلِ
أَكْرِمْ بِهَا مِنْ كَهْلَةٍ وَكَهْلٍ

اُمّ الفضل (لبابۃ بنت حارث القرشیہ رضی اللہ عنہا) کے بطن سے جس طرح چھ معزز بیٹے پیدا ہوئے ہیں، اس طرح کسی بھی اعلیٰ نسب، ستودہ صفات والی عورت نے ایک ہی شریف النسب آدمی سے اولاد نہیں جنی کہ جوان سے بڑھ کر ایک ہی پختہ عمر کی ماں اور اُدھیڑ عمر کے باپ سے جنم لے سکی ہو۔ ❶

واقعہ کی تفصیل:

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ان آیات کریمہ میں اہل ایمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ان لوگوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے بیان فرما رہے ہیں کہ جو مکہ سے ہجرت کر جانے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کے پاس یہاں سے نکل جانے کی طاقت نہ تھی اور نہ ہی ان کے پاس اخراجات تھے کہ جن کو صرف کر کے وہ مدینہ منورہ پہنچ جاتے۔ یا پھر یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ کے راستے سے واقف نہ تھے۔ (بات ایک ہی ہے، ان کے پاس مال ہوتا تو سواریاں بھی مل جاتیں اور راستہ بتلانے والے بھی مل جاتے۔) چنانچہ وہ اسی بے بسی کے عالم میں مجبور ومقہور مکہ میں کافروں کا ظلم سہنے کے لیے رہ گئے۔ اس دوران وہ اللہ عزوجل سے سوال کرتے رہے کہ رب کریم ان کو ان کے دشمنوں کے درمیان سے نکال کر لے جائے۔ ان کے معاملے کی وہ کریم ورحیم خود سرپرستی کر کے ان کی مدد کرے۔

جیسا کہ اوپر آیات کریمہ میں وضاحت آ چکی ہے ان لوگوں میں عورتیں بھی تھیں کہ جن کو مشرکین مکہ کی طرف سے مختلف قسم کی سزائیں اور ظلم واستبداد والی تکلیف پہنچ رہی تھیں۔ اہل ایمان، مسلمان مردوں اور عورتوں کو ان کے دشمنوں کی طرف سے جو مختلف النوع تکلیفیں، اذیتیں پہنچ رہی تھیں، ان میں سے یہ بھی تھا کہ

(۱)...... وہ ان کو قید میں ڈال کر مارتے تھے۔

(۲)...... مسلمانوں کو وہ بھوکے پیاسے رکھ کر بھی سزا دیا کرتے تھے۔ اور یہ کہ

(۳)...... وہ ان اللہ کے بے بس، کمزور بندوں اور کمزور مومن بندیوں کو گرمی کی شدت سے تپتی ہوئی مکہ کی زمین پر پھینک دیا کرتے تھے۔ اللہ کے سرکش و باغی مشرکین وکفار مکہ یہ سب کچھ اس لیے کرتے تھے تاکہ وہ

❶ اعلیٰ نسب اور ستودہ صفات والے عباس بن عبدالمطلب اور اُمّ الفضل لبابہ بنت حارث سے: فضل، عبداللہ، عبیداللہ، معبد، قثم اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے عظیم بیٹے پیدا ہوئے کہ ماں، باپ بھی مسلمان، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام کے تمام بیٹے بھی اعلیٰ درجات والے اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ رضی اللہ عنہم۔

اہل ایمان کو ان کے دین حنیف سے پھیر دیں۔

کافروں کا یہ ظلم مردوں، عورتوں کے ساتھ ساتھ بچوں کے ساتھ بھی حد سے تجاوز کر گیا تھا تاکہ ان کو دی جانے والی تکلیفوں کے ذریعے وہ ان کے والدین کو ان کے دین سے پھیر سکیں۔ (مگر اپنا سا جتن لگانے کے باوجود وہ ایسا نہ کر سکے۔) ❶

جب کچھ مسلمان جہاد فی سبیل اللہ سے پیچھے رہنے لگے اور مکہ میں پھنسے ہوئے اپنے بے بس مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو وہاں سے نجات دلانے میں سست ہو گئے تو اللہ رب العالمین نے ان کی اس معاملے میں سرزنش فرمائی اور انہیں اپنے ناتوان و بے بس مسلمان بھائیوں اور مومن بہنوں کو جلد وہاں سے نکال لانے کے لیے اُبھارا۔ فرمایا:

﴿وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝﴾ (النساء: ٧٥)

''اور تمھیں کیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بنا دے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار بنا۔''

یعنی مکہ میں پھنسے ہوئے بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کے لیے تم اللہ کی راہ میں لڑتے کیوں نہیں؟ ❷

اور پھر اہل ایمان و اسلام کو صلح حدیبیہ والے سال مکہ والوں کے ساتھ جنگ کرنے سے منع کر دیا گیا اور یہ اُس وقت ہوا کہ جب نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کو بیت اللہ الحرام جانے سے روک دیا گیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ انجانے میں وہاں کافروں پر حملہ کے دوران اپنے مسلمان، مومن، بھائیوں کو کوئی نقصان پہنچا بیٹھیں اور ان میں بے بس کمزور مردوں کے ساتھ مومن عورتیں بھی ماری جائیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ، رب العالمین کے فرمان گرامی: وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنَاتٌ: کے

❶ دیکھیے: السيرة النبوية لابن هشام جلد ٢، ص ٣١٧، تفسير الرازى جلد ١٠، ص ١٨٧، تفسير النسفى جلد ١، ص ٣٣٤.

❷ دیکھیے: تفسير ابن كثير جلد ٢، ص ٣١٤، تفسير البغوى جلد ١، ص ٤٥٢، فتح القدير جلد ١، ص ٤٨٧، ومعانى القرآن للزجاج جلد ٢، ص ٧٧.

بارے میں لکھتے ہیں: ان اہل ایمان میں سے وہ لوگ بھی تھے جو اپنے ایمان کو اپنی قوم سے نہایت چھپا کر رکھتے اور اپنے بارے میں اُن سے ڈرتے رہتے تھے۔ اگر اے مدینہ منورہ کے مسلمانو! تمہارا مکہ والوں پر غلبہ ہو گیا اور تم نے ان کی خوشحالی کو مٹاتے ہوئے ان کو قتل کر دیا، مگر انہیں کے درمیان ایمان والے مرد اور مسلمان عورتیں ہوئیں کہ جن کو قتل کے وقت تم پہچان نہ سکے تو پھر تم کو دکھ پہنچے گا اور اُن کا دیت دینا بھی۔ اسی لیے آگے فرمایا: لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ: تمہیں ان کا حال معلوم نہ تھا (لڑائی ہوتی تو) تم اُن کو (بھی کافروں کے ساتھ) پیس ڈالتے (کچل کر رکھ دیتے) پھر تم لوگوں کو ان کی طرف سے نادانستہ نقصان پہنچ جاتا۔'' یہ اللہ رب العالمین کی اپنے اولیاء کے ساتھ رحمت وشفقت اور اُس کی حکمت و دانائی تھی۔ ❶

آیات مذکور بالا سے مستفاد احکام و دروس:

(۱)...... اللہ عزوجل کے فرمان گرامی:

﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًاo فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًاo﴾

(النساء: ۹۸تا۹۹)

''مگر وہ نہایت کمزور مرد اور عورتیں اور بچے جو نہ کسی تدبیر کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں۔ تو یہ لوگ، اللہ قریب ہے کہ انھیں معاف کر دے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔''

سے یہ حکم معلوم ہوا کہ کسی ملک اور شہر میں ایسا بے بس، مجبور و مفلوک الحال مسلمان کہ جو وہاں سے ہجرت کر جانے پر قابل معذرت ہو اس کے لیے وہاں سے نکل کر دارالسلام کی طرف آجانے کی اجازت ہے۔ یہاں دوسری آیت میں لفظ عسیٰ واجب ہے، اس لیے کہ یہ طمع و لالچ دلانے کے معنی میں ہے۔ اللہ عزوجل جب بندے کو طمع و لالچ دلائیں تو وہ چیز اُس تک پہنچ ہی جاتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ جو شخص کسی مامور واجب یا غیر واجب عمل سے عاجز و بے بس ہو تو وہ قابل عذر ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تبارک کا فرمان عمومی احکام میں یوں ہے: فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ

❶ تفسير ابن كثير جلد ۷، ص ۳۲۵، تفسير القرطبي جلد ۱٦، ص ۲۸۵، تفسير البغوى جلد ٤، ص ۲۰۳، تفسير البحر المحيط جلد ۸، ص ۹۸

شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (التغابن: ١٦)

''سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو اور سنو اور حکم مانو اور خرچ کرو، تمھارے اپنے لیے بہتر ہوگا اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچا لیے جائیں سو وہی کامیاب ہیں۔''

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((ذَرُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ، وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ.))

''تم مجھے اتنی ہی بات پر چھوڑ دو کہ جس پر میں تمھیں چھوڑ دوں۔ اس لیے کہ بلاشبہ تم سے پہلے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے تھے کہ اُنہوں نے اپنے نبیوں سے بہت سوالات کیے اور ان سے بہت اختلافات کرتے رہے۔ پھر جب میں تمھیں کسی بات کا حکم دوں تو اس میں سے جتنا ممکن ہو اتنا بجالاؤ اور جب کسی بات سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔''[1]

(۲)...... بلاشبہ بے بس شخص مجبور آدمی کے حکم میں آتا ہے، اس لیے وہ قابل معذرت ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشادگرامی ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (النحل: ١٠٦)

''جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اپنے ایمان کے بعد، سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور لیکن جو کفر کے لیے سینہ کھول دے تو ان لوگوں پر اللہ کا بڑا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

جناب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے بیٹے محمد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو مشرکوں نے پکڑ لیا اور تب تک انہوں نے نہ چھوڑا حتیٰ کہ عمار نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں کچھ برا بھلا کہہ دیا۔ اور یہ کہ انہوں نے ان کے معبودوں کی کچھ تعریف سی کر دی۔ اور جب عمار رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: عمار! بتایئے پیچھے کی کیا خبر ہے؟ عرض کیا: برائی ہے اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اتنی

[1] دیکھئے: تفسير ابن كثير، ج٢، ص: ٣٤٣، فتح الباري، ج٨، ص: ١١٣، السيرة النبوية في ضوء القرآن والسنة لأبي شهبة، ج٢، ص: ٣٩، تفسير البغوي، ج١، ص: ٤٧٠، تيسير الكريم الرحمن للسعدي بتصرف، ج١، ص: ٣٩٢-٣٩٣، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حديث: ٣٢٥٧، ج٢، ص: ٩٧٥.

دیر تک چھوڑا ہی نہیں گیا جب تک میں نے آپ ﷺ کے بارے میں نازیبا الفاظ نہیں کہہ دیے اور ان کے معبودوں کی کچھ تعریف و توصیف نہ کردی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: عمار! اپنے دل کی حالت کو کیسا پا رہے ہو؟ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! ایمان کے ساتھ بالکل پُر اور مطمئن پاتا ہوں۔ فرمایا: اگر وہ دوبارہ پھر پکڑ کر مجبور کریں تو تو بھی اسی طرح کہہ دینا جیسا اب کی بار کہا ہے۔''❶

(۳)...... اوپر بیان کیے گئے مضمون سے یہ بھی معلوم ہوا کہ: جب بندے اور اس کے رب کی عبادت کے مابین رکاوٹیں حائل کی جارہی ہوں تو پھر وہاں سے ہجرت کر جانا واجب ہوتا ہے۔ یہ حکم ہمیں مذکور بالا آیات کریمہ سے معلوم ہوا اِلَّا یہ کہ بے بس لوگ اس سے مستثنا ہوں گے۔❷

(۴)...... تمام مسلمانوں پر اپنے مومن، مسلمان بھائیوں کو کافروں کے ہاتھوں، ان کی قید سے چھڑانا، نجات دلانا واجب ہے۔ اس طرح ہر مسلمان کو ہر ظالم کی تکلیف سے یا کسی چور اور ڈاکو کی لوٹ مار سے چھڑانا، نجات دلانا لازم ہے۔ یہ حکم ہمیں اوپر بیان کردہ سورۃ النساء کی آیت ۷۵ سے معلوم ہوا۔❸

(۵)...... سورۃ الفتح کی آیت نمبر ۲۵ سے اہل اسلام کے بارے میں احتیاط برتنے کے واجب ہونے کا حکم معلوم ہوا تاکہ کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو انجانے میں تکلیف نہ دی جاسکے۔❹

(۶)...... لفظ ''لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً...... سے معلوم ہوا کہ دشمن کی سختی اور اُس کے ظلم سے بچنے کے لیے ''حیلہ...... تدبیر و بہانہ'' اختیار کرنا جائز ہے۔❺

(۷)...... یہ بھی معلوم ہوا کہ کافروں کی دشمنی مسلمانوں سے نہایت سخت ہوا کرتی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ وہ صرف اپنے کفر پر ہی اکتفاء نہیں کیا کرتے بلکہ ہر اُس شخص کو جو اللہ عزوجل پر پختہ ایمان رکھتا ہو اُسے اُس کے دین سے روک دینے کی پوری کوشش کیا کرتے ہیں۔ جس طرح کہ مکہ میں بے بس قسم کے مسلمان کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ وَ اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ۝﴾

(الانعام: ۲۶)

---

❶ دیکھئے: المستدرك للحاكم جلد ۲، ص ۳۵۷، وقال الحاكم: هذا حديثٌ صحيحٌ على شرط الشيخين و لم يخرجاه.

❷ دیکھئے: الإكليل ص۹۹، تفسير القاسمي جلد ۵، ص ۱٤۹۱ والیسر التفاسیر للجزائری جلد ۱، ص ٤٤٦.

❸ دیکھئے: تفسير القاسمي جلد ۵ ص ۱۳۹۷، السير التفاسير للجزائری جلد ۱، ص ٤۲۸.

❹ السير التفاسير للجزائری جلد٤، ص ۲۸۰.

❺ دیکھئے: ابن قیم رحمہ اللہ کی: بدائع التفسير جلد ۲، ص ۷٤، وإعلام الموقعين جلد ۳، ص ۳۰۸.

''اور وہ اس سے روکتے ہیں اور اس سے دور رہتے ہیں اور وہ اپنے سوا کسی کو ہلاک نہیں کر رہے اور نہیں سمجھتے۔''

(۸)...... مجبور قسم کے مسلمان سے، بعض اُمور میں معافی کے ضمن میں، شریعت مطہرہ، اسلام کا حکم مذکورہ بالا آیات کریمہ سے ملتا ہے، نبی کریم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ .)) ❶

''بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری امت سے انجانے میں غلطی، بھول چوک اور جس کام پر اُن کو مجبور کر دیا جائے اُس پر درگزر فرما رکھا ہے۔''

(۹)...... جس طرح پیچھے بیان کردہ آیات مبارکہ میں مکہ کے مجبور و بے بس لوگوں نے کیا تھا اُسی طرح مصائب ومشکلات آجانے پر مومن آدمی کو اپنے رب کی طرف دعاء واستغاثہ کے ساتھ رجوع کرنا چاہیے۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف یہ جو بات منسوب کی جاتی ہے کہ: جب اُنہیں آگ میں پھینکا جارہا تھا تو اُنہوں نے کہا: ''عِلْمُهُ بِحَالِي يُغْنِيْ عَنْ سُؤَالِيْ'' اللہ عزوجل کا میری حالت کے بارے میں مجھے اُس سے مانگنے سے کافی ہے۔'' تو یہ بات یکسر بے بنیاد اور باطل ہے۔ ❷

(۱۰)...... عنوان مذکور بالا میں بیان شدہ آیات کریمہ سے ''نظریہ وطنیت'' کے مفہوم کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بلاشبہ مومن آدمی کا وطن وہی ہوتا ہے کہ جس میں اللہ کی شریعت کا نفاذ ہو اور جس ملک میں اللہ کی شریعت کا قائم کرنا ممکن نہ ہو تو وہ مسلمان، مومن آدمی کا وطن ہوتا ہی نہیں، اگرچہ وہ اس ملک میں پیدا کیوں نہ ہوا ہو اور اس میں وہ پروان چڑھا ہو۔ ❸

(۱۱)...... جس طرح اللہ عزوجل نے اپنے مومن بندوں کو...... فتح مکہ والے معاملے کو مؤخر کر کے...... ان کے مسلمان بھائیوں کو غلطی سے قتل کرنے سے بچالیا تھا، اسی طرح اللہ رب العالمین اپنے ایمان والے بندوں کو ان امور کے اندر غلطی کے ساتھ واقع ہونے سے بچالیتے ہیں کہ جن اُمور کو اُس نے ان پر واجب کیا ہو۔ یہ اس کی خاص عنایت ہے۔ اور بے بس، مجبور مسلمانوں پر اللہ کریم کی عنایت یہ ہے کہ اس نے ان کو کافروں کے ہاں سے بچالینے، نجات دلانے کو جہاد فی سبیل اللہ کو واجب کرنے والی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ بیان فرمایا ہے۔ ❹

---

❶ سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب المكره والنسي، ج ١، ص ٦٥٩، صححه الألباني في المشكاة، ح: ٦٢٨٤.

❷ دیکھئے: امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب: قاعده جليلة فى التوسل والوسيله ص ٥٦.

❸ دیکھئے: فى ظلال القرآن جلد ٢، ص ٢٠٨.

❹ دیکھئے: تفسير الفخر الرازى جلد ١٠، ص ١٨٧.

(۱۲)...... موضوع مذکور بالا سے اللہ عزوجل کے لیے اپنے وطن کو چھوڑ دینے، ہجرت کر جانے کی فضیلت معلوم ہوئی۔ اس لیے کہ یہ عمل مومن بندے کو اللہ رب العالمین کے قریب کرنے اور گناہوں کی معافی وصفائی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ (آل عمران: ۱۹۵)

''تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی کہ بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت، تمھارا بعض بعض سے ہے۔ تو وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور انھیں میرے راستے میں ایذا دی گئی اور وہ لڑے اور قتل کیے گئے، یقیناً میں ان سے ان کی برائیاں ضرور دور کروں گا اور ہر صورت انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، اللہ کے ہاں سے بدلے کے لیے اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اچھا بدلہ ہے۔''

اسی طرح امامت صغریٰ (نمازوں جیسے اعمال کے لیے امامت) کے لیے بھی ہجرت فی سبیل اللہ فضیلت کا سبب ہوتی ہے۔ سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ، فَإِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِلْمًا...... الخ))[1]

''مسلمان کی امامت وہ کرے جو اُن میں سب سے زیادہ قرآن کا حافظ ہو۔ اگر وہ قرآن کے یاد کرنے میں برابر ہوں تو ان میں سے امامت کا حقدار وہ ہے جو ان سب سے زیادہ سنت کا علم رکھتا ہو۔ اگر وہ سنت کا علم رکھنے میں بھی برابر ہوں تو پھر ان میں سے امامت وہ کرے جو ان میں ہجرت کرنے کے اعتبار سے زیادہ پہلے والا ہو۔ اور اگر وہ ہجرت میں بھی برابر ہوں تو پھر ان میں سے اسلام میں سب سے پہلے والا امامت کا فریضہ سرانجام دے۔''

❀❀❀❀❀❀

[1] صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من أحق بالإمامة، حدیث: ۱۵۳۲، ج۱، ص: ٤٦٥.

(۵)......اللہ رب العالمین کو پکارنے والی ایک صحابیہ کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

زمانۂ جاہلیت میں عورت معاندانہ ہٹ دھرمی اور بدبختی و بدحالی جیسی کئی ایک مشکلات کا سامنا کرتی تھی۔ ان شقاوتوں اور بدبختیوں میں سے بیٹیوں کو زمین میں زندہ دفن کرنا، عورتوں کو ظلم و عداوت کی بناء پر خواہ مخواہ چھوڑے رکھنا اور ان کو ایک ایسی طلاق کے ساتھ معلق کیے رکھنا کہ جس کی کوئی حد نہ ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں اور بھی ان کے لیے بہت ساری تکلیفیں اور مصیبتیں تھیں جن کا وہ سامنا کرتی رہتی تھیں۔

مگر جب نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوگئی اور آپ ﷺ پر قرآن اتارا جانے لگا تاکہ آپ حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیں، ظالم اور مظلوم کے درمیان انصاف کر دیں۔ اور جب عورت کہ جو جاہلیت میں مظلوم تھی اور اس کی اللہ رب العالمین نے مدد فرمائی کہ جو بے انتہا علم و خبر رکھنے والا، نہایت رافت و شفقت والا اور حد درجے تک مہربان ہے......تو اس رب کریم نے عورت ذات کے لیے ان مصائب و مظالم سے نکلنے کے راستے پیدا فرما دیے۔ اور پھر عورت کے لیے اللہ عزوجل کی مدد میں سے اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی کا معاملہ بھی قرآن بن کر نازل ہوا۔ جس کا ذکر اللہ رب قدس نے یوں فرمایا ہے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝﴾ (المجادلہ: ۱)

''یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ کی طرف شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

تُجَادِلُكَ: یعنی اے ہمارے حبیب و خلیل نبی! وہ عورت (خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا) تم سے جھگڑا کر رہی تھی، تم سے بار بار مراجعت کرتی تھی، اپنے معاملے میں تم سے تکرار کرتی تھی۔ [1]

---

[1] تفسیر البغوی جلد ٤، ص ٣٠.

وَتَشْتَكِيْ إِلَى اللّٰهِ: اس فقرے کا عطف، تُجَادِلُكَ پر ہے۔ یعنی وہ بی بی تمہارے ساتھ اے نبی! اپنے معاملے میں تکرار کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل کے ہاں گڑگڑا رہی تھی۔ ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ جب یہ بی بی تم سے اے ہمارے نبی! بار بار مراجعت کر رہی تھی تو اس حال میں وہ اپنے رب سے بھی شکایت کر رہی تھی۔ ❶

يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا: یہاں پر ''يَسْمَعُ'' کا فعل بحالت مضارع آیا ہے۔ ایسی حالت کو طلب کرنے کے لیے کہ جو اللہ عزوجل کے علم کا نبی کریم ﷺ اور خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا آپس میں سوال جواب کرنے کے ساتھ تھا۔ اور یہ کہ اس سوال و جواب کی شان و عظمت کی تعریف کو مزید بڑھانے کے لیے۔

تَحَاوُرَكُمَا: یعنی مُرَاجِعَتَكُمَا الْكَلَامَ: تم دونوں کا گفتگو کو بار بار دہرانا۔ ❷

اس عورت کا تعارف:

آیت مذکور بالا کے سبب نزول میں اس عورت کا نام صحیح اسناد سے ثابت ہے اور یہ تھیں محترمہ خولہ بنت ثعلبہ بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن عوف الانصاریہ رضی اللہ عنہا۔ یہ جناب اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں جو کہ مشہور صحابی رسول جناب عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ اس بی بی محترمہ کے نام کو جاننے میں بھی فضیلت ہے اس لیے کہ قرآن حکیم نے اس کا واقعہ بغیر نام لیے بیان کیا ہے اور اس سورت کا نام ہی سورۃ المجادلہ رکھ دیا گیا ہے۔ یعنی اس بی بی محترمہ کا نبی مکرم ﷺ سے اپنے معاملے میں تکرار کرنا۔ اس عورت کے واقعہ کو قرآن میں بیان کر دینے سے اس کی فضیلت اور شرف و عزت میں نہایت اضافہ ہو گیا ہے۔ رضی اللہ عنہا۔ ❸

واقعہ کی تفصیل:

قرآن کریم نے ہمیں محترمہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ عورت جیسا کہ تعلیقات صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے، خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ہوا یہ کہ اُن کے خاوند اوس رضی اللہ عنہ بن صامت پر دماغی عدم توازن کا اثر تھا۔ ایک مرتبہ انہیں دورہ پڑا تو انہوں نے خولہ رضی اللہ عنہا سے یہ کہہ دیا کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔ اصطلاح میں اسے ''ظہار'' کہتے ہیں اور یہ زمانۂ جاہلیت میں طلاق شمار ہوتا تھا۔ اس کے بعد اوس رضی اللہ عنہ شرمندہ ہوئے اور خولہ رضی اللہ عنہا مسئلہ دریافت کرنے کے لیے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ

❶ دیکھئے: تفسیر ابی السعود جلد ۸، ص ۲۱۵.

❷ دیکھئے: ابن عاشور کی ''التحرير والتنوير'' جلد ۲۸، ص ۹، وتفسير البغوی جلد ٤، ص ۳۰٤.

❸ دیکھئے: الطبقات الكبرى، ج۸، ص: ٥٤٧، تفسير الطبري، ج۲۸، ص: ۱، الاستيعاب، ج٤، ص: ۲۸۲، الإصابة، ج٤، ص: ۲۸۲، بصائر ذوي التمييز، ص: ٤٥٦.

نے کوئی خاص حکم نازل نہیں فرمایا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہوگئی۔ اب تم دونوں کیونکر مل سکتے ہو۔ وہ شکوہ اور آہ و زاری کرنے لگیں۔ کبھی رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتیں۔ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! انہوں نے مجھے طلاق تو نہیں دی۔'' اور کبھی آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہتیں۔ میرے اللہ! اب میں کیا کروں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ انہیں اگر ان کے باپ کو دے دوں تو وہ برباد ہو جائیں گے اور اگر نہ دوں تو انہیں کہاں سے کھلاؤں گی؟ الغرض اسی طرح روتی پیٹتی رہیں اور یہ کہتی رہیں کہ میری جوانی تو ان کے پاس گزری، اب بڑھاپا لے کر کہاں جاؤں گی؟...... نبی کریم ﷺ خاموشی سے ان کی باتیں سنتے رہے۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیتیں لے کر نازل ہوئے اور خولہ رضی اللہ عنہا کی برکت سے رہتی دنیا تک تمام عورتوں کا بھلا ہو گیا۔

مسند ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین جناب عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب اپنی خلافت کے زمانہ میں سوار کہیں جا رہے تھے کہ ایک بڑھیا نے سواری روک لی اور آپ خاصی دیر تک توجہ سے اس کی باتیں سنتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اس کی ضرورت پوری ہوگئی، تو وہ چلی گئی۔ لوگوں نے عرض کیا۔ ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! یہ کیا ہوا کہ ایک بڑھیا کے روکنے پر آپ رک گئے اور آپ کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی رکنا پڑا۔'' فرمایا! ''جانتے ہو کہ یہ بڑھیا کون تھی؟'' لوگوں نے کہا ''نہیں۔'' فرمایا۔ یہ خولہ رضی اللہ عنہا بنت ثعلبہ تھی جس کی فریاد اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں سے سنی۔ بھلا عمر کی کیا مجال تھی کہ اس کی بات نہ سنتا۔ اگر وہ مجھے صبح تک بھی روکے رکھتی تو میں رکا رہتا اور درمیان میں صرف نماز ادا کرنے کے لیے جاتا۔'' (ابن کثیر) [1]

تو اس طرح اللہ عزوجل نے محترمہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی شکایت کو سن کر ان کی دعا کو قبول کر لیا۔ اور ان کے خاوند اوس بن صامت رضی اللہ عنہ پر کفارہ ظہار کو مشروع کر کے اس کے لیے آسانی کا راستہ پیدا فرما دیا تاکہ وہ پہلے کی طرح اپنے خاوند کے ساتھ زندگی گزار سکے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ کریم نے تا قیامت مسئلہ ظہار کے احکام بیان فرما دیے۔

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ

[1] المستدرك للحاكم، ج٢، ص: ٤٨١، وقال الحاكم: صحيح الإسناد: ووافقه الذهبي، ومسند الإمام أحمد، ج٦، ص: ٤٦، وأسباب النزول للواحدي، ص: ٤٧١، ولباب النقول للسيوطي، ص: ٢٠٦، ورواه البخاري تعليقاً، وليس فيه قصة خولة، صحيح البخاري مع الفتح، كتاب التوحيد، باب "وكان الله سميعا بصيرا"، ج١٣، ص: ٣٨٥.

وَزُورًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ○ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَآءِ هِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ۚ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○﴾ (المجادلہ: ۱ تا ٤)

''یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ کی طرف شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ وہ لوگ جو تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں ان کے سوا کوئی نہیں جنھوں نے انھیں جنم دیا اور بلاشبہ وہ یقیناً ایک بری بات اور جھوٹ کہتے ہیں اور بلاشبہ اللہ یقیناً بے حد معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔ اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اس سے رجوع کر لیتے ہیں جو انھوں نے کہا، تو ایک گردن آزاد کرنا ہے، اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یہ ہے وہ (کفارہ) جس کے ساتھ تم نصیحت کیے جاؤ گے، اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، پوری طرح باخبر ہے۔ پھر جو شخص نہ پائے تو دو پے درپے مہینوں کا روزہ رکھنا ہے، اس سے پہلے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، پھر جو اس کی (بھی) طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

سیّدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب ظہار کا یہ حکم نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''جاؤ اپنے خاوند سے کہو کہ ایک غلام آزاد کرے۔'' خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ غریب ہے اور اس کے لیے غلام آزاد کرنا ممکن نہیں ہے۔'' فرمایا۔ ''تو اسے چاہیے کہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے۔'' خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ ''اللہ کی قسم وہ بہت بوڑھا ہے۔ روزے رکھنے کی اس میں طاقت نہیں۔'' فرمایا۔ ''تو اسے چاہیے کہ ایک وسق کھجوریں ساٹھ مسکینوں کو کھلائے۔'' خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ ''اس کے لیے ایسا کرنا بھی ممکن نہیں۔'' فرمایا۔ ''اچھا، تو میں ایک عرق (پیمانہ) کھجوریں دے کر اس کی مدد کروں گا۔'' خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ ایک عرق میں دوں گی۔'' فرمایا تم نے بہت اچھا کیا۔ جاؤ، اتنی کھجوریں اس کی طرف سے صدقہ کر دو اور اپنے چچا کے لڑکے (یعنی اپنے شوہر) سے اچھا برتاؤ کیا کرو۔'' (فتح القدیر بحوالہ بیہقی۔ ابن مردویہ وغیرہ)

قصہ مذکور بالا سے مستفاد احکام و دروس:

(۱)......حق کو غالب کرنے اور حق کے ارادے کو طلب کرنے کے لیے مجادلہ و تکرار کے جواز کا حکم ہمیں اس قصہ سے معلوم ہوا۔ ❶

(۲)......اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت اپنے خاوند کی شکایت حاکم وقت کے پاس کر سکتی ہے اور یہ اُس وقت کہ جب وہ اس کو کوئی دکھ پہنچائے یا اس پر کوئی ظلم کرے۔ جیسا کہ خولہ بنت ثعلبہ کے بارے میں اللہ نے فرمایا: تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا.

(۳)...... یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کسی انتہائی اہم ضرورت کے لیے اپنے گھر سے نکل سکتی ہے۔ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا اپنی ضرورت کے لیے اپنے گھر سے نکل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے اس نکلنے کو جائز سمجھتے ہوئے اُس پر خاموشی اختیار فرمائی تھی۔

(۴)......کلمہ تُجَادِلُكَ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت اپنی شرعی ضرورت کے لیے کسی غیر محرم سے مخاطب ہو سکتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی خولہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہونے پر ملامت نہیں کی۔

(۵)......سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر ا میں مذکور: وَتَشْتَكِيْٓ إِلَى اللّٰهِ اور آخر میں إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ سے اللہ عزوجل کے پاس اپنی شکایت کرنے کا جواز، ترغیب اور سبق ملتا ہے۔ آیت کریمہ کے آخری الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو بھی مومن، مسلمان آدمی اپنے رب کے ہاں خشوع و خضوع سے اپنی درخواست اور شکوہ، شکایت پیش کرے گا، اللہ کریم اس کی مناجات کو سنتا بھی ہے اور جو وہ پیش کر رہا ہوتا ہے اس کا اللہ کریم پورا پورا علم بھی رکھتا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ کریم اُس کے شکوہ و دعا کو سن کر اس کی مصیبت کو زائل کر دیں گے۔ ❷

اللہ رب العالمین جنابِ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿قَالَ إِنَّمَآ أَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ إِلَى اللّٰهِ وَ أَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○﴾

(یوسف: ۸۶)

''اس نے کہا میں تو اپنی ظاہر ہو جانے والی بے قراری اور اپنے غم کی شکایت صرف اللہ کی جناب میں کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''

---

❶ دیکھئے: ابن العربی رحمہ اللہ کی: احکام القرآن جلد ٤، ص ١٧٤٦.

❷ دیکھئے: تفسیر البغوی جلد ٤، ص ٣٠٤، تیسیر الکریم الرحمٰن للسعدی جلد ٥، ص ١٨٩.

(۶)......سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر۳ سے اس شخص پر ظہار کے کفارہ کا حکم بھی معلوم ہوا۔ یعنی وہ شخص کہ جو اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھے وہ اس کو ہاتھ لگانے، جماع کرنے سے پہلے اس کا کفارہ ادا کرے۔ یہ وہ حکم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سیّدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کے پس منظر میں اسی سورۃ کی آیت نمبر۳ میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌo﴾ (المجادلہ: ۳)

''اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اس سے رجوع کر لیتے ہیں جو انھوں نے کہا، تو ایک گردن آزاد کرنا ہے، اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یہ ہے وہ (کفارہ) جس کے ساتھ تم نصیحت کیے جاؤ گے، اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، پوری طرح باخبر ہے۔''

(۷)......مومن آدمی جب ایسے کسی معاملے میں پھنس جائے کہ جس سے گلوخلاصی کے بارے میں وہ کوئی جانکاری نہ رکھتا ہو تو اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس سے نکلنے کی راہ کو تلاش کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اہل علم سے دریافت کرے جیسا کہ محترمہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا۔ اور اللہ عزوجل کا فرمان بھی ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَo﴾ (النحل: ۴۳)

''اور ہم نے تجھ سے پہلے نہیں بھیجے مگر مرد، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ سو ذکر والوں سے پوچھ لو، اگر تم شروع سے نہیں جانتے۔''

(۸)......جس طرح اللہ کریم نے سیّدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی دعا قبول فرمائی تھی اسی طرح وہ اپنے اولیاء (دوستوں) کی دعاؤں کو سنتا، ان کی تکلیفوں کو دور کرتا اور ان کی ضرورتوں کو پوری کرتا ہے۔ اسی طرح جو مومن آدمی اللہ عزوجل پر توکل کرتا اور اپنے دکھ، غم کی شکایت اُسی سے کرتا ہے اللہ رب العالمین اس کے غم کے بارے میں کافی ہو جاتے ہیں۔ جس طرح اُس رب کریم نے سیّدہ خولہ رضی اللہ عنہا کے غم کو دور فرمایا تھا۔ ❶

❀❀❀❀❀❀

---

❶ دیکھئے: فی ظلال القرآن ج۶، ص ۳۵۰۵، وایسر التفاسیر للجزائری ج ۴، ص۴۲۶، وتفسیر الفخر الرازی ج ۲۹، ص ۲۵۱.

فصل ثالث:

اس میں ایک احمق عورت کا واقعہ مذکور ہے

(۱)......ایک احمق، بیوقوف عورت کا واقعہ

واقعہ کا داخلی دروازہ:

وقت ہی تو انسان کے لیے جینے کا عرصہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہر عقل مند آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے دین اور دنیا کے سب اُمور میں اس سے ایسا فائدہ اٹھائے جو اس کے لیے نفع بخش ہو۔ اس کو چاہیے کہ وہ وقت کو کھیل کود اور بے کار کاموں میں صرف نہ کرے، جس طرح بے وقوف اور جاہل قسم کے لوگ کرتے ہیں۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ .)) ❶

''دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کی قدر نہیں کرتے، صحت اور فراغت۔''

قرآن عظیم میں ہمارے لیے ایک بیہودہ کار، بے وقوف عورت کا واقعہ بیان کیا ہے کہ جو اپنی حالت میں جہالت کی اتھاہ گہرائی میں گر چکی تھی۔ حافظ محمد بن حبان البستی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جاہل کو اُس کے پہلے درجہ میں ''المائق...... کسی بات پر نہ جمنے والا'' کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسی ڈگر پر چلتے ہوئے وہ: ''الرَّقِيْعُ...... بے وقوف'' بن جاتا ہے۔ پھر وہ ''اَلْأَنُوْكُ...... اکھڑ دماغ'' ہو جاتا ہے اور آخر میں: ''اَلْاَحْمَقُ'' ❷

اس عورت کا واقعہ قرآن مجید میں ایک ہی مقام پر ذکر ہوا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۚ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۝﴾ (النحل: ۹۲)

---

❶ صحيح البخاري مع الفتح، كتاب الرقاق، باب ما جاء في الرقاق وأن لا عيش إلا عيش الآخرة، ج ۱۱، ص: ۲۳۳، حديث: ۶۴۱۲.

❷ دیکھیے: روضة العقلاء ونزهة الفضلاء، ص ۱۷.

''اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا، تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان فریب کا ذریعہ بناتے ہو، اس لیے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھی ہوئی ہو، اللہ تو تمھیں اس کے ساتھ صرف آزماتا ہے اور یقیناً قیامت کے دن وہ تمھارے لیے ضرور واضح کرے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

نَقَضَتْ: توڑ ڈالا۔ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔کسی رسی، دھاگے وغیرہ کو توڑنے کے معنی میں آتا ہے۔اس کے برعکس ہوتا ہے: الاِبْرامُ

غَزْلَهَا: یعنی اُون یا روئی کا سوت۔ یہ لفظ مصدر بمعنی مغزول ہے۔کاتا ہوا سوت۔

مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ: یعنی مضبوط کر لینے (بٹنے اور درست کر لینے) کے بعد۔بمعنی ابرام...... مضبوط و مستحکم کرنا۔

اَنْكَاثًا: ٹکڑے ٹکڑے، ریزہ ریزہ۔ ہر وہ چیز کہ جسے بٹ لینے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے وہ اَنْکاثٌ ہو جاتی ہے۔اس کا واحد: نِکْثٌ آتا ہے۔ چاہے رسی ہو یا سوت۔ [1]

آیت مذکور بالا میں بیان شدہ عورت کا تعارف:

آیت مذکور بالا میں بیان شدہ عورت سے مراد کہ جو اپنا سوت مضبوط، درست بنا لینے کے بعد اُسے توڑ دیتی تھی، کون سی عورت ہے؟ اس میں مفسرین کرام کے دو اقوال ہیں:

(ا)...... یہ مکہ میں کوئی معروف عورت تھی اور اس کے نام میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا نام ریطہ بنت عمرو بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم تھا۔ [2]

امام بلاذری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ اسد بن عبدالعزی بن قصي کی والدہ تھی۔ اور اس کا نسب یوں تھا: ابنۃ سعد بن تمیم بن مرہ۔ [3]

ابوبکر بن ابوحفص کہتے ہیں: یہ سعیدہ الاسدیہ تھی۔ جبکہ عبداللہ بن کثیر اور امام سدی کہتے ہیں: یہ مکہ کی ایک بے ہنر عورت تھی جو دست کاری اچھے طریقے سے نہیں جانتی تھی۔ [4]

---

[1] المفردات للراغب، ص: ٥٠٤، لسان العرب، ج١١، ص: ٤٩٢، التحرير والتنوير لابن عاشور، ج١٤، ص: ٢٦٥، الصحاح للجواهري، ج٥، ص: ١٧٨١، تفسير الطبري، ج١٤، ص: ١٦٥، تأويل مشكل القرآن، ص: ٣٨٦۔ ٣٨٧، معاني القرآن للفرّاء، ج٢، ص: ١١٢، تفسير الطبري، ج١٤، ص: ١٦٦، تذكرة الأريب في تفسير الغريب، ج١، ص: ٢٩٧، وانظر: تفسير المشكل من غريب القرآن، ص: ١٣٣۔ [2] دیکھئے: فتح الباری جلد ٨، ص ٢٣٨، ٢٣٩۔

[3] ایضًا والتعريف والإعلام للسهيلي ص٩٥۔ [4] دیکھئے: لباب النقول ص ١٣٤، تفسیر الطبری جلد ١٦، ص١٦٥، وفتح الباری جلد ٨، ص ٢٣٩ و تفسیر ابن کثیر جلد ٤، ص ٥١٨۔

ابن عاشور کہتے ہیں: اس عورت کے اپنے اس احمقانہ عمل میں مشہور ہونے کی وجہ سے اسے عہد معاہدے کو توڑنے کے ساتھ ایک تعلق تشبیہی کی بنا پر بیان کیا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ اس تعلق کا مضمون اس تمثیل میں حال مشبہ بہ ہے۔ اس لیے قرآن حکیم نے ایسی مثالوں میں کسی بھی معروف نام کو بیان نہیں کیا۔ مگر صرف اس کے نام کو جو کسی امر عظیم کے ساتھ مشہور ہو جائے۔ جیسے کہ جالوت اور قارون کا نام بیان کیا ہے۔ ❶

(ب)...... دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صرف ایک مثال ہے ہر اُس شخص کے لیے جو اپنے معاہدہ کو پکا کرنے کے بعد توڑ ڈالے۔ یہ امام مجاہد، امام قتادہ، ابن زید اور ان کے اس قول کو قبول کرنے والے آئمہ تفسیر ابن کثیر، ابو حیان اور آلوسی رحمہم اللہ جمیعاً کا قول ہے۔ ❷

اس ضمن میں ہمیں جو بات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ یہ آیت کریمہ ہر اُس شخص کے بارے میں ایک مثال بیان کر رہی ہے کہ جس کی عادت وصفت اس طرح کی ہو۔ جہاں تک ہمیں علم ہے کوئی ایسی مثبت دلیل کتابوں میں موجود نہیں ہے کہ جو تعین کرے کہ یہ آیت کسی فلاں خاص عورت کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور وہ مکہ کی یہی مشہور عورت ہی تھی۔ البتہ آیت کریمہ کے مفہوم ومعنی میں ہم اُس عورت کا واقعہ بیان کیے دیتے ہیں۔ (مگر مراد اس سے تمثیل ہی ہے۔) واللہ اعلم بالصواب

واقعہ کی تفصیل:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت مذکور بالا میں اس بے وقوف عورت کا ذکر فرمایا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ یہ عورت سوت کاتا کرتی تھی۔ اسے مضبوط بٹ لینے کے بعد تار تار کر دیا کرتی تھی۔ ❸ بعض مفسرین نے اس خبر کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ مکہ میں ایک عورت تھی اور یہ دل کے وسوسوں کی بیماری میں مبتلا ایک بے وقوف عورت تھی۔ اس نے ایک ہاتھ برابر کاتنے والا چرخہ، انگلی کی مانند ایک تکلا اور چرخے کا بڑا سا دکڑا کہیں سے لیا تھا۔ وہ اس پر اُون یا اونٹ کے بالوں یا کپاس کا دھاگہ کاتا کرتی تھی۔ وہ اپنی ہمسایوں کو بھی سوت کاتنے کا حکم دیتی۔ اس کی ہمسائیاں صبح سے دوپہر تک سوت کاتتیں۔ جب دوپہر، نصف النہار ہو جاتا تو وہ ان سب کو حکم دیتی کہ جو انہوں نے کاتا ہے وہ سب کا سب توڑ ڈالیں، تار تار کر دیں۔ چنانچہ وہ سوت جو ایک اٹی کی شکل میں ہوتا اسے وہ توڑ کاٹ کر کئی چھوٹے چھوٹے دھاگے بنا دیتی اور اسے اسی حالت میں کر دیتی کہ جو کاتنے

---

❶ التحریر والتنویر جلد ١٤، ص ٢٦٤.

❷ تفسیر الطبري، ج ١٤، ص: ١٦٦، فتح الباري، ج٨، ص: ٢٣٩، تفسیر ابن کثیر، ج٤، ص: ٥١٨، تفسیر البحر المحیط، ج٥، ص: ٥٣١، روح المعاني، ج١٤، ص ٢٣١.

❸ دیکھئے: تفسیر القرطبی جلد ١٠، ص ١٧١.

سے پہلے ہوتا۔ تو یہ تھی اُس کی عادت۔ [1]

درس ونصائح:

۱......: اللہ عزوجل کے فرمان گرامی: وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا.... سے معلوم ہوا کہ کسی بات کو سمجھانے کے لیے کوئی تشبیہ دینا وعظ ونصیحت کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔

۲......: آدمی جب عقلمند لوگوں کی مخالفت کرنے لگے تو وہ مذمت وتشہیر کا نشانہ بن جاتا ہے۔ یہ بات اس عورت کی مثال سے حاصل ہوتا ہے۔

۳......: بلاشبہ کاتنا، بنائی کڑھائی اور سلائی وغیرہ جیسے کام ایسے افعال ہیں کہ ممکن ہے عورت ان کو باسلوب احسن سرانجام دے دے اور اس بارے میں اسے کوئی شرم بھی نہیں اٹھانا پڑے گی۔ قرآن حکیم نے سوت کو کاتنے کے بعد تار تار کر دینے کو برا جانا ہے جبکہ بذاتہ کاتنے کو برا نہیں کہا۔

۴......: کسی وجہ جواز کے بغیر کسی بھی نفع بخش عمل کو خراب کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ بات ہمیں اس عورت کے بارے میں قرآن کی مذمت سے معلوم ہوتی ہے کہ جس کا کام خراب تھا۔

۵......: اس عورت کی حالت کے مشابہ کسی عمل کو اختیار کرنے کی ممانعت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہل ایمان کو بے وقوفوں کی حالت سے مشابہت اختیار کرنے سے خبردار کیا گیا ہے۔

۶......: جب کسی عادت بد سے خبردار کرنا مقصود ہو تو پھر اس عادت والے کا نام بیان کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی عادتِ سیئہ کو اس کا نام لیے بغیر بیان فرمایا ہے۔

۷......: قرآن حکیم کے ان الفاظ ''مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ'' سے کسی کام کے پختہ ومضبوط ہونے کی تعریف معلوم ہوتی ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ إِذَا عَمِلَ أَحَدُكُمْ عَمَلًا أَنْ يُتْقِنَهُ'' ''بلاشبہ اللہ عزوجل اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص جب کوئی کام، عمل کرے تو وہ اس کو نہایت مہارت اور پختگی سے کرے۔'' اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ'' ''بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز میں احسان (اسے اچھے طریقے سے سرانجام دینا) فرض کیا ہے۔'' [2]

---

[1] تفسير البغوي، ج۳، ص۸۲، وتفسير الخازن، ج٤، ص: ۱۱۱، ۱۱۲، وزاد المسير لابن الجوزي، ج٤، ص: ٤٨٥، وتفسير البحر المحيط، ج٥، ص: ٥٣٥، وفتح الباري، ج٨، ص: ٢٣٨، ٢٣٩، والتحرير والتنوير لابن عاشور، ج١٤، ص: ٢٦٥ بتصرف.

[2] ذكره الهيثمي في مجمع الزوائد، ج٤، ص: ٩٨، وقال رواه أبو يعلى وفيه مصعب بن ثابت وثَّقه ابن حبان وضعَّفه جماعة. وصحَّحه الألباني في السلسلة الصحيحة، ج٣، ص: ١٠٦، ح: ١١١٣، وعزاه للبيهقي.

اختتامی وضاحت وگزارش

تمام طرح کی حمد وثنائے جمیل اس یکتا وتنہا اللہ رب العالمین کے لیے ہے کہ جس کے انعام وتوفیق کے ساتھ تمام اچھے کام اختتام پذیر ہوتے ہیں۔ والصلاۃ والسلام علی سیّد المرسلین محمد النبی الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین امابعد! زیرمطالعہ موضوع کے حوالے سے چند ایک اہم باتیں عرض گزار کرنی ہیں:

(۱)...... ہماری اس کتاب ''قرآن میں عورتوں کے واقعات اور ان سے مستفادہ احکام ودروس'' سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن حکیم میں عورتوں کے کل اٹھائیس واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ تعداد اُس تعداد سے کتنی ہی زیادہ ہے کہ جسے قرآن میں عورتوں کے واقعات پر مشتمل کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔

(۲)...... قرآن کریم میں اتنی بڑی تعداد کے اندر عورتوں کے واقعات کو بیان کیے جانے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن عورتوں کے ساتھ کس قدر عنایت کرتا ہے اور وہ بھی اس حیثیت سے کہ اس نے عورتوں کے لیے ان واقعات کو بیان کیا تاکہ وہ ان واقعات سے مستفاد احکام ودروس اور نصیحت کی باتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں تاکہ وہ اپنی دنیاوی زندگی کو نور وبصیرت والی راہ پر چلاتے ہوئے بہتر گزار سکیں۔

(۳)...... اسی طرح اس موضوع سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ان واقعات سے نئے اور پرانے تمام علماء اُمت نے احکام ودروس اور نصیحتیں مستنبط کرنے کی طرف پوری توجہ مبذول رکھی ہے۔

(۴)...... اسی طرح ہمیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آدمی جب قرآن کریم کی آیات پر تدبر کرے اور ان پر بصیرت کی نگاہ ڈالے تو وہ ان سے بہت زیادہ علوم حاصل کرتے ہوئے ان سے فوائد اور ان آیات میں پوشیدہ عظیم اسرار کو مستنبط کرسکتا ہے۔

(۵)...... (مصنف کہتے ہیں:) اس موضوع پر ریسرچ کے دوران مجھے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان واقعات کو بیان کرنے میں سب سے بہترین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی کتاب ''قصص الانبیاء'' ہے۔ علامہ موصوف رحمہ اللہ واقعہ کو نہایت بلند ادبی اسلوب میں پیش کرتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ اسرائیلی روایات کو بیان کرنے سے توقف اختیار کرتے

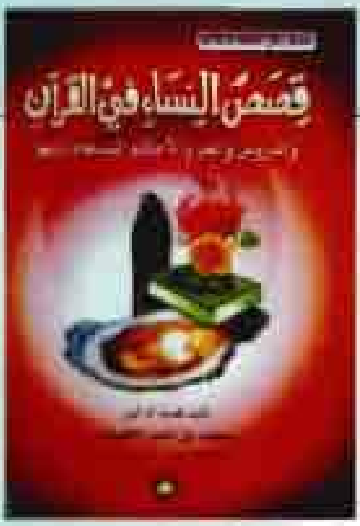
ہیں۔ بلکہ بسا اوقات ان پر تنقید کرتے ہوئے واقعات سے متعلق وارد صحیح اور ضعیف روایات و احادیث کے بارے میں خبردار کرتے جاتے ہیں۔

(۶)...... اپنے اس موضوع کی تحقیق و ریسرچ کے دوران میں نے یہ بھی معلوم کیا کہ بعد والے علماء کی کتابوں میں مذکور دروس واحکام اور نصیحتوں کے ذکر کا اہتمام زیادہ تر پہلے والے علماء عظام کی کتب سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ شیخ عبدالرحمٰن بن سعدی کی کتاب "تیسیر اللطیف المنّان" اور شیخ ابوبکر الجزائری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "ایسر التفاسیر" میں ہے۔

(۷)...... آخر میں یہ بھی عرض کرنا چاہیں گے کہ موضوع زیر مطالعہ کی اتباع میں پیش کیا جانے والا ایک اور موضوع بھی ہے جو کہ تحقیق و ریسرچ، پڑھے جانے اور لکھے جانے کے لائق ہے۔ اور وہ ہے: "اسباب نزول کے تناظر میں عورتوں کے واقعات اور ان سے مستفاد دروس اور نصائح" تاکہ ایک مسلمان عورت کے لیے ان سے بہت ہی عظیم فائدہ ہو اور وہ ان دروس ونصائح سے اپنے لیے اسلام کا اہتمام دیکھ سکے۔ اس حیثیت سے کہ قرآن حکیم کی بعض آیات کریمہ ان عورتوں کے سبب سے انہیں کے لیے نازل ہوئی تھیں۔ اللہ ہی توفیق دینے والا اور سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

❀❀❀❀❀❀



اس کتاب میں

أ۔۔۔ کتاب ہذا کو مسلم طالبات کے لیے بالخصوص اور باقی تمام خواتین کے لیے بالعموم اس نظریے کے تحت لکھا گیا ہے کہ وہ اس کتاب میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کی مومن وصالحہ بندیوں کی سیرتوں اور ان کے واقعات کے مطالعہ سے اپنا آئیڈیل دنیا کی عظیم ترین ان خواتین محترمات کو بنائیں، تاکہ وہ خود بھی دوسروں کے لیے ایک "صالحہ مسلمان خاتون" کی حیثیت سے بہترین نمونہ بن سکیں۔

ب۔۔۔ ٹیلیوژن کے سامنے بیٹھ کر یا جھوٹے قصے کہانیاں پڑھ کر اپنا وقت برباد کرنے والی مسلم خواتین اور مومن ومسلم طالبات کے لیے اس کتاب میں دلچسپ واقعات بھی ہیں اور اردو ادب کے لیے بہترین عبارتیں اور اسباق ودروس بھی۔ اس لیے کہ اردو ترجمہ میں ادبی چاشنی کا لحاظ خوب رکھا گیا ہے۔

ج۔۔۔ کتاب ہذا میں "اللہ عزوجل کی مومنہ وصالحہ بندیوں" کے ساتھ ساتھ کچھ بد اخلاق وبدکردار اور بیوقوف، کم عقل عورتوں کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں تاکہ مسلمان خواتین اپنے نہایت اچھے اسلامی سیرت والے لباس کو اس طرح کے اوچھا پن، بے قوفی وبدکرداری اور بداخلاق والے بدنما دھبوں سے بچا سکیں۔

د۔۔۔ قرآن حکیم نے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے بھی واقعات بیان کیے ہیں تاکہ مسلمان عورتیں اپنی اصلاح کے لیے ان واقعات سے نصیحت حاصل کریں۔ قرآن عظیم، اللہ رب العرش الکریم کی وہ کتاب ہے کہ جس کے سچا ہونے میں شک کرنے والا قطعاً مسلمان نہیں ہوتا۔ اس لیے اردو جاننے، سمجھنے اور پڑھنے پڑھانے والی مسلمان خواتین اور بچیوں کو کتاب ہذا میں درج واقعات وقصص سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں بار بار پڑھنا چاہیے اور اس کتاب کو آگے پھیلانا چاہیے۔ کیونکہ اس کتاب میں درج سبھی واقعات اللہ عزوجل کی سچی کتاب قرآن عظیم سے لیے گئے ہیں۔